فتاویٰ ملک العلما
ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ
ترتیب و تقدیم
ساحل سہسرامی (علیگ)
مرتب اعزازی
نبیرۂ ملک العلما ڈاکٹر طارق مختار
ترغیب و تشویق
پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے
ایڈیٹر جہانِ رضا لاہور

نام کتاب: نافع البشر فی فتاوی ظفر (۱۳۴۹ھ)

فتاوی ملک العلماء (۲۰۰۵ء)

مصنف: ملک العلماء الشاہ محمد ظفر الدین رضوی قادری (م ۱۹۶۲ء)

موضوع کتاب: فتاوی بہ فقہ حنفیہ

سال تصنیف: ۱۳۴۹ھ

سال طباعت: ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء

ترتیب وتقدیم: علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)

ترغیب وتشویق: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

مقدمہ وکلمات تکریم: ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ)

ناشر: ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی۔ المجمع الرضوی بریلی شریف

تعداد: ۱۱۰۰

صفحات: ۵۱۲

قیمت: ۳۰۰ روپے

المجمع الرضوی: ۱۸۲ محلہ سوداگراں بریلی شریف

مکتبہ نعیمیہ: مٹیا محل جامع مسجد دہلی

کتب خانہ امجدیہ: ۴۲۵ مٹیا محل جامع مسجد دہلی

مکتبہ نبویہ: گنج بخش روڈ لاہور پاکستان۔

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا: ریگل چوک کراچی پاکستان

پاکستان میں رابطہ آفس

مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

0300-4235658

شرف انتساب

فقہائے احناف خصوصاً

☆ سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ
☆ عطائے رسول خواجہ سید معین الدین حسن چشتی حنفی رضی اللہ عنہ
☆ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری حنفی قدس سرہٗ
☆ فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی حنفی علیہ الرحمہ

کی بارگاہِ قدس میں نذر گدایانہ

چہ از صفائے ارادت زنم بمہر تو دم
ضمیر پاک ، دل روشنت گواہِ من است

گدائے بے نوا

ساحل

تقریظ جلیل

تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری

قائم مقام مفتیٔ اعظم ہند، بریلی شریف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش نظر فتاویٰ ملک العلما حضرت علامہ شاہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کے ہیں۔ حضرت ملک العلما میرے جد امجد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کے خاص فیض یافتہ تلمیذ، مسترشد اور خلیفہ ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی اعلیٰ حضرت کے مسلک عشق ومحبت یعنی سنیت کی ترویج واشاعت میں گذاری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی حضرت ملک العلما کے ساتھ ہمیشہ خصوصی شفقت کا معاملہ رکھا۔ اپنے مشہور قصیدہ ''الاستمداد'' میں فرماتے ہیں ؎

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

آج ملک العلما کے مرتب فتاویٰ دیکھ کر دل ودماغ میں ان کی یاد پھر سے تازہ ہوگئی اور دل کو بے حد مسرت کا احساس ہوا۔ اپنی عالالت کے سبب اس مجموعۂ فتاویٰ کو خود تو پڑھ نہ سکا لیکن ان فتاویٰ کے مرتب عزیز القدر مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہسرامی سلمہ سے کچھ اقتباسات اور ذیلی عنوانات سنے۔ جس قدر فتاویٰ میں نے سنے، خوب ہیں۔ مرتب نے مجھے بتایا کہ بیشتر فتاویٰ اس دور کے ہیں، جب ملک العلما بریلی شریف میں قیام رکھتے تھے۔ حضرت ملک العلما کے چھ گراں قدر فقہی رسالے بھی اس میں شامل ہیں جو اس مجموعے کی افادیت کو دوچند کرتے ہیں۔

ملک العلما کے ان چند منتشر فتاویٰ کو مرتب سلمہٗ نے بہت کاوش سے مرتب کیا ہے اور اس پر ایک مبسوط تقدیم بھی تحریر کی ہے جو فقہ کی تعریف، تاریخ وغیرہ اور ملک العلما کی فقاہت کے گوشوں کو محیط ہے۔ یہ تقدیم بہت معلوماتی اور شائقین فقہ کے لیے کار آمد ہے۔

اللہ تعالیٰ مرتب موصوف کو اس فقہی خدمت پر جزائے خیر دے اور دین وسنیت کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجموعۂ فتاویٰ کو مقبول عام اور مفید انام بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الفقیر محمد اختر رضا القادری الازہری غفرلہ

کلمات تکریم

پروفیسر مختار الدین احمد
وائس چانسلر مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی، پٹنہ
وسابق صدر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

والد ماجد ملک العلما حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ علم و فضل، زہد و تقویٰ میں معاصرین ایک ممتاز شناخت رکھتے تھے۔ انہیں یہ امتیاز بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا اور اس کے حصول میں ان کے مربی اور مرشد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بابرکت صحبت اور تربیت کا خاص دخل تھا۔ فاضل بریلوی کی ممتاز ترین شناخت ان کی فقاہت اور فتویٰ نویسی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی بیشتر تصانیف کسی نہ کسی استفتا کا جواب ہیں۔ اس لئے والد ماجد بھی ان کے فیض یافتہ ہونے کی وجہ سے فقاہت کا خاص رنگ اور فتویٰ نویسی کی گہری بصیرت رکھتے تھے۔ دنیا انہیں ایک ماہر ہیئت داں، محدث، خطیب اور مناظر کی حیثیت سے پہچانتی رہی لیکن ان کی فقیہانہ بصیرت کی روشن دستاویز باضابطہ طور سے آج پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہے۔

والد ماجد علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی کا آغاز اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ ان کا سال فراغ ۱۳۲۵ھ ہے اور انہوں نے پہلا فتویٰ ۸ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو تحریر فرمایا، جب وہ فاضل بریلی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر درس حدیث لینے اور فتویٰ نویسی سیکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد ماجد کی علمی مصروفیات میں گوناگوں اضافہ ہو گیا لیکن فتویٰ نویسی سے رشتہ اخیر دم تک قائم رہا، گرچہ وقفے کے ساتھ ہی سہی۔ لیکن قیام بریلوی کے ابتدائی سالوں کے علاوہ دنوں کے فتاویٰ کی نقلیں محفوظ نہ رکھی جا سکیں۔ اس میں ملک العلما کی نقل مکانی کا دخل رہا۔ وہ بریلی اور پٹنہ دو جگہ ہی زیادہ رہے، ورنہ اور سالوں میں قریب قریب سیمابی کیفیت رہی۔ بعد کے زمانے کے صرف وہی فتاویٰ محفوظ رہ سکے جو کتاب اور رسالے کی صورت اختیار کر گئے۔ چنانچہ زیر نظر مجموعے میں بھی شامل کئی رسائل بعد کے زمانوں کی یادگار ہیں۔

والد ماجد کے فتاویٰ کے دو رجسٹر ناچیز نے اپنے ذوق و شوق سے نو عمری کے زمانے میں نقل کئے تھے جب میں عربی فارسی کی ابتدائی درجات کا طالب علم تھا اور ہنوز مدرسے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی صفحات میں حضرت ملک العلما نے جابجا اپنے قلم سے اصلاحات دی ہیں۔ جہاں جہاں مجھ سے الفاظ اور جملے نہیں پڑھے گئے، وہاں میں نے سادہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ بعد میں جب شعور پختہ ہوا اور ان مقامات کی درستگی کی جانب توجہ کی تو والد ماجد کے دست مبارک کا تحریر فرمودہ اصل مسودہ مجھے دستیاب نہ ہو سکا جس سے میں نے یہ رجسٹر تیار کئے تھے۔ اس لئے وہ سادہ مقامات جوں کے توں رہ گئے۔ بعد میں کوئی مناسب آدمی نہ مل سکا جو ان کو درست کر کے

مرتب کرتا۔ بالآخر عزیز گرامی مولانا ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام اس کارِ سعید کا قرعۂ فال نکلا اور انہوں نے بڑی جانفشانی اور خوبی کے ساتھ اس ''ہفت خواں'' کو طے کرلیا۔ اس سلسلے میں ان کے سپروائزر برخوردار ڈاکٹر طارق مختار سلمہٗ نے بھرپور تعاون کیا اور مسودات و مواد کی فراہمی میں ان کی قدم قدم پر رہنمائی کی۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ والد ماجد کی یہ قیمتی یادگاران کے وصال کے چالیس سال بعد گوشۂ گم نامی سے نکل کر منظر عام پر آرہی ہے۔ اس گرامی کارنامے پر میں صمیم قلب کے ساتھ اپنے دونوں عزیزوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور بارگاہِ رب العزت میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی گرامی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید در مزید سعادتوں کی توفیق بخشے۔ آمین!

مختار الدین احمد
ناظمہ منزل ۴/۲۸۶، سول لائن
امیر نشاں روڈ، علی گڑھ

تقریب

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ، ملک العلما، ابوالبرکات، حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اہل سنت وجماعت کے ممتاز عالم جلیل القدر محدث، زبردست مناظر، بلند پایہ محقق، نامور مصنف، بالغ نظر فقیہ اور ماہر مفتی تھے۔ ان خوبیوں کی وجہ سے آپ ملک کے صفِ اول کے علما میں شمار کئے جاتے ہیں۔

فقہ وفتویٰ نویسی میں آپ کی ثقاہت ومہارت کے ثبوت کے لئے یہ سند کافی ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے عبقری فقیہ اور فقید المثال مفتی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر سایہ رہ کر فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی اور پچپن سال تک اپنے فتاویٰ کے ذریعہ آپ خلقِ خدا کو فیضیاب کرتے رہے۔

مقدمہ صحیح البہاری میں ہے: ''مولانا (ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری شریف پڑھنی اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی''۔ (۱/۷)

اسی میں ہے: ''ان کی (حضرت ملک العلما کی) تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی ہی سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں جو فتاویٰ انہوں نے لکھے، ان میں سے کچھ کی نقلیں نافع البشر فی فتاویٰ ظفر میں موجود ہیں''۔ (۱/۸)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں: ''مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں (۱) سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں''۔

(مقدمہ صحیح البہاری، پروفیسر مختار الدین احمد دام مجدہم، ص ۲،۱)

ایک مفتی کو درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے

(۱) مذہب کے متون، شروح، فتاویٰ پر اس کی گہری نظر ہو، ساتھ ہی استحضار ہو

(۲) عرف ناس و حالات زمانہ سے باخبر ہو

(۳) سوال فہم ہو، سائل کے خلجان اور اس کی الجھن کو سمجھ سکے

(۴) جواب تحقیق کے ساتھ لکھے اور مذہب کے جزئیات مفتیٰ بہا سے استناد کرے

(۵) جواب مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کو حاوی و محیط ہو

(۶) اس بات پر بھی نظر رکھے کہ سائل یا کوئی بدمذہب اس کے فتوے سے غلط فائدہ حاصل نہ کر سکے

ان امور کی روشنی میں جب ہم حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ان تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی درسگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ شواہد اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک ذمہ دار مفتی تھے اور آپ کے فتاویٰ ہمارے لئے سند و حجت ہیں۔

حضرت علیہ الرحمہ کے مشاغل علمیہ مختلف انواع کے تھے۔ زیادہ وقت درس و تدریس کی مصروفیات میں گزرا۔ اسی میں کچھ وقت نکال کر فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے، اس لئے آپ کے فتاویٰ کی تعداد کوئی زیادہ نہیں، لیکن جو کچھ بھی ہے وہ بجائے خود اہم اور معتمد و مستند ہے۔ آپ کے انہیں فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ بنام ''فتاویٰ ملک العلما'' عزیز اسعد جناب مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی (ساحل شہسرامی، علیگ) صاحب دام مجدہم کی مساعی جمیلہ سے نظارۂ خلق ہو رہا ہے۔

اس مختصر مجموعے میں بارہ فقہی ابواب ہیں:

(۱) کتاب الطہارۃ -۳ (۲) کتاب الصلوٰۃ -۳۲ (۳) کتاب الزکوٰۃ -۵ (۴) کتاب الصوم -۶ (۵) کتاب النکاح -۲۱ (۶) کتاب الطلاق -۹ (۷) کتاب السیر -۵ (۸) کتاب الوقف -۴ (۹) کتاب القضا -۱ (۱۰) کتاب الاضحیہ -۸ (۱۱) کتاب الحظر والاباحۃ -۲۶ (۱۲) کتاب الفرائض -۶ (۱۳) ضمیمہ -۴ = ۱۳۰

اس میں حضرت ملک العلما کے چھ فقہی رسالے بھی شامل ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) تنویر المصباح للقیام عند حیّ علی الفلاح (۱۳۳۰ھ)

(۲) عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)

(۳) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)

(۴) اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)

(۵) نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)

(۶) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)

کتاب کے آغاز میں فاضل مرتب کا طویل مقدمہ شامل ہے جس میں حضرت ملک العلما کے حالات طیبات، فقہ و افتا کی اجمالی تاریخ اور ترتیب کی تقریب کا تذکرہ ہے۔ اس کے ذیلی عناوین سے اندازہ ہوا کہ فاضل مرتب سلمہٗ نے اس مقدمہ کو بڑی جانفشانی کے ساتھ قلم بند کیا ہے اور اسے جامع اور خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

فتاویٰ ملک العلما کے مرتب اور مقدمہ نگار محب مکرم جناب مولانا ارشاد احمد رضوی صاحب زید علمہٗ، ملک کی مشہور درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فاضل، ایک باصلاحیت عالم دین ہیں۔ کئی سال تک جامعہ اشرفیہ کے مدرس ومفتی رہے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے۔ یہاں انہیں حضرات سادات مارہرہ مطہرہ☆ کے زیر سایہ مزید پروان چڑھنے کا موقع نصیب ہوگیا۔ یہ ان حضرات کی برکت ہے کہ چند سالوں میں انہوں نے کئی ایک قابل قدر کارنامے☆☆ انجام دئے۔ انہیں میں سے ایک فتاویٰ ملک العلما کی ترتیب بھی ہے۔

مولانا ایک اچھے قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا ذوق اور تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں فتاویٰ کو مرتب کرنے کا بجاطور پر حق تھا اور قارئین محسوس کریں گے کہ مولانا نے حق ترتیب بخوبی ادا کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے مولانا کی یہ سعی مشکور فرمائے، انہیں صحت وعافیت کے ساتھ شاد وآباد رکھے، ان کے علم، عمر، فضل، اقبال، اشغال میں برکتیں دے اور ان سے بیش از بیش دین حنیف کی خدمات جلیلہ مقبولہ لے اور جملہ اہل سنت کی طرف سے انہیں فتاویٰ ملک العلما کی ترتیب واشاعت کے صلے میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

محمد نظام الدین الرضوی

۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۲۴ھ/ ۳ر اگست ۲۰۰۳ء (دوشنبہ)

☆ مارہرہ مطہرہ میں بلگرام کے زیدی سادات کی ایک شاخ دسویں صدی ہجری کے اخیر میں آکر سکونت پذیر ہوئی۔ تاجدار سلسلۂ برکاتیہ سید شاہ برکت اللہ عشقی پیمی مارہروی قدس سرہٗ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے اس خطۂ پاک کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ اس خاندان ذیشان کے فرد جلیل خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے دست اقدس پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ بیعت ہوئے۔ عصر رواں میں قادری سلسلے کی اس عظیم خانقاہ کی نمائندگی سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی، پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری سجادہ نشینان خانقاہ برکاتیہ اور سید محمد اشرف قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ فرما رہے ہیں۔ ناچیز انہیں بزرگوں کے سایۂ کرم میں سعادتوں کے ذخیرے سمیٹ رہا ہے۔ ۱۲ ساحل

☆☆ ۲۰۰۱ء کے وسط سے ۲۰۰۳ء کے اخیر تک حضرت امین ملت کی سرپرستی میں ناچیز کو درج ذیل تصانیف وتراجم رقم کرنے کی توفیق ارزانی ہوئی، فالحمدللہ علیٰ ذالك۔

۱.	شاہ حقانی کا اردو ترجمہ وتفسیر قرآن، ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ	صفحات ۶۰۰
۲.	مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی۔ حیات اور شاعری	" ۲۴۸
۳.	حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ	" ۱۲۰
۴.	حضرت صادق شہسرامی۔ حیات اور شاعری	" ۲۰۰
۵.	کاشف الاستار شریف (ترجمہ وتقدیم)	" ۷۰۰
۶.	النور والبہاء لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیا (ترجمہ)	" ۸۰
۷.	ایم اے عربی کی نصابی نظموں کا ترجمہ	" ۴۰۰
۸.	فتاویٰ ملک العلما (ترتیب وتقدیم)	" ۵۱۲

حضرت ملک العلما اور ان کے فتاویٰ

ساحل شہسرامی (علیگ)

ملک العلما حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ (۱۳۰۳ھ-۱۳۸۲ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، اسلامی دانشور، تدبر آشنا فقیہ، نکتہ سنج مفتی، دقیقہ رس مصنف، ماہر مدرس اور سراپا خلوص، مرتاض پیشوائے طریقت تھے۔ بچپن ہی سے آثار کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستان فکر کو امام احمد رضا کی فضائے نو بہار میسر آ گئی تو اس کی شادابی اور درخشانی میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔

حضرت ملک العلماء کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی ملقب بہ مدار الملک ومخاطب بہ مَلِک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابو بکر غزنی کے رہنے والے تھے، آپ غزنی سے تین فرہنگ کے فاصلے پر مقام بت نگر میں مدفون ہیں۔ سید ابراہیم غزنی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲-۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آ کر شاہی فوج میں ملازم ہو گئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور بالآخر ۱۳؍ ذو الحجہ ۷۵۳ھ کو قلعۂ رہتاس (شاہ آباد، شہسرام، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ قصبۂ بہار شریف کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے جس پر قدیم عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

۱- سید ابو بکر غزنوی بن۔ ۲- سید ابو القاسم عبد اللہ بن۔ ۳- سید محمد فاروق بن۔ ۴- ابو المنصور عبد السلام بن۔ ۵- سید عبد الوہاب بن۔ ۶- غوث الثقلین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرارہم۔
(حیات اعلیٰ حضرت ۱/و)

حضرت ملک العلما کی ولادت مبارکہ ۱۰؍ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹؍ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت موضع رسول پور میجرا ضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد ملک عبد الرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ نے خاندانی طرز کے مطابق چار سال، چار مہینہ، چار دن کی عمر (۱۳۰۷ھ) میں اپنے مرشد گرامی شاہ چاند بیتھوی کے دست مبارک سے آپ کی بسملہ خوانی کرائی۔ ابتداءً والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہے پھر قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں۔ پھر اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخلہ لیا جہاں تفسیر جلالین اور میر زاہد تک کی کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت دیکھتے ہوئے بہت شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم کا نظم فرمایا۔ آپ وہاں ان اساتذہ کے زیر تربیت رہے:

۱- مولانا شیخ محی الدین اشرف۔ ۲- مولانا شیخ بدر الدین اشرف۔ ۳- مولانا مہدی حسن میجروی۔ ۴- مولانا فخر الدین حیدر۔ ۵- مولانا محمد منعم۔ ۶- مولانا معین اظہر رئیس موضع بین۔ ۷- مولوی محمد ابراہیم۔ ۸- حافظ محمد

اسماعیل بہاری۔ ۹-منشی اکرام الحق۔

قاضی عبدالودود کے والد ماجد قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی رئیس لودی کٹرہ وخلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرھما (۱۲۸۹ھ-۱۳۲۶ھ) نے ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی جو تحریک ندوہ کے اسلام مخالف نظریات کا تردیدی پس منظر رکھتی تھی۔ اس کانفرنس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بنفس نفیس شرکت کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے جہاں دیگر اکابر علمائے اہل سنت بھی جلوہ افروز تھے۔ اسی موقع سے قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمۃ نے ایک سنی ادارے کی داغ بیل ڈالی، نام رکھا مدرسہ حنفیہ۔ اس ادارے کے لئے قابل اساتذہ کا انتخاب کیا جن میں مسند وقت حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۳۴ھ) بھی شامل تھے۔ مرحوم فردوسی نے اسی ادارے سے ایک علمی رسالہ ''تحفۂ حنفیہ ملقب بہ مخزن تحقیق'' جاری کیا جو عرصۂ دراز تک علم وفن اور دین وسنیت کی گرانقدر خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت ملک العلما نے جب اس مدرسے کی شہرت اور حضرت محدث سورتی کا چرچا سنا تو ۲۵/جمادی الآخرۃ ۱۳۲۰ھ کو پٹنہ چلے آئے اور محدث سورتی کی خدمت میں رہ کر مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔ کچھ دنوں کے بعد ہی محدث سورتی اپنی علالت سے مجبور ہوکر اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لے گئے تو حضرت ملک العلما بھی وہاں سے رخصت ہوکر کانپور پہنچے اور وہاں کے تین مدارس سے بیک وقت علمی فیوض حاصل کئے۔ ۱-مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی۔ ۲-مدرسہ احسن المدارس۔ ۳-دارالعلوم...... یہاں کے اساتذہ میں شہرۂ آفاق عالم مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۳/صفر ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبید اللہ پنجابی (متوفی ۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ) قابل ذکر ہیں۔ حضرت ملک العلما کانپور سے دوبارہ اپنے ممتاز استاذ حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہوگئے اور ان سے درس حدیث لیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی اوب کر سرچشمۂ علم وادب اور مصدر عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے ہوکر رہ گئے بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج واشاعت کے لئے وقف کردی۔

حضرت ملک العلما کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا:

۱-ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی۔ ۲-مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی۔ حضرت ملک العلما نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغمینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم ہیئت، توقیت، جفر، تکسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں رسالۂ قشیریہ اور عوارف المعارف

کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔

سال فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلما نے منظر اسلام، بریلی شریف میں تدریس، تصنیف اور افتا نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بیشتر فتاویٰ اسی زمانے کے ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر شملہ تشریف لے گئے پھر علی الترتیب ان مدارس کی فضاؤں میں آپ کے پاکیزہ افادات گونجتے رہے۔

۱- مدرسہ حنفیہ، آرہ، بہار (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ)۔ ۲- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۴ھ)۔ ۳- مدرسہ خانقاہ کبیریہ، شہسرام (۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۸ھ)۔ ۴- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۰ء)

اخیر الذکر مدرسہ کے آپ ۱۹۴۸ء میں پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے ڈیڑھ دو سال بعد شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق، میتن گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار، بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی کوششوں سے اسے کافی فروغ بخشا۔ جب یہ ادارہ مستحکم ہو گیا تو آپ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدے ''ظفر منزل'' شاہ گنج پٹنہ آ گئے۔

پچپن سال کے طویل تدریسی ایام میں ہزاروں تلامذہ آپ کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ نے اس دوران فتویٰ نویسی، وعظ وتلقین، تصنیف وتالیف، بیعت وارشاد، مناظرہ اور قضا جیسے گوناگوں مشاغل سے رابطہ رکھا۔ ان کثیر مصروفیات کے ہجوم میں صوفیانہ اذکار کے لئے بھی آپ نے اوقات خاص کر رکھے تھے۔ قادر مطلق نے آپ کے اوقات میں عجب برکتیں دے رکھی تھیں لیکن اس ذیل میں آپ کے اوقات کی منضبط تقسیم کا بھی خاصا دخل تھا۔

حضرت ملک العلما عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے کافی نحیف ہو گئے تھے۔ اس عالم نقاہت میں بھی آپ کے معمولات شب وروز میں کوئی فرق نہ آیا۔ ریاضتوں کے وہی سلسلے تھے اور علمی مصروفیات بھی اپنی جگہ تھیں۔ بالآخر یکشنبہ کا دن گذار کر دوشنبہ کی شب میں ۱۹ر جمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو اسم ذات کا ذکر بالجہر کرتے ہوئے اس طرح پرسکون انداز میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے کہ حاضرین کو کچھ دیر تک اس بات کا احساس بھی نہ ہو سکا کہ آپ لذت وصال سے شادکام ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (متوفی ۱۹۶۷ء) نے، جن سے حضرت کو فردوسی، شطاری وغیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی، آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہ شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

☆☆☆☆☆

حضرت ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ علم وفن کی بیشتر شاخوں پر دسترس رکھتے تھے خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے۔علوم قرآن ،تفسیر، اصول تفسیر، تجوید وقراٴت ،علوم حدیث ، حدیث ،اصول حدیث ،فقہی علوم ،فقہ، اصول فقہ،عقائد وتصوف ، بلاغت ،عروض ، ادب ،لغت ، نحو وصرف ، معانی وبیان ، فلکیاتی علوم ، نجوم ، ہیئت ،توقیت ، تکسیر ، جفر ، رمل ، عقلی علوم منطق ، فلسفہ ، ریاضی جیسی علمی شاخوں سے آپ کو نہ صرف واقفیت بلکہ ان پر دسترس حاصل تھی ۔اس وسعت علمی پران کی تحریریں بہترین شہادت ہیں جن میں مذکورہ سبھی علوم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو دبستان رضا کے خوشہ چیں جو ٹھہرے۔آپ کی اس علمی لیاقت کا اکرامی اعتراف خود آپ کے مربی اور مشفق ، استاذ اور مرشد، عبقری الشرق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت ، انجمن نعمانیہ لاہور کو ۵ رشعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

’’مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبا سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارافتا میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں،سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

’’سنی ، خالص ، مخلص ، نہایت صحیح العقیدہ ، ہادی مہدی ہیں ۔ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں ، مفتی ہیں ، مصنف ہیں ، واعظ ہیں ، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں ، علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے‘‘۔

(حیات ملک العلماص ۷-۸مطبوعہ لاہور)

ان تمام علوم میں چند شاخیں آپ کی خاص پہچان تھیں ۔ ۱- علوم حدیث ۔۲- فقہ وتصوف ۔۳- عقائد ومناظرہ ۔۴- ہیئت وتوقیت ۔۵- اور سوانحی ادب ۔

فقہ وتصوف پر آپ کو کس قدر عبور حاصل تھا،اس کی قدرے وضاحت کے لئے تو یہ مقدمہ ہی تحریر کیا جارہا ہے۔ باقی گوشوں پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالتے چلتے ہیں۔

علوم حدیث:

حضرت ملک العلماء نے بریلی شریف کے علاوہ جہاں بھی منصب تدریس سنبھالا وہاں علمی صدارت کی شہ نشین آپ کی خدمت میں ہی پیش کی گئی۔اسی لئے صحاح ستہ کا درس بھی ہمیشہ آپ کے ذمہ رہا۔اس طور سے درس حدیث کی آپ نے پوری زندگی گرانقدر سعادت حاصل کی ۔ وعظ وتذکیر میں کثرت کے ساتھ آپ حدیث شریف تلاوت کرتے اور اس کے قیمتی نکات بیان فرماتے۔فتاویٰ اور مختلف تصانیف میں بھی آپ نے جس کثرت کے ساتھ احادیث طیبہ کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ آپ کی اس علم شریف پر دسترس کا کافی ثبوت ہیں لیکن اس فن شریف میں

آپ کی سب سے انمول یادگار ہے ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری''۔ چھ جلدوں میں آپ نے مذہب حنفی کی مؤیداحادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار احادیث کا اوسط رکھا۔ مصنف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہوسکی جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

اس عظیم الشان خدمت حدیث کو اہل علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک مہتم بالشان علمی کارنامہ قرار دیا۔ اس گرانقدر علمی کارنامے کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں محدث سورتی مولانا وصی احمد پیلی بھیتی، مولانا عبدالقدیر پروفیسر حدیث وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مولانا سید حیدر ولی اللہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب ویلور کرناٹک، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریاآبادی، غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلما کی علم حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا۔ خاص طور سے ۲۵ رصفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرانقدر مقدمہ، اصول حدیث کا شاندار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر ہر باذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ حضرت کے یہ سارے حدیثی افادات محدث بریلی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے بحر علم کی چند قیمتی موجیں ہیں جس کا اعتراف خود حضرت ملک العلما نے ان کلمات سے کیا ہے:

''ھذا نھر اصغر من البحر الاکبر من بحار علوم سیدی و شیخی نفعنا ببرکاتہ فی الدنیا والآخرۃ'' (صحیح البھاری، کتاب الصلوۃ، ۱/۲۶)

عقائد ومناظرہ:

حضرت ملک العلما کا دور معتقداتی معرکہ آرائیوں کا گرما گرم دور تھا۔ اہل سنت کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی تھی اور لوگ نت نئے خیموں میں داخل ہوتے جارہے تھے۔ ابن عبدالوہاب نجدی کے مسموم عقائد اسمٰعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے ذریعہ متحدہ ہندوپاک کے خطوں میں پھیل رہے تھے۔ اس لئے ملت کے پاسبان بھی شیرازۂ ملی کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس خصوص میں اسمٰعیل دہلوی کے ہم درس اور مکتب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خاص فیض یافتہ علامہ فضل حق خیرآبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے حمایت حق اور باطل کی سرکوبی کا جو مستحکم سلسلہ شروع کیا تھا اسی کی کڑیاں ملاتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے بھی حق کی حمایت اور باطل کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ چھیڑ رکھا تھا جس نے باطل کے منہ زور بڑھتے سیلاب پر کامیاب بند باندھا۔ حضرت ملک العلما بھی مکتب رضا کے فیض یافتہ تھے اس لئے آپ نے بھی باطل سے مختلف محاذ پر لوہا لیا اور انہیں فاش شکستیں دیں۔ آپ کے مناظرے کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ حریف کو اسی کے اسلحے سے اس شائستگی سے زیر کرتے تھے کہ ذوق لطیف پر ذراسی بھی خراش نہ آتی۔ شائستہ اور متین تنقید آپ کی پہچان کہی جاسکتی ہے۔

آپ نے وہابیت کی جملہ شاخوں غیر مقلدیت، دیوبندیت اور آریوں، مسیحی مشنریوں کے مبلغوں سے بہت کامیاب بحثیں کیں اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا دور تو دیوبندیت اور وہابیت پر دار و گیر کا خاص دور تھا، اس لئے ان سے رزم آرائیاں تو تھیں ہی، آریہ ساجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی بھولی بھالی عوام کو پھانسنے کے لئے جال پھیلا رکھا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام ان کے خلاف بھی صف آرا ہوتے۔ ملک العلما نے بھی اس محاذ پر اسلام کی پاسبانی کے حقوق ادا کئے۔ آپ جہاں کہیں حمایت حق کے لئے تشریف لے گئے، نصرت خداداد آپ کی رفیق رہی۔ آپ کی اسی فاتحانہ شوکت کو شفیقانہ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کے شفیق مربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ملک العلما کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

''مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (حضرت ملک العلما) آریہ ساجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔ (حیات ملک العلما ص ۱۶)

حضرت ملک العلما، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حکم پر فیروز پور میوات کے علاقے موضع جھرکا میں دیابنہ سے مناظرے کے لئے تشریف لے گئے اور فتح یاب ہوکر بریلی شریف واپس ہوئے۔ ''اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے ایک اونی جبہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا''۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۵۵)

اس مناظرے کی پوری روداد آپ کے مرتبہ رسالہ ''شکست سفاہت'' (۱۳۲۶ھ) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی رسالے آپ نے تصنیف فرمائے:

۱- الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- رجم الکنزہ علیٰ الکلاب الممطرۃ (۱۳۲۸ھ)۔ ۳- النبراس لدفع ظلام المنہاس (۱۳۲۹ھ)۔ ۴- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۵- کشف الستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ)۔ ۶- ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ)۔ ۷- گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ)۔ ۸- ظفر الدین الطیب وغیرہ رسائل بھی مناظراتی تحریریں ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں بھی کئی فتاویٰ مناظراتی انداز کے ہیں جن پر گفتگو ابھی آتی ہے۔ یہ تمام چیزیں حضرت ملک العلما کے مناظراتی معیار فن کو متعین کرتی ہیں اور معتقداتی پہلوؤں اور تقابل ادیان کے وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی دسترس کے شواہد فراہم کرتی ہیں۔

ہیئت و توقیت:

یہ فنون حضرت ملک العلما کی پہچان تھے اور آپ ان میں معاصرین کے درمیان یکتائے روزگار۔ اس امتیاز

کے لئے امام احمد رضا کی یہ شہادت کافی ہے:

''(مولانا محمد ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں''۔ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۴۴)

حضرت ملک العلما نے اس علم کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی۔ ہندو پاک کے دائمی اوقات صلوٰۃ تخریج کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے زبانی افادات اور اپنی ذاتی توضیحات کو یکجا کر کے کئی رسائل ترتیب دیئے:۔ ۱-الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ)۔ ۲-بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام معروف بہ موذن الاوقات (۱۳۳۵ھ)۔ ۳-توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ)۔ ۴-مشرقی اور سمت قبلہ/ مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) جیسی حضرت کی قیمتی تحریریں انہیں فنون سے تعلق رکھتی ہیں۔

توضیح التوقیت کی ترتیب کے سلسلے میں ملک العلما اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے قواعد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے۔ بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ لیتا اور میرے دوست وہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے، کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ بہر کیف! ایک زمانے تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کر دیا کہ اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بہ آسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہہ ہو تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے''۔ (حیات ملک العلما ص ۲۹)

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس علم کے افادات تحریری شکلوں میں عام کئے بلکہ اسے سفینوں کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی منتقل کیا اور کئی ایک نامور تلامذہ پیدا کئے۔ بہتیرے شائقین اس فن میں آپ سے خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے۔ ان مستفیدین میں مولانا حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد اور مولانا مفتی سید محمد عمیم الاحسان ڈھاکہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر نے متحدہ ہندو پاک کے سارے مشہور مقامات کے اوقات صوم وصلوٰۃ ''ظہور الاوقات'' کے نام سے تخریج کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ہر مقام کا سمت قبلہ بھی تحریر ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ کوئی ادارہ اسے نئے انداز سے ایڈٹ کر کے شائع کرے۔

ان فنون میں آپ کے باضابطہ تلامذہ میں مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ

مبارک پور (متوفی ۱۹۷۱ء)، مفتی نظام الدین بلیاوی الہ آباد، اور مولانا یحییٰ بلیاوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سوانحی ادب:

حضرت ملک العلما بہت شستہ اور نکھرا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں چاہے جس موضوع سے تعلق رکھتی ہوں، بیان کی شائستگی اور لہجے کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مناظرانہ اور تنقیدی تحریروں میں بھی کہیں سوقیانہ لب و لہجے کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ اسی شگفتہ نثر میں سیرت وسوانح کے موضوع پر بھی آپ نے قیمتی تحریریں چھوڑی ہیں۔
۱-شرح الشفا للقاضی عیاض (نامکمل)۔ ۲-مولود رضوی (۱۳۶۰ھ)۔ ۳-مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (۱۳۲۴ھ)۔ ۴-تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ)۔ ۵- اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ)۔ ۶- خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ)۔ ۷- جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ)۔ ۸- حیات اعلیٰ حضرت/ مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ)۔ ۹- چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ)۔ الجمل المعدد لتالیف المجدد (۱۳۲۷ھ) یہ ساری تحریریں آپ کے سوانحی ادب کا شاہکار ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری تصانیف اخلاص اور عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر معرض تحریر میں آئیں لیکن مذکورہ بالا تصانیف میں عشق رسول اور محبت رضا کے شیریں جذبے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہیں۔

شفائے قاضی عیاض کی عربی حاشیہ نگاری کا آغاز ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ بروز چہار شنبہ ہوا۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"انی نذرت للرحمن انه لما تمت هذه الحاشية اصلی مائة ركعة ان شاء الله"

"میں نے خدا کے حضور نذر مانی ہے کہ جب یہ حاشیہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا، اس وقت سو رکعت نمازیں شکرانہ نفل کی پڑھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ ساحل

مجدد ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے آپ کو بہت گہری عقیدت تھی۔ آپ نے امام احمد رضا کے اتباع رسول اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خوشبوؤں میں بسے شب و روز دیکھے، ان کی شفقتیں، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا، علم و فن اور فکر و قلم کی عبقریت ملاحظہ کی۔ اس لئے ان سے شیفتگی کے والہانہ جذبات انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ "من احب شیئا اکثر ذکرہ"۔ محبوب کے ذکر سے روح کو بالیدگی ملا کرتی ہے۔ اس لئے امام احمد رضا کا ذکر بھی حضرت ملک العلما کی تسکین روح کا سامان تھا۔ جلوت وخلوت ہر جگہ امام احمد رضا کا ذکر جمیل حرز جاں رہتا۔ آپ کے خواجہ تاش، خلیفۂ امام احمد رضا، مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شہسرامی جب کبھی "ظفر منزل" پٹنہ تشریف لاتے تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل میں گذر جاتی۔ پروفیسر مختار الدین احمد کے لفظوں میں:

"رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل

ومناقب میں پوری رات گذر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمت اللہ علیہ کی تصانیف، تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق جو ٹھہرے''۔ (ماہنامہ جہان رضا، لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء ص ۶۱)

جب تک اعلیٰ حضرت حیات سے رہے، ملک العلمانے ہمہ دم خود کو ان کی ہر ممکن علمی خدمت کے لئے مستعد رکھا۔ کارافتا میں معین رہے، منظر اسلام کی تدریسی ذمہ داری سنبھالی، حضرت صدر الشریعۃ اور ملک العلما نے بڑی تندہی سے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی حفاظت اور اشاعت کی جانب توجہ فرمائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد حضرت مفتی اعظم شاہ مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ کی خواہش پر ملک العلما بریلی شریف تشریف لے گئے اور تین چار مہینے کی جانکاہ محنت کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ڈھیروں تصانیف کے مبیضے تیار کئے، منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کی اور یوں بہتیری تصانیف رضا کو ضائع ہونے سے بچالیا، لیکن ایک شیفتۂ رضا کی یہ جاں نثارانہ خدمات کچھ تنگ نظر حضرات کو ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ ان تصانیف رضا کی اشاعت میں تاخیر کرنے کے حیلے کرنے لگے۔ اس سے کبیدہ خاطر ہو کر حضرت ملک العلما بریلی شریف کے ایک دوست کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

''میں نے تین مہینے کس جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچالیا مگر جو قدر دانی کی گئی، وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے۔ اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا۔'' (حیات ملک العلما ص ۲۷)

مولانا امجد رضا خاں نوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصنیفات وتالیفات وتحریرات چھپ جائیں تو سینوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر ومقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت ومحنت وتوجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔'' (حیات ملک العلما ص ۲۶)

احسان شناسی کے جذبوں سے لبریز حضرت ملک العلما کی ذات گرامی نے اپنے سارے محسنوں کے حقوق محبت ادا کئے۔ آپ کے ذخیرۂ مکاتیب اور قلمی یادداشتوں کے مجموعے اس کی تصدیق کے لئے کافی سے زائد مواد فراہم کرتے ہیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے سب سے زیادہ منت کش تھے، اس لئے ہمیشہ ان کی یادوں میں مگن اور ان کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہے۔ پوری زندگی ان کے فکری مشن کی اشاعت کے لئے وقف رکھی، ان کی نگارشات کے تحفظ اور طباعت کے لئے حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلما یکساں طور سے مضطرب نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے دامن سے وابستہ حضرات کو ''ظفری'' کے بجائے ''رضوی'' لکھنے کی تاکید فرماتے۔ اعلیٰ

حضرت کی تصانیف کی سب سے پہلی شیرازہ بندی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ "المجمل المعدد لتالیف المجدد" میں سب سے پہلے آپ نے امام احمد رضا کی تقریباً آٹھ سو تصانیف کی موضوعاتی فہرست پیش کی ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے آپ کا سب سے عظیم کارنامہ "حیات اعلیٰ حضرت" کی تدوین ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا وصال شریف ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کے سترہ سال بعد تک آپ کی حیات وخدمات پر کوئی کام نہ ہوسکا۔ چند مقالات، تاثرات یا مختصر کتابچے ظاہر ہے مشرق کے اس عبقری کا کیا تعارف کرا سکتے تھے۔ اس راہ میں کئی چیزیں حائل ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کا زمانہ خلافت موومنٹ اور نان کواپریشن تحریک کی شورشوں سے لبریز زمانہ تھا۔ پھر سلطنت عثمانیہ کے سقوط، ۱۹۲۵ء سے آریہ ساج کا شدھی سنگٹھن اور پھر ۱۹۳۰ء سے دوقومی نظریے میں آئی شدت اور قیام پاکستان کے تصورات نے ایسا ماحول پیدا کردیا تھا جس نے اسلامیان ہند کے دل ودماغ ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ ماحول کی ابتری اور دینی اور سیاسی قائدین کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے ذہنوں میں قنوطیت کی ایسی برف جما رکھی تھی کہ فکریں قریب قریب شل ہوچکی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات نے سنبھالا لیا اور برف پگھلنے لگی اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے اس جمود کے حصار سے جو ذات گرامی سب سے پہلے نکلی وہ منظور نگاہ اعلیٰ حضرت، حضرت ملک العلما کی ذات کریم تھی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے کمر ہمت کسی اور اس "ہفت خواں" کو طے کرنے کی ٹھانی۔ اس راہ میں وابستگان رضا میں سے جاں نثار اعلیٰ حضرت، مولانا سید ایوب علی قادری رضوی نے آپ کا پورا پورا تعاون کیا بلکہ انہوں نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سارا سوانحی مواد حضرت ملک العلما کے حوالے کردیا۔ بارہ سال کی محنت کے بعد چار جلدوں میں یہ تصنیف مکمل ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا صرف پہلا حصہ شائع ہوا۔ دوسری جلد اب تک دستیاب نہ ہوسکی، تیسری اور چوتھی جلد پہلی جلد کے ہمراہ نصف صدی طے کرنے کے بعد اب شائع ہونے جا رہی ہے۔ اس طور سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلما نے سوانحی ادب پر بھی خاصے علمی آثار چھوڑے ہیں۔

فقہ وتصوف:

"مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ" (امام مالک)

"جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں" ۱۲ ساحل

اس ارشاد مالکی کی روشنی میں فقہ اور تصوف کا آپس میں گہرا ربط نظر آتا ہے بلکہ ابتدا میں دونوں ایک ہی دائرۂ علم میں آتے تھے۔

علامہ محب اللہ بہاری "مسلم الثبوت" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان الفقه في الزمان القديم كان متناولا لعلم الحقيقة وهي الالهيات من مباحث الذات

والصفات وعلم الطریقة وھی مباحث المنجیات والمھلکات وعلم الشریعة الظاھرة"

'زمانۂ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الٰہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے'' ۱۲- ساحل

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی الگ الگ ممتاز شناختیں بنالیں لیکن ہزار دوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہنا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت امام غزالی ایک فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں۔ فقیہانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوفِ الٰہی کا غلبہ ہو۔'' (احیاء العلوم)

فقہ اور فقیہ کی ان تشریحات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں تو حضرت ملک العلما قدس سرہٗ ایک ممتاز فقیہ اور پرسوز صوفی نظر آتے ہیں۔ تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی لیکن آپ کی جملہ فقہی اور دینی تصنیفات میں حضرات صوفیہ کی رواداری اور اخلاص کے جذبے رونق افروز ملتے ہیں۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب وروز معمولات صوفیہ اور اذکار واشغال سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، قلبی پاکیزگی اور طہارت باطن کا نگارخانہ تھی آپ کی ذات گرامی۔ معاند سے بھی کبھی آپ کو سوقیانہ کلام کرتے نہ دیکھا گیا۔ تحریروں کی شائستگی اور جذبوں کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول لگتے ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ کے کتاب الحظر والاباحۃ میں کئی صوفیانہ فتاویٰ شامل ہیں۔ حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، وہ سارے اوصاف حضرت ملک العلما کی پاکیزہ، تقویٰ شعار، خداترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔

حضرت کی فقیہانہ شان پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ وافتا کے تعلق سے بھی کچھ بنیادی معلومات اور ان کے مختلف مراحل کا اجمالی تعارف پیش کردیا جائے تاکہ قارئین، کتاب کے مندرجات اور خود صاحب کتاب کی شان کمال کا اندازہ کرسکیں۔

☆☆☆☆☆

انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق وجستجو اور مفاہمت کے اسی سلسلے کو فقہ (یعنی فہم) وافتا (یعنی باہمی دریافت) کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں۔ اس طور سے یہ دونوں

چیزیں ابتدائے تخلیق سے چلی آرہی ہیں۔ قرآن حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل:۴۳)(تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرمارہی ہے۔ سارے انبیاء ومرسلین، دُعاۃ ومبلغین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں سبھی رہنما فقیہ اور مفتی اور سارے متبعین مستفتی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عرفی فقہاء تک محدود ہے، اس لئے ان الفاظ کے وہی معانی بیان ہوں گے جو ان کے معروف اصطلاحی مفہوم کے گرد گھومتے نظر آئیں۔

فقہ وافتا مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں۔ البتہ افتا فقیہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔ علامہ زمخشری فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

"الفقیہ: العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقہا"

''فقیہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے''۔

ابتدائی زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کے تعلق سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے ناقل فتوی کو مفتی اور فقیہ کہتے ہیں جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہو اور راجح اور مرجوح، مفتیٰ بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی قدس سرہٗ "رد المحتار علی الدر المختار" میں تحریر فرماتے ہیں:

"المفتی ہو المجتہد فاما غیر المجتہد ممن یحفظ اقوال المجتہد فلیس بمفت والواجب علیہ إذا سئل ان یذکر قول المجتہد کالامام علیٰ وجہ الحکایۃ فعرف ان ما یکون فی زماننا من فتوی الموجودین لیس بفتوی بل ہو نقل کلام المفتی لیاخذ بہ المستفتی۔ (رد المحتار ۱/۴۷)

''مفتی تو مجتہد ہوتا ہے۔ جو شخص مجتہد نہ ہو، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو، وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم کا قول بطور حکایت بیان کردے۔ اس وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کرسکے''۔

اسی لئے لویس معلوف نے المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح یہ بیان کی ہے:

"المفتی: الفقیہ الذی یعطی الفتویٰ ویجیب عما أُلقی علیہ من مسائل المتعلقۃ بالشریعۃ"

''مفتی ایسے اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے''۔ (المنجد ص ۹۸)

عبقری فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ رسالہ مبارکہ "اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علیٰ قول الامام" (۱۳۳۴ھ) میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" الرابعة : الفتوىٰ حقيقية وعرفية۔ فالحقيقية هو الإفتاء عن معرفة الدليل التفصيلي واولئك الذين يقال لهم اصحاب الفتوىٰ ويقال " بهذا افتى الفقيه ابو جعفر والفقيه ابو الليث واضرابهما رحمهم الله تعالىٰ ۔ والعرفية: اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقليدا له من دون تلك المعرفة كما يقال فتاوىٰ ابن نجيم والغزى والطورى والفتاوىٰ الخيرية وهلم تنزلا زمانا ورتبة الى الفتاوىٰ الرضوية جعلها الله تعالىٰ مرضية مُرضية۔ امين"۔

''چوتھا مقدمہ: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابواللیث اور ان کے امثال نے۔ اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتادے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزی، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنادے۔ آمین!'' (الفتاویٰ الرضویۃ۔ مترجم۔ ۱/۱۰۹)

اس کا ذکر پہلے ہو چکا کہ افتا کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسان کی۔ شریعت محمدی کے نزول سے اس کا شاندار اور ممتاز دور شروع ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے اسلامی تعلیمات کا دائرہ مکمل ہونا شروع ہوا۔ حضرات صحابہ وصحابیات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات کا درس لیتے، درپیش آنے والے مسائل دریافت کرتے۔ استفتا اور افتا کا یہ سب سے مستند، قیمتی اور زریں دور ہے جو قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے سرچشمۂ فیض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور تشفی بخش حل پیش کرتی۔ اس تقدس مآب دور اولین کے بعد اب تک فقہ وافتا کے چار شاندار دور گزر چکے ہیں۔

فقہ وافتا کا دوسرا دور: (۱۰ھ تا ۴۱ھ)

اس جہان رنگ وبو سے خورشید رسالت کا جب ظاہری رخ روپوش ہوگیا تو اکابر صحابہ کرام نے امت کی زمام قیادت سنبھالی۔ حضرات خلفائے راشدین نے اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع کیں تو عجمی تمدن نے نت نئے مسائل درآمد کئے۔ جن کے اسلامی حل کے لئے گروہ صحابہ کے صاحبان تدبر اور والیان تفقہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے تدبر اور تائید الٰہی کے سہارے فیصلے صادر فرمائے جو بعد کی نسلوں کے لئے استناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو ۱۰ھ سے لے کر ۴۱ھ تک محیط ہے، حضرات خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) حضرت ابو موسیٰ اشعری (م ۵۲ھ) حضرت معاذ بن جبل (م ۱۸ھ)، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (م ۵۷ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنھم اجمعین کے فقیہانہ فیصلے اور فتاویٰ بہت شہرت رکھتے تھے۔

تیسرا دور :(۴۱ھ تا ۱۰۰ھ)

اکابر صحابہ کی صفیں خالی ہونے کے بعد اصاغر صحابہ کرام اور کبار تابعین نے امت کی قیادت سنبھالی۔ اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعتیں شرق وغرب اور جنوب وشمال کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ چکی تھیں۔ تمدن کی وسعت، علم کی گرم بازاری، اور عرب وعجم کے اختلاط نے اجتہادی جذبوں میں بڑی تیز گامی پیدا کردی تھی۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن میں فقہائے مجتہدین کی کثیر صفیں آراستہ تھیں اور ہر ایک کے درس وافادہ کی اپنی ایک الگ ہی دھوم تھی۔ چند اسمائے گرامی پیش ہوتے ہیں۔

۱- ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ)۔ ۲- حضرت عبد اللہ بن عمر (م ۷۳ھ) ۔۳- حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ)۔۴- حضرت سعید بن مسیب مخزومی (م ۹۴ھ) ۵- حضرت عروہ بن زبیر بن عوام اسدی (م ۹۴ھ)۔۶- حضرت ابو بکر بن عبد الرحمٰن (م ۹۴ھ)۔ ۷- حضرت امام زین العابدین علی بن حسین (م ۹۴ھ)۔۸- حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر (م ۱۰۶) ۹- حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)۔۱۰- حضرت سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔ ۱۱- حضرت نافع (م ۱۱۷ھ)۔۱۲- حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ)۔۱۳- حضرت امام محمد باقر محمد بن علی بن حسین (م ۱۱۴ھ)۔۱۴- حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین (م ۱۴۸ھ)۔۱۵- حضرت ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان (م ۱۳۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز تھے۔

۱۶- حضرت عبد اللہ بن عباس (م ۶۸ھ)۔ ۱۷- حضرت مجاہد بن جبیر (م ۱۰۳ھ)۔۱۸- حضرت عکرمہ ابن عباس (م ۱۰۷ھ) مکہ معظمہ کے نامور فقیہ تھے۔

۱۹- حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ)۔۲۰- حضرت مسروق بن اجدع (م ۶۳ھ)۔ ۲۱- حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی (م ۹۲ھ)۔۲۲- حضرت اسود بن یزید نخعی (م ۹۵ھ)۔۲۳- حضرت قاضی شریح بن حارث کندی (م ۹۵ھ)۔۲۴- حضرت سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)۔۲۵- حضرت عمرو بن شرحبیل (م ۱۰۴ھ) کے فقہی افادات کی کوفہ میں دھوم تھی۔

۲۶- حضرت انس بن مالک (م ۹۳ھ)۔ ۲۷- حضرت ابو العالیہ رفیع بن مہران (م ۹۰ھ)۔ ۲۸- حضرت ابو الشعثاء جابر بن یزید (م ۹۳ھ)۔ ۲۹- امام التعبیر والرویا حضرت محمد بن سیرین (م ۱۳۱ھ) ۳۰- حضرت قتادہ بن دعامہ (م ۱۱۸ھ) کے جلوؤں سے بصرہ کی سرزمین جگمگا رہی تھی۔

۳۱- حضرت عبد الرحمٰن بن غنم اشعری (م ۷۸ھ)۔ ۳۲- حضرت ابو ادریس خولانی (م ۸۰ھ)۔ ۳۳- حضرت قبیصہ بن ذویب (م ۸۱ھ)۔ ۳۴- حضرت رجاء بن حیوۃ کندی (م ۱۱۲ھ)۔ ۳۵- حضرت عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ) ملک شام کے نامور فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

۳۶- حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص (م ۶۵ھ)۔ ۳۷- حضرت ابو الخیر مرشد بن عبد اللہ (م ۹۰ھ) حضرت یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) نے مصر کے علمی ایوانوں میں اجالا کر رکھا تھا۔

۳۹-حضرت طاؤس بن کیسان جندی (م ۱۰۶ھ)۔ ۴۰-حضرت وہب بن منبہ صنعانی (م ۱۱۴ھ)۔ ۴۱-حضرت یحییٰ بن کثیر نے یمن کی بزم علم میں برکتیں بکھیر رکھی تھیں۔

اس مختصر ترین فہرست سے ہی اندازہ کیجئے کہ اس دور میں اس فن نے کتنی وسعت اختیار کر لی تھی۔اس کثیر پھیلاؤ کی باضابطہ شیرازہ بندی ہوتی ہے چوتھے دور میں۔

چوتھا دور :

اس دور کا دائرہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک پھیلا ہوا ہے۔اسی دور میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل الشان ذات گرامی معجزۂ سرور کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہوئی جنہوں نے اپنے چالیس برگزیدہ تلامذہ کے ساتھ مل کر اس فن کی باضابطہ شاندار تدوین فرمائی جو قیامت تک کے مسائل حیات حل کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔حضرات محققین نے خوب فرمایا:

''فقہ کی کاشت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی، حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں۔اب ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے''۔

اس دور میں امام الائمہ، سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰-۱۵۰ھ) کے علاوہ بہت سارے ائمہ کے فقہی مکاتب کی بنیاد پڑی۔مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس (۹۳ھ-۱۷۹ھ)، مصر میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ)، بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ-۲۴۱)، کوفہ میں حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مصر میں امام لیث (م ۱۷۵ھ)، بغداد میں امام ابوثور (م ۲۴۰ھ)، اندلس اور دمشق میں امام عبد الرحمٰن بن عمرو دمشقی اوزاعی (۸۸ھ-۱۵۷ھ) کے مذاہب پھیلے۔لیکن چار مشہور فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے سوا کسی دوسرے فقہی مکتب کو بقائے دوام نہ مل سکی۔

یہی وہ دور ہے جس میں فقہ کی باضابطہ اصولی تدوین ہوئی، مختلف مذاہب پھیلے، ہر مذہب کی ترجمان کثیر کتابیں لکھی گئیں، فقہی مباحثات کی روش عام ہوئی، یہاں تک کہ عالم میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات ہی محفوظ رہ سکے۔ان چاروں مذاہب میں جو عروج اور قبول عام، فقہ حنفی کو نصیب ہوا اسے محض فضل الٰہی، امام الائمہ، سراج الامۃ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارت باطن، فکری گہرائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا ثمرہ ہی کہا جا سکتا ہے۔امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کے بیان کے مطابق پوری امت کا دو تہائی حصہ حنفی ہے۔(مرقات ۲/۲۴)۔اپنے تو خیر اپنے ٹھہرے، غیروں نے بھی آپ کی عظمت، جلالت اور مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کی شہادت دی ہے۔سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کافی شہرت رکھتا ہے:

الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفة :لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں۔

بہت ممتاز شافعی ہندی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م ۹۸۶ھ) صاحب ''مجمع البحار'' ''المغنی'' میں بہت سچی بات تحریر فرماتے ہیں:

فلو لم یکن لله سر خفی فیه لما جمع له شطر الاسلام او ما یقاربه علی تقلیده حتی عبد الله بفقهه وعمل برائه الی یومنا ما یقارب اربع مائة و خمسین سنة وفیه دلیل دلیل علی صحته "۔ (المغنی ص ۸۰)

''اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہٗ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عند اللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔'' (تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان، مطبوعہ مکتبہ برہان، دھلی۔ ص ۷۷)

فقہ حنفی کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل عرصے میں لاکھوں فقہا اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی لسانی اور قلمی یادگاریں تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسلام بحر و بر کی وسعتوں پر محیط ہو چکا ہے۔ کسے یارا ہے کہ ان کے اجمالی حالات بلکہ صرف اسمائے گرامی ہی شمار کر سکے۔ اس لئے مزید تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات، فقہ حنفی کی مستند کتابوں کی درجہ بندیاں اور چند ممتاز ترین کتب فتاویٰ کی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ماہرین فقہ نے حضرات فقہا کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱- مجتہد فی الشرع / مجتہد مطلق مستقل:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول و فروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ۔

۲- مجتہد فی المذہب / مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذۂ امام اعظم قدست اسرارہم۔

۳- مجتہد فی المسائل / مجتہد مقید:

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول و فروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع

کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابوبکر خصاف (م ۲۶۱ھ)، امام ابوجعفر طحاوی (م ۳۲۱ھ)، امام ابوالحسن کرخی (م ۳۴۰ھ)، شمس الائمہ حلوانی (م ۴۵۶ھ)، شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ)۔

۴- اصحاب تخریج :

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد واستنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمۂ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح محتمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابوبکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵- اصحاب ترجیح :

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمۂ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول وفروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری (م ۴۲۸ھ)، صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔

"ھذا اولیٰ، ھذا اصح، ھذا اوضح، ھذا اوفق للقیاس" جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

۶- اصحاب تمیز :

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

۷- مقلد محض :

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔ بس یہ ائمۂ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔

حنفی فقہاء کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں۔ علماء نے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ ۱- کتب اصول۔ ۲- کتب نوادر۔ ۳- کتب واقعات۔

۱- کتب اصول:

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں۔ حنفی ائمۂ ثلثہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابویوسف، اور امام محمد کی مرویات اسی ذیل میں آتی

ہیں ۔ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ تلامذۂ امام اعظم کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لیکن عموماً ظاہر الروایۃ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف مبارکہ پر ہوتا ہے:

۱- مبسوط ۔۲- جامع صغیر ۔۳- جامع کبیر ۔۴- سیر صغیر ۔۵- سیر کبیر ۔۶- زیادات ۔ یہ کتابیں ظاہر الروایۃ اس لئے کہلاتی ہیں کہ انہیں تواتر کے ساتھ ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔ موجودہ دور میں مسائل اصول جن کتابوں میں جمع ہیں، ان میں حاکم شہید کی کتاب الکافی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط نہایت معتمد ہیں۔

۲- کتب نوادر :

اس کے ذیل میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں جو مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہ ہوں جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادۃ الزیادات (امالی امام محمد بروایت ابن رستم) کے مسائل اور روایات۔ حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی، حضرت امام حسن بن زیادہ کی المحرر وغیرہا۔

۳- کتب واقعات :

ان میں وہ مسائل آتے ہیں جنہیں ائمہ ثلثہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کیا ہو جیسے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النوازل، دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطفی، واقعات صدر الشہید۔ واقعات دراصل فتاویٰ یا قضایا کے مجموعے ہوتے ہیں۔ اسی صنف سے زیر نظر کتاب کا خاص تعلق ہے۔

موجودہ دور میں فقہ حنفی کی ماخذ کے طور پر استعمال ہونے والی مستند کتابیں یہ ہیں:

۱- اصول بزدوی۔ امام علی بن محمد بزدوی (م ۴۸۲ھ) ۔۲- المبسوط۔ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ) ۔۳- بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تحفۃ الفقہا۔ ملک العلما امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی (م ۵۸۷ھ) ۔۴- فتاویٰ قاضی خاں۔ امام فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں (م ۵۹۲ھ) ۔۵- الھدایۃ۔ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) ۔۶- البحر الرائق شرح کنز الدقائق، شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب الاشباہ والنظائر (م ۹۷۰ھ) ۔۷- درمختار شرح تنویر الابصار۔ علامہ محمد علاء الدین بن علی حصکفی (م ۱۰۸۸ھ) ۔۸- ردالمحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) ۔۹- حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار۔ علامہ سید احمد طحطاوی (م ۱۳۰۲ھ) ۔۱۰- طحطاوی علی مراقی الفلاح۔ علامہ سید احمد طحطاوی۔ ۱۱- فتاویٰ عالمگیری۔ مفتی نظام الدین وعلما کا بورڈ ۔۱۲- العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (م ۱۳۴۰ھ) قدست اسرارہم۔

متوسطین فقہا نے کتب احناف کی ایک درجہ بندی اور کی ہے یعنی ۔۱- متون ۔۲- شروح ۔اور ۳- فتاویٰ۔ سب سے مقدم اور اہم متون ہیں پھر شروح پھر فتاویٰ۔ چند مستند متون، شروح اور فتاویٰ یہ ہیں۔

مستند متون :

۱-مختصر امام طحاوی ۔۲-مختصر امام کرخی ۔۳-مختصر امام قدوری ۔۴-کنز الدقائق ۔۵-وافی ۔۶-وقایہ ۔۷-نقایہ ۔۸-اصلاح ۔۹-مختار ۔۱۰-مجمع البحرین ۔۱۱-مواہب الرحمٰن ۔۱۲-ملتقیٰ ۔

مستند شروح :

۱-مذکورہ بالا مختصرات کی شرحیں ۔۲-کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر بیر، سیر صغیر) کی شرحیں ۔۳-مبسوط امام سرخسی ۔۴-بدائع الصنائع ۔۵-تبیین الحقائق ۔۶-فتح القدیر ۔۷-عنایہ ۔۸-بنایہ ۔۹-غایۃ البیان ۔۱۰-درایہ ۔۱۱-کفایہ ۔۱۲-نہایہ ۔۱۳-حلیہ ۔۱۴-غنیۃ ۔۱۵-البحر الرائق ۔۱۶-النہر الفائق ۔۱۷-درر احکام ۔۱۸-درمختار ۔۱۹-جامع المضمرات ۔۲۰-جوہرہ نیرہ ۔۲۱-ایضاح، وغیرہ ۔

امام احمد رضا کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۂ شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، ردالمحتار، منحۃ الخالق، فتاویٰ خیریہ، العقود الدریہ للشامی، الفتاویٰ الرضویہ اور اس جیسی دوسری کتابیں ۔ المجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم، سراج وہاج، شرح ملا مسکین کا شمار شروح میں نہیں ۔

مستند فتاویٰ :

۱-خانیہ ۔۲-خلاصہ ۔۳-بزازیہ ۔۴-خزانۃ المفتیین ۔۵-جواہر الفتاویٰ ۔۶-محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں) ۔۷-ذخیرہ ۔۸-واقعات ناطفی ۔۹-واقعات صدر الشہید ۔۱۰-نوازل فقیہ ۔۱۱-مجموع النوازل ۔۱۲-ولوالجیہ ۔۱۳-ظہیریہ ۔۱۴-عمدۃ ۔۱۵-کبریٰ ۔۱۶-صغریٰ ۔۱۷-تتمۃ الفتاویٰ ۔۱۸-صیرفیہ ۔۱۹-فصول عمادی ۔۲۰-فصول استروشنی ۔۲۱-جامع صغار ۔۲۲-تاتارخانیہ ۔۲۳-ہندیہ/فتاویٰ عالمگیری ۔۲۴-الاشباہ والنظائر ۔۲۵-منیہ، وغیرہ ۔

قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، برہان کا شمار فتاویٰ میں نہیں ۔ فتاویٰ طوری، فتاویٰ محقق ابن نجیم نا قابل اعتماد ہیں ۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً ۔ متفرق جلدیں)

☆☆☆☆☆

اب ایک اجمالی نظر خاص صنف فتاویٰ کی تاریخ پر.

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت مولائے کائنات کا ہے جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں ۔ یونہی حضرت زید بن ثابت کے فتاویٰ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے (مقدمۂ فتاویٰ مظہریہ ص۵۲) ۔ عرب اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بنا پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے اور اپنی قوت حفظ پر ہی زیادہ انحصار کرتے تھے ۔ اس لئے فقہائے صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاویٰ اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لائے جا سکے یا لائے گئے لیکن ان کی باضابطہ حفاظت اور تدوین کا اہتمام نہ ہو سکا ۔ خود احادیث کریمہ کی باضابطہ تدوین تیسری صدی کے آغاز کی چیز ہے

تو پھر فتاوی اور قضایا جو وقتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ان کی تدوین نہ ہوسکی تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی سیکڑوں اصحاب فتاویٰ ایسے ملیں گے جن کے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ پاتے اور رہے بھی تو ان کی ترتیب واشاعت کی نوبت نہیں آتی۔ پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاویٰ کی شرح بھی بڑھتی گئی۔ تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعۂ فتاویٰ حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی کا ہے ''کتاب النوازل''۔

صدی کی ترتیب سے چند مشاہیر فتاویٰ ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- فتاویٰ ابی بکر۔ ۲- فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)۔ ۳- فتاویٰ ابن قطان۔ ۴- فتاویٰ ابی اللیث۔ ۵- فتاویٰ ابن الحداد (چوتھی صدی)۔ ۶- فتاویٰ ابن الصباغ۔ ۷- فتاویٰ اسبیجابی۔ ۸- فتاویٰ خواہر زادہ۔ ۹- فتاویٰ نجندی (پانچویں صدی)۔ ۱۰- فتاویٰ تمرتاشی۔ ۱۱- فتاویٰ حسام الدین۔ ۱۲- فتاویٰ سراجیہ۔ ۱۳- فتاویٰ ظہیریہ۔ ۱۴- فتاویٰ قاضی خاں۔ ۱۵- فتاویٰ کبریٰ۔ ۱۶- فتاویٰ صغریٰ (چھٹی صدی)۔ ۱۷- فتاویٰ ابن رزین۔ ۱۸- فتاویٰ صوفیہ۔ ۱۹- فتاویٰ ولوالجیہ (ساتویں صدی)۔ ۲۰- فتاویٰ ابن عقیل۔ ۲۱- فتاویٰ زرکشی۔ ۲۲- فتاویٰ سبکی (آٹھویں صدی)۔ ۲۳- فتاویٰ قاری الہدایۃ۔ ۲۴- فتاویٰ حمادیہ۔ ۲۵- فتاویٰ ابن شلبی۔ ۲۶- فتاویٰ ابی السعود۔ ۲۷- فتاویٰ زینیہ (دسویں صدی)۔ ۲۸- الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ۔ ۲۹- العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ (تالیف ۱۲۳۸ھ)۔ ۳۰- فتاویٰ جامع البرکات۔ ۳۱- فتاویٰ نقشبندیہ۔ یہ معدودے چند اسمائے فتاویٰ تھے جو کشف الظنون سے انتخاب کئے گئے۔

ہندوستانی فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی ہندوستانی اسلام کی۔ ہند کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد فاروقی میں ہی سرفراز ہوچکی تھی۔ جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ خود سلاطین اسلام، اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس ذیل میں سلطان محمود غزنوی، ظہیرالدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب تصنیف کی ''التفرید فی الفروع''۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے۔ اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے۔ یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ ٹھنڈی چھاؤں میں مرتب ہوئی کہ صدیوں کی گرد بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہوسکی بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ ۔۲- فتاویٰ فیروز شاہی۔ ۳- فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ ۴- فتاویٰ اکبر شاہی۔ ۵- فتاویٰ عادل شاہی۔ ۶- فتاویٰ تاتارخانی جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔

دستور اسلامی کی بنیادی زبان عربی تھی اور سلاطین ہند کی سرکاری زبان فارسی، اس لئے بیشتر فنون کی طرح فتاویٰ کی کتابیں بھی یا تو عربی زبان میں لکھی گئیں یا فارسی زبان میں۔ بارہویں صدی کے اخیر میں جب اس سرزمین پر اردو

نے قدم جمائے تو افغانی سلاطین ہند کے قدم اکھڑ رہے تھے اور انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لئے اب عوام انفرادی سطح پر علمائے امت سے مسائل میں رجوع کرنے لگے اور اردو فتاویٰ کے قیمتی مجموعے بھی منظر عام پر آنے لگے۔ ان میں چند اہم مجموعہ ہائے فتاویٰ یہ ہیں:

۱- العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (۱۳۱۰ھ)۔ عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (م ۱۳۴۰)۔ ۲- فتاویٰ ارشادیہ (مطبوعہ ۱۹۵۵ء)۔ علامہ ارشاد حسین رامپوری۔ ۳- فتاویٰ مجوبیہ (مطبوعہ ۱۳۱۶ھ)۔ مولانا احمد حسین خان۔ ۴- فتاویٰ امجدیہ۔ علامہ مفتی حکیم ابو العلا محمد امجد علی قادری رضوی۔ ۵- فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی محلی۔ ۶- فتاویٰ قیام الملۃ والدین۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ ۷- فتاویٰ نعیمیہ۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی۔ ۸- فتاویٰ نظامیہ۔ مفتی رکن الدین۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن۔ ۹- فتاویٰ صدارت العالیہ۔ مطبوعہ حیدرآباد دکن (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۰- فتاویٰ واحدی۔ علامہ عبدالواحد سیوستانی (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۶ھ)۔ ۱۱- فتاویٰ مسعودی۔ علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی۔ ۱۲- مجموعہ فتاویٰ۔ مہر علی شاہ گولڑوی (قلمی) ۱۳- فتاویٰ ملک العلماء۔ ملک العلما مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی، وغیرہ وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

فقہ و افتا کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالنے کے بعد آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ منصب افتا کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟۔

فقہ اسلامی کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ سیاست و امارت، قوانین اور جرائم، انفرادیت اور اجتماعیت، عبادات و معاملات سبھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے مذہب سے لے کر معاشرت تک کے مسائل اور رب سے لے کر بندے تک کے حقوق اس کے دائرہ بحث میں شامل ہیں۔ انفرادی اور شخصی طور پر دیکھئے تو نکاح، طلاق، نسب، پرورش و پرداخت، نفقہ، میراث، ان سبھی معاملات کے مسائل زیر غور آتے ہیں جن سے عائلی اور خاندانی تنظیم میں مدد ملتی ہے۔ اجتماعی اور تمدنی معاملات میں خرید و فروخت، اجارات، رہن، کفالت، شرکت، قرض، وفائے عہد اور دیگر مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ حقوق عباد میں والدین، اولاد، اہل خاندان، پاس پڑوس، شہر، ملک، قوم اور ملت کے مفادات کا تحفظ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ملحوظ ہونا چاہئے۔ اسی لئے یہ سارے معاملات بھی فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں۔ حقوق اللہ میں جملہ فرائض و واجبات، سنن و مستحبات سبھی شامل ہیں۔ غرض دنیا سے لے کر آخرت تک کے مسائل اس فن سے وابستہ ہیں۔ اس لئے فقیہ اور مفتی کا منصب بھی اپنے ساتھ بہت ساری نزاکتیں، ہمہ گیریاں اور اہمیتیں رکھتا ہے جن کے معیار پر پورا اترنے کے لئے مفتی کے اندر چند ممتاز خصائص کا ہونا ضروری ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ خصائص کیا ہیں؟۔

کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خداترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، دردمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی

تصلب سے آراستہ، شرافت وتہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔

علمی سطح پر اس دور میں مقلد مفتی کے اندر درج ذیل خصوصیتیں ہونی چاہئیں:

(۱) مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی مصادر سے واقف ہو خصوصا کتاب وسنت، تفسیر وحدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہئے تا کہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ اپنے ائمۂ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور نت نئے مسائل کے جوابات کتاب وسنت کی جاں بخش ضیاؤں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل طریقے سے پیش کر سکے۔

(۲) مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے، اس مذہب کی کتابوں اور فقہاء کے علمی مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو تا کہ اس ناقل مفتی کو اقوال ائمہ کی نقل وروایت میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ وہ اس راہ میں تسامح کا شکار ہو بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ افتا کی منصبی ذمہ داری پوری کر سکے۔

(۳) مفتی کو راجح اور مرجوح اقوال کا علم ہونا چاہئے تا کہ کہیں بے علمی میں قول مرجوح پر فتویٰ نہ دے بیٹھے جب کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا باطل ہے۔

(۴) مذہب احناف کی کتابوں کی متاخرین نے بالترتیب تین درجہ بندیاں کی ہیں۔ ۱- متون۔ ۲- شروح۔ ۳- فتاویٰ۔ ہر ایک درجے میں معتمد اور غیر معتمد دونوں طرح کی کتابیں موجود ہیں۔ مفتی کو اس کی واقفیت ہونی چاہئے کہ کون سے کتاب کس خانے میں آتی ہے اور آیا وہ معتمد ہے بھی یا نہیں؟۔

(۵) معتمد اور متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہئے اور ائمۂ مذہب کے اختلاف کی صورت میں رسم المفتی اور آداب الافتا کی دفعات کی پابندی کرنی چاہئے، یعنی روایت، درایت، ترجیح، تصحیح کے اعتبار سے مضبوط پہلو پر عمل ہو۔

(۶) مفتی کے لئے حالات زمانہ سے واقفیت اور حتی الوسع رعایت ضروری ہے ورنہ زبردست فساد کا اندیشہ ہے۔ ''من لم یعرف اھل زمانه فھو جاھل'' (جو حالات زمانہ سے واقف نہیں، وہ نادان ہے) مشہور فقیہانہ مقولہ ہے۔

(۷) فقہی اصطلاحات، مستند کتابوں کے انداز بیان اور مصنفین کے ترتیبی مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے تا کہ اقوال اخذ کرنے میں غلطی نہ ہونے پائے۔ بعض ائمہ سب سے پہلے قوی قول بیان کرتے ہیں پھر ضعیف، بعض کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے۔

(۸) حنفی مفتی کو کسی دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ حنفی مطلقاً امام اعظم کے مذہب پر عمل کرے گا اور حنفی مفتی ہمیشہ حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے گا۔ اسی مستحکم اتباع کے سبب تو اسے حنفی کہتے ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''طبع سلیم کے لئے قابل قبول انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے، اسے نقل کر دے۔ اسی بات پر علامہ ابن شلبی اپنے فتاویٰ میں گامزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے۔ اسی لئے مشائخ اکثر انہی کی دلیل کو ان کے مخالف اصحاب کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قول امام پر ہوگا اگر چہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتویٰ قول امام پر ہے۔ اس لئے کہ ترجیح خود صراحتاً تصحیح کا حکم رکھتی ہے کیونکہ مرجوح راجح کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے''۔

جب معاملہ یہ ہے تو قاضی اور مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد اول ص ۱۰۰-۱۰۱)

لیکن کسی بھی امام کا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ ۱-قول صوری ۲-قول ضروری۔

اس کی توضیح عبقری الشرق، بے مثل حنفی فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ آپ اپنے جلیل الشان رسالہ " اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قوم الامام "میں تحریر فرماتے ہیں:

'' الخامسة ''اقول وباللہ التوفیق: " القول قولان۔ صوری وضروری۔ فالصوری ھو المقول المنقول والضروری مالم یقلہ القائل نصا بالخصوص لکنہ قائل بہ فی ضمن العموم الحاکم ضرورۃ بان لو تکلم فی ھذا الخصوص لتکلم کذا وربما یخالف الحکم الضروری الحکم الصوری و ح ی قضی علیہ الضروری حتی ان الاخذ بالصوری بعد مخالفۃ للقائل والعدول عنہ الی الضروری موافقۃ او اتباعا لہ کأن کان زید صالحا فامر عمرو خدامہ باکرامہ نصا جھارا و کرر ذلك علیھم مرارا وقد کان قال لھم " ایاکم ان تکرموا فاسقا ابدا"۔ فبعد زمان فسق زید علانیۃ فان اکرمہ بعدہ خدامہ عملا بنصہ المکرر المقرر لکانوا عاصین وان ترکوا اکرامہ کانوا مطیعین ومثل ذلك یقع فی اقوال الائمۃ ۔ (الفتاویٰ الرضویۃ ۱/۱۰۹ لاھور)

''پانچواں مقدمہ'' میں اللہ کی توفیق کے سہارے عرض کرتا ہوں کہ قول کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ۱-قول صوری اور ۲-قول ضروری۔

قول صوری وہ ہے جو کسی نے صراحتاً کہا اور اس سے نقل ہوا۔ اور قول ضروری وہ قول ہے جسے قائل نے صراحتاً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح اور فیصلہ کن ہوتا ہے، یہاں تک کہ اب قول صوری پر عمل کرنا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً زید نیک اور صالح انسان تھا۔ اس لئے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں صراحتاً حکم دیا کہ وہ زید کی تعظیم کیا کریں۔ اس نے اس حکم کا بار بار اعادہ کیا لیکن اس سے پہلے وہ خدام کو یہ حکم عام بھی دے چکا تھا کہ کسی فاسق کی تعظیم ہرگز نہ کریں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید فاسق معلن ہوگیا۔ اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے

اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گذار ٹھہریں گے۔ ایسا ہی معاملہ اقوال ائمہ میں بھی پایا جاتا ہے''۔

اس توضیح کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ ائمہ احناف بعض اوقات حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے قول ظاہر سے انحراف کرتے ہوئے دیگر پہلو پر کیوں عمل کرتے ہیں اور اس کے باوجود حنفی کیوں کہلاتے ہیں؟۔ لیکن قول امام سے عدول ہر جگہ روا نہیں بلکہ مخصوص حالات میں خاص اسباب کے تحت اس کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ خاص اسباب کون سے ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''ائمہ مذہب کے قول صوری کے خلاف حکم ضروری پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے درج ذیل چھ اسباب ہوتے ہیں:

۱-ضرورت۔ ۲-حرج۔ ۳-عرف۔ ۴-تعامل۔ ۵-کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہو۔ ۶-کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

ان اسباب کی بنا پر قول ضروری پر عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی پاسداری جو اپنے سے زیادہ فساد سے خالی ہوں، مفاسد کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا اور تعامل پر کاربند ہونا، یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ سارے ائمہ ان کی جانب مائل، ان کی پاسداری کے قائل اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم موجود ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں یہ قطعی یقین ہوگا کہ اگر یہ صورت حال خود ائمہ مذہب کے زمانے میں پیدا ہوتی تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہوتا۔ ان حالات سے آنکھیں موند کر اس کے برعکس وہ ائمہ بھی حکم نہ دیتے۔ ایسی صورت میں ان ائمہ سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے۔ اب ان کے سابقہ منقول اقوال صوری پر جم جانا، ان کی پیروی نہ کہلائے گی''۔ (فتاویٰ رضویہ ۱/۱۱۰)

اس کی بہت سی نظیریں فقہائے احناف نے پیش کی ہیں بلکہ خود نص شارع میں اس کی واضح مثال مساجد میں عورتوں کی حاضری ہے جو زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں روا تھی بلکہ خود حدیث میں اس کا حکم ہے لیکن بعد میں خود حضرات صحابہ نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے سختی سے روک دیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول خود مسند امام احمد اور صحیحین میں منقول ہے:

''لو ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه سلم راى من النساء ما رأينا لمنعهن من المسجد كما منعت بنو اسرائيل نساءها''

''اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو مسجد کی حاضری سے روک دیا''۔

(۸) اصحاب ترجیح فقہا نے جس قول کو ترجیح دے دی، مفتی کو اس کے خلاف فتویٰ دینا ہرگز روا نہیں۔ اگر کسی مسئلے

میں مختلف اقوال مصحح پائے جائیں تو ان میں سے جو زیادہ موکد اور راجح ہوں، اسی پر فتویٰ دیا جائے۔
اس ترجیح کے لازم العمل اسباب، عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے بیان فرمائے ہیں۔ میں اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱- تصحیح کا زیادہ موکد ہونا۔ ۲- تصحیح کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا۔ ۳- تصحیح کا شروح میں اور دوسرے کا فتاویٰ میں ہونا۔ ۴- فقہا نے اس تصحیح کی علت بیان فرمائی اور دوسرے کی کوئی علت اور دلیل نہ پیش کی۔ ۵- تصحیح کا استحسان ہونا۔ ۶- ظاہر الروایۃ ہونا۔ ۷- وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہونا۔ ۸- قول اکثر ہونا۔ ۹- اہل زمانہ کے لئے زیادہ سازگار اور موافق ہونا۔ ۱۰- اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا۔ ۱۱- احوط ہونا۔ ۱۲- ارفق (زیادہ سہل العمل) ہونا۔ ۱۳- معمول بہ ہونا۔ ۱۴- مذہب امام ہونا۔ (مترجم فتاویٰ رضویہ ملخصا جلد اول ص ۱۶۹ تا ۱۷۱)

(۹) مفتی کو جواب دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جواب معلوم ہونے کے باوجود غور وخوض، تلاش وجستجو سے جب جواب کی صحت کا یقین حاصل ہو جائے تب جا کر جواب سپرد قلم کرے۔ ورنہ بسا اوقات سوال کی جزئیات کے مختلف ہونے سے جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ اگر باریک بینی اور غور وخوض سے کام نہیں لیا گیا تو معاملہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) خوف خدا کے سائے میں جواب صاف ستھرے اسلوب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کرے۔ شق در شق کی پیچ داریوں سے خود بھی بچے اور سائل کو بھی اس میں الجھنے سے بچائے۔ اگر صورت جواب مختلف النوع ہو تو سائل سے سوال قائم کر کے اس کی نوعیت متعین کر لے پھر متعین رخ پر تحقیقی جواب تحریر کرے۔ لفاظی اور صناعی سے بالکل احتراز کرے، دوٹوک لفظوں میں جواب دے۔ ہاں سلاست اسلوب کی روش مستحسن رہے گی۔

☆☆☆☆☆

فقہ وافتا اور ان کے لوازمات کے اس قدرے تفصیلی جائزے کے بعد جب ہم حضرت **ملک العلما** کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ایک ممتاز فقیہ، متبحر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے چون سال تک افتا نگاری فرمائی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان فرمائے۔

۱- مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- اعلام الساجد بصرف جلود الأضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)۔ ۳- التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ)۔ ۴- بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ)۔ ۵- الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ)۔ ۶- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۷- القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ ۸- تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)۔ ۹- نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۴۳ھ)۔ ۱۰- تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۴۸ھ)۔ ۱۱- نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۴۹ھ)۔ ۱۲- نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۳- جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)۔ ۱۴- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ ۱۵- تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۷۱ھ) جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فقہ وافتا کے موضوع

سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

مفتی اور فقیہ کا جو معیار حضرت امام غزالی نے پیش کیا تھا، اس کی روشنی میں احقر نے منصب افتا کے ذمہ دار کے لئے خصائص کے دو خانے ذکر کئے تھے جن میں سے ایک کا تعلق اس کی ذاتی سطح سے تھا اور دوسرے کا علمی سطح سے۔ دونوں سطحوں کا معیار، ان کے لوازمات اور تقاضوں پر گذشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی۔ ان کے تناظر میں ہم جب حضرت ملک العلما کے اوراق حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ان دونوں معیار پر کھرے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کا اخلاقی معیار اتنا روشن ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ احقر نے حضرت کی خود نوشت یادداشتیں، قلمی سرمائے، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گرانقدر اوراق کی زیارت کی ہے۔ کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ہر قدم پر مخلص امت، مصلح امت، پرسوز داعی، خدا ترس، بندۂ طاعت شعار، دردمند طبیعت اور سوز دروں سے لبریز ایک اچھے انسان نظر آئے۔ آپ کے یہاں حرص و آز کا گذر نہیں، قناعت پسندی شیوۂ فطرت تھی، تنگ دستی کے باوجود ہر کار خیر میں سبقت فرماتے۔ کثیر مدارس، خانقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جیب خاص سے مدد فرماتے۔ ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کر دیتے، ہر آڑے وقت پر کام آتے۔ آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا، اسے ہمیشہ یاد رکھا بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ فتنوں سے بیزار اور ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے۔ ان باتوں کی قدرے تائید دیکھنی ہو تو اسی مجموعۂ فتاویٰ میں شامل رسالہ مبارکہ ''تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب'' کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح ''ہادی الھداۃ لترک الموالات (۱۳۳۹ھ) اور ''سد الفرار لمہاجری بہار'' (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز دل کے ساتھ ملت کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

میں یہاں کتاب السیر کے ایک فتوے کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے حضرت کے سوز دروں اور خیر خواہی امت کا قدرے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا" کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی (سستی) و مساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے، جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسّی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرا دیں گے اور پھر دوست کے دوست۔

مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا الو سیدھا کرنے، گاؤکشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰

جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ''انسداد گاؤ کشی پر مسلمانوں کا شکوہ'' ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔انسداد گاؤ کشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔''

علمی سطح پر حضرت ملک العلما کی جامعیت کا ایک زمانہ شاہد ہے۔رائج دینی علوم کا کون سے ایسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہ تھا۔اس وسیع النظری پر قدرے گفتگو پہلے بھی ہو چکی ہے۔فقہی زاویے سے چند شواہد یہاں بھی پیش ہوتے ہیں۔

وسعت نگاہ:

حضرت ملک العلما جملہ اسلامی اور فلکیاتی علوم میں اتھارٹی تھے۔ان کی تصانیف کی فہرست سے ہی ان کی علمی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔زیر نظر مختصر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی آپ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔میں یہاں اس کے چند اشارے دیتا ہوں۔

احقر نے جب حضرت ملک العلما کے موجودہ فتاویٰ کے مآخذ کتب کی فہرست تیار کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ان میں تقریباً تیس کتابیں فن تفسیر سے متعلق ہیں، ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر و حدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ '' فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ '' کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول ''فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافرا فلیصمه'' یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی ''فمن شهد منکم هلال شهر فلیصمه'' یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا" و تیقن به" یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شھدت الھلال نہیں کہتے بلکہ شاھدت۔

کتب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ ستر سے زائد کتابوں کے حوالے تو اسی مجموعے میں ملتے ہیں۔ ایک مضمون کی دسیوں حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث کے دسیوں طرق بیان کر جاتے ہیں۔ تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف رواۃ کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں۔ اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو گیارہ ائمہ حدیث کی نو صحابہ کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"دوسری حدیث میں ہے: من یبنی للہ مسجدا جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے وفی روایة ولو کمفحص قطاة اگرچہ قطاة کے گھونسلے جیسی وفی روایة او اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وفی روایة یذکر اللہ عز وجل فیه تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین و تقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) بنی اللہ له بیتا فی الجنة اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی روایة من درر و یاقوت موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجه وابن حبان و سیدنا ابو حنیفة وابن خزیمة والبزار فی مسندہ والطبرانی فی الصغیر والترمذی وھو فی الکبیر والاوسط وابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان وعمرو جابر بن عبد اللہ وابی ذر وانس بن مالك وابی امامة وابی ھریرة واسماء بنت الصدیق وعمرو بن عبسة رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین"۔

حضرت ملک العلما کے فتاویٰ میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جو آپ کے علم اور مطالعہ کی وسعت کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعۂ فتاویٰ میں شامل فقہی رسالے "تنویر المصباح" "نصرة الاصحاب" "اعلام الساجد" میں کثیر در کثیر فقہی کتب کے حوالے دیکھے جا سکتے ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں ایک مختصر سے فتوے میں بائیس کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے علمی فیضان کی برکت ہی کہی جا سکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے۔

آداب افتا کی رعایت :

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہا اور کتب فقہ کے مراتب اور رسم المفتی سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہو۔ حضرت ملک العلما آداب افتا پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اوروں کو جب ان کی حدود پھلانگتے دیکھتے تو ان کا بھرپور تعاقب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد

دلاتے۔اس کی بہت سی نظیریں اس مجموعے میں مل جائیں گی۔میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: امام کی جائے قیام عام مقتدیوں کی جگہ سے پانچ انگل بلند ہے یا امام دہلیز میں کھڑا ہے تو نماز میں کچھ قباحت تو نہیں؟۔امام احمد رضا نے جواب مرحمت فرمایا: ''یہ صورت مکروہ ہے'' حوالے پیش فرمائے، وجہ بتائی پھر اس کا مناسب حل پیش فرمایا۔یہی استفتا ایک اور صاحب افتا کے پاس بھیجا گیا، ان کا جواب تھا: ''پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں'' انہوں نے بھی حوالے پیش کئے، علت بیان کی۔

مستفتی نے وہ سوال اور یہ دونوں جوابات حضرت ملک العلما کی خدمت میں پیش کئے۔حضرت ملک العلما نے آداب افتا سے غافل مفتی کا بھرپور تعاقب کیا۔میں حوالوں کی عبارات حذف کر کے اس جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔آپ تحریر فرماتے ہیں:

''جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل... فتاوی عالمگیریہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے، یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل وخرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اختیار فرمائی ہے۔...

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح وشیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔کیونکہ اس کے خلاف پر افتا جہالت ونادانی وخرق اجماع ہے۔

ثانیاً: یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو اور احادیث ابی داؤد وحاکم وابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔پھر اس سے عدول فقاہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ثالثاً: تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار، موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے۔اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: یکرہ ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ۔تو اس سے عدول محض جہالت ونادانی ہے۔

رابعاً: بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا، مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح وشامی وغیرہما کے، خلاف دیانت وعقل ہے۔

خامساً: آپ کا فرمانا اذا تعارضا امامان الخ۔محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے:......

''یعنی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے، تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا''۔

سادساً: ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، فافہم۔صاحب! یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ

میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین، جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جب آپ انتقادیات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے، جس کے گلے میں علماء عرب وعجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل وقال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جمے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر ۲ بننا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالاخفاء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن پھر ان باتوں میں منھ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟۔ ع شرم بادت از خدا واز رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض اماماں، در المختار، حررہ العبد محمد ابراهيم سنی حنفی چشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے''۔

یہ اقتباس جہاں حضرت کی آداب افتا سے پوری واقفیت، تفقہ اور دقیقہ رسی کو واضح کر رہا ہے، وہیں آپ کی ظرافت ملیح اور تیکھی تنقید کے دلچسپ اسلوب کا بھی آئینہ دار ہے۔

تفقہ:

مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلما کے مربی اور مرشد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ حضرت ملک العلما نے بھی اس بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لئے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے۔ گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیئت وتوقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جوہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کے لئے اسی مجموعے سے اخذ کر کے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب امامت کا شوق رکھتے ہیں۔ مسئلہ پیش ہوتا ہے ملک العلما کی بارگاہ میں۔ یہ سوال تو دستیاب نہ ہو سکا لیکن جواب کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ سوال میں بہت ساری جزئیات

تحسین۔ جواب میں حضرت ملک العلما نے جس جزئیات نگاری، ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی سے کام لیا ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتویٰ حضرت کی فقاہت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ پورا لطف تو اصل فتوے کے مطالعہ سے ہی اٹھایا جاسکتا ہے۔ میں یہاں اکیس نکات پر پھیلے اس فتوے کے خاص خاص گوشوں کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ابتدا ہوتی ہے: غیر مقلد کا استحقاق امامت کا دعویٰ باطل محض ہے کیونکہ بانی اور مصلی سب سنی ہیں اور اہل محلہ بھی جسے چاہیں گے، وہی امام ہوگا۔ غیر مقلدین بد مذہب ہیں اور بد مذہب کی توقیر حرام۔ اس لئے امامت کا اعزاز اسے نہیں دیا جاسکتا۔ بد مذہب حدیث اہل نجران کو سند میں نہیں پیش کرسکتے کہ دیکھو وہ کافر مستامن تھے، حضور نے انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بھلا ایک کلمہ گو کو مسجد سے کیسے روکا جاسکتا ہے؟۔ حضرت نے مختلف حوالوں سے اپنا موقف مستند بنانے کے بعد اخیر میں خوب فرمایا:

''غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر آجائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چندروزہ امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا''۔

غیر مقلد امام نے وقف کے استحقاق عام سے فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے ترکی بہ ترکی جواب سے اس کی بولتی بند کردی:

''غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود ونصاریٰ ویہود ومجوس وروافض وغیرہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا؟۔''

گفتگو آگے بڑھتی ہے اور غیر مقلدین کی دراندازی کی ممانعت مختلف وجوہ سے ثابت کی جاتی ہے۔''ان کی آمد سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے، فتنے اٹھتے ہیں، عوام بدکتی ہے اور وحشتیں، فتنے، دل آزاریاں مسجد سے دور رکھی جائیں گی''۔ آگے چل کر اچھوتی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی مداخلت سے مسجدیں ویران ہوتی ہیں۔ رقم طراز ہیں:

''غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر ووافر ہیں لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دوسخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا:

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت واقوال وافعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہوکر جیل آباد ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے اور بحکم قرآن عظیم جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں''۔

اس سے نرالی توجیہ ایک ہندوستانی قانون کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

''شارع عام اور اسی طرح سرِ راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سڑکیں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ بااین ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آکر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہو کر فتنہ پیدا ہوتا ہے تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کرنے میں ہرگز خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہو کر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرار دادہ مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضرور نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں۔ بلکہ شارع عام در کنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، معدود مواضع مقرر کر دیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنی کی بناء پر فرض کر لیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجا لانے سے باز رکھے اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے''۔

اخیر میں دو اور عقلی رد ذکر کرتے ہوئے جواب مکمل فرماتے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں شقیں بھی خالص منطقی ہیں اور تفتہ کی چاشنی سے لبریز۔ اس لئے ان کے اقتباسات ذرا طویل ہونے کے باوجود پیش کرتا ہوں۔ حضرت ملک العلماء رقم طراز ہیں:

☆ ''ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔......... تو غیر مقلدین حقیقۃً ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے۔ دھوکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعائی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا، خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذا دہی و آزار رسانی و بدنیتی ہے۔ کوئی استحقاق، کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہو سکتا۔ یہ بعینہ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں۔ ہمیں ان میں پوجا پاٹ کی اجازت ملے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صراحۃً فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔ مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لئے کرنا، سوائے بدنیتی و آزار رسانی کے کیا ہو سکتا ہے؟ ایسے ناجائز و فاسد المبنیٰ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتے۔ لہٰذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔

☆ اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں، مگر اس قدر تو یقیناً معلوم، جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بد مذہب و گمراہ ہے۔...... اس کے

ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہوچکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں۔ اور اگر تم اس وقت مصلحۃً نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بددین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو؟۔ تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادیات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادیات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بددین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مر جائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

ان اقتباسات سے حضرت کے ذہن عالی کی برّاقی اور جزئیات نگاری پر گرفت پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی طرح کتاب النکاح میں ایک فتوے کی تردید اور اصلاح میں آپ کی جودت طبع اور روشن دماغ نے جو جولانی دکھائی ہے، وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ آپ نے جواب اول کی فاش غلطیاں ایسی ورق آشکار کی ہیں کہ بخیئے ادھیڑ دیے ہیں۔ (پورا فتویٰ ص...... پر موجود ہے) یونہی ''کھڑکی کا فیصلہ'' میں آپ نے جس دیدہ ریزی سے فیصلے کی پوری مسل کا فقیہانہ جائزہ لے کر اس کی خامیاں طشت از بام کی ہیں اور درست شرعی فیصلے کی جانب جیسی مدبرانہ راہنمائی فرمائی ہے، وہ آپ کی تدبر آشنا فکر اور فقیہانہ بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔ (پورا رسالہ کتاب القضا میں دیکھئے)

حضرت کا رسالہ مبارکہ ''اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد'' میں بالکل امام احمد رضا کا فقہی رنگ دمکتا نظر آتا ہے۔ وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی، وہی کثیر در کثیر حوالجات، وہی استنباطی رنگ۔ مکمل رسالہ ص...... پر ملاحظہ فرمائیں۔ میں یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟۔ جواب اثبات میں ہے۔ عالمگیری کی ایک عبارت پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''عبارت ہذا، تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ، ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ و قاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذہ کرام و مشائخ عظام حصھم اللہ العلام باللطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمام جزئیات بہ آسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا۔ کما قدمنا عن الھندیۃ عن المحیط۔ اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہوگا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قولہ ویتصدق بجلدھا وقولہ ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز

لانه قربة كالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے۔ لما فی غرر الاحکام "او يجعله آلة كجراب وخف وفرو" اه وفی الخانية: "ولا باس بان يتخذ من جلد الاضحية فروا او بساطا او متكئا يجلس عليه" اه وفی الكافی والهداية:" او يعمل منه آلة تستعمل فی البيت كالنطع والجراب والغربال ونحوها" اه كالدلو والسفرة والقرب عينی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول ناجائز ہے۔ تکملہ بحر الرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے: و لا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله"

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول ناجائز ہے۔ لما فی الهداية والتبيين والكافی والطحاوی وخزانة المفتيين: "ولا يشتری به مالا ينتفع به الا بعد استهلاكه كالخل والابازير اعتبارا بالبيع بالدراهم والمعنى فيه انه تصرف على قصد التمول۔

ثانی جائز ہے۔ لما فی الهداية وشرح الكنز لملا مسكين والكافی والتبيين والطحاوی وخزانة المفتيين: "ولا باس بان يشتری به ما ينتفع بعينه فی البيت مع بقائه استحسانا"۔

یا یوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں۔ دو جائز، دو ناجائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو ناجائز وممنوع۔ وقد مضت الادلة آنفاً۔"

تصوف:

حضرت ملک العلما خشک فقیہ نہیں تھے بلکہ سوز عشق اور نفس سوختہ سے معمور ایک خوش طبع درویش فقیہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں ملّانہ خشکی نہیں ملتی بلکہ صوفیانہ لطافت پیرتی محسوس ہوتی ہے۔ دل آزاری سے گریز، تنقید میں بھی شائستگی کا برتاؤ، سوقیانہ پن سے اجتناب، اخلاص کی خوشبو، ہمدردانہ جذبے، غمگسارانہ لہجے کیا ہیں؟۔ صوفیانہ خصائل ہی تو ہیں جن کا رچاؤ ہر جگہ نظر آتا ہے، لیکن عام صوفیانہ روش سے ہٹ کر خاص صوفیانہ مسائل پر بھی آپ نے خامہ فرسائی کی ہے۔ کتاب الحظر والاباحۃ میں اس طرز کے کئی ایک فتاویٰ شامل ہیں۔

ص...... پر سوال ہے کہ کیا زید اپنے والد کی مرضی کے بغیر اشغال صوفیہ میں منہمک ہوسکتا ہے؟۔ اس کا جواب بہت ژرف نگاہی کے ساتھ دیا گیا۔ اطاعت والدین کے فضائل پر مشتمل کثیر احادیث کریمہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا

ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کرکے حلقہ میں شامل ہو۔

(حدیث مبارک ذکر کرکے) جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی.........تو باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیوں کر اجازت دی جائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔

(دوسری جانب باپ کو تلقین کرتے ہیں) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنے ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کرسکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر وفکر، شغل واذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے، کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو''۔

توجہ شیخی کے جواز کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''توجہ لینا اپنے پیر ومرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترغیب والترھیب حافظ ذکی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۱۳۰ س ۹ پر ہے: وعن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادۃ بن الصامت حاضر یصدقه قال کنا عند النبی صلی الله علیه وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الکتاب فقلنا لا یا رسول الله! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقولوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انك بعثتنی بهذه الکلمة ووعدتنی علیها الجنة وانت لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لکم۔

یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ،فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا اله الا الله کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ابھی تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرهما

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا اله الا الله کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ هل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا اله الا الله تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ ولله الحمد والله تعالیٰ اعلم۔''

حضرت کے اس استدلال نے یہ معاملہ بھی طے فرمادیا کہ حضرات صوفیہ کے معمولات، کتاب وسنت کے اسرار باطنی سے ماخوذ ہیں، یونانیوں اور ویدوں کی تعلیمات کا ملغوبہ نہیں۔

بیعت کی شرائط بیان کرتے ہوئے خالص صوفیانہ طرز کا جواب سپرد قلم کرتے ہیں:

''پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلیٰ ھذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدۂ اہل سنت والجماعت ہو، بد مذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچنوائے گا۔

او خویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے ''جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے''

ابریز میں ہے: اذا لم یکن علم لدیہ بظاہر و لا باطن فاضرب بہ لجج البحر قال الشیخ رضی اللہ عنہ مرادہ بعلم الظاہر علم الفقہ والتوحید ای القدر الواجب منہما علی المکلف ومرادہ بعلم الباطن معرفۃ اللہ تعالیٰ۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ وعملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ وبے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:

لا تقدمن قبل اعتقادک انہ مربّ و لا اولیٰ بہا منہ فی العصر (ای) و لا تقدمن علی شیخ بقصد الدخول فی صحبتہ حتی تعتقد انہ من اہل التربیۃ و انہ لا احق منہ بہا فی زمنہ۔

''یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو جب تک یہ اعتقاد نہ کرلو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں''۔

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

ہمہ شہر پر ز خوباں، منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

تنقید :

حضرت ملک العلما کو نقد و نظر کی بھی ایک خاص قسم کی استعداد عطا کی گئی تھی۔ آپ حریف کو اسی کے ہتھیار سے زیر کرنے کے قائل تھے۔ اس طرز کی تحریریں آپ کے مناظراتی رسائل میں خاص طور سے ملتی ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی بہت سارے تنقیدی جوابات ملتے ہیں جن میں طرز انشا کی خوشگوار تیکھی تنقید اور دلچسپ ہجو ملیح کے نمونے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ میں یہاں آپ کے ایک مفصل فتوے کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

فاتحہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں تحریری معرکہ آرائی چل رہی تھی۔ نقد و نظر کے لئے فریقین کی تحریریں استفتا کی صورت میں ملک العلما کے حضور پیش کی گئیں۔ آپ نے ان تحریروں کا بڑا فاضلانہ محاسبہ کیا اور تنقید کا حق ادا کر دیا۔ یہ پورا فتویٰ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ میں اس کے چند دلچسپ اقتباس پیش کرتا ہوں جو ہیں تو قدرے طویل لیکن افادیت سے لبریز ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں :

''علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا امڈ رہے ہیں۔ کہاں تک کوئی لکھے۔ اب دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وسعتِ علم و فسحتِ ذکاء و فہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چونتیسویں سوال ''رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہمد باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں ہے ''ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔ بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط''۔ یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ''فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام و نشان نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے''۔ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع و ناجائز رہے گا''۔ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بانفراد ہا جائز ہیں تو جو امور بانفراد ہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنا لینا، دھوکے کی ٹٹی ہے''۔ نہ ٹکے کی پانچ والی دو ورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ ''یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔ (ص ا س ۱۱) نہ یہ کہا کہ ''یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ ہیئات بدعتِ سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی

توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی'' ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔

رہا محشی روداد اور ''صاحبِ فاتحہ مروجہ کا فیصلہ'' کا عبارتِ درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بنانا محض ''پادرہوا'' اور ''رو در قفا'' اور بناء فاسد علیٰ الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ ''مواہب ارواح القدس'' میں بروجہ تام و مالا کلام کر دیا ہے فلتطالع۔ صاحب ''دافع التلبیسات'' نے اسی مضمون کے متعلق زیرِ قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبدالرحیم کو لکھا: ''ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت وجہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیرِ ذلک''۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف المرء یقیس علی نفسہ کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت وجہالت ہوئی؟ عبارتِ تحریر ابن ہمام والی یہ ہے" المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیۃ و الشافعیۃ" اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر مزید آگے لکھتے ہیں:

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ ''معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ وشافعیہ کے مکروہ ہے''۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق وفقیہ ومحدث جلیل شیخ محقق قدس سرہٗ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: ''فقہاء را در جواز معانقہ وکراہت آں اختلاف وتفصیلے ست وصحیح جوازِ اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد''۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سرتھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ ''تفہیم المسائل'' ص ۲۷ پر انکارِ استمداد کے لئے ''مطالب المومنین'' سے نقل کیا" یکرہ الانتفاع بالقبر" اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ ''قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں''۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: " یکرہ التمتع بالمقبرۃ و ان لم یبق آثارہ" قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے ''اگرچہ'' کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جوازِ انتفاع کا گمان ہو، لہذا تصریح کر دی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور

براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنالیا؟۔ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!''

ایسی ہی ظریفانہ اور شستہ نثر سے آپ کی ساری تنقیدی تحریریں آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں۔ احقر زیرِ نظر مجموعۂ فتاویٰ کے اتنے ہی فنی تعارف پر اکتفا کرتا ہے۔ اب کچھ باتیں ترتیبی مراحل کے تعلق سے۔

☆☆☆☆☆

حضرت ملک العلما علامہ شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ سے ان کی سادگی، رواداری، علم وفضل بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی نسبت خاص کی وجہ سے احقر کو بے حد عقیدت ہے۔ حضرت کے وصال کو تقریباً نصف صدی ہوتی ہے لیکن چند مضامین کے سوا نہ حضرت پر کوئی کام ہوسکا اور نہ حضرت کی نگارشات کو ہی منظر عام پر لانے کی باضابطہ کوشش ہوسکی۔ تنویر المصباح، نصرۃ الاصحاب، مبارک پور، گھوسی، لاہور اور ہزاری باغ سے شائع ہوئیں۔ ''تنویر السراج فی ذکر المعراج'' اور صحیح البہاری کی کچھ قسطیں پاکستان سے شائع ہوئیں۔ چند مضامین بھی لکھے گئے جن میں مولانا محمد محمود رفاقتی مصنف تذکرۂ علمائے اہل سنت کا مضمون ''ملک العلما اور علم حدیث'' قدرے مفصل ہے جو تین قسطوں میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہوا۔ لیکن

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

اب جمود ٹوٹ چکا ہے۔ حضرت پر تحقیقی کاموں کی پیش رفت ہوچکی ہے۔ برادر محترم مولانا ملک الظفر سہسرامی ایڈیٹر الکوثر (سہ ماہی) سے جب اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے ناچیز کی رائے کو شرف قبول عطا کرتے ہوئے اپنے سہ ماہی رسالہ الکوثر سہسرام کا ''ملک العلما نمبر'' نکالنے کا پختہ عزم کرلیا اور ان کی دو سالہ جانفشانہ کاوش کے بعد پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل گرانقدر نمبر مرحلۂ اشاعت کے قریب آن پہنچا ہے۔ حضرت کی گرانقدر تصنیف ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری'' کی جلد اول (عقائد) پر لاہور کی رضا فاؤنڈیشن کام کررہی ہے۔ احقر نے بھی مختلف جہت سے حضرت ملک العلما کے حضور قلمی نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

۱- ''ملک العلما اور علمائے سہسرام'' (مطبوعہ ماہنامہ جہان رضا جون ۱۹۹۹ء)۔ ۲- علم توقیت میں ملک العلما کے ایک ممتاز شاگرد، علامہ عبد الرؤف بلیاوی، نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (مطبوعہ سہ ماہی افکار رضا ممبئی۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء)۔ ۳- ''تاج العلما اور سید العلما کے گرامی مکاتیب بنام ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری برکاتی قدست اسرارہم (مطبوعہ جہان رضا، لاہور۔ فروری ۲۰۰۳ء)۔ آج سے چار سال پہلے بہت کاوش کے ساتھ حضرت کا رسالہ '' سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون ''کو جدید انداز میں ''اسلامی نظریہ موت'' کے نام سے ایڈٹ کر کے اس پر تقدیم لکھی، کتابت کے مراحل سے گذارا۔ یہ کتاب المجمع العلمی ہزاری باغ سے شائع ہوچکی ہے۔

حضرت ملک العلما کے فتاویٰ کی ترتیب کے بارے میں احقر نے آج سے تین سال پہلے نبیرۂ ملک العلما محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب سے تذکرہ کیا تھا۔ موصوف نے بطیب خاطر پورا تعاون دینے کا وعدہ کیا۔ مختلف مرحلوں

میں پیہم اصرار کے بعد اس کی نقول حاصل ہوئیں بالآخر ناچیز نے ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ میں اس کی ترتیب کا آغاز کر دیا۔ بیشتر مسودات بہت ژولیدہ خط تھے اور بعض کے اوراق تو اس قدر بوسیدہ تھے کہ ان کی سیاہ زیراکس کا پیاں پڑھنا بھی کارے دارد۔ بہر حال! احقر نے اپنے مولیٰ کے بھروسے پر حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کی روحانیت سے استعانت کرتے ہوئے اس ناصاف مسودے کی زیراکس کاپیاں دیکھنی شروع کیں۔ ناقل نے کتابت میں اتنی زیادہ غلطیاں کی تھیں کہ اسے پڑھنے اور درست کرنے میں کئی ہفتے بیت گئے۔ بہت سے اوراق کرم خوردہ تھے یا ان کی سطریں وقفے وقفے سے مسلسل نہ تھیں۔ انہیں ملانے اور وہاں مناسب الفاظ جوڑنے میں جو زحمت اٹھانی پڑی، اس کا کیا ذکر کروں۔ اس تجربے سے فتاویٰ رضویہ کے مجاہد مرتبین کی جانکاہیوں کا قدرے اندازہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں پوری ملت کی جانب سے جزائے خیر دے اور ان کی تربتیں شاداب رکھے۔ آمین!۔ بعض ناقص عبارات کی تلاش اور درستگی میں کئی کئی دن لگ گئے۔ مہینوں کے بعد یہ مسودہ ٹائپسٹ کے حوالے ہوا۔ جناب مولانا احسن نیازی صاحب جو حلقۂ دیوبند سے تعلق رکھنے کے باوجود کافی روادار ثابت ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے یہ ناقص اور بدخط مسودہ پڑھ کر ٹائپ کیا اور بہت حد تک صحت کتابت کا خیال رکھا۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں کہ اگر وہ نہ ملتے تو مجھے پورا مسودہ اپنے قلم سے صاف کرنا پڑتا جو میرے لئے کافی صبر آزما اور وقت صرف مرحلہ تھا۔ بہر کیف! ان مسلسل جانکاہیوں کے بعد چار مہینے کے عرصے میں حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کے اس قلمی سرمائے کو منظر عام پر لانے کے قابل کیا جا سکا۔

اس مجموعۂ فتاویٰ میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں جن میں کئی ایک بہت مبسوط، مفصل اور بڑے قیمتی ہیں۔ انہیں میں یہ چھ رسائل بھی ہیں:

۱- تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ) اقامت میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔
۲- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ رویت ہلال کے مسائل۔
۳- تحفت الاحباب فی فتح الکوّۃ والباب (۱۳۳۶ھ)۔ کھڑکی کا فیصلہ
۴- اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ) قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے تعمیر مسجد کا حکم۔
۵- نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ) ایصال ثواب کے شرعی طریقے۔
۶- مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)۔ عرس کے جواز کا ثبوت۔

یہ وہ رسائل ہیں جو کسی استفتا کے جواب میں معرض تحریر میں لائے گئے۔ اس لئے دراصل یہ فتاویٰ ہیں، گو اپنے حجم کی وسعت اور ضخامت کے سبب انہوں نے مستقل تصنیف کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ایک قیمتی رسالہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے فتاویٰ کی صفوں میں شامل ہونے سے رہ گیا: القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ یہ رسالہ جمعہ کی اذان ثانی کے موضوع پر تھا۔

یہ پورا مجموعہ گیارہ ابواب پر تقسیم ہے، جن میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کتاب الصلوٰۃ ۔۳۲۔ (۲) کتاب الزکوٰۃ ۔۵۔ (۳) کتاب الصوم ۔۶۔ (۴) کتاب النکاح ۔۲۱۔ (۵) کتاب الطلاق ۔۹۔ (۶) کتاب السیر ۔۵۔ (۷) کتاب الوقف ۔۴۔ (۸) کتاب القضا ۔۱۔ (۹) کتاب الاضحیۃ ۔۸۔ (۱۰) کتاب الحظر والاباحۃ ۔۲۶۔ (۱۱) کتاب الفرائض ۔۶ =۱۲۴۔

یہ سارا سرمایہ دو رجسٹروں میں محفوظ تھا۔ایک رجسٹر صحیح حالت میں تھا اور دوسرا خستہ۔ان کے علاوہ کچھ بوسیدہ اوراق پریشاں بھی تھے۔اس مجموعے کے بیشتر فتاویٰ ۱۳۲۳ھ تا ۱۳۲۵ھ کے دوران کے ہیں جس زمانے میں ملک العلما بریلی شریف میں قیام فرماتے تھے۔مسودات کے آغاز میں حضرت علّام رقم طراز ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"الحمد للہ وبہ نستعین وبحمدہ ورضاہ ظفر الدین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین عالم علوم الاولین والآخرین وعلیٰ الہ وصحبہ وعلمائہ وحزبہ لا سیما الامام الاعظم والغوث الاعظم وسائر الاولیاء والعلماء۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدھم ومولاھم وعلیھم وبارك وسلم ۔ امین!

امابعد! فقیر بارگاہ رضوی محمد ظفر الدین بہاری میجروی قادری برکاتی غفر لہ ما مضیٰ وما سیاتی، ملتمس کہ یہ چند استفتا مع جوابات ہیں جو بزمانہ قیام بریلی شریف میں سائلوں کے جواب میں لکھے گئے۔عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کیے گئے۔اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی توفیق بخشے اور اس سے مسلمانوں خصوصاً حنفی بھائیوں کو فائدہ پہنچائے۔وما ذلك علی اللہ بعزیز وھو حسبی ونعم الوکیل"۔

یہ تحریریں سو سال پہلے کی ہیں اس لئے طرز املا آج سے بہت مختلف تھا۔احقر نے اسے دور حاضر کے طرز املا کے مطابق ٹائپ کرایا ہے۔ پیرا گرافنگ بھی میری ہے۔آیات قرآنی کی تخریج کردی گئی ہے اور جہاں ترجمہ نہیں تھا، وہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاہکار ترجمۂ قرآن کنز الایمان سے ترجمے کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے۔فقہی عبارات میں حوالوں کی تخریج کرنے کا ارادہ تھا لیکن یہ کام کافی دشوار گذار ثابت ہوا۔بعض بعض عبارتوں نے کئی کئی گھنٹے لے لئے۔اس لئے پھر اس کا خیال کئی وجہ سے ترک کردیا۔پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس کا فائدہ خواص اٹھا سکتے ہیں،عوام کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور جو حضرات فقہ وافتا سے شغف رکھتے ہیں،ان کی نگاہ خود ہی ضروری مراجع پر ہوتی ہے۔دوسری وجہ یہ تھی کہ کتابوں کے ایڈیشن بدلتے رہتے ہیں،اس لئے یہ حوالے خواص کے لئے بھی زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتے۔ تیسری سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ حضرت مصنف نے جن کثیر در کثیر فقہی مآخذ کا استعمال کیا ہے،وہ ساری کتابیں تو کیا ان کا نصف بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے مہتم بالشان ادارے میں موجود نہیں۔دراصل یہ دارالافتا کی چیزیں ہیں،شاید اسی لئے ان کی فراہمی کی جانب پوری توجہ نہیں کی گئی۔مکمل فراہمی کتب کی ناکامی کے سبب تشنہ کامی تو بہر صورت رہتی،اس لئے میں نے باقی کتب کی تخریج کا خیال چھوڑ دیا۔البتہ جہاں جہاں آسانی کے ساتھ حوالے مل سکے،انہیں شامل کرلیا گیا ہے،اس لئے معاملہ بالکل سوکھا بھی نہیں ہے۔

ترتیب کے بعد تقدیم،فہرست مضامین اور فہرست مآخذ تیار کرنے کا مرحلہ تھا۔تقدیم خاصی طویل ہوگئی اور

اس نے قریب قریب ایک مہینے کا وقت لے لیا۔ اس کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ رہے:

۱- شرح عقود رسم المفتی۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
۲- مقدمۂ ردالمحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
۳- العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (مترجم) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری۔ رضا اکیڈمی ممبئی۔
۴- تاریخ التشریع الاسلامی۔ محمد خضری بک/مترجمہ عبدالسلام ندوی۔ دار المصنفین۔ اعظم گڈھ
۵- الفقہ الاسلامی وادلتہٗ۔ الدکتور وھبۃ الزحیلی۔ دارالفکر۔ دمشق
۶- مقدمہ عمدۃ الرعایۃ حاشیۂ شرح وقایہ۔ علامہ ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی۔ فاروقیہ بکڈپو۔ دہلی
۷- فتاویٰ مظہریہ۔ علامہ مفتی مظہر اللہ نقشبندی۔ مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد۔ ادارۂ مسعودیہ۔ کراچی۔
۸- آداب الافتا۔ مولانا سید ظہیر احمد قادری رضوی۔ بیت السادات، دودھ پور۔ علی گڑھ
۹- تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان۔ مکتبہ برہان۔ دھلی
۱۰- مقدمہ فقہی پہیلیاں۔ علامہ ارشد القادری۔ کتب خانہ امجدیہ۔ دہلی
۱۱- حیات اعلیٰ حضرت۔ ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری۔ قادری بکڈپو، نو محلہ۔ بریلی
۱۲- حیات ملک العلما۔ پروفیسر مختار الدین احمد۔ ادارۂ نعمانیہ۔ لاہور
۱۳- ماہنامہ جہان رضا۔ جون ۱۹۹۹ء۔ مدیر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ مرکزی مجلس رضا۔ ممبئی۔

ان مآخذ کے علاوہ میرے مربی اور مشفق استاذ، فقیہ اعظم ہند شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گذارے ہوئے وہ آٹھ سالہ لمحات بھی اس راہ میں میرے رہنما رہے جن کے دوران میں نے حضرت کی خدمت بابرکت میں رہ کر فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور تقریباً ایک ہزار فتاویٰ لکھنے کی سعادت میسر آئی۔

فہرست مضامین میں پہلے ارادہ تھا کہ فتاویٰ رضویہ کے جدید ایڈیشن کے طرز پر مضامین اور ضمنی مسائل کی الگ الگ فہرست تیار کی جائے لیکن بعد میں کچھ سوچ کر اس کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کی دو وجہ میرے سامنے تھی:

۱- حضرت ملک العلما کا یہ ذخیرہ فتاویٰ چند سال کی کاوشوں پر محیط اور مختصر ہے اس لئے اس میں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ذخیرے میں وہ تنوع بھی نہیں جو امام احمد رضا کا حصہ تھا۔ امام احمد رضا کے یہاں تو علوم کا سمندر موج مارتا نظر آتا ہے۔ وہ صرف علوم اسلامیہ سے ہی اپنے فتاویٰ میں استفادہ نہیں کرتے بلکہ معقولات، ارضیات اور فلکیات کی جملہ شاخیں ان کے وسیع ذہن میں سمٹی ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ سب سے اپنے موقف کی تائیدیں پیش کرتے اور سوالات کے گوشے اجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے وہاں ضروری ہے کہ ضمنی غیر متعلق افادات کی بھی الگ سے فہرست دی جائے تاکہ قاری آسانی کے ساتھ بھرپور استفادہ کر سکے۔ فتاویٰ ملک العلما میں بھی فیض رضا کی تجلیاں پھیلی ہوئی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر رسائل کی فہرست میں ☆ دے کر اہم ضمنی مسائل کی جانب اشارے کر دیے گئے ہیں۔

ماٰ خذ کی فہرست میں پورا ذخیرہ کھنگالنے کے بعد کتابوں کو چار خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔۱-تفسیر۔۲-حدیث۔ ۳-عقائد، اصول، فقہ۔۴-سیرت، تصوف وغیرہ۔ ہرایک خانے کی کتابیں الفبائی ترتیب میں رکھی گئی ہیں۔ان کے مصنفین کے اسمائے گرامی بقیدسن وفات بھی درج کئے گئے ہیں۔اس ذیل میں فتاویٰ رضویہ کے جدید لاہوری ایڈیشن سے کافی مدد ملی۔مولیٰ تعالیٰ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہٗ کو پوری ملت اسلامیہ کی جانب سے جزائے خیر دے جنہوں نے یہ گرانقدر سنہرا سلسلہ ترتیب واشاعت شروع کررکھا ہے۔اب تک کی اطلاع کے مطابق اس کی چھبیس جلدیں منظر عام پرآ چکی ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کے علاوہ مولانا آزادلائبریری اے ایم یوعلی گڑھ کی فہرست کتب ،مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی ''اسلامی علوم فنون ہندوستان میں''، زاغب طباخ کی ''تاریخ افکاروعلوم اسلامی'' اوراپنے پاس موجود دیگر کتابوں سے بھی استفادے رہے۔پھر بھی کہیں کہیں مصنف کا نام یاسن وصال دریافت نہ ہوسکا اس لئے کافی مشقت خیزی کے باوجود تشنگی باقی رہ گئی۔

اب اخیر میں ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جن کے تعاون اور کرم فرمائیوں کے سہارے یہ مرحلۂ سعادت اپنی تکمیل کو پہنچا۔اس خصوص میں مخدوم گرامی تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ قائم مقام مفتی اعظم ہند، بین الاقوامی شہرت یافتہ بزرگ محقق پروفیسر مختارالدین احمد سابق صدرشعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ صدرشعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا بے حدممنون ہوں جنہوں نے اپنے کلمات کریمہ سے اس ناچیز کی ہمت افزائی فرمائی اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔گرامی قدر مرتب اعزازی، نبیرۂ ملک العلما محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب زیدکرمہ خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے ہر ہرقدم پراحقر کا تعاون فرمایا اوراپنی شفقتوں کے سائے میں یہ مراحل طے کرائے۔محب گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی خلیفہ تاج الشریعہ کا بھی دلی شکریہ کہ انہوں نے اپنے کلمات خیر سے ناچیز کو یاد کیا۔جناب احسن نیازی صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بہت اپنائیت اورمحنت کے ساتھ اسے کتابت کے مرحلے سے گذارا، یہ انہیں کا حصہ تھا ورنہ اس ناقص مسودے کو دوسرا ہاتھ بھی نہ لگا تا۔

ترتیب وکتابت میں ہرممکن کوشش کی گئی ہے کہ خامیاں دوردور ہی رہیں لیکن بتقاضائے بشریت سہو ممکن ہے۔اہل نظر اپنی مخلصانہ ہدایات سے نوازیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی جاسکے۔

مولیٰ تعالیٰ میری یہ مختصرسی فقہی خدمت قبول فرمائے، اس گناہگار کے لئے سامان آخرت کرے اوراپنے محبوب بندے حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کی روحانی توجہ ارزانی کا سبب بھی۔وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ محمد والہ وصحبہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین.

محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی

۲۱؍ربیع النور شریف ۱۴۲۴ھ/۲۴؍مئی ۲۰۰۳ء بروزشنبہ،ایک بجے دن

ملک العلما - ماہ وسال کے آئینے میں

نبیرۂ ملک العلما، ڈاکٹر طارق مختار
شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۳۰۳ھ : ولادت، ۱۰ر محرم الحرام

۱۳۰۷ھ : بسملہ خوانی

۱۳۱۲ھ : مدرسہ غوثیہ حنفیہ، موضع بین، پٹنہ میں داخلہ لیا اور متوسطات کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : ۲۵ر جمادی الآخرۃ کو مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا اور حضرت محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ) سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، کانپور میں حاضر ہوئے۔ اسی دوران اس ادارے کے علاوہ احسن المدارس، کانپور اور ایک اور دار العلوم کے اہل علم سے بھی استفادہ کرتے رہے پھر پیلی بھیت آگئے

۱۳۲۱ھ : مدرسہ مصباح التہذیب، بانس بریلی میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے

۱۳۲۱ھ : امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضری

۱۳۲۲ھ : ملک العلما کی خواہش اور کوشش سے بدست اعلیٰ حضرت دار العلوم منظر اسلام کا قیام

۱۳۲۲ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں بخاری شریف کا درس اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز

۱۳۲۲ھ : ۸ر رمضان المبارک کو پہلا فتویٰ تحریر فرمایا

۱۳۲۳ھ : الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (عقائد ومناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۳ھ : مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۳ھ : ظفر الدین الجید (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۴ھ : شرح کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ (سیرت) کی تصنیف کا آغاز

۱۳۲۴ھ : مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (عقائد) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : دستار فضیلت اور سند درس وافتا سے سرفرازی

۱۳۲۵ھ : وسط شعبان المعظم میں اعلیٰ حضرت نے اپنی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور فاضل بہار کا لقب عطا کیا

۱۳۲۵ھ : التعلیق علیٰ القدوری (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۶ھ : دار العلوم منظر اسلام میں درس وافتا کا آغاز
۱۳۲۶ھ : بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (فقہ واصول) کی تصنیف
۱۳۲۶ھ : الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (فقہ واصول) کی تصنیف
۱۳۲۶ھ : شکست سفاہت (مناظرہ) کی تصنیف
۱۳۲۷ھ : الجمل المعدد لتالیف المجدد (تاریخ) کی تصنیف
۱۳۲۷ھ : ظفر الدین الطیب (مناظرہ) کی تصنیف
۱۳۲۸ھ : رجم الکنزہ علی الکلاب الممطرہ (مناظرہ) کی تصنیف
۱۳۲۹ھ : سال کے آغاز میں معززین شملہ کی پُر اصرار طلب پر شملہ تشریف لے گئے
۱۳۲۹ھ : النبراس لدفع ظلام المنھاس (مناظرہ) کی تصنیف
۱۳۳۰ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ایما پر مدرسہ حنفیہ ضلع آرہ (بہار) تشریف لے گئے
۱۳۳۰ھ : الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت (توقیت وہیئت) کی تصنیف
۱۳۳۰ھ : التحقیق المبین لکلمات التوبین، کی تصنیف
۱۳۳۰ھ : اطیب الاکسیر فی علم التکسیر، کی تصنیف
۱۳۳۰ھ : سال کے اخیر میں سشن جج مسٹر سید نور الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے
۱۳۳۱ھ : التعلیق علی شروح المغنی (نحو) کی تصنیف
۱۳۳۲ھ : عقد مسنون ہمراہ رابعہ خاتون بنت منشی محمد واعظ الحق استھانوی (پٹنہ)
۱۳۳۲ھ : رفع الخلاف من بین الاحناف (فقہ) کی تصنیف۔
۱۳۳۲ھ : صاحبزادی زرینہ خاتون کی ولادت
۱۳۳۳ھ : خیر السلوک فی نسب الملوک (تاریخ وانساب) کی تصنیف
۱۳۳۳ھ : نزول السکینۃ باسانید الاجازات المتینہ (حدیث) کی تصنیف
۱۳۳۳ھ : القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (فقہ) کی تصنیف
۱۳۳۳ھ : جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (مناقب) کی تصنیف
۱۳۳۳ھ : صاحبزادی ولیہ خاتون کی ولادت
۱۳۳۴ھ : سال کے اخیر میں خانقاہ کبیریہ شہسرام کے سجادہ نشین شاہ ملیح الدین صاحب کی فرمائش پر صدر مدرس کی

حیثیت سے سہسرام تشریف لے گئے۔

۱۳۳۴ھ : کشف الستور عن مناظرۃ رامپور، کی تصنیف

۱۳۳۴ھ : گنجینۂ مناظرہ (کلکتہ کے مناظرے کی روداد) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : آغاز سال میں ایک صاحبزادے تولد ہوئے لیکن عالم شیر خوارگی میں انتقال ہوگیا

۱۳۳۵ھ : تقریب (منطق) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تذہیب (فلسفہ) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : وافیہ (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : بدر السلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (توقیت) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : موذن الاوقات (دس شہروں کے اوقات صوم وصلوٰۃ کی تخریج)

۱۳۳۵ھ : عافیہ (صرف) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (کھڑکی کا فیصلہ) (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : صاحب زادہ مختار الدین احمد کی ولادت

۱۳۳۷ھ : نظم المبانی فی حروف المعانی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : تحفۃ الاحبار فی اخبار الاخیار (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : الاکسیر فی علم التکسیر، کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : صحیح البہاری کی تصنیف کا آغاز

۱۳۳۸ھ : سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (اخلاق) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : ندوۃ العلما (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۹ھ : صاحبزادی ریحانہ خاتون کی ولادت [ربیعہ خاتون]

۱۳۳۸ھ : جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، حکومت بہار کے زیر انتظام آگیا تو ذمہ داروں کی طلب پر آپ پھر سینئر مدرس کی حیثیت سے پٹنہ تشریف لے گئے

۱۳۳۹ھ : ہادی الہداۃ لترک الموالاۃ (سیاست) کی تصنیف

۱۳۴۰ھ : توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۴۱ھ : اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۴۲ھ : صاحبزادی صفیہ خاتون کی ولادت

۱۳۴۳ھ : نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (فقہ) کی تصنیف
۱۳۴۴ھ : الافادات الرضویہ (اصول حدیث) کی تصنیف
۱۳۴۴ھ : صاحبزادی شمیمہ خاتون کی ولادت
۱۳۴۵ھ : جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری جلد اول (کتاب العقائد) کی تصنیف
۱۳۴۶ھ : صاحبزادی نعیمہ خاتون کی ولادت
۱۳۴۷ھ : دلچسپ مکالمہ (نصائح) کی تصنیف
۱۳۴۷ھ : جامع الرضوی (جلد دوم) کے چاروں حصوں کی تکمیل ہوئی
۱۳۴۸ھ : تسہیل الوصول الی علم الاصول (فقہ واصول) کی تصنیف
۱۳۴۹ھ : نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (فقہ)
۱۳۵۳ھ : تنویر السراج فی ذکر المعراج (سیرت) کی تصنیف
۱۳۵۴ھ : نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (فقہ) کی تصنیف
۱۳۵۷ھ : الانوار اللامعہ من الشمس البازغہ (فلسفہ) کی تصنیف
۱۳۵۷ھ : الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامہ (عقائد وکلام) کی تصنیف
۱۳۵۷ھ : جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (فقہ) کی تصنیف
۱۳۵۸ھ : مشرقی اور سمت قبلہ (ہیئت) کی تصنیف
۱۳۶۰ھ : مولود رضوی (سیرت) کی تصنیف
۱۳۶۵ھ : تحفۃ العظما فی فضل العلما (فضائل) کی تصنیف
۱۳۶۶ھ : سد الفرار المہاجری بہار (نصائح / سیاست) کی تصنیف
۱۳۶۷ھ : چودہویں صدی کے مجدد (مناقب) کی تصنیف
۱۳۶۹ھ : حیات اعلیٰ حضرت، چار جلد (مناقب) کی تصنیف
۱۹۴۸ء : مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوئے
۱۹۵۰ء : مدرسہ شمس الہدیٰ سے ریٹائرمنٹ لیا۔ اس کے بعد ظفر منزل، پٹنہ میں مخصوص افراد کو درس دیتے اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے
۱۳۷۰ھ : عید کا چاند (فقہ) کی تصنیف
۱۳۷۱ھ : تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (فقہ) کی تصنیف

۱۳۷۱ھ : شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق میتن گھاٹ، پٹنہ کی استدعا پر پورنیہ (بہار) تشریف لے گئے جہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا

۱۳۸۰ھ : کٹیہار سے ظفر منزل تشریف لائے

۱۳۸۲ھ : وصال سے پہلے ''النور والضیا فی سلاسل الاولیا'' تصنیف فرمایا

۱۳۸۲ھ : ۱۹/ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸/ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر بالجہر کرتے ہوئے رب کریم کے حضور حاضر ہو گئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین و معتقدین کو ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

پیش لفظ

مولانا مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی
مرکزی دارالافتا،۸۲؍سوداگران، بریلی شریف

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ میں ملک العلما حضرت علامہ مفتی محمد ظفرالدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت بے مثل، ممتاز اور منفرد نظر آتی ہے خصوصا فنون نادرہ: ہیأت وتوقیت، ہندسہ وریاضی، جبر وتکسیر، اوفاق واعداد میں آپ کی شخصیت یکتائے روزگار تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ سولہ خانوں کے نقوش گیارہ سو طریقوں سے بھر لیتے تھے جبکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سولہ سو طریقوں سے یہ نقوش بھرنے کی مہارت حاصل تھی۔

یوں تو آپ کی شخصیت ایک ہیأت داں اور محدث کی حیثیت سے زیادہ معروف ہے لیکن جب آپ کے فتاویٰ پر نظر جاتی ہے تو آپ فقہ واصول میں بھی بے مثل وبے نظیر نظر آتے ہیں بلکہ فقہیات کے میدان میں بھی آپ پورے طور سے امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی نیابت فرماتے دکھائی دیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی لکھتے ہیں:

''مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلما کے مربی اور مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو اُن کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ ملک العلما نے بھی اسی بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لیے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے، گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیأت وتوقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جوہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔'' [فتاویٰ ملک العلما ص ۳۹]

حضرت ملک العلما کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ آداب افتا اور جزئیات فقہیہ پر گہری نظر رکھنے والے ایک ممتاز فقیہ اور مفتی ہیں۔ آپ نے تقریباً ۵۴؍سال فتویٰ نویسی فرمائی اور فقہی موضوعات پر کثیر رسالے تحریر فرمائے۔ چنانچہ خود فاضل مرتب نے اپنی تقدیم میں حضرت کے ۱۵؍فقہی رسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

فتاویٰ ملک العلما کے فاضل مرتب علامہ ساحل شہسرامی زید مجدہٗ نے ملک العلما کے فقہی شہ پارے کی ترتیب کا تذکرہ ۲۰۰۳ء کے وسط میں مجھ ناچیز سے کیا تھا۔ پھر جب موصوف اپنا مرتب کردہ یہ قیمتی مجموعۂ فتاویٰ لے کر بریلی شریف آئے تو میں اس گراں قدر مجموعے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ساحل صاحب نے نہ صرف یہ کہ حضرت ملک العلما کے بہت ہی ژولیدہ خط فقہی شہ پاروں کی نہایت سلیقے سے شیرازہ بندی کی ہے بلکہ اپنی تقدیم میں وہ جواہر پارے بکھیرے ہیں جن کی قدر وقیمت کو اہل نظر بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ انھوں نے تقریباً ایک ماہ کے عرصے میں تیار کی گئی اس تقدیم میں حضرت ملک العلما کی

حیات طیبہ، ان کے علم وفضل کا تعارف، مختلف علوم میں عبقریت، ادبی سلاست اور فقہی مہارت کے گلشن ہزار رنگ کی ایسی سیر کرائی ہے کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً فقہ وافتا کی تشریح، ان کی عہد بہ عہد تاریخ، مستند حنفی فقہا اور کتابوں کی تفصیل، فتویٰ نگاری کی تاریخ اور اس منصب عظیم کے تقاضے پر جیسی گفتگو کی ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود بہت جامعیت رکھتی ہے۔

علامہ ساحل منصب افتا کے تقاضے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، دردمند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی تصلب سے آراستہ، شرافت وتہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔“ [فتاویٰ ملک العلما، ص ۳۰]

فقیہ کے ذاتی اوصاف کے اس جامع تعارف کے بعد علمی سطح کی خصوصیتوں کا تذکرہ دس نکات کی صورت میں پیش کیا ہے جو بزرگوں کی مختلف کتابوں میں پھیلے ہوئے سیکڑوں صفحات کا خلاصہ ہے۔ یہ نکات ہر مبتدی شائق فقہ کے لیے راہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ تقدیم نگار نے اس جامع تلخیص کے سلسلے میں خاص فیض اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے اٹھایا ہے۔ اس کے بعد انھیں اصول کی روشنی میں حضرت ملک العلما کی فقہی بصیرت پر بھرپور گفتگو ملتی ہے۔ وسعت نگاہ، آداب افتا کی رعایت، تفقہ، تصوف، تنقید کے ذیلی عنوانات سے ملک العلما کی فقاہت ایسی آشکار کی ہے کہ ہر قاری ملک العلما کی فقاہت کا اعتراف کرتا نظر آئے گا۔

اس کتاب کی گراں قدری اور مرتب کی پرخلوص محنت کا اثر ہے کہ سیدی وسندی واستاذی حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ نے بطیب خاطر اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور المجمع الرضوی کے بانی شہزادۂ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا محمد عسجد رضا خان قادری بریلوی مدظلہ العالی اور ادارے کے نگراں حضرت مولانا مفتی محمد شعیب رضا نعیمی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اس سلسلے میں محب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد یونس رضا اویسی اور حضرت مولانا مفتی محمد حامد رضا قادری صاحبان کا تعاون بھی شامل رہا۔

اراکین ادارہ اس گراں قدر اشاعت پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ حضرت ملک العلما کے اس فن پارے کی اہل سنت بالخصوص صاحبان افتا کے حلقے میں خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف، مرتب اور ادارے کے اراکین وجملہ معانین کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

ساحل شہسرامی - ایک تعارف

☆ قلمی نام : ساحل شہسرامی (علیگ)
☆ نام : ارشاد احمد رضوی
☆ ولدیت : جناب اشفاق احمد برکاتی ولد وصی احمد حبیبی
☆ تاریخ پیدائش : ۱۹ر ستمبر ۱۹۷۳ء
☆ مستقل پتہ : کاشانۂ برکات رضا۔ وصی منزل محلہ مدار دروازہ، شہسرام 821115
☆ موجودہ پتہ : پروفیسر سید محمد امین قادری، ماشاء اللہ ہاؤس، کبیر کالونی، جمال پور، علی گڑھ
☆ تعلیمی نسبتیں : ضیائی، مصباحی، علیگ
☆ تعلیمی اسناد : عالمیت، فضیلت، تخصص فی الفقہ الحنفی (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) ایم اے، عربی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) الہ آباد عربی فارسی بورڈ، بہار مدرسہ بورڈ اور جامعہ اردو کی جملہ اسناد

☆ **مقالات**: دینی، علمی اور ادبی موضوعات پر چالیس سے زائد مقالات
☆ **فتاویٰ** : تقریباً ایک ہزار فتاویٰ جو فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی تصدیقات سے مزین ہیں۔

☆ **تصانیف وتراجم**:

تصانیف:

(۱) خاندانِ برکات کی علمی اور ادبی خدمات — مطبوعہ
(۲) تبرکات خاندان برکات — مطبوعہ
(۳) تصانیف خاندان برکات — مطبوعہ
(۴) شاہ حقانی کا اردو ترجمہ وتفسیر قرآن - ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ — مطبوعہ

یہ کتاب امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ کی سرپرستی اور شراکت میں تصنیف ہوئی۔

(۵) مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی - حیات اور شاعری — مطبوعہ
(۶) تاریخ ولادت نبوی — غیر مطبوعہ
(۷) حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ — غیر مطبوعہ

(۸) خواجۂ ہند کی صوفیانہ شاعری　　غیر مطبوعہ

(۹) مخدوم سمنانی کے علمی آثار　　غیر مطبوعہ

(۱۰) قطب الاقطاب دیوان محمد رشید مصطفیٰ عثمانی - حیات وافکار　　غیر مطبوعہ

(۱۱) امام احمد رضا اور شہسرام　　غیر مطبوعہ

(۱۲) مفتی اعظم　　غیر مطبوعہ

(۱۳) صدرالشریعہ　　غیر مطبوعہ

(۱۴) ملک العلما　　غیر مطبوعہ

(۱۵) شدھی تحریک اور حضرت صدرالافاضل　　غیر مطبوعہ

(۱۶) حافظ ملت　　غیر مطبوعہ

(۱۷) شارح بخاری　　غیر مطبوعہ

(۱۸) حضرت صادق شہسرامی - حیات اور شاعری　　زیر طبع

(۱۹) حکیم الاسلام مفتی مظفر احمد قادری برکاتی - حیات وخدمات　　زیر طبع

تراجم:

(۱) کاشف الاستار شریف - اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی　　زیر طبع

(۲) النور والبہا لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیا۔ سراج العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری　زیر طبع

(۳) وجود العاشقین۔ خواجہ سید محمد بندہ گیسودراز　　غیر مطبوعہ

(۴) ایم اے عربی (اے ایم یو) کی نصابی نظموں کا ترجمہ　　زیر طبع

مرتبات:

(۱) مقالات شارح بخاری (تقریباً چودہ سو صفحات)　　زیر طبع

(۲) اسلامی نظریۂ موت - ملک العلما علامہ ظفرالدین رضوی　　مطبوعہ

(۳) فتاویٰ ملک العلما　　مطبوعہ

☆☆☆☆☆

فہرستِ مضامین

فتاویٰ ملک العلما

کتاب الطہارۃ - ۱

کتاب الصلوٰۃ - ۲

کتاب الزکوٰۃ ۳

کتاب الصوم ۴

کتاب النکاح ۵

کتاب الطلاق ۶

کتاب السیر ۷

کتاب الوقف ۸

کتاب القضا ۹

کتاب الاضحیۃ ۱۰

کتاب الحظر والاباحة ۱۱

کتاب الفرائض ۱۲

ضمیمہ

کتابیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نافع البشر فی فتاویٰ ظفر

[۱۳۴۹ھ]

فتاویٰ ملک العلما

ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہٗ

کتاب الطہارۃ ۱

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب از اعظم گڑھ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ
روئی کا کپڑا نجاست سے ناپاک ہوجائے تو کس طرح پاک ہوسکتا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا والباطل باطلا۔ جس طرح بے روئی کا نجس کپڑا نجاست سے پاک کیا جاتا ہے ویسے ہی روئی کا کپڑا بھی نجاست سے پاک کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر لائق نچوڑنے کے ہو تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر بار اتنا نچوڑنے سے کہ قطرہ نہ ٹپکے، پاک ہوجائے گا اگر نجاست مرئیہ نہ ہو۔

شرح وقایہ میں ہے: "وعما لم یر اثرہ بغسلہ ثلثا وعصرہ فی کل مرۃ۔"

عالمگیریہ میں ہے: "وان کانت غیر مرئیۃ یغسلھا ثلث مرات کذا فی المحیط۔" اور اگر نجاست مرئیہ ہو تو زوال عین سے پاک ہوجائے گا۔

وقایہ میں ہے: "عن نجس مرئی بزوال عینہ ھکذا فی الغلمگیریۃ۔"

اور اگر نچوڑنے کے لائق نہ ہو تو ہر بار خشک ہوجانے کے بعد دوبارہ دھوئیں۔

ہندیہ میں ہے: "وما لا ینعصر یطھر بالغسل ثلث مرات والتجفیف فی کل مرۃ لان للتجفیف اثرافی استخراج النجاسۃ وحد التجفیف ان یخلیہ حتی ینقطع التقاطر ولا یشترط فیہ الیبس ھکذا فی التبیین" ۱۲ مختصرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

ایک صاحب کتے کو نجس العین بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ درمختار میں حضرت امام اعظم نے کتیا کے پلے کو بغل میں دبا کر نماز پڑھنا جائز لکھا ہے؟

الجواب

یہ اس شخص کا افترا محض ہے۔ نہ درمختار امام اعظم کی تصنیف ہے، نہ اس قائل کو جواز فعل وصحت عمل مع عدم جواز الفعل میں تمیز ہے۔ جواز بمعنی صحت و بمعنی اباحت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اول ہرگز مستلزم ثانی نہیں۔ بہت افعال کہ مکروہ تنزیہی بلکہ تحریمی بلکہ حرام ہیں، منافی صحت نماز نہیں ہوتے۔ تو نماز ان افعال کے ساتھ جائز ہوگی یعنی صحیح و مسقط فرض۔ مگر وہ فعل جائز مباح نہ ہوگا بلکہ حرام یا گناہ یا ناپسند۔ ہمارے علماء کہ محل کلب وغیرہ سباع سوائے خنزیر کے ساتھ نماز جائز جانتے ہیں جواز بمعنی صحت میں کلام فرمارہے ہیں۔ معاذ اللہ یہ نہیں فرماتے کہ بے ضرورت شرعیہ ایسا فعل مکروہ وناپسند نہیں۔ غیر مقلدین وہابیہ کا اس مسئلہ کو مطاعن ائمہ عظام حنفیہ کرام حصھم اللہ باللطف العام میں شمار کرنا محض سفاہت و بے عقلی ہے۔ حضرات صاحبین اوران کے موافقین رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کتا نجس العین ہے۔ اور طاہر ماننے والوں سے بھی ایک جماعت عظیم مطلقا ان صورتوں میں نماز فاسد بتاتے ہیں۔ رہے قائلین طہارت، وہ بھی اسائت وکراہت کی تصریح کرتے ہیں۔ ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی ضرورت وحاجت خواہ اپنی نادانی وجہالت سے ایسا کیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اس میں معاذ اللہ کیا طعن ہے؟ ہاں اگر فرماتے کہ ایسا کرنا چاہئے یا کرے تو کوئی ناپسندیدہ نہیں تو ایک بات تھی۔ مگر جانتا ہوں وہ اس تہمت سے پاک ومنزہ ہیں وللہ الحمد۔

بالجملہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں یہ جانور، سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب صحیح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار وماخوذ للفتوی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔

امام ابوالبرکات محمود نسفی کافی میں فرماتے ہیں: الکلب لیس بنجس العین۔

حلیہ میں ہے: ”کون الکلب لیس بنجس العین وهو المرجح فی المختصر والهداية والوقاية والنقاية والمختار والكنز والوافی والاصلاح ونور الایضاح والملتقیٰ والتنویر۔ کل اهاب دبغ فقد طهر الا جلد الخنزیر والادمی فمقتضیٰ هذه الکلية طهارة جلد الکلب بالدباغ۔ هکذا فی مجمع الانهر ومتنه ملتقیٰ الابحر وجامع الرموز ومراقی الفلاح والتيسير والبزازية والدر المختار وغير ذلك من معتمدات الاسفار۔“ والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از میرٹھ مقام اکلہ رسول پور مرسلہ حافظ عبدالحکیم صاحب ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

کیا ارشاد ہے علما کا اس مسئلہ میں کہ غیر مقلدین جو بعد پیشاب، مدام پانی سے استنجا پاک کیا کرتے ہیں اور ڈھیلے سے بدعت بتاتے ہیں، یہ قول وفعل ان کا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الـــــجـــــواب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی عادت مختلف تھی۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں ثابت ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

''مرن ازواجکن ان یستطیبوا بالماء فانی استحییهم فان رسول الله صلی الله علیه و سلم کان یفعله۔''

تم اپنے شوہروں سے کہو کہ پانی سے استنجا کیا کریں پس میں ان سے کہنے سے شرماتی ہوں۔پس تحقیق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے بعد استنجا پانی سے فرمایا کرتے۔رواہ احمد والترمذی والنسائی۔

ابوداؤد،ابن ماجہ میں انہیں سے مروی:'' قالت بال رسول الله صلی الله علیه و سلم فقام عمر خلفه بکوز من ماء فقال ما هذا یا عمر؟ فقال ماء تتوضؤ به قال ما امرت کلما بلت ان اتوضأ ولو فعلت لکان سنة۔''

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی لے کر کھڑے ہوئے۔فرمایا: اے عمر کیا ہے؟ عرض کیا کہ استنجاء کے لئے پانی ہے۔فرمایا مجھ پر واجب نہیں کیا گیا ہے کہ طہارت کروں ہر پیشاب کے بعد پانی سے اور اگر ایسا کروں تو بلاشبہ سنت ہوجاوے۔ المراد بالوضوء ههنا الاستنجاء بالماء کما ذکره النووی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈھیلے سے استنجاء کرتے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پانی سے استنجا فرماتے۔محض پانی سے استنجا کرنے میں حرج نہیں البتہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کو بدعت بتانا غلط ہے اور سفاہت ہے اور افضل یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔ہندیہ میں ہے:'' الافضل ان یجمع بینهما'' ۔والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ مرسلہ جناب مذکور الصدر صاحب

غیر مقلدین وضو میں بلا عذر اگر مسح سر کیا کرتے ہیں عمامہ پر اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں ثابت ہے۔کیا رسول خدا نے گاہے کسی عذر سے ایک دو بار یا بلا عذر، اکثر فعل ہذا بنوع مسطورہ ادا کیا ہے؟ اور یہ حدیث کس پائے میں ہے؟ اور نیز مذکور ہذا حدیث کس کتاب میں ہے اور حنفی کرام کو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟

الـــــجـــــواب

غیر مقلدین کا محض عمامہ پر مسح کرنا محض جہالت ہے۔ہرگز ہرگز مسح کرنا جائز نہیں۔اگر کرے گا وضو نہ ہوگا۔ نماز مشروط بشرط وضو ہے۔جب وضو ہی نہیں ہوا، نماز بھی نہیں ہوگی۔

خلاصہ پھر فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:'' ولا یجوز المسح علی القلنسوة والعمامة وکذا لو مسحت

المرأۃ علی الخمار الا انه اذا کان الماء متقاطرا بحیث یصل الماء الیٰ الشعر فح یجوز ذٰلك عن الشعر۔"

خزانۃ المفتیین میں ہے:"والمرأۃ اذا مسحت علیٰ اخمارها لا یجوز الا اذا کان دقیقا ینفذ الماء فیه فبلغ ربع راسه کذا فی السراجیة والغنیة والخانیة۔"

اقول اور بر ظاہر کہ آدمی کس طرح عمامہ پر مسح کرے؟ سر میں تری تک محسوس نہیں ہوسکتی فضلا ان یبلغ ربع راسه۔

رہی حدیث، جو مروی ہے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے:"قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یمسح علیٰ عمامته وخفیه۔"سو اس کے یہ معنی ہیں کہ سر پر تحت عمامہ کے مسح فرما کر عمامہ پر ہاتھ گذراتا۔

قسطلانی میں ہے:"یمسح علیٰ عمامة بعد مسح الناصیة ویدل علیه حدیث ابی داؤد عن انس رضی الله عنه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یتوضأ وعلیه عمامة قطریة فادخل یده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه۔"

علاوہ بریں اولاً حدیث مسح عمامہ کی محتمل اور نہیں چھوڑا جاتا متیقن بوجہ محتمل کے۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے حکم مسح سر کا دیا ہے نہ مسح عمامہ کا۔ اور حدیث مسح عمامہ کی آحاد ہے۔ جس سے زیادتی کتاب پر جائز نہیں اور نہ وہ اس کا ناسخ ہوسکے۔ کما هو مبرهن فی فن الاصول اور یہی مذہب ائمہ وعلماء کا ہے اور یہی قول سفیان ثوری و مالک بن انس و ابن مبارک و امام شافعی و حضرت امام الائمہ، سراج الامۃ ابوحنیفۃ رضی اللہ عنھم کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الصلوٰۃ ۲

تنویر المصباح للقیام عندحی الفلاح

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جماعت کی نماز میں امام اور مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟ مذہب احناف کیا ہے۔ مدلل ارشاد ہو۔

(محمد سلیمان قادری)

الجواب

اس مسئلہ کی متعدد صورتیں ہیں اور سب کا حکم جدا ہے۔ اس لئے بالتفصیل جواب دینا مناسب ہے۔ فاقول وباللہ التوفیق۔

شکل اول: امام اور مکبر دونوں ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں آکر تکبیر شروع کی تو جب تک تکبیر پوری ختم نہ ہو جائے مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو۔

(۱) درمختار میں ہے: "اذااقام الامام بنفسه فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامته ظهیریة"۔ "فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ امام جب بذات خاص مسجد میں اقامت کہے تو مقتدی نہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ اقامت ختم کر لے"۔

(۲) فتاوی عالمگیریہ میں ہے: "وان کان المؤذن والامام واحدا فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامة"۔ "اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اگر اقامت مسجد میں شروع کی تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام اقامت سے فارغ نہ ہو جائے"۔

(۳) فتح اللہ المعین حاشیہ کنز ملا مسکین میں ہے: "هذا اذا کان المؤذن غیر الامام وان اتحدوا اقام فی المسجد اجمعوا ان القوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامة"۔ "(حی علی الفلاح) پر کھڑا ہونا اس وقت

ہے جب امام اور موذن دو شخص ہوں اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اجماع ہے کہ مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

اس تصریح سے ان لوگوں کی بھی غلطی ظاہر ہو گئی جو کہتے ہیں کہ ہم امام و مکبر کی اتباع میں کھڑے ہوتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا امام اور مکبر تو کھڑا ہو اور ہم بیٹھے رہیں، یہ خلاف تعظیم مکبر ہے اس لئے ہم مکبر کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جدّت اور اجتہاد محض تصریحات فقہائے کرام کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) جامع الرموز میں ہے: ''لو کان الامام موذناً لم یقم القوم الا عند الفراغ وھذا اذا اقام فی المسجد''۔ ''اگر امام خود مکبر ہو تو جب مسجد میں آ کر تکبیر کہنی شروع کرے تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

(۵) بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے: ''ھذا کلہ اذا کان الموذن غیر الامام فان کان واحد او اقام فی المسجد فالقوم لایقومون حتیٰ یفرغ من الاقامۃ''۔ ''یہ (حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا) اس وقت ہے جب موذن امام کے سوا دوسرا شخص ہو اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو اور اقامت مسجد میں کہہ رہا ہے تو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے، مقتدی کھڑے نہ ہوں''۔

(۶) ملتقی الابحر اور اس کی شرح (۸) مجمع الانہر میں ہے: ''وفی القھستانی نقلا عن المحیط۔ ''لو کان الامام موذناً لم یقم القوم الا عندالفراغ''۔ ''اگر امام ہی مکبر ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں''۔ واللہ اعلم۔

شکل دوم: امام اور مکبر ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی تکبیر شروع کر دی تو تمام مشائخ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو، جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۱) جامع الرموز میں ہے: ''والا فقد قاموا اذا دخلہ کما فی المحیط''۔

''اور اگر امام نے اقامت مسجد میں آ کر نہیں شروع کی بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہی شروع کر دی تھی تو جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ جب امام مسجد میں داخل ہو جائے تو لوگ کھڑے ہوں اور ایسا ہی محیط میں ہے''۔

(۳) فتح اللہ المعین میں ہے:''وان خارجه قام كل صف ينتهي اليه الامام''۔''اگر امام اور موذن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر شروع کر دی تو جس جس صف کے سامنے امام گزرتا جائے وہ لوگ کھڑے ہو جائیں''۔

(۴) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:''و ان اقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا علیٰ انهم لا يقومون مالم يد خل الامام في المسجد''۔''اگر امام و موذن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر کہنی شروع کر دی تو مقتدی اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو''۔

(۵) درمختار میں ہے:''وان خارجه قام كل صف ينتهي اليه، بحر''۔''اگر امام نے تکبیر خارج مسجد ہی سے شروع کر دی تو جیسے جیسے صفوں کے سامنے امام آتا جائے وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ یہ بحر الرائق میں ہے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شکل سوم: امام اور موذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں، باہر ہے اور جانب قبلہ سے مسجد میں آرہا ہے تو نہ تکبیر شروع ہوتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں، نہ جب موذن حی علی الفلاح کہے بلکہ جب مقتدی امام کو دیکھ لیں اس وقت کھڑے ہوں۔

(۱) شرح بخاری و فتح الباری شرح بخاری میں ہے:''واذا لم يكن الامام في المسجد فذهب الجمهور الى انهم لا يقومون حتى يروه''۔''تکبیر شروع ہوئی اور امام مسجد میں نہیں تو جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ مقتدی جس وقت تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں''۔

اور یہی حدیث بخاری و مسلم شریف سے ثابت ہے:''عن ابي قتادة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اقيمت الصلوٰة فلاتقوموا حتى تروني''۔''جب اقامت کہی جائے (اور میں مسجد میں موجود نہ ہوں) تو تم لوگ کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ یہ مذہب متفق علیہ تمام ائمہ و علما کا ہے''۔

(۵) التعليق الممجد میں ہے:''وقال ابو حنيفة واصحابه اذالم يكن معهم الامام في المسجد فانهم لايقومون حتىٰ يروا الامام لحديث ابي قتادة عن النبي صلى الله عليه وسلم اذااقيمت الصلوٰة فلا تقوموا حتى تروني وهو قول الشافعي و داؤد''۔''امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں نے

فرمایا کہ جب مقتدی کے ساتھ امام مسجد میں نہ ہو تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں بوجہ حدیث حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو، یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو اور یہی قول شافعی اور داؤد کا ہے''۔

(۶) درمختار میں ہے:''وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرهم علیه''۔''تکبیر کے وقت امام مسجد میں نہیں ہے، باہر سے آگے کی طرف سے آرہا ہے تو جس وقت لوگوں کی نگاہ امام پر پڑے اس وقت کھڑے ہوں''۔

(۷) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:وان کان الامام دخل المسجد من قدامهم یقومون کما راؤ االامام''۔''اور اگر امام مسجد میں آگے کی طرف سے داخل ہوا تو جیسے لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں''۔

(۸) بدائع الصنائع میں ہے:''فان کان خارج المسجد لایقومون مالم یحضرلقول النبی صلی الله علیه وسلم ''لاتقوموافی الصف حتی ترونی خرجت ''وروی عن علیٰ رضی الله عنه '' انه دخل المسجد فرایٰ الناس قیاماً ینتظر ونه فقال مالی اراکم سامدین ای واقفین متحیرین'' ولا ن القیام لاجل الصلوٰۃ ولا یمکن اداء هابدون الامام فلم یکن القیام مفید ا ثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فکمارا وه قامو الانه کما دخل المسجد قام مقام الا مامة''۔''پھر اگر امام مسجد سے باہر ہو تو جب تک امام حاضر نہ ہو اس وقت تک مقتدی کھڑے نہ ہوں بوجہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے: مت کھڑے ہو صف میں یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو کہ میں نماز کے لئے نکلا ہوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے پایا تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو متحیر پاتا ہوں''۔
اس لئے بھی کہ کھڑا ہونا نماز کے لئے ہے اور نماز کا ادا کرنا بغیر امام کے نہیں ہو سکتا تو کھڑا ہونا مفید نہ ہوگا۔ پھر اگر امام صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہو تو جیسے ہی لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔ اس لئے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوگا امامت کی جگہ کھڑا ہوگا۔

(۹) تبیین الحقائق وشرنبلالیہ میں ہے:''دخل من قدام وقفواحین یقع بصر هم علیه'' ۔''اگر امام مسجد میں آگے کی جانب سے داخل ہو تو جس وقت مقتدیوں کی نگاہ امام پر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں''۔ هکذافی فتح الله المعین والخلاصة والطحطا وی علیٰ مراقی الفلاح۔ والله تعالی اعلم۔

شکل چہارم: امام و موذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں اور مسجد میں پورب کی طرف (خلاف جانب قبلہ) سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے گزرے گا، وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ تکبیر شروع ہوتے ہی یا حی علی الفلاح پر پہنچنے کے وقت سب کو کھڑا ہونے کا حکم نہیں۔

(۱) درمختار میں ہے: ''والافیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علیٰ الاظھر''۔ ''ورنہ ظاہر تر یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں''۔

(۲) ردالمحتار میں علامہ شامی فرماتے ہیں: ''قولہ والا ای وان لم یکن الامام بقرب المحراب بان کان فی موضع آخر من المسجد او خارجہ و دخل من خلف''۔ ح۔ ''اور اگر امام محراب کے قریب نہ ہو یعنی مسجد ہی میں کسی دوسری جگہ ہے یا مسجد سے خارج ہے اور غیر قبلہ کی جانب سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے امام گزرتا جائے گا وہ صف کھڑی ہوگی''۔

(۳) ایسا ہی علامہ حلبی شارح درمختار نے تحریر فرمایا ہے۔

(۴) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ''فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکما جاوز صفا قام ذالک الصف والیہ مال شمس الائمہ الحلوائی والسرخسی و خواھر زادہ''۔ ''لیکن امام جب مسجد کے باہر ہو تو وہ اگر صفوں کی جانب سے اندر آئے تو جس صف سے گزرے، اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اسی کی طرف شمس الائمہ حلوائی، سرخسی، اور خواہر زادہ کا میلان ہے''۔

(۵) بدائع الصنائع میں ہے: ''وان دخل من وراء الصفوف فالصحیح انہ کلما جاوز صفا قام ذالک الصف لانہ صار بحال لو اقتد وابہ جاز فصار فی حقھم کانہ اخذ مکانہ''۔ ''اور اگر مسجد میں صفوں کی جانب سے امام داخل ہو تو قول صحیح یہی ہے کہ جس جس صف کے آگے بڑھے گا وہ صف کھڑی ہوتی جائے گی۔ کیوں کہ امام اس صف کے لئے ایسی حالت میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس کی اقتدا کریں تو جائز ہے تو ان کے حق میں ایسا ہوا کہ وہ اپنی جگہ یعنی محراب میں پہنچ گیا''۔

(۶) تبیین الحقائق میں ہے: ''و ان لم یکن الامام حاضراً لا یقومون حتیٰ یصل الیھم ویقف مکانہ فی روایۃ وفی اخریٰ اذا اختلط بھم وقیل یقوم کل صف ینتھی الیہ الامام وھو

الاظھــر"۔"اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جب تک وہ پہنچ نہ لے اور اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے، مقتدی سب بیٹھے رہیں کوئی کھڑا نہ ہو۔ ایک روایت یہ ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ جب باہر سے آکر مقتدیوں میں مل جائے تو لوگ کھڑے ہو جائیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے اور یہی زیادہ ظاہر ہے"۔

(۷) شرنبلالیہ میں ہے: "والافیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر"۔ "اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے امامت کے لئے آرہا ہے تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس جس صف سے آگے بڑھے وہ صف کھڑی ہو جائے"۔

(۸) فتح اللہ المعین میں ہے: "فــان لــم یــکــن وقف کــل صف انتھیٰ الیہ الامــام علیٰ الاصح خلاصہ وفی الزیلعی وھوا لاظھر"۔ "پس اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے آرہا ہے تو جس جس صف تک پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے، یہی اصح قول ہے۔ یہ خلاصہ میں ہے اور زیلعی میں ہے کہ یہ اظہر ہے"۔

(۱۱) بحرالرائق میں ہے: "والافیـقوم کل صف ینتھی الیہ الامام علی الاظھر"۔ "اگر امام مسجد میں نہ ہو تو جس صف تک امام پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے یہی اظہر ہے"۔

(۱۲) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح: "قـولــہ یـقـوم کــل صف الـخ وفـی عبــارۃ بعضھم فکلما جــاوز صـفـا قام ذلک الصف"۔ "بعض فقہا کی عبارت یہ ہے کہ جس صف سے امام آگے بڑھے، وہ صف کھڑی ہو جائے"۔ واللہ اعلم۔

شکل پنجم: امام محراب کے قریب مسجد میں موجود ہے، مقتدی بھی موجود ہیں۔ تکبیر شروع ہو چلی، بعض مقتدی مسجد میں اس وقت داخل ہوئے تو ان کو حکم ہے کہ بیٹھ جائیں اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہونچے تب کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "واذادخـل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المـوذن حی علیٰ الفلاح کذا فی (۲) المضمرات"۔ "ایک شخص اقامت کے وقت مسجد میں آیا تو اس کو کھڑے رہ کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے پھر جب موذن حی الفلاح پر پہونچے تب وہ

کھڑا ہو۔ اسی طرح مضمرات میں ہے''۔

(۳) درمختار میں ہے: ''دخل المسجد والموذن يقيم قعد الى قيام الامام فى مصلاه''۔ ''ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ مکبر تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے جب تک امام اپنے مصلی پر کھڑا نہ ہو، یہ بھی کھڑا نہ ہو''۔

(۴) ردالمحتار میں ہے: ''ويكره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذابلغ الموذن حى على الفلاح''۔ ''اس کے لئے نماز کا کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھ جائے پھر جب موذن حی علی الفلاح پر پہونچے اس وقت کھڑا ہو''۔

(۵) طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ''واذااخذ الموذن فى الاقامة ودخل رجل فى المسجد فانه يقعد ولا ينتظر قائما فانه مكروه كمافى المضمرات (٦) قهستانى ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون''۔ ''علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں: اور جب موذن نے تکبیر شروع کی اور ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے، یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہ قہستانی نے کہا اور اس سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑا ہوجانا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں''۔

(۷) وقایہ و(۸) جامع الرموز میں ہے: ''وفى الكلام ايماء الىٰ انه لو دخل المسجد احد عندالاقامة يقعد لكراهة القيام والانتظار كما فى المضمرات''۔ ''اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کہنے کے وقت مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے''۔

(۹) فتاوی بزازیہ میں ہے: ''دخل المسجد وهويقيم يقعد ولايقف قائما''۔ ''کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور موذن تکبیر کہہ رہا ہے تو یہ آنے والا شخص بیٹھ جائے اور کھڑا نہ رہے''۔

(۱۰) عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ''ويقوم الامام والقوم اى من مواضعهم الىٰ الصف وفيه اشارة الى انه اذادخل المسجد يكره له الانتظار قائما بل يجلس فى موضع ثم يقوم عندحى على الفلاح وبه صرح فى جامع المضمرات''۔ ''امام اور قوم اپنی جگہ سے صف میں کھڑے ہوں۔ اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو کھڑے کھڑے نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی

جگہ بیٹھ جائے پھرحی الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہو‘‘۔ واللہ اعلم۔

شکل ششم: امام ومقتدی مسجد میں موجود ہیں اور موذن غیرامام ہے جوصورت عام طور پر ہوا کرتی ہے تو اس مسئلہ میں ائمہ ومجتہدین کے پانچ قول ہیں:

قول اوّل: امام شافعی، امام ابو یوسف اور ایک جماعتِ علما کا یہ ہے کہ اس صورت میں امام ومقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں۔ صرف مکبر (تکبیر کہنے والا) کھڑا ہو اور تکبیر کہے۔ جب تکبیر سے فارغ ہو جائے تو تکبیر ختم ہونے کے بعد امام ومقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے: ’’وقد اختلف السلف متیٰ یقوم الناس الیٰ الصلوٰۃ (الیٰ ان قال) ومذھب الشافعی وطائفۃ انہ یستحب ان لایقوم حتی یفرغ الموذن من الاقامۃ وھوقول ابی یوسف‘‘۔ ’’اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے کہ کس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو امام شافعی اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ امام اور مقتدی کوئی بھی نہ کھڑا ہو جب تک موذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اور یہی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے‘‘۔

(۲) قسطلانی شرح بخاری میں ہے: ’’واختلف فی وقت القیام الیٰ الصلوٰۃ فقال الشافعی والجمھور عندالفراغ من الاقامۃ وھوقول ابی یوسف‘‘۔ ’’اور اختلاف کیا گیا ہے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں تو امام شافعی اور جمہور علما نے فرمایا کہ اقامت سے فارغ ہونے کے بعد امام ومقتدی کھڑے ہوں اور یہ قول امام ابی یوسف کا ہے‘‘۔

(۳) نووی شرح مسلم میں ہے: ’’واختلف العلماء من السلف فمن بعد ھم متی یقوم الناس الصلوٰۃ ومتنی یکبرالامام فمذھب الشافعی وطائفۃ أنہ یستحب ان لایقوم احد حتی یفرغ الموذن من الاقامۃ‘‘۔ ’’علمائے سلف اور ان کے بعد علما نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں اور امام کس وقت تکبیر کہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت علما کا مذہب یہ ہے کہ مستحب ہے امام ومقتدی کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب تک موذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے‘‘۔

(۴) التعلیق الممجد میں ہے: ’’قولہ انہ یقوم الیٰ الصلوٰۃ اختلفوا فیہ فقال الشافعی

والجمهور يقومون عندالفراغ من الاقامة وهو قول ابى يوسف"۔یعنی علمانے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں اختلاف کیا ہے تو امام شافعی اور جمہور کا قول یہ ہے کہ جب موذن تکبیر سے فارغ ہو جائے تب امام ومقتدی کھڑے ہوں۔یہی قول امام ابی یوسف کا ہے''۔

اس قول کی تائید حدیث فعلی حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوتی ہے۔

(۵) مبسوط میں ہے:''وابو يوسف احتج بحديث عمر رضى الله عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم فى المحراب"۔''امام ابو یوسف نے عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ موذن کے تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے''۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول دوم: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے،اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہئے اور اسی کی تائید حدیث فعلی حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوتی ہے۔ہر علم والا جانتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو نہ صرف دو چار دن بلکہ پورے دس سال خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں رہے اور حضور کے ہر فعل، ہر قول کو بہت نزدیک سے غائر نگاہ سے دیکھا۔

(۱) نووی شرح مسلم میں ہے:''و كان انس رضى الله عنه يقوم اذا قال المؤذن قدقامت الصلوٰة وبه قال احمد"۔''حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور یہ قول امام احمد کا ہے''۔

(۲) عینی شرح بخاری میں ہے:''وقال احمد اذاقال المؤذن **قدقامت الصلوٰة يقوم**"۔ ''امام احمد نے فرمایا کہ جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کھڑے ہوں''۔

(۳) اسی میں ہے:''وكان انس رضى الله تعالى عنه يقوم اذا قال **المؤذن قدقامت الصلوٰة** وكبر الامام وحكاه ابن ابى شيبة عن سويد بن غفلة و كذا قيس بن **حازم وحماد**"۔''**انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام تکبیر تحریمہ کہتا۔محدث ابن ابی شیبہ نے سوید بن غفلہ اور قیس بن حازم اور حماد سے اس کو حکایت کیا**''۔

(۴) فتح الباری شرح بخاری میں ہے:''وعن انس انه كان يقوم اذاقال المؤذن قدقامت الصلوٰة رواه

(۵) ابن المنذر و کذا رواہ (٦) سعید بن منصور من طریق ابی اسحاق عن اصحاب عبداللہ"۔ ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا۔ اس حدیث کو ابن المنذر وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اسی طرح سعید بن منصور نے بطریق ابواسحاق عبداللہ سے روایت کیا''۔

(۷) مصنف میں ہے: ہشام یعنی ابن عروہ بھی قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے قبل کھڑے ہونے کو مکروہ جانتے تھے۔

(۸) عینی میں ہے: ''کرہ ھشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتیٰ یقول المؤذن قدقامت الصلوٰۃ''۔ ''مصنّف میں ہے کہ ہشام یعنی ابن عروہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول سوم: اسی کے قریب قریب امام زفر وحسن ابن زیادہ کا قول ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے: ''وقال زفر اذاقال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ مرۃ قاموا واذاقال ثانیا افتتحوا''۔ ''امام زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں''۔

(۲) بدائع الصنائع میں ہے: ''وعندزفر و حسن ابن زیادیقومون عند قولہ قد قامت الصلوٰۃ فی المرۃ الاولیٰ ویکبرون عند الثانیۃ''۔ ''امام زفر وحسن ابن زیاد کے نزدیک پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور دوسری مرتبہ کہنے کے وقت تکبیر کہیں''۔

(۳) ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے: ''وقال الحسن بن زیاد یقومون عند قولہ قدقامت الصلوٰۃ قاموا الی الصف واذاقال ثانیا کبروا''۔ ''امام حسن بن زیاد نے فرمایا کہ جب موذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں صف میں اور جب دوسرے مرتبہ کہے تو تکبیر تحریمہ کہیں''۔

(۵) جامع الرموز میں ہے: ''وقال الحسن وزفر اذ اقال قد قامت الصلوٰۃ مرۃ (٦) کما فی المحیط''۔ ''امام حسن وزفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑے ہوں جیسا کہ محیط میں ہے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول چہارم: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے: ان کے نزدیک کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تحدید کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ہر شخص کو اختیار ہے، چاہے جب کھڑا ہو۔ اس لئے کہ بعض لوگ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور بعض بھاری بھرکم تو سب کو ایک وقت کھڑے ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اکثر مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔ (یعنی جو مذہب امام شافعی اور جمہور علما اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے)

(۱) عون المعبود شرح ابوداؤد (۲) وفتح الباری شرح بخاری میں ہے: ''وقال مالك في الموطالم اسمع في قيام الناس حين تقام الصلوٰة بحد محدود الاانى ارىٰ ذالك علىٰ طاقة الناس فان فيهم الثقيل والخفيف و ذهب الاكثرون الىٰ انهم اذا كان الامام معهم في المسجد لم يقوموا حتى يفرغ من الاقامة''۔ ''امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی لیکن مین اس کو لوگوں کی قوت اور طاقت پر خیال کرتا ہوں کیونکہ نمازیوں میں بعض بوجھل ہوتے ہیں اور بعض ہلکے پھلکے اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ جب امام ان کے ساتھ مسجد میں ہو تو جب تک اقامت ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں''۔

(۳) عینی شرح بخاری میں ہے: ''وقد اختلف السلف متىٰ يقوم الناس الىٰ الصلوٰة فذهب مالك وجهور العلماء الىٰ أنه ليس لقيامهم حد''۔ ''سلف صالحین نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟ تو امام اور جمہور علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ ان کے کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں''۔

اسی میں ہے: ''ولكن استحب عامتهم القيام اذا اخذالموذن في الاقامة''۔

لیکن عام علمائے مالکیہ نے مستحب سمجھا کہ جس وقت موذن تکبیر شروع کرے، اسی وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور ایک روایت امام مالک سے ہی اسی قسم کی منقول ہے جسے امام قاضی عیاض نے ان سے نقل کیا ہے۔

(۴) نووی شرح مسلم میں ہے: ''ونقل القاضي عياض عن مالك رحمه الله و عامة العلماء انه يستحب ان يقوموا اذااخذ الموذن في الاقامة''۔ ''امام قاضی عیاض نے امام مالک اور علما عامہ سے ایک روایت نقل کی کہ مستحب ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن تکبیر شروع کرے''۔

(۵) التعليق الممجد شرح مؤطاامام محمد میں ہے: ''و عن مالك يقومون عند اولها وفي

الموطا انه یری ذالك علیٰ طاقة الناس فان فیهم الثقیل والخفیف کذ اذکر القسطلانی" ۔"اور ایک روایت امام مالک سے ہے کہ لوگ اول اقامت کے وقت کھڑے ہوں اور مؤطا میں ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کی طاقت پر ہے۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض ثقیل ہوتے ہیں اور بعض خفیف تو سب کا حکم ایک نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں ذکر کیا"۔

(۲) علامہ زرقانی مالکی شرح مؤطا میں تحریر فرماتے ہیں:"ومن ثم اختلف السلف فی ذالك فقال مالك رحمة الله علیه انی اریٰ ذالك علیٰ قدرطاقة الناس فان منهم الثقیل الخفیف ولا یستطیعون ان یکونوا کرجل واحدوذهب الاکثرالیٰ انهم اذاکان الامام معهم فی المسجد لم یقوموا حتی تفرغ الامامة واذالم یکن فی المسجد لم یقوموا حتی یروه" ۔"نماز میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے، چوں کہ اس کے متعلق کسی حدیث میں صاف حکم نہیں ہے۔ اسی لئے ائمہ سلف نے س مسئلہ میں اختلاف کیا۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس کو لوگوں کی طاقت پر رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض بوجھل اور بعض ہلکے ہوتے ہیں تو وہ سب ایک شخص کی طرح نہیں ہوسکتے (سب کو ایک حکم نہیں دیا جاسکتا) اور اکثر علمائے لکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہوجائے اس وقت تک لوگ کھڑے نہ ہوں اور جب مسجد میں نہ ہو تو جب تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں"۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ امام مالک اور مالکیہ کے تین قول ہیں:

(۱) اصل مذہب اور قول امام مالک کا یہ ہے کہ اس بارے میں انہوں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے ان کی ذاتی رائے ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ ضعف وقوت کے اعتبار سے ہر ایک کو کھڑے ہونے کا اختیار ہے۔

(۲) ایک روایت امام مالک سے یہ ہے کہ ابتدائے اقامت ہی سے لوگ کھڑے ہوجائیں۔ عام علمائے مالکیہ بموجب اسی ایک روایت کے اسی طرف گئے ہیں۔

(۳) اور اکثر علمائے مالکیہ کا یہ قول ہے کہ تکبیر ختم ہوجانے پر لوگ کھڑے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: ائمہ مجتہدین کے چار قول اوپر گزرے اور پانچواں قول امام الائمہ، مالک الازمہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے متبعین عام مسلمان ہندو پاکستان اور دنیا کے مسلمانوں میں تین حصے ہیں اور جن کے

مقلدین ہم سب لوگ ہیں، آئندہ مفصل ومدلل آتا ہے۔لیکن شراح بخاری نے ایک روایت سعید بن المسیب اور عمر بن عبدالعزیز سے ذکر کی ہے اسے ذکر کردیا جاتا ہے۔وہ یہ کہ: جب مؤذن اللہ اکبر کہے لوگ کھڑے ہوجائیں، اور جب حی علی الصلوٰۃ کہے صفوں کو برابر کریں اور جب لا الہ اللہ کہے تو امام تکبیر شروع کرے۔

عمدۃ القاری وفتح الباری شروح بخاری میں ہے:''والـلـفـظ للاول و عن سعيد بن المسيب وعمر بن عبـدالـعـزيـز "انـه اذاقـال الـمـؤذن الله اكبر وجب القيام و اذقال حى علىٰ الصلوٰة اعتدلت الصفوف ، واذاقال لااله الاالله كبرالامام"۔

لیکن ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب یا عمر بن عبدالعزیز کوئی امام مجتہد صاحب مذہب نہیں کہ لوگ ان کے مقلد ہوں اور نہ اس قول کی تائید کسی حدیث سے ذکر کی۔اس لئے اسکی حیثیت محض ایک ذاتی رائے کی ہے تو ائمہ کے اقوال، احادیث کے ارشاد کو چھوڑ کر اس کی آڑ پکڑنا صرف اپنی بات کی پچ ہوگی۔اسی وجہ سے علامہ عینی نے اس کو ذکر کر کے صاف فرمایا ہے۔

''وذهب عامة العلماء الىٰ انه يكبر حتىٰ يفرغ المؤذن من اقامته''۔''اکثر علما کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہوجائے اللہ اکبر نہ کہے ۱۲م''۔

آخر مضمون کی تائید وتوکید،تصدیق وتوثیق علمائے عامہ کے قول سے فرمادی اور اللہ اکبر کہنے کے وقت قیام کرنا محض ان کی ذاتی رائے تھی۔اس لئے اس کی تصدیق کسی عالم کے قول سے نہ فرمائی۔

قول پنجم: امام الائمہ، مالک الازمہ، امام اعظم، ہمام اقدم، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالی علیہ اور ان کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کا ہے: جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت امام ومقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے:''وقـال ابـو حـنـيـفة و مـحـمـد يـقـومـون فى الصف اذاقال حى علىٰ الصلوة''۔''امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوصف میں کھڑے ہوجائیں''۔

اور ایک روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب مؤذن ''حی علی الفلاح'' کہے، اس وقت کھڑے ہوں۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری میں ہے:''عـن ابـى حنيفة يقومون اذاقال حى علىٰ الفلاح''۔''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں''۔

بعض علما نے قول اول کو راجح بتایا ہے اور بعض نے قول ثانی کو۔اعلی حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی

قدس سرہ العزیز نے ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی کہ دراصل یہ دوقول متعارض ومتخالف نہیں ہیں۔اس لئے چاہئے کہ حی علیٰ الصلوٰۃ کے اختتام اور حی علیٰ الفلاح کی ابتدا کے وقت کھڑے ہوں۔تو ایک جماعت نے انتہا کا وقت بیان کیا اور دوسری جماعت نے ابتدا کا۔

(۳) فتاویٰ رضویہ میں ہے:''ولا تعارض عندی بین قول الوقایة واتباعها یقومون عند حی علیٰ الصلوٰة والمحیط والمضمرات ومن معهما عند حی علیٰ الفلاح فانا اذا حملنا الاول علیٰ الانتهاء والآخر علیٰ الابتداء اتحد القولان ای یقومون حین یتم المؤذن "حی علیٰ الصلوة" ویاتی حی علیٰ الفلاح''۔''میرے نزدیک وقایہ اوران کے متبعین کے قول ''یقومون عند حی علیٰ الصلوة''۔''(حی علیٰ الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں)اور محیط اور مضمرات اوران دونوں کے ہم خیالوں کے قول عندحی الفلاح میں کوئی تعارض نہیں۔اس لئے کہ ہم اول یعنی حی علیٰ الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھرے ہونے کو انتہا پر حمل کریں۔یعنی جب حی علیٰ الصلوٰۃ کہہ لے اور دوسرے قول یعنی حی علیٰ الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قول متحد ہو جائیں''۔

آگے فرماتے ہیں:''هذا مایعطیه قول المضمرات یقوم اذا بلغ المؤذن حی علیٰ الفلاح''۔''یہ تطبیق قول مضمرات سے سمجھی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کھڑا ہو جب مؤذن حی علیٰ الفلاح پر پہونچے''۔

(۴) نووی شرح مسلم شریف میں ہے:''قال ابو حنیفة رضی الله عنه والکوفیون یقومون فی الصف اذاقال حی علیٰ الصلوة''۔''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور علمائے کوفہ نے فرمایا کہ مؤذن جب حی علیٰ الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوں''۔

(۵) قسطلانی میں ہے:''وعن ابی حنیفه انه یقوم فی الصف عند حی علیٰ الصلوة''۔''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ امام صف میں حی علیٰ الصلوہ کہنے کے وقت کھڑا ہو''۔

(۶) عون المعبود شرح ابوداؤد میں ہے:''وعن ابی حنیفة یقومون اذاقال حی علیٰ الفلاح''۔''امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ سب لوگ حی اعلیٰ الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں''۔

(۷) بدائع الصنائع میں ہے:''والجملة فیه ان المؤذن اذاقال حی علیٰ الفلاح فان کان معهم

فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف"۔ "اس مسئلے میں مجمل کلام یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حی علی الفلاح کہے اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت صف میں کھڑے ہوں"۔

(۸) تنویر الابصار میں ہے: "والقیام لامام وموتم حین قیل حی علیٰ الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب"۔ "اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو امام اور مقتدیوں کے لئے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے جب حی الفلاح کہا جائے"۔

(۹) ردالمحتار میں علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "قوله حین قیل حی علیٰ الفلاح كذافی (۱۰) الكنز و (۱۱) نورا الایضاح و (۱۲) الاصلاح و (۱۳) الظهيرية و (۱۴) البدائع وغيرها و سى فی الدرر متنا و (۱۵) شرحا عند الهيعلة الاولىٰ حین یقال حی علیٰ الصلوٰة ـ اه و عزاه الشيخ اسماعيل فی شرحه الیٰ (۱۶) عيون المذاهب و (۱۷) الفيض (۱۸) والوقاية و (۱۹) النقاية و (۲۰) الحاوی و (۲۱) المختار اه قلت واعتمدهٗ فی (۲۲) الملتقیٰ وحكیٰ الاول بقيل لكن نقل (۲۳) ابن الكمال تصحيح الاول ونص عبارته قال فی (۲۴) الذخيرة يقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح عند علمائنا الثلثه"۔ "ماتن کا یہ قول کہ امام ومقتدی حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ ایسا ہی کنز، نورالایضاح، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ میں ہے۔ غرر اور اس کی شرح درر میں ہے کہ امام ومقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں اور شیخ اسماعیل نے اس کو شرح میں عیون المذاہب، فیض، وقایہ، نقایہ حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا۔ میں کہتا ہوں اور اس پر متن ملتقی میں اعتماد کیا اور اول کو قیل سے تعبیر کیا۔ لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح کی اور ان کی عبارت یہ ہے کہ ذخیرہ میں کہا: امام اور قوم حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔ ہمارے تینوں امام، امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد کے نزدیک۔

(۲۵) مراقی الفلاح میں ہے: "ومن الادب (القيام) ای قيام القوم والامام ان كان حاضرا بقرب المحراب (حين قيل) ای وقت قول المقيم (حی علیٰ الفلاح) لانهٗ امر به فيجاب"۔ "آداب ومستحبات نماز سے کھڑا ہونا امام اور قوم کا ہے، اگر امام محراب کے قریب موجود ہو جس وقت اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے، اس لئے کہ اس نے حکم کیا تو اس کی تعمیل کی جائے"۔

(۲۶) طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ''واذااخذالمؤذن فی الاقامۃ و دخل رجل فی المسجد فانہٗ یقعدو لاینتظر قائماً فانہ مکروہ کما فی (۲۷) المضمرات (۲۸) قہستانی، ویفہم منہ کراہۃ القیامہ ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون''۔ ''جب مؤذن نے تکبیر شروع کی اور کوئی آدمی اس وقت مسجد میں آیا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔ قہستانی اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں''۔ یعنی مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یا جان بوجھ کر بھی محض رسم و رواج کی وجہ سے ابتدا ہی سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۲۹) ایضاح میں ہے: ''یقوم الامام والقوم عند حی علیٰ الفلاح''۔ ''امام اور مقتدی حی علیٰ الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں''۔

(۳۰) تبیین الحقائق میں ہے: ''قولہ والقیام حین قیل حی علیٰ الفلاح لانہ امربہ فیستحب المسارعۃ الیہ''۔ ''مستحب ہے کھڑا ہونا جس وقت مکبر حی علیٰ الفلاح کہے۔ اس لئے کہ مکبر نے اس کا حکم کیا تو اس کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے''۔

(۳۱) فتح اللہ المعین حاشیہ شرح کنز ملا مسکین میں ہے: ''(قولہ والقیام حین قیل حی علیٰ الفلاح) مسارعۃ لامتثال الامر ھذا اذاکان الامام بقرب المحراب''۔ ''جبکہ مؤذن حی علیٰ الفلاح یہ کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے، امتثال امر کی جلدی کے لئے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ امام محراب کے قریب موجود ہو''۔

(۳۲) بحرالرائق میں ہے: ''لانہٗ امربہ فیستحب المسارعۃ الیہ اطلقہٗ فشمل الامام والماموم ان کان الامام بقرب المحراب''۔ ''جب مکبر حی علیٰ الفلاح کہے اس وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا اس لئے مستحب ہے کہ مکبر نے اس کا حکم دیا تو اس کی تعمیل میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اور ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے یہ حکم اس وقت ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو''۔

(۳۳) علامہ شرنبلالی حاشیہ دررالحکام شرح غررالاحکام میں فرماتے ہیں: ''(قولہ والقیام عند الحیعلۃ الاولیٰ) اطلقہ فشمل الامام والماموم''۔ ''جب مؤذن حی علیٰ الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو یہ حکم امام و مقتدی دونوں کو شامل ہے''۔

(۳۴) مجمع الانھر میں ہے: ''واذاقال الموذن فی الاقامة حی علیٰ الصلوٰة قام الامام والجماعة عند علمائنا الثلثة''۔ ''جس وقت مؤذن تکبیر میں حی علیٰ الصلوٰۃ کہے، اس وقت ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک امام اور سب مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہئے''۔

(۳۵) محیط و (۳۶) ہندیہ میں ہے: ''یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح عند علمائنا الثلثة وهوا الصحیح''۔ ''کھڑے ہوں امام اور سب مقتدی جب موذن حی علیٰ الفلاح کہے ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اور یہی صحیح ہے''۔

(۳۷) جامع الرموز میں ہے: ''یقوم الامام والقوم عند حی علیٰ الصلوٰة ای قبیله لکن فی (۳۸) الاختیار اذاقال حی علیٰ الصلوٰة و فی (۳۹) الاصل وغیره: ''الاحب ان یقوموا فی الصف اذاقاله المؤذن''۔ ''اور امام ومقتدی حی علیٰ الصلوۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں یعنی اس سے کچھ پہلے لیکن اختیار میں ہے کہ جب حی علیٰ الصلوۃ کہے اور اصل وغیرہ میں ہے: محبوب ترین یہ ہے کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علیٰ الصلوٰۃ کہے''۔

(۴۰) فتاویٰ بزازیہ میں ہے: ''دخل المسجد وهو یقیم یقعد ولا یقف قائماً''۔ ''کوئی شخص مسجد میں آیا اس حال میں کہ موذن تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑا نہ ہو''۔

اس عبارت اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح کی عبارت سے (جو نمبر ۲۶ میں گذری) ہر ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ آنے والا شخص جو کھڑا ہے، اس کو جائز نہیں کہ کھڑا کھڑا تکبیر سنے بلکہ اس کو حکم ہے کہ بیٹھ جائے اور حی علیٰ الفلاح پر کھڑا ہو تو بیٹھنے والے کو کب جائز ہوسکتا ہے کہ کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر تکبیر سنے مگر ہٹ اور ضد کا علاج شیخ الرئیس کے پاس بھی نہیں۔

(۴۱) علامہ شیخ شلبی حاشیہ تبیین الحقائق میں (۴۲) وجیز امام کردری سے اور وہ (۴۳) مبتغی سے نقل کرتے ہیں: ''قوله فی المتن والقیام ای قیام الامام والقوم قال فی الوجیز والسنة ان یقوم الامام والقوم اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح اه ومثله فی المبتغی''۔ ''متن میں جو والقیام فرمایا اس کے معنی امام اور قوم کا کھڑا ہونا ہے۔ وجیز میں میں فرمایا: سنت یہ ہے کہ امام اور قوم سب اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علیٰ الفلاح کہے ایسا ہی مبتغی میں ہے''۔

(۴۴) الدررالمنتقی شرح الملتقی میں ہے: ''اذا قال المقیم حی علیٰ الصلوٰۃ سیجی مافیه قام الامام ان کان بقرب المحراب والجماعة مسارعة لامره'' ۔''جب مکبر حی علیٰ الصلوٰۃ کہے قریب ہے آئے گا جو کلام اس میں ہے تو اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو وہ اور سب مقتدی کھڑے ہوں، اس کے حکم تعمیل میں جلدی کریں''۔

(۴۵) عینی شرح کنز میں ہے: ''والخامس القیام ای قیام الامام والقوم حین قیل ای حین یقول المؤذن حی علیٰ الفلاح'' ۔''مستحبات میں سے پانچواں مستحب امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا ہے جس وقت موذن حی علیٰ الفلاح کہے''۔

(۴۶) شرح الیاس میں ہے: ''یقوم الامام والقوم للصلوٰۃ اذا قال المودن حی علیٰ الفلاح'' ۔''امام ومقتدی نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علیٰ الفلاح کہے''۔

(۴۷) مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے: ''قال ائمتنا ویقوم الامام والقوم عند حی علیٰ الصلوٰۃ'' ۔''ہمارے اماموں نے فرمایا کہ امام اور سب مقتدی حی علیٰ الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں''۔

(۴۸) مبسوط امام سرخسی میں ہے: ''فان کان الامام مع القوم فی المسجد فانی احب الیهم ان یقوموافی الصف اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح'' ۔''پس اگر امام قوم کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں مستحب جانتا ہوں ان کے لئے کہ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علیٰ الفلاح کہے''۔

(۴۹) موطا امام محمد باب تسویۃ الصف میں ہے: ''قال محمد ینبغی للقوم اذاقال المؤذن حی علیٰ الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف ویحاذوا بین المناکب فاذااقام المؤذن الصلوٰۃ کبرالامام وهوقول ابی حنیفة'' ۔''امام محمد نے فرمایا مقتدیوں کو چاہئے کہ جس وقت موذن حی علیٰ الفلاح کہے، نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں تو صف باندھیں اور صفوں کو درست کریں ۔ مونڈھے سے مونڈھے ملا کر کھڑے ہوں اور موذن جب اقامت کہہ لے تو امام تکبیر کہے اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے''۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تسویہ صفوف کا بے معنی عذر کرتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہی اس کا فیصلہ فرمادیا اور بتادیا کہ حی علیٰ الفلاح کے وقت کھڑا ہونا تسویہ صفوف کے منافی نہیں ۔ آخر مغرب، عشا، ظہر، عصر کی نمازوں میں دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا پھر صف درست کرنے کی ضرورت ہوتی

ہے۔ ہرگز نہیں اسی طرح اگر نمازی حضرات آتے ہی صف درست کر کے بیٹھیں تو جس وقت کھڑے ہوں گے صف درست رہے گی۔ مسجدوں میں جانماز (صفیں) اسی لئے بچھائی جاتی ہیں کہ جیسے جیسے نمازی آتے جائیں ٹھکانے سے بیٹھتے جائیں تاکہ جب کھڑے ہوں صف درست شدہ رہے۔ اردو محاورہ میں گھاس کی جاء نماز کو اس لئے صف کہا کرتے ہیں کہ اس سے صف کی درستی کا کام لیا جاتا ہے۔ اب اگر لوگ آکر باقاعدہ نہ بیٹھا کریں تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہ کہ اس حیلے سے دوسرے مستحب کام کو جس کو بعض علما نے سنت بھی فرمایا ہے کما مرّ عن الوجیز، اس کو ترک کر کے مرتکب کراہت کے ہوں۔ ولو فرضنا صفیں درست نہیں ہوتیں تو امام محمد نے صاف تصریح فرمادی کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت سب کھڑے ہوں اور صفیں درست کرلیں اور یہ نہ صرف ان کا قول ہے بلکہ فرماتے ہیں ''وھو قول ابی حنیفۃ'' اسی طرح صاف اور صریح روایت کتاب الآثار میں بھی ہے۔

''قال اخبرنا ابو حنیفۃ قال حدثنا طلحۃ بن مطرف عن ابراھیم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا قال محمد وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ''۔ ''امام محمد فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابوحنیفہ نے خبر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے طلحہ بن مطرف نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جب موذن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو چاہیئے کہ کھڑے ہو جائیں پس صف درست کریں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے''۔

امام محمد کے الفاظ دونوں حدیثوں میں ینبغی ہیں اور ہر علم والا جانتا ہے کہ لفظ ینبغی متاخرین کے محاورہ وعرف میں مندوبات میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور متقدمین کے محاورہ وعرف میں اس کا استعمال عام ہے جو واجب تک کو شامل ہے۔

ردالمحتار، حواشی اشباہ، عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ''لفظ ینبغی فی عرف المتاخرین غلب استعمالہٗ فی المندوبات واما فی عرف القدماء فاستعمالہٗ فی عام حتی یشمل الواجب ایضا''۔ ''(متاخرین کے عرف میں لفظ ینبغی (چاہئے، مناسب ہے) کا استعمال زیادہ تر مندوب اور پسندیدہ کاموں کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن متقدمین کے عرف میں اس لفظ کا استعمال اس سے عام معنی کے لئے ہے یہاں تک کہ یہ واجب کو بھی شامل ہے ۱۲م)''۔

بالجملہ پچاس کتب دینیہ کی روشن تصریحات سے یہ مسئلہ ثابت و مدلل ہوگیا کہ جس وقت امام مسجد میں محراب کے قریب موجود ہو اور مکبر غیر امام ہو، اس وقت امام ومقتدی سب کو چاہئے کہ جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ یہی مسئلہ ہمارے ائمۂ ثلاثہ کا ہے۔ پس حنفیوں کو چاہئے کہ اسی پر عمل کریں اور جو شخص اس مسئلہ میں اختلاف کرے تو اگر وہ خود عالم ہے تو اس کو چاہئے کہ پچاس کتابوں کے مقابلہ میں سو ورنہ ساٹھ ہی کتب فقہ سے ایسا ہی واضح طور پر ثابت کردے کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک موذن جس وقت تکبیر شروع کرے، اسی وقت امام اور مقتدی سب کو کھڑا ہونا چاہئے یا جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے، اس وقت امام ومقتدی کو بیٹھا رہنا مکروہ ہے۔ اور اگر مخالفت کرنے والا عامی ہے تو اس کو بمضمون ع ایاز قدر خود بشناس، دینی مسئلہ میں ٹانگ اڑانے سے بچنا چاہئے اور اگر رسم ورواج اسے مخالفت پر مجبور کرتے ہیں تو اس کو چاہئے کہ پہلے ہندوستان و پاکستان یا سارے جہان سے جہاں سے ہو سکے، مستند علمائے دین کے فتاویٰ منگالے جن میں کم از کم پچاس ہی کتابوں سے حنفیہ کے نزدیک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے کا حکم ہو یا بیٹھے رہنے کی کراہت مدلل ہو اور اسی کو ائمۂ ثلاثہ کا مذہب بتایا ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرسکتے اور ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی ایسا فتویٰ نہیں پیش کرسکتا تو دینی مسئلہ کے مقابل نفسانیت اور ہٹ دھرمی دکھانا دین دار مسلمان کا کام نہیں۔

(۴) بعض حضرات اپنی بات بنانے کو کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ لوگوں نے نیا نکالا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی صحابی یا تابعی سے ضرور منقول ہوتا۔ تو جو مسئلہ ائمہ کرام ثلاثہ امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد سے منقول ہو وہ نیا مسئلہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اگر تبع تابعین سے ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔ کتاب الآثار میں یہ حدیث بسند متصل حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں فرمایا ''به ناخذ وهو قول ابی حنیفة'' پھر یہ مسئلہ نیا ہوا یا حنفی ہو کر ائمۂ ثلاثہ کے خلاف کرنا نئی بات ہے؟ امام صاحب کے علاوہ ہشام بن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، وہ بھی شروع تکبیر سے قیام کو مکروہ جانتے ہیں کما مرّ عن ا۔مصنف۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی تو حی علی الفلاح کے بھی بعد قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے تھے۔ کما مرّ عن العینی وفتح الباری۔ بلکہ امام سرخسی نے مبسوط میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جو دلیل بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ختم تکبیر پر کھڑے ہوتے تھے۔

''ونص عبارته هكذا''وابويوسف احتج بحديث عمر رضی الله عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم فی المحراب''۔''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ موذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے''۔

(۳) بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ از روئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور عام علما کے مسلک کو ترجیح ہے۔ یہ ان کا خیال ہی خیال ہے۔ اگر اس دورِ آزادی میں کہ ہندوستان آزاد ہو چکا ہے، ہر شخص کو آزادی ہے جو چاہے خیال رکھے۔ لیکن یہ تو ''مدعی ست گواہ چست'' کی مثل ہے۔ امام مالک خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔ كما مرّ عن عون المعبود وفتح الباری قال مالك فی المؤطا:لم اسمع فی قيام الناس حين تقام الصلوة بحد محدود ۔''امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز میں لوگ کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی''۔ اس لئے وہ اپنی ذاتی رائے یہ لکھتے ہیں:''الا انی اری ذالك علیٰ طاقة الناس''۔''لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ لوگوں کی طاقت پر ہے''۔

اور یہی وجہ ہے کہ ائمۂ مالکیہ میں اختلاف ہوا۔ اکثر علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہولے، لوگ کھڑے نہ ہوں اور عام علمائے مالکیہ امام مالک سے ایک روایت کے مطابق ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کو مستحب جانتے ہیں۔ لیکن اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ ''عن'' کر کے مذہب بیان نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لئے قال یاذهب یامذهب فلان یاعند فلان کے الفاظ لاتے ہیں اور اگر کوئی ایک روایت ہو تو اس کو عن سے تعبیر کرتے ہیں۔

مقدمہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے:''الفرق بين 'عندهٗ' وعنه ان الاول دال علیٰ المذهب والثانی علیٰ الرواية۔ فاذاقالوا ''هذاعندا بی حنيفة''دل ذلك علیٰ انه مذهبه واذاقالوا''وعنه كذا'' دل علیٰ انه رواية عنه ۔''عندهٗ اور عنه میں فرق یہ ہے کہ عنده مذہب پر دلالت کرتا ہے اور عنه ایک روایت پر تو جس وقت علما کہیں ''هذا عن ابی حنيفة ''اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ ان کا مذہب ہے اور جب کہیں 'وعنه كذا' تو معلوم ہوگا کہ ان سے یہ ایک روایت ہے''۔

تو ایسی حالت میں اولاً یہ خیال کرنا کہ از روئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور عام علما کے مسلک کو

ترجیح ہے' محض غلط ہے۔

ثانیاً عام علما کے مسلک کو امام مالک کا مسلک بتانا بھی غلط۔

ثالثاً اس کو از روئے حدیث شریف مرجح ماننا بھی غلط۔

رابعاً ایسا کہنا ''مدعی سست گواہ چست'' کا مصداق بنتا ہے۔

خامساً اپنے کو امام مالک سے بھی اعلم بالحدیث ہونے کا اشعار ہے۔ اگر چہ امام مالکؒ فرماتے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں معلوم، لیکن مجھ کو حدیث معلوم ہے، اس کے رو سے امام مالک کے مذہب کو ترجیح ہے۔

سادساً بخاری شریف کی حدیث ''لا تقوموا حتیٰ ترونی'' سے استدلال کرنا اور لکھنا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اقامت شروع ہونے کے بعد کھڑا ہونے سے ممانعت کی وجہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (امام) کی مسجد میں عدم موجودگی ہے۔ پس اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ موجود ہوں تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔ یہ بھی نرا اجتہادی اجتہاد اور ائمۂ مجتہدین فقہا و محدثین سب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ مجتہدین کا اختلاف اسی صورت میں ہے کہ امام مسجد میں موجود ہو اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو اس کا مفصل حکم شکل سوم و چہارم میں گزرا۔ اس میں اختلاف ہی نہیں۔

عینی شرح بخاری میں ہے: ''قال ابو حنیفة و محمد یقومون فی الصف اذا قال حی علیٰ الصلوٰة فاذا قال قد قامت الصلوٰة کبّر الامام لانهٗ امین الشرع و قد اخبر بقیامها فیجب تصدیقهٗ و اذا لم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمهور الیٰ انهم لا یقومون حتیٰ یروه''۔ ''امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ سب لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے۔ اس لئے کہ وہ شرع کا امانت دار ہے اور اس نے قیام نماز کی خبر دی تو اس کی تصدیق ضروری ہے اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ لوگ نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں''۔

اسی کو بدائع میں فرمایا: ''والجملة فیه ان المؤذن اذا قال حی علیٰ الفلاح فان کان الامام معهم فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف''۔ ''اور خلاصۂ کلام اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب مؤذن ''حی علی الفلاح'' کہے تو اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑے ہوں''۔

تنویر الابصار وغیرہ کی عبارت اوپر گزری: ''والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب''۔ ''مستحب ہے امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا جب ''حی علی الفلاح'' کہا جائے اگر امام محراب کے قریب موجود ہو''۔

عون المعبود و فتح الباری میں ہے: ''وذهب الاكثرون الىٰ انهم اذا كان الامام معهم فى المسجد لم يقوموا حتى تفرغ الاقامة''۔ ''اکثر علما اس امر کی طرف گئے ہیں کہ اگر امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو مقتدی سب نہیں کھڑے ہوں گے جب تک اقامت سے فراغت نہ ہو جائے۔

للہ انصاف! کیسی کھلی ہوئی تصریح ہے کہ امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں اور آپ فرماتے ہیں ''اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم (امام) موجود ہوں، تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔

سابعاً امام کی موجودگی کی صورت میں ابتدائے اقامت سے مقتدیوں کے کھڑے ہو جانے کی دلیل میں اس کو پیش کرنا کہ اگر امام موجود ہو تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط۔ مانع نہیں تو دلیل نہیں۔ اصل ضرورت اس وقت قیام کی محرک اور مثبت کی ہے۔ نفی تو دلیل نہیں ہو سکتی۔

ثامناً یہ خیال کہ کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط ہے۔ مانع ہے اور زبردست مانع ہے۔

بدائع میں ہے: ''انا نمنعهم عن القيام كيلا يلغو قولهٗ حى على الفلاح لان من وجدت منه المبادرة الىٰ شئ فدُعائه اليه بعد تحصيله اياه لغو من الكلام''۔ ''ہم حی علی الفلاح کہنے کے قبل کھڑے ہونے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ جس شخص سے کسی امر کی طرف مبادرت و مسابقت ہو چکی ہو، اب اس کو اس شئی کی طرف بلانا ایک لغو کلام ہے''۔

مکبر حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہہ کر نمازیوں کو بلاتا ہے کہ آؤ طرف نماز کے، آؤ طرف فلاح و بہبود کے تو چاہئے کہ اس کی تعمیل میں لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اگر وہ لوگ پہلے ہی سے کھڑے ہو چکے ہوں تو یہ کہنا بالکل لغو اور بے معنی ہوگا۔ تو کیا لغو کام سے بچانا زبردست مانع نہیں؟

تاسعاً اس کو دوسری حدیث مسلم شریف ''عن ابی هريرة ان الصلوٰة كانت تقام لرسول الله صلى

اللہ علیہ وسلم فیاخذالناس مصافھم قبل ان یقوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ" سے بالکل عیاں ماننا طرفہ تماشا ہے۔

امام نووی، امام عینی، امام ابن حجر، شرح مسلم، عمدۃ القاری، فتح الباری میں فرماتے ہیں:''و قولہٗ فی روایۃ ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ فیاخذالناس مصافھم قبل خروجہ لعلہ کان مرۃ اومرتین و نحو ھما لبیان الجواز اولعذر ولعل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تقوموا حتی ترونی کان بعد ذلک" ۔''حضرت ابو ہریرہ کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو جانے سے پہلے ہی صحابۂ کرام اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے (تو یہ حدیث بظاہر حدیث ابوقتادہ کے مخالف معلوم ہوتی ہے تو یہ سب ائمہ محدثین، شراح بخاری و مسلم اس کا جواب دیتے ہیں کہ) شاید ایک یا دو مرتبہ کبھی ایسا ہوا ہو، وہ بھی صرف بیان جواز کے لئے (یعنی اگر ایسا بھی کوئی کر لے تو جائز ہے اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ) لوگ پہلے ایسا کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو اس سے منع فرمادیا کہ میرے آنے سے قبل مت کھڑے ہو جایا کرو''۔ تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا بھی کسی عذر کی وجہ سے ہوا ہوگا۔

چوتھا جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث میں''یاخذ الناس مصافھم'' ہے یعنی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ لے لیتے تھے یعنی اپنی اپنی جگہ جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ حدیث''فیقوم الناس مصافھم''تو ہے نہیں، جس سے استدلال کیا جا سکے اور بالکل عیاں کہا جا سکے۔

عاشراً یہ خیال کہ سب سے زیادہ واضح طور پر اس مضمون''ابتدائے اقامت کے وقت کھڑا ہونا'' کی تائید ابن شہاب کی حدیث سے ہوتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نہیں آتے جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں، صریح دھوکہ ہے۔ یہ تو ابن شہاب زہری سے ایک روایت ہے۔ ابن شہاب کون ہیں، اہل علم سے مخفی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو تو صحابہ بیان کر سکتے ہیں، نہ کہ تابعی اور وہ بھی صغیر۔ تو یہ حدیث منقطع ہوئی، اور اگر تابعی کے قول سے سند لینا ہے تو ہشام ابن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی بات کیوں پس پشت ڈالی جائے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے کیوں نہ استدلال کیا جائے اور جب تابعی سے سند لانا ہے تو صحابہ کرام تو ان سے اہم و اقدم ہیں اور وہ بھی صرف زیارت کر کے گھر چلے

جانے والے یا دو چار دن خدمت اقدس میں رہنے والے نہیں بلکہ پورے دس سال خدمت اقدس میں بسر کرنے والے، سفر و حضر میں ہر وقت ساتھ رہنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کیوں نہ استدلال کیا جائے جن کا عمل قول دوم بیانِ مذہب امام احمد میں نووی، عینی، فتح الباری سے گزرا: ''و کان انس رضی اللہ عنہ یقوم اذا قال المؤذن قدقامت الصلوٰۃ و بہ قال احمد''۔ ''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام احمد اسی کے قائل ہیں''۔

بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اشداء علی الکفار رحماء بینھم، قوت و شوکتِ اسلام خلیفۂ دوم حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کیوں ساقط النظر ٹھہرایا جائے جن کا عمل مبارک علامہ سرخسی نے مبسوط میں ضمن دلیل امام ابو یوسف رحمہ اللہ بیان فرمایا: ''وابو یوسف احتج بحدیث عمر رضی اللہ عنہ فانہٗ بعد فراغ المؤذن من الاقامۃ کان یقوم المحراب''۔ ''امام ابو یوسف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لائے کہ وہ مؤذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے''۔

غرض کتب حدیث و شروح حدیث و کتب متون و شروح و حواشی و فتاوی فقہیہ سے روز روشن کی طرح یہ مسئلہ واضح ہے کہ جماعت کی نماز میں امام و مقتدی سب کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جب مؤذن تکبیر میں حی علی الفلاح کہے۔

واللہ الھادی وھو الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ

سجدہ میں جاتے وقت پیشتر ہاتھ زمین پر ٹیکنا چاہئے یا گھٹنے پر؟ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنا اٹھانا چاہئے یا ہاتھ۔؟ غیر مقلدین سجدہ میں پیشتر قیام سے جاتے ہوئے زمین پر ہاتھ لگاتے ہیں پھر گھٹنے۔ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنے اٹھاتے ہیں ازاں بعد ہاتھ۔ اور اپنے پیروں کے درمیان کشادہ رکھتے ہیں اور جانبین داہنے بائیں متندیان کا باہم یکے بعد دیگرے پیر سے ملانا کس طرح آیا ہے؟ پس ہم گذارش رکھ کر امر واضح ہونے کے طالب ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر دو پائے مبارک نماز میں کس قدر فاصلہ سے رکھتے تھے اور صحابہ کرام کا جماعت میں مونڈھے سے مونڈھا ملانا ثابت ہے یا پیر سے پیر؟ اور نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا ہل جانا وغیرہ۔ حرکات محررہ بالا اگر کوئی حنفی اختیار کرے تو اس کی نماز کیسی رہے گی؟ غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آیا مقلد کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ بعدہ ناک اس کے بعد پیشانی زمین پر رکھے اور اٹھتے وقت برعکس اس کے یعنی پیشانی اٹھائے اس کے بعد ناک بعدہ ہاتھ پھر گھٹنے۔

مسند امام الائمہ سراج الامۃ میں ہے: "ابو حنیفة عن عاصم عن ابیه عن وائل بن حجر رضی الله تعالیٰ عنه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه واذا قام یرفع یدیه قبل رُکبتیه۔"

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے زمین پر رکھتے اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے اٹھا لیتے''۔ اخرجه الطحاوی والاربعة وقال الترمذی حدیث حسن وصححه ابن خزیمة وابن حبان۔

اصلاح ومنیہ وکنز الدقائق میں ہے: ''ویسجد فیضع رکبتیه اولا ثم یدیه ثم وجهه بین کفیه ویدیه حذاء اذنیه ویرفع راسه اولا ثم یدیه ثم رکبتیه هکذا فی الصغیری والغنیة شرح المنیة وتبیین الحقائق۔''

پھر ہندیہ میں ہے: ''قالوا اذا اراد السجود یضع اولا ماکان اقرب الیٰ الارض فیضع رکبتیه اولا ثم یدیه ثم انفه ثم جبهته واذا اراد الرفع یرفع اولا جبهته ثم انفه ثم یدیه ثم رکبتیه هکذا فی الطحطاوی والدر المختار وغیرهما من معتمدات الاسفار۔''

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اذا سجد احدکم فلیبدء برکبتیه ولا یبرك بروك الفحل۔''

''تم میں کوئی شخص سجدہ کرے تو چاہئے کہ پہلے گھٹنے کو رکھے اور اونٹ کی نشست نہ بیٹھے''۔

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں سوال ہوا، جو سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے پھر پاؤں؟۔فرمایا" او یصنع ذلك الا احمق ومجنون۔ کیا ایسا کوئی کرتا ہے سوا بے وقوف اور پاگل کے۔

نماز کے اندر پاؤں میں فاصلہ چار انگل ہونا چاہئے۔خلاصہ میں ہے: "وینبغی ان یکون بین قدمیه قدر اربع اصابع فی قیامه۔ هکذا فی مراقی الفلاح۔"

نماز میں حکم مونڈھے ملانے کا ہے نہ پاؤں ملانے کا۔سجدہ میں اگر پاؤں بالکل اٹھے ہیں تو مفسد نماز ہے:

غنیۃ پھر عالمگیری میں ہے: ولو سجد ولم یضع قدمیه علیٰ الارض لا یجوز۔"

ہدایہ میں فرمایا:"واما وضع القدمین فقد ذکر القدوری انه فریضة فی السجود کذا فی مجمع الانهر معزیا الیٰ التبیین واختاره الفقیه ابو اللیث وصححه فی العیون کما فی البحر۔''

ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رصوا صفوفکم وقاربوا بینهما وحاذوا بالاعناق۔ " گھنی کروا پنی صفوف کو کہ باہم دو شخصوں میں فاصلہ نہ رہے اور صفیں نزدیک نزدیک باندھو کہ دو صفوں میں حاجت سے زیادہ فاصلہ نہ ہو اور محاذات میں رکھو گردنوں کو''۔

ابوداؤد اور نسائی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"رصوا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل۔"
محض انگوٹھا ہل جانا یا انگلیوں کو حرکت دینا مفسد نماز نہیں، مکروہ ہے۔
فتاویٰ اسعدیہ سیدنا اسعد المدنی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: "(سوال) رجل ھو فی الصلوٰۃ یصلی ویرفع احدیٰ رجلیہ وتارۃ برفع اصابع رجلیہ ھل یجوز الاقتداء بہ ام لا افتونا؟ (جواب) اذا رفع رجلہ ثلث مرات متتابعات تفسد صلاتہ وصلاۃ القوم والا فلا واما حرکۃ الاصابع مع اثبات الرجل فلا تفسد بہ الصلوٰۃ واما الکراھۃ فظاھرۃ والحالۃ ھذہ اھ۔" غیر مقلدوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، فرض سر پر رہتا ہے۔ وقد فصلہ مجدد المائۃ الحاضرۃ فی "النھی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید۔" واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی محلہ خواجہ قطب مرسلہ فخر الدین محصل مداری دروازہ ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں جہاں امام نماز کھڑا ہوکر پڑھتا ہے اگر وہ پانچ انگل بلند ہو تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر اس پر نماز جائز نہیں تو اس کے نیچے کھڑا ہو اور اس پر سجدہ کرے تو کچھ قباحت ہے یا نہیں؟ اور دہلیز کا کیا حکم ہے؟ آیا دہلیز کا حکم محراب کا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ صورت مکروہ ہے۔ لمشابھۃ الیھود فانھم یجعلون لامامھم دکانا والاصح ان لا تقدیر بل کلما یقع بہ الامتیاز یکرہ کما فی الدر۔

اور اگر اسے دور کریں تو امام اگر در میں کھڑا ہو تو یہ بھی مکروہ ہے۔ بقول امامنا رضی اللہ عنہ انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین کما فی المعراج۔

اور اگر صحن میں کھڑا ہوکر بلندی پر سجدہ کرے تو سخت مکروہ ہے یہاں تک کہ اگر بالشت بھر ہو تو نماز ہی نہ ہوگی کما فی الدر المختار وغیرہ۔

صحن میں صفوں کے لئے زیادہ وسعت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ در کی کرسی بقدر سجدہ کھود کر طاق کے مثل بنائیں اور اتنا ٹکڑہ صحن سے ہموار کریں۔ امام صحن میں کھڑا ہوکر اس طاق پر سجدہ کرے، اب کوئی کراہت نہیں اور دہلیز میں کھڑا ہوکر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہ بمحمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

الجواب: پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس لئے کہ کراہت جب ہے کہ امام اکیلا دکان پر کھڑا ہو اور دکان کی مقدار ارتفاع میں مختلف اقوال ہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "ثم قدر الارتفاع قامۃ لا باس بما دونھا ذکرہ الطحاوی وقیل انہ مقدر بما یقع بہ الامتیاز وقیل بمقدار الذراع اعتبارا بالسترۃ وعلیہ الاعتماد

کذا فی التبیین وفی غایۃ البیان ھو الصحیح کذا فی البحر الرائق انتھیٰ۔"
بلندی کا اندازہ قد ہے۔ اس سے کم میں کچھ حرج نہیں۔ امام طحاوی نے یوں کہا کہ جس انداز سے امتیاز ہو (اس قول کو مجیب نے نقل کیا)۔ بعض یہ فرماتے ہیں کہ تین گز شرعی مقدار ہے جیسا کہ سترہ۔ یہی معتبر ہے اور اس آخر قول پر اعتماد ہے۔ یہ تبیین میں ہے اور غایۃ البیان میں ہے کہ یہ صحیح ہے۔ کذا فی البحر الرائق۔
اسی میں اور درمختار میں ہے: "اذا تعارض امامان معتبران غیر احدھما بالصحیح والآخر بالاصح فالاخذ بالصحیح اولیٰ" واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد ابراھیم سنی حنفی چشتی رشیدی عفا اللہ عنہ بجاہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
جواب ثانی: جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل اور عوام کے دھوکہ دہی کے لئے۔ جو "اس لئے الخ" لکھا بھی، سو دعویٰ سے محض بے لگاؤ ہے۔ فتاوی عالمگیریہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل و افتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل وخرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اختیار فرمائی ہے۔
ردالمحتار میں ہے: "قولہ وقیل ما یقع بہ الامتیاز ھو ظاھر الروایۃ کما فی البدائع۔ اقول ھکذا فی الطحطاوی والبحر الرائق۔"
طحطاوی میں ہے: "والروایۃ قد اختلفت فی المقدار والاخذ بظاھر الروایۃ اولیٰ۔"
بحرالرائق میں ہے: "فالحاصل ان التصحیح قد اختلفت فالاولیٰ العمل بظاھر الروایۃ واطلاق الحدیث۔"
اسی میں ہے: "الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح بظاھر الروایۃ۔"
بلکہ اس میں صاف تصریح فرمادی کہ ایسے موقع پر ظاہر الروایۃ کو ڈھونڈنا، اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے: "اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن الظاھر الروایۃ والرجوع الیھا بلکہ انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی فرماتے ہیں: "المقلد لا یجوز لہ ان یحکم الا بما ھو ظاھر الروایۃ۔"
شرح عقود بلکہ باوجود وضوح وشیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے خلاف پر افتا جہالت و نادانی وخرق اجماع ہے۔
بحرالرائق میں ہے: "ما خرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرفوع عنہ۔"
درمختار میں فرمایا: "وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع فثبت ان الحکم والفتیا علی ما خرج عن ظاھر الروایۃ جھل وخرق للاجماع ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون۔"
ثانیاً یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو۔ اور احادیث ابی داؤد وحاکم

وابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقاہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لا ینبغی ان یعدل عن الدرایۃ ای الدلیل اذا وافقتھا روایۃ اہ۔"

ثالثاً تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: "یکرہ ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ۔" تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "اختلف التصحیح والفتوی کما رایت والعمل بما وافق اطلاق المتون الخ اہ" بلکہ بہت علمانے خلاف اطلاق بعض ترجیحات وافتا کو بھی نہ مانا۔

ردالمحتار باب فی البیر میں ہے: "مخالف لاطلاق المتون قاطبۃ فلا یعبئو بہ وان التی بہ ایضا کما فی المحیط ھو الصحیح واخرہ البحر والمنح وتبعہ التنویر والدر لکن لا یعول علیہ لخلافہ اطلاق المتون الخ۔"

رابعاً بحرالرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا، مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا کما فی الرد عن البحر ان ما خرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ وان المرجوع عنہ لیس قولا لہ۔

پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح وشامی وغیرہما کے، خلاف دیانت وعقل ہے۔ کما صرح فی التوشیح ان ما رجع عنہ المجتھد لا یجوز الاخذ بہ۔

خامساً آپ کا فرمانا اذا تعارض اماماں الخ۔ محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے: "وقال شیخنا الرملی فی فتاویہ وبعض اللفظ اکد من بعض (الی ان قال) والاصح اکد من الصحیح۔"

ردالمحتار میں ہے: "قولہ اکد من بعض ای اقوی فتقدم علی غیرھا" "یعنی علامہ خیرالدین رملی نے اپنے فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا"۔

شرح عقود میں علامہ شامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں: "وکذا لو صرح فی احداھما بالاصح وفی الاخری بالصحیح فان الاولیٰ آکد من الصحیح اہ قد بینا معنی الآکد من الطحاوی۔"

سادساً ذرا بتاؤ ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، فافہم۔ صاحب یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جب آپ اعتقادیات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے جس کے گلے میں علماء عرب، وعجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل وقال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جمے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر۲ بننا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالاخفاء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن، پھر ان باتوں میں منھ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟ ۔ ع شرم بادت از خدا و از رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض اماماں، در المختار، حررہ العبد محمد ابراهيم سنى حنفى جشتى رشيدى، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ عبدہ العاصی الفقیر ظفر الدین احمد عفی عنہ بمحمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش صاحب محصل چندہ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی ۱۲ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بعد تکبیر اولیٰ کے جماعت میں شریک ہوا اور امام نے قراءت شروع کردی تو اس شخص کو سبحان (ثنا) پڑھنا چاہئے یا نہیں اور اگر پڑھے تو کس وقت پڑھے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صلوٰۃ جہریہ میں جب امام نے قراءت شروع کردی تو مقتدی ثنا نہ پڑھے بلکہ چپکا رہے۔ لان الاشتغال به يفوت عليه الاستماع والانصات وكلاهما فرض والثنا سنة فترك السنة هو المتعين دون ترك الفرض۔

منیہ میں ہے: "اذا ادرك الامام وهو يجهر يستمع وينصت" جب امام کو قراءت جہریہ کرتا ہوا پائے تو چپکا سنتا رہے۔

غنیۃ میں ہے: "لا ياتی به مطلقا لاطلاق النص" یعنی جب امام کو فاتحہ پڑھتا ہوا پائے تو مطلقا ثنا نہ پڑھے بوجہ مطلق ہونے نص کے۔ "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔" (الاعراف: ۲۰۴) "اور جب قرآن پڑھا

جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو‘‘ (کنزالایمان)۔

حلیہ میں امام شمس الدین حلوائی سے ہے: ’’لا یاتی بالثناء فیما اذا ادرکہ فی حالۃ القیام فی الرکعۃ الاولیٰ‘‘ ’’ثنا نہ پڑھے جبکہ امام کو پہلی رکعت کے قیام میں پڑھتے پائے‘‘۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: ’’المسبوق اذا ادرک الامام فی القراءۃ التی یجھر بھا لا یاتی بالثناء وقد مر۔‘‘

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ’’اذا ادرک الامام فی القرائۃ فی الرکعۃ التی یجھر بھا لا یاتی بالثناء کذا فی التبیین ھو الصحیح کذا فی التجنیس وھو الاصح ھکذا فی الوجیز للکردری۔‘‘ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالحکیم صاحب مقام اکلہ رسول پور میرٹھ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں شکوک لاحقہ ومسائل مسئولہ ادامھم اللہ تعالیٰ فی اقام الدین و التشریعۃ غیر مقلدین وہابیہ سفر وحضر میں مدام نماز دو دو وقت میں ملا کر پڑھتے ہیں یعنی نماز ظہر دو بجے پڑھی تو اس کے ساتھ ہی نماز عصر پڑھتے ہیں وعلیٰ ہذا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھتے ہیں۔ آیا یہ کیسا ہے اور پیغمبر خدا نے عذرا یا بلاعذر، اول اسلام یا آخر عمر میں ایک بار یا ہمیشہ یہ عمل رکھا؟

الجواب

ظہرین عرفہ وعشائین مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً وحضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم اور احادیث صحاح حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ اور یہی مذہب صحابہ کرام سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ وحضرت سعد بن ابی وقاص وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عمر فاروق وحضرت سیدتنا ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین سے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز وامام سالم بن عبداللہ بن عمر وعلقمہ بن قیس واسود بن یزید وحسن بصری وابن سیرین وابراہیم نخعی وامام مکحول وجابر بن زید وعمرو بن دینار وحماد بن ابی سلیمٰن وامام اجل سراج الملۃ والدین امامنا الاعظم ابوحنیفۃ اور یہی مذہب قاضی ابو یوسف وامام ابوعبداللہ محمد شیبانی وامام زفر وامام حسن بن زیاد وغیرہم تبع تابعین وائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ ان لوگوں کا نماز ظہر دو بجے پڑھنا اور اس کے ساتھ ہی نماز عصر ملا دینا، کسی طرح جائز نہیں۔ اور اس صورت میں نماز عصر ضائع ونا کارہ رہ جائے گی۔ جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز، پہروں چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے، قطعاً نہ ہوگی۔ یونہی ظہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشا نبٹا لینے سے بھی نہ ہونا واجب۔ احادیث میں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع منقول، اس میں صراحۃً جمع صوری (یعنی واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع ہو مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقت عصر آ گیا، اب ظہر آخر وقت، عصر اول وقت میں پڑھ لی تو دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت

میں ہوئیں اور فعلاً وصورۃً مل گئیں تو ایسا ملانا بعذر مرض وضرورت سفر بلا شبہ جائز ہے۔) مذکور یا مجمل ومحتمل جو اسی صریح مفصل پر محمول۔ بالجملہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنا، دو قسم ہے۔ صوری ومعنوی۔ اور ثانی بھی دو صورت پر مشتمل۔ جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اس کے ساتھ ہی متصلاً بلا فصل پچھلے وقت کی نماز عصر یا عشا پیشگی پڑھ لیں۔ اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت واختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے تب دوسری نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھیں۔ پچھلی صورت بحالت اختیار صرف حجاج کو صرف عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ میں جائز ہے۔ اول میں جمع تقدیم دوم میں جمع تاخیر۔ اور اول یعنی ہر نماز اپنے اپنے وقت پر ہو فقط صورتاً جمع ہو کہ پہلی اپنے وقت کے آخر اور دوسری اپنے وقت کے اول میں ہو، یہ بلا شبہ جائز ہے اور اب بھی مرض وسفر میں اس کی اجازت ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ''للمسافر والمریض تاخیر المغرب للجمع بینهما وبین العشاء فعلا کما فی الحلیة وغیرها ان تصلی فی اخر وقتها والعشاء فی اول وقتها اه وهكذا تاخیر الظهر الیٰ العصر بل هو اولیٰ کما صرح به فی البحر الرائق۔''

کتاب الحج میں ہے: ''قال ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ الجمع بین الصلاتین فی السفر فی الظهر فی العصر والمغرب والعشاء سواء یوخر الظهر الیٰ اخر وقتها ثم یصلی ویعجل العصر فی اول وقتها فیصلی فی اول وقتها وکذلك المغرب والعشاء ویوخر المغرب الی اخر وقتها فیصلی قبل ان یغیب الشمس وذلك آخر وقتها ویصلی العشاء فی اول وقتها حین تغیب الشمس فهذا الجمع بینهما۔'' وقد فصل هذه المسئلة عالم اهل السنة مجدد المائة الحاضرة فی کتاب مستقل سما ها ''حاجز البحرین الواقی عن الجمع بین الصلوٰتین'' فمن اراد الاطلاع علی ما فیها من الفوائد فلیطالعها والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع کہمریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ فضل حسین ۲۵ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ نماز جمعہ میں ہمیشہ امام اپنے برابر ایک صف جماعت کھڑی کرتا ہے۔ اور باوجود ہونے جگہ کے مسجد میں ہمیشہ برابر امام کے دونوں جانب یعنی داہنے بائیں صف کھڑا کرتا ہے۔ اور وہ اس کو صف اول کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ یہ نماز ادا ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کس طرح ہوئی؟۔ بینوا توجروا۔
رقمہ فضل حسین زمیندار۔

الجواب

صورت مسئولہ میں نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ کیونکہ مقتدی جب دو سے زیادہ ہوں تو امام کو آگے بڑھنا واجب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی۔ اور جو نماز کہ کراہۃ تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے، اس کا لوٹانا واجب ہے۔
درمختار میں ہے: ''وکذا کل صلوٰۃ ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها۔ اسی میں ہے: (

والزوائد) بصف (خلفه) فلو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما او اكثر وصرح به الهداية والكافي والبداية والتبيين والفتح ومجمع الانهرو المستخلص وابو السعود" جتنی نمازیں اس طرح پر پڑھی ہیں، سب دہرائی جائیں اوراس کے بدلے چار رکعت ظہرادا کی جائے۔والمسئلة فی الدر المختار ورد المحتار وغیرهمامن معتمدات الاسفار۔ والله تعالى اعلم وعلمه اتم واحكم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش سرائے خادم بریلی ۷ ربیع الثانی از تلہر ضلع شاہجہان پور ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اگر امام نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، باقی دو رکعتوں میں مقتدیوں کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی آخر کی دو رکعتوں میں پڑھے، درمیان شرع شریف کے اور مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہوگی یا نہیں؟ اور اگر امام مسافر کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہو تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں موافق مذہب اصح، باقی دو رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھیں۔صرف اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں اور کسی نے پڑھی تو نماز ہو جائے گی، نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ بعض کا یہی مذہب ہے اگرچہ ضعیف ہے۔

ملتقی الابحر میں ہے: "واقتداء المقيم به (اى المسافر) صحيح فيهما ويقصر هو ويتم المقيم بلا قراءة في الاصح۔" مقیم کی اقتداء مسافر کے لئے وقت، غیر وقت دونوں میں صحیح ہیں۔مسافر قصر کرے اور مقیم بلاقرأت اپنی نماز تمام کرے۔

تنویرالابصار میں ہے: "وصح اقتداء المقيم بمسافر في الوقت وبعده فاذا قام (المقيم) الى الاتمام لا يقرء في الاصح۔"

غنیۃ شرح منیہ میں ہے: "ولو اقتدىٰ المقيم بالمسافر صح سواء كان في الوقت او خارجه لعدم المانع فاذا صلىٰ المسافر ركعتين سلم ويقوم المقيم فيتم صلاته بغير قراءة في الاصح وقيل يتم بقراءة لانه منفرد۔"

فتاوی عالمگیریہ میں ہے: "وان صلىٰ المسافر بالمقيمين ركعتين سلم واتم المقيمون صلاتهم كذا في الهداية وصاروا منفردين المسبوق الا انهم لا يقرؤن في الاصح هكذا في الصغيرى والتبيين والبحر وملا مسكين۔"

اور اگر امام مسافر کے پیچھے التحیات میں شریک ہو تو بعد سلام امام مثل سائر مسبوقین لاحق اپنی نماز ادا کرے۔ یعنی بعد سلام امام کھڑا ہو کر دو رکعتیں بلا قراءت بقدر فاتحہ محض سکوت کے ساتھ ادا کرے اور ان پر قعدہ کر کے دو رکعتیں مع قراءت پڑھے، جن میں تیسری کو سبحنك اللهم سے شروع کرے اور اگر عکس کیا یعنی بعد سلام امام پہلی دو رکعت باقراء

ت ادا کی پھر دو بسکوت تو مذہب مفتیٰ بہ پر نماز ہو جائے گی مگر گناہگار ہوگا۔

درمختار میں ہے:'' اللاحق من فاتته الركعات كلها او بعضها لكن بعد اقتدائه كمقيم ائتم بمسافر وحكمه كمؤتم فلا ياتي بقراءة ولا سهو ويبدء بقضاء ما فاته عكس المسبوق ثم ما سبق به بها ان كان مسبوقا ايضا ولو عكس صح واثم لترك الترتيب۔''

ردالمحتار میں ہے:''قوله ما سبق به بها ثم صلى اللاحق ما سبق به بقراءة ان كان مسبوقا ايضا بان اقتدىٰ فى اثناء صلاة الامام ثم نام مثلاً وهذا بيان للقسم الرابع وهذا المسبوق اللاحق وحكمه ان يصلى اذا استيقظ مثلا ما نام فيه ثم يقضى ما فاته فلو عكس بان يبتدء بما سبق بما نام صح واثم اه ملتقطا'' (الدر المختار ملخصا على هامش رد المحتار ج ص ٥٩٤ الىٰ ٥٩٦۔) والله اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ گورکھپور متصل جامع مسجد مرسلہ مولوی عبدالقیوم صاحب ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بہرا ہے اور کریہہ الصوت اور دوسرا شخص بہرا نہیں یعنی حواس خمسہ اس کے صحیح ہیں اور نہ کریہہ الصوت ہے بلکہ اس دوسرے شخص کی قراءت و تجوید بہ نسبت بہرے کے بہتر ہے تو بحالت مساوی اعلم ہونے کے ان دونوں آدمیوں میں شرعاً مرجح ولائق امامت کون ہو سکتا ہے؟ بينوا بالبراهين والكتاب توجروا يوم الحساب۔

الجواب

اگر اور باتوں میں وہ مساوی ہوں تو شخص ثانی احق بالامامۃ ہے۔

ہندیہ میں ہے: كل من كان اكمل فهو افضل لان المقصود كثرة الجماعة ورتبة الناس فيه اكثر هكذا فى التبيين۔ بالجملہ غرض شارع کی تکثیر جماعت ہے تو چاہئے کہ احسن الصوت، کریہ الصوت پر مقدم کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحيح اور ایک وجہ فضیلت اسے اس پر یہ ہے کہ اگر امام سے غلطی واقع ہو اور مقتدی اس کی اصلاح کرے تو بہرے کو سننا مشکل ہوگا مگر دیگر امور اہم مثل صحت عقیدہ وغیرہ میں مساوات کے بعد اسے دیکھیں گے، كما اشار اليه المجيب سلمه الله تعالىٰ والله تعالىٰ اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع .... ڈاکخانہ کرتھا، ضلع گیا۔ ۲۱ رشوال ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا! جواب سوالات ذیل بہ سند صحیح کتاب معتبر حنفی المذہب قول مفتیٰ بہ آگاہ فرمائیے۔

(۱) امامت ولدالحرام مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ نماز اس کے پیچھے جائز یا ناجائز اور امامت صحیح یا غیر صحیح؟

(۲) صحیح النسلوں میں ولد الحرام افقہ ہے، امامت کے لئے کون افضل ہوگا؟

(۳) امام نے ارکان نماز فرائض، واجبات وغیرہ بلا مفسدات مقام پر ادا کیا۔ جماعت میں مقتدی دو قسم کے ہیں۔ بعض اس کی امامت سے رضامند اور بعض ناخوش و بےزار۔ ان میں سے کس طبقے کی نماز صحیح ہوگی، امام کی نماز کی کیا حالت ہوگی بوجہ بیزاری قوم؟

(۴) حدیث ابوداؤد "ولا یقبل اللہ صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون" کا کیا مطلب ہے؟ یہ حدیث صحیحین میں ہے یا نہیں؟ محل توارد حدیث، اصول جانچ و پرتال حدیث سے جس میں درآمد بھی داخل ہے، کیا حکم رکھتی ہے؟ قسم و مدارج حدیث قوی و ضعیف عمل درآمد علمائے حنفی المذہب کا اس پر اعادہ امامت، رواۃ و رجال حدیث کے کل ثقہ و محفوظ ہیں یا بعض مجروح و مخدوش؟ یہ حدیث تہدیدا یا حکما امام کے حق میں ہے یا اور کے؟ اور "من تقدم قوما" سے کیا مطلب؟ آیا امام نماز مراد ہے یا اور؟ اور "کارھون" سے کیا مطلب؟ کسی چیز سے ناخوشی و کراہت؟

الـــجـــواب

(۱) امامت ولد الزنا جائز و صحیح، مکروہ بہ کراہت تنزیہی ہے۔

حدیث میں ہے: "صلوا خلف کل برّ و فاجر"۔

درمختار میں ہے: "ویکرہ تنزیھا امامۃ عبد (الیٰ ان قال) وولد الزنا"۔

منحۃ الخالق حاشیۂ بحر الرائق شامی میں ہے: "قال الرملی: ذکر الحلبی فی شرح منیۃ المصلی ان کراھۃ تقدیم الفاسق والمبتدع کراھۃ التحریم واما العبد الاعرابی وولد الزنا والاعمیٰ فالکراھۃ فیھم دون الکراھۃ فیھما"۔

ہدایہ میں ہے: "ویکرہ تقدیم العبد (الی ان قال) وولد الزنا وان تقدموا جازاہ مختصراً"۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: "وکرہ امامۃ العبد والاعمیٰ والاعرابی وولد الزنا الجاھل فقط"۔

(۲) ولد الحرام جو افقہ ہو، اگر وہ محتقر میں نہیں، وہی امامت کے لئے افضل ہے۔ کیونکہ کراہت اس کی بے علمی عادی یا علیٰ اختلاف الاقوال نفرت حقار کی وجہ سے ہے۔

مراقی الفلاح میں بعد عبارت مسطورہ لکھا: "الذی لا علم عندہ ولا تقوی فلذا قیدہ مع ماقبلہ بقولہ: "الجاھل" اذ لو کان عالما تقیا لا تکرہ امامتہ لان الکراھۃ للنقائص"۔

حاشیۂ طحطاویہ میں ہے: "فلو کان عندہ علم لا کراھۃ"۔

بحرالرائق میں ہے:''وولدالزنا اذاکان افضل القوم فلا کراھۃ اذالم یکونا محتقرین بین الناس لعدم الکراھۃ'' فقط۔

(۳) نماز امام وہر دوقسم کے مقتدیوں کی صحیح ہے۔البتہ کارہین کی کراہت امام کی کسی خرابی یا مقتدیوں کے احق بالامامت ہونے کی وجہ سے ہے تو ایسے شخص کو خود امام بننا مکروہ تحریمی ہے اور اگر وہ احق بالامامت ہے تو اصلاً کراہت نہیں بلکہ ایسے شخص کی امامت سے کراہت کرنا خود ہی مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے:و لو امّ قوما وھم کارھون ان الکراھۃ لفسادفیہ اولانھم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلك تحریما لحدیث ابی داؤد: ''لایقبل اللہ صلوۃ من تقدم قوماً وھم لہ کارھون''، وان ھو احق لا والکراھۃ علیھم''۔

(۴) یہ حدیث صحیحین میں حقیر کی نظر سے نہیں گذری بلکہ انہیں لفظوں سے سنن ابی داؤد وابن ماجہ میں حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند ضعیف مروی ہے۔نیز ترمذی شریف میں ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے:''فلانہ لاتجاوز صلاتھم اذانھم العبد الأبق حتیٰ یرجع وامرأۃ بانت وزوجھا علیھا ساخط و امام قوم وھم لہ کارھون''۔ امام ترمذی نے فرمایا:''حسن غریب''۔

نیز طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا:''ایما رجل امّ قوماً وھم لہ کارھون لم تجز صلاتہ''۔

نیز طبرانی شریف میں حضرت جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے:''من امّ قوما وھم لہ کارھون فان صلاتہ لا تتجاوزترقوتہ''۔

نیز جمع الجوامع پھر کنزالعمال میں بروایت ابوعبید،حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:''انہ اتاہ قوم برجل قالوا ان ھذا یؤمّنا ونحن لہ کارھون فقال لہ لخروط۔ أتؤمّ قوماً وھم لك کارھون''۔

نیز اس حدیث کو بیہقی وعراقی نے حضرت علی ابن ابی طالب اور اسود بن ہلال سے معنیٰ روایت کیا ہے۔پس حدیث ابوداؤد اگر چہ ضعیف ہے مگر بوجہ تعدد طرق، جبرنقصان ہوکر لااقل حسن ٹھہرے گی۔حدیث مذکور اگر چہ بظاہر تحریم ونفی قبول نماز پر دال ہے مگر علما سے بعض ظاہر پر حمل کر کے حرمت کی طرف گئے ہیں اور بعضوں نے تہدید پر حمل کر کے کراہت کا فتویٰ دیا ہے۔مگر یہ کراہت اسی صورت میں ہے جب کراہت ونفرت کسی امر دینی وسبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصومت یا نفسانیت کی وجہ سے کراہت کا اصلاً اعتبار نہیں بلکہ ایسا خیال خود ہی مذموم ہے، کما مر عن الدرالمختار۔

شرح جامع صغیر میں حدیث ترمذی نقل کر کے لکھا: ”وهم له كارهون لمعنى مذموم عنه شرعا لان الامامة شفاعت ولا يستشفع العبد الا من يحبه“۔ ”تقدم قوما“ سے امام بننا اور نماز پڑھانے کو آگے بڑھنا مراد ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک پنجاب ضلع گجرانوالا مرسلہ محمد حیدر صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

الحمدلله وحده والصلوٰة والسلام على من لا نبى بعده۔ اما بعد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جناب کے پاس ایک استفتا بہ نشان ذیل آیا ہوگا: ”ضلع گجرانوالا تحصیل وزیرآباد موضع پیہرو کی ملک پنجاب“۔ وہ میرے واسطے ہی لکھا ہے۔ مجھ کو ہی کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز درست نہیں، یہ آمین بالجہر کرتا ہے و رفع یدین کرتا ہے وغیرہ وغیرہ اور ضاد کو مشابہ دال کے نہیں پڑھتا ہے۔ خالصاً لوجہ اللہ و نصحاً لخلق اللہ ٹھیک لکھ دیجئے گا۔ مجھ کو ان لوگوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ میرے پیچھے نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے۔ اگر استفتا نہیں آیا ہو تو براہ مہربانی اس کارڈ پر لکھ دیجئے گا کہ آیا جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے نکالے اور وہ مشابہ دال نہ پڑھے اور رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ کرے آیا ایسے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جزاکم الله تعالىٰ عنا خير الجزاء علاوہ اور علوم کے علم حدیث مولانا نذیر حسین صاحب سے پڑھی ہے۔ مفصل فتویٰ ہو اور میرے حال پر رحم کیجئے گا۔ اطلاعاً گذارش کردی ہے۔

العاجز المدعو محمد حیدر علی عفی عنہ۔

الجواب

الحمد لاهله والصلوٰة على اهلها فالسلام على من اتبع الهدىٰ۔ ایک استفتا ضلع گجرانوالا سے ضرور آیا ہوا ہے۔ جس کا جواب بوجہ کثرت کار و مشاغل افکار اس وقت تک معرض تعویق میں رہا۔ آمین بالجہر و رفع یدین منکر تقلید سے ضرور آیت بدمذہبی ہے۔ جس کے کرنے والوں کو بسبب انکار تقلید و دیگر عقاید فاسدہ کے ہرگز حق امامت حاصل نہیں بلکہ اس کے پیچھے نماز ناجائز و گناہ اور اگر پڑھ لی تو واجب الاعادہ کہ مکروہ تحریمی ہوئی کہ ایسا شخص فاسق بالاعتقاد ہے اور امام بنانا تعظیم۔ وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام بلکہ بہتیرے وجوہ سے نماز محض باطل كما حققه حضرة مجدد المائة الحاضرة فى الرسالة المباركة ”النهى الاكيد عن الصلوٰة وراء عدى التقليد۔“ نیز مسئلہ ضاد کی تحقیق بھی اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے رسالہ ”الجام الصاد عن سنن الضاد“ میں فرمائی ہے، جس کے مطالعہ سے حق ظاہر ہو جائے گا۔ مولوی نذیر حسین صاحب بھی انہیں غیر مقلدین میں سے تھے۔ اگر آپ ان کے ہم عقیدہ ہیں تو ہرگز آپ کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اور اگر آپ کو خاص ان مسائل میں اشتباہ ہے تو کتب فقہیہ کا مطالعہ کیجئے یا بندہ کے پاس تشریف لے آیئے۔ اور باوجود انکار تقلید شافعیت کی آڑ

تجر الیٰ غائة البوار ونهاية الخسار ۔والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر مرسلہ .... ۱۲ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید مسلمان دیندار اہلسنت وجماعت سے ہے۔اس کا خویش کہ پہلے اہلسنت سے تھا، بالفعل صحبت مریدان قادیان سے قادیانی ہوگیا۔حالانکہ مرزا قادیان کو دیکھا بھی نہیں ہے۔اعتقاد فاسد ہوگیا اور اس کی زوجہ یعنی زید مذکور بالا کی دختر ہنوز دین اہلسنت پر قائم ہے۔اس واسطے زید مذکور نے اپنے خویش قادیانی سے ملنا اور بولنا ترک کردیا ہے اور اپنی دختر سے ملتا ہے اور اس کے بچوں نابالغ کو دیتا لیتا ہے۔اس صورت میں زید مذکور بالا کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

قادیانی کہ اپنے لئے رسالت ونبوت کا مدعی اور انبیاء اور خصوصاً عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھلی گالیاں دینے والا ہے قطعاً یقیناً اجماعاً سخت مرتد وسخت عدو اللہ، سخت دشمن اسلام ہے۔اس کا مرید ہونا تو نہایت عظیم آفت ہے۔جو اس کے کفری عقائد پر مطلع ہوکر اسے مسلمان جانے، وہ ہرگز مسلمان نہیں۔جو شخص اس کا مرید ہو، اس کی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔اس کے ساتھ صحبت، زنائے محض ہوتی ہے۔خواہ عورت دین اسلام پر قائم رہے یا وہ بھی اسی کے ساتھ ہوجائے۔ہر طرح زنائے محض ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "(ومنها ای من الوجوه الاربعة) ما هو باطل بالاتفاق نحو النكاح فلا يجوز له ان يتزوج امرءة مسلمة ولا كتابية ولا ذمية ولا حرة ولا مملوكة۔"

پس ایسی صورت میں اگر عورت بھی اسی مذہب پر ہوجائے، جب تو ظاہر کہ باپ پر فرض ہے کہ اسے چھوڑ دے ۔اور اگر عورت دین حق پر قائم بھی رہے تو باپ پر فرض ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو، اسے زنا سے بچائے اور قدرت نہ رکھتا ہو تو عورت کو تفہیم کرے کہ اسے چھوڑ دے۔ان احکام میں سے جس کی تعمیل نہ کرے گا، گناہگار ہوگا۔پہلی دو صورتوں میں تو صریح فاسق، شدید مرتکب کبیرہ ہے۔اس کے پیچھے نماز ممنوع وگناہ اور صورت آخرہ میں کراہت سے خالی نہیں۔ قال الله تعالیٰ: "وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۔(الأنعام : ٦٨) "اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔(کنز الایمان) حلبی اور صغیری اور کبیری میں ہے: "وفيه اشارة الى ان انهم لو قدموا فاسقا ياثمون علىٰ ان كراهة تقديمه، كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور دينه وتساهله في الاتيان بلوازمه"۔ والله تعالىٰ اعلم وعلمه اتم واحكم۔

☆☆☆☆

(سوال دستیاب نہ ہوسکا ۱۲ ساحل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

(۱) استحقاق امامت کا دعویٰ محض باطل ہے۔ مسجد سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی ہے۔ بانی کی اولاد سنی حنفی موجود ہے۔ امام ومؤذن مقرر کرنا، بانی مسجد اور اس کے بعد اس کی اولاد کا حق ہے۔

عالمگیری جلد اول ص۲، فتاویٰ قاضیخان جلد اول ص۳۳ پر ہے: ''رجل بنیٰ مسجدا و جعله لله تعالیٰ فهو احق الناس بمرمته وعمارته وبسط البواری والحصر والقناديل والاذان والاقامة والامامة ان كان اهلا لذلك فان لم يكن فالرأى فی ذلك اليه" (الاشباه والنظائر مع غمز العيون ص ۱۸۵) البانی اولیٰ بنصب الامام والمؤذن وولد البانی وعشيرته اولیٰ من غيرهم

(۲) عام اہل محلہ سنی حنفی ہیں۔ اور خود اہل محلہ میں اگر اختلاف ہو، بعض ایک امام کو چاہیں اور اکثر دوسرے کو، تو اکثر ہی کی رائے معتبر ہے۔ اگرچہ جسے بعض قلیل چاہتے ہیں، وہ اس سے قراءت میں افضل ہو۔

عالمگیری جلد اول ص۳۰ پر ہے۔ اذا اختار بعضهم الاقرء واختار بعضهم غيره فالعبرة للاكثر كذا فی السراج الوهاج ۔

(۳) مسجد جامع میں اقامت جمعہ اہل محلہ کے لئے ہے اور اس کا امام وخطیب مقرر موجود ہے، دوسرے کو اصلا اس میں حق نہیں۔ اگر سوا ان کے خطبہ پڑھے یا امامت کرے، ہرگز جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۵۲ وردالمحتار میں ہے: "خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم يجز۔"

فتاویٰ سراجیہ جلد اول ص۲۹ میں ہے: "لو صلیٰ احد بغير اذن الامام لا تجوز الا اذا اقتدیٰ به من له ولاية الجمعة۔"

(۴) غیر مقلدین اہل سنت سے خارج اور مبتدع ہیں۔

طحطاوی علی الدر المختار جلد۴ ص۱۵۳ میں ہے: ''من كان خارجا عن هذه الاربعة فهو من اهل البدعة والنار۔'' اور مبتدع کی امامت مکروہ وممنوع ہے۔

ردالمحتار جلد اول ص۵۸۵ پر ہے: ''المبتدع تكره امامته بكل حال ۔''

طحطاوی مطبوعہ مصر جلد اول ص۲۴۴ پر ہے: "الكراهة فيه تحريمية على ما سبق۔"

صغیری ص۲۷۰ پر ہے: يكره تقديم الفاسق كراهة تحريم وعند مالك لا يجوز تقديمه وهو رواية عن احمد وكذا المبتدع۔

(۵) امام بنانا، تعظیم وتوقیر ہے اور امر دین میں مبتدع کی توقیر حرام ہے۔

مشکوٰۃ شریف مطبع مجتبائی دہلی ص۳۱ پر ہے: "عن ابراهيم بن ميسرة قال قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه

وسلم من وقّر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ هدم الاسلام۔" "جس نے کسی مبتدع کی توقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی"۔

(۶) فاسق معلن کی امامت مکروہ وممنوع۔ غنیّۃ ص ۵۱۳ پر ہے: "لو قدموا فاسقا یاثمون۔" اور بدمذہبی ہر فسق سے بدتر فسق ہے۔

غنیّۃ ص ۵۱۴ پر ہے: "یکره تقدیم المبتدع ایضا لانه فاسق من حیث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حیث العمل۔"

ابوالسعود حاشیۂ کنز جلد اول ص ۲۰۸ پر ہے: "علل الزیلعی الکراهة فی الفاسق بان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علینا اهانته شرعا فمفاده کون الکراهة تحریمیة"۔

سنن ابن ماجہ ص ۷۲ا پر ہے: "عن جابر ابن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال خطبنا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال یاایها الناس (فذکر الحدیث الیٰ ان قال) ولا یؤم فاسق مؤمنا الا ان یقهره سلطان یخاف سیفه وسوطه۔" "یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں بیان فرمایا: فاسق کسی مسلمان کی امامت نہ کرے۔ مگر یہ کہ اس کو اپنی سلطنت کے زور سے مجبور کرے کہ اسے اس کی تلوار اور تازیانے کا ڈر ہو۔

یہاں غیر مقلدین کی سلطنت نہیں تو وہ محض ناجائز دباؤ ڈال کر ہماری مسجد میں استحقاق امامت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) غیر مقلدین کی بدعت لزوم کفر تک پہنچی ہوئی ہے جس کا مفصل بیان مع ثبوت "کوکبہ شہابیہ" میں ہے اور ایسے اہلِ بدعت کے پیچھے نماز محض ناجائز ہے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ لکھنؤ جلد اول ص ۱۴۶ پر ہے: "روی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف ان الصلوٰة خلف اهل الاهواء لا تجوز۔"

شرح فقہ اکبر امام اعظم ابوحنیفہ ص ۵ پر ہے: "لا تجوز خلف المبتدع۔"

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۵۱۹ پر ہے: "ان بدعتهم لما اشتدت الیٰ ان وصلت قریبا الیٰ الکفر اورثت شبهة فی ایمانهم فتمنع من الاقتداء بهم وحکم بفساد صلاة من اقتدیٰ بهم۔"

شرح فقہ اکبر ص ۱۸۷ پر ہے: "خیر منهم ببطلان الصلاة خلفهم احتیاطا"

(۸) حدیث نماز اہل نجران اگر صحیح وثابت ہو تو وہ کافر مستامن تھے، امان لے کر حاضر ہوئے تھے اور ایسے کفار سے تعرض منع ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں نماز سے نہ روکنے دیا، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے روکنا چاہا تھا۔

مواہب لدنیہ وشرح مواہب زرقانی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۴۷ پر ہے: "(قاموا یصلون فیه فاراد الناس منعهم) لما فیه من اظهار دینهم الباطل بحضرة المصطفیٰ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وفی مسجده،

(فقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعوھم) تالیفا لھم ورجاء اسلامھم ولدخولھم بامان فاقرھم علیٰ کفرھم ومنع من تعرض لھم فلیس فیہ اقرار علیٰ الباطل۔"

امان لے کر آنے والے کفار پر مدعیان اسلام کا قیاس نہیں ہوسکتا۔ جن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستامن کفار کے لئے یہ منقول ہے، انہیں نے مسلمانان تارک قربانی کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا۔

ابن ماجہ ص ۵۸ پر ہے: "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا۔"

انہیں نے کچا لہسن پیاز کھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا اور بقیع تک نکلوا دیا۔

صحیح بخاری شریف مطبع احمدی جلد اول ص ۱۱۸ پر ہے: "عن جابر بن عبد اللہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل ھذہ الشجرۃ یرید الثوم فلایغشانا فی مسجدنا۔ عن انس بن مالک قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل ھذہ الشجرۃ فلا یقربن ولا یصلین معنا۔"

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: "عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فی غزوۃ خیبر من اکل من ھذہ الشجرۃ یعنی الثوم فلا یاتین المساجد۔"

ایضاً ص ۲۰۱ پر ہے: " ان عمر ابن الخطاب خطب یوم الجمعۃ فذکر انکم ایھا الناس تاکلون شجرتین لا اراھما الا خبیثتین ھذا البصل والثوم ولقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد ریحھما من الرجل فی المسجد امر بہ فاخرج الیٰ البقیع۔"

کلمہ گو منافقین جمعہ کے مجمع میں ایک ایک کا نام لے کر مسجد سے نکلوا دیئے گئے۔

عمدۃ القاری شرح بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۴ ص ۲۲۱ پر ہے: "عن ابن عباس قال خطب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعۃ فقال اخرج یا فلان فانک منافق واخرج یا فلان فانک منافق۔"

غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر جائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا۔

(۹) غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود ونصاریٰ ویہود ومجوس وروافض وغیرھم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا۔

(۱۰) انہیں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صرف کلمہ گو ہونے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے بلکہ مطلقاً مسلمان ہونے سے بھی مسجد میں آنے تک کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ جماعت وامامت تو خاص بات ہے کہ آخر وہ منافق بھی کلمہ گو تھے، اپنے آپ کو غیر

مقلدین کی طرح مسلمان ہی کہتے۔اور قربانی نہ کرنے یا لہسن پیاز کھانے والے تو ضرور مسلمان ہیں۔ پھر بھی انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں آنے سے روکا اور نکلوادیا۔

(۱۱) ہر شخص اپنے فریق کے لئے عبادت خانہ بناتا ہے۔اور شرع نے مساجد میں انہیں کا حق مقدم رکھا ہے، جن کے لئے بانی نے مسجدیں بنائیں ولہذا اہل محلہ اپنی حاجت مقدم رکھنے کے لئے غیر اہل محلہ کو مسجد میں نماز سے منع کر سکتے ہیں۔

درمختار ہاشمی ص ۷۷ پر ہے:''لاهل المحلة منع من ليس منهم عن الصلوٰة فيه۔''

سنیوں حنفیوں کی بنائی ہوئی مسجدوں میں غیر مقلدین کا دعویٰ مساوات حق، جس کی بنا پر مزاحمت کرسکیں، بالکل بے بنیاد ہے۔

(۱۲) سنیوں حنفیوں نے مسجد بنائی اور اس کے نمازی ہیں اور ان ہی کا حق مقدم ہے۔اور انہیں غیر مقلدین کے آنے سے ایذا پہنچتی ہے۔ان کے خیالات منتشر ہوتے ہیں، ان کی نماز خراب ہوتی ہے۔اور غیر مقلدین کی اپنی مسجد موجود ہے اور اس میں ان کی نماز ہوسکتی ہے اور ان کے نزدیک بھی حنفیوں کی مسجد میں پڑھنا، کچھ ان پر فرض، واجب نہیں تو اپنی عبادت اپنے معبد میں ہوسکتے ہوئے دوسروں کی مساجد پر جدید قبضہ چاہنا اور ان کا دل دکھانا اور ان کے حق مقدم میں دست اندازی کرنا، صریح مداخلت بیجا و آزار رسانی اور صاف بدنیتی پر مبنی ہے۔

(۱۳) غیر مقلدین، ہمارے ائمہ کو برا کہتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ ہمیں مشرک بتاتے ہیں تو ہماری بنائی مسجدوں پر ان کا قبضہ کرنا، ہماری امامت کرنا، ہماری جماعت میں مل کر اپنی آوازوں اور حرکتوں سے اپنا غیر مقلد اور ہمارے اماموں کا دشمن، ہمارا مخالف ہونا، عین نماز میں جتانا، ضرور ناحق ایذا و آزار رسانی ہے۔اور بحکم شرع ہماری مسجدوں میں ہمارا حق مقدم ہے۔اور حدیث وفقہ کا حکم ہے کہ ایذا رساں کے لئے مسجد میں آنے کا حق نہیں اور یہ کہ مسجد سے نکال دیا جاوے۔

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: "عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من اكل من هذه الشجرة فلا يقربن مسجدنا ولا يوذينا بريح الثوم "۔اس کے اخراج کی حدیث ابھی گزری۔

درمختار ص ۱۷۷ پر ہے:''يكره دخول اكل نحو ثوم ويمنع وكذا كل موذ ولو بلسانه۔''

الاشباہ مع غمز العیون ص ۳۸۱ پر ہے:'' يكره لمن اكل ذا ريح كريهة ويمنع منه وكذا كل موذ فيه ولو بلسانه۔''

ردالمحتار جلد اول ص ۶۹۱ پر ہے: "قال الامام العينى فى شرحه علىٰ البخارى: علة النهى اذیٰ الملئكة واذیٰ المسلمين ولا يختص بمسجده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والحق بالحديث كل من[1] ذى الناس بلسانه وبه افتىٰ ابن عمر وهو اصل فى نفى كل من يتاذیٰ به اه مختصرا۔''

(۱۴) مسجدیں اہل سنت حنفیہ بنائیں، وہی اس کے نمازی ہیں اور انہیں کا حق مقدم ہے۔اور غیر مقلدین کا ان پر قبضہ

ہونا یقیناً، ان کی نفرت کا موجب ہے۔ اور شرع کا حکم ہے کہ جس شخص کے مسجد میں آنے سے اس کے نمازیوں کو نفرت ہو، وہ مسجد میں جانے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اس لئے جذامی و مبروص کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ بیماری میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں۔

ردالمحتار جلد اول ص۲۹۲ پر ہے: "یلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ما له رائحة کریهة ماکولا او غیره والقصاب والسمّاك والمجذوم والابرص اولیٰ بالالحاق وقال سحنون لا اری الجمعة علیهما۔" (۱/۶۶۱ مطلب فی الغرس فی المسجد)

(۱۵) مسجدیں ہر فریق کی جدا ہیں اور ہر ایک اپنی مسجد میں اپنے طور سے عبادت کر سکتا ہے۔ کسی فریق کے نزدیک اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد میں پڑھنے کے لئے شرع کا کوئی حکم نہیں۔ ہم ان کی مسجد پر دعویٰ نہیں کرتے، وہ ہماری مسجد پر بالجبر قبضہ چاہتے ہیں۔ اور یہ امر حنفیہ کو ضرور اپنے مذہبی رو سے سخت آزار دہ ہے۔ اور غیر مقلدین کی وہ ایذائیں کہ بعض اوپر بیان ہوئیں، علاوہ ہیں۔ یہ امور باعثِ اشتعال فریقین ہوتے ہیں۔ جس کے سبب ملک میں بکثرت مقدمات ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ تو ان میں جو فریق اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد پر قبضہ چاہے، وہ ضرور فتنہ پھیلاتا اور اشتعال طبع دلاتا ہے۔ تو اس کو روکنا شرعاً و قانوناً ہر طرح لازم ہے۔ اگر کوئی مسجد میں کشت و خون کرنے جائے تو وہ ضرور شرعاً و قانوناً دخول مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اور اس وقت صرف اپنے مسلمان ہونے کو استحقاق دخول کی دستاویز نہیں بن سکتا۔ لیکن ہمارے رب عز وجل نے قرآن عظیم میں فرمایا ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (البقرة: ۱۹۱) فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔ تو ایک فریق کے دوسرے کی مساجد میں جانے سے جب فتنہ اٹھے، جس کی نظیریں ملک میں بکثرت موجود ہیں۔ تو وہ اس ارادۂ قتل والے سے زیادہ مستحق باز رکھے جانے کا ہے۔ اور ہرگز شرعاً و قانوناً اسے ان مساجد میں جانے کا حق حاصل نہیں۔

(۱۶) غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی، سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر و وافر ہیں۔ لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا۔

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر جیل آباد ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے۔ اور بحکم قرآن عظیم، جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، وہ اس آیت کا مصداق ہے، اللہ سبحانہ فرماتا ہے: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِیْنَ" (البقرة: ۱۱۴) "اس سے بڑھ کر ظالم

کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نامِ خدا لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے؟ انہیں روا نہیں تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر خوف کھاتے۔

(۱۷) شارع عام اور اسی طرح سرِ راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سڑکیں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ بااین ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آکر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہو کر فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کرنے میں ہرگز خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہو کر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرار دادہ مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضرور نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں۔ بلکہ شارع عام درکنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، معدود مواضع مقرر دیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنی کی بناء پر فرض کر لیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجالانے سے باز رکھے۔ اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے۔

(۱۸) ہمارے اور غیر مقلدوں کے مذہب میں بہت اختلاف ہے۔ جس کی رو سے ہمارے مذہب میں ان کی نماز محض باطل وفاسد ہوتی ہے۔ وہ جب اپنے طرز کی نماز میں بھی ہمارے نزدیک خارج ہیں، فضول بے معنی حرکات کر رہے ہیں۔ ازاں جملہ غیر مقلدوں نے خون اور مردار اور شراب کو ناپاک نہ جانا۔ جیسا کہ ان کی مذہبی کتاب روضۂ ندیہ کے ص ۱۲ پر ہے۔ تو اگر غیر مقلد کے دامن میں سیر بھر گوشت مردار کا بندھا ہو اور خون نے ناک سے نکل کر تمام داڑھی اور سینے کو رنگ دیا ہو اور سارے چہرے پر شراب کا غازہ ملا ہو بلکہ شراب کے مٹکے میں غوطہ کھا لیا ہو، نماز ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ نماز نہیں اور اشیائے مذکورہ سب ناپاک ہیں۔

عالمگیری جلد اص ۱۷ پر ہے: ''الخمر والدم والميتة نجس نجاسة غليظة هكذا في فتاوى قاضي خان۔'' نیز غیر مقلدوں کا مسئلہ ہے کہ پانی کتنا ہی کم ہو، نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا مزا یا بو نہ بدل جائے۔ یہ مسئلہ بھی ان کی کتاب طریقۂ محمدیہ ترجمہ درر بہیہ مطبع فاروقی دھلی کے ص ۷۹ اور انہی کی دوسری کتاب فتح المغیث مطبع صدیقی لاہور کے ص ۵ پر موجود ہے۔ تو خون تو بڑی چیز ہے۔ اگر پاؤ بھر پانی میں دو چار ماشے اپنا یا کتے کا

پیشاب پڑ جائے، غیر مقلدوں کے نزدیک پاک رہے گا اور اس سے وضو و نماز صحیح ہے۔ لیکن ہمارے مذہب میں اگر کسی عظیم الشان کنویں میں بھی ایک بوند نجاست پڑ جائے، سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

عالمگیری ص ۸ جلد ا پر ہے: "فارة تفسخت فی الجب ثم صب قطرة من ذلك الماء فی البئر ينزح جميعا كذا فی خزانة المفتيين"۔

نیز اسی فتح المغیث کے ص ۶ پر ہے: "کافی ہے مسح کرنا پگڑی پر" لیکن ہمارے مذہب میں پگڑی کا دھونا بھی کافی نہیں، سر کا مسح فرض ہے کہ قرآن عظیم میں فرمایا "وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ" (المائدہ: ٦) "اور سروں کا مسح کرو" (کنز الایمان) اسی طرح بہت مسائل ہیں۔ تو اختلاف مذہب کی حالت میں انہیں کیونکر ہماری امامت کا استحقاق ہو سکتا ہے؟ بلکہ ایسی حالت میں اگر وہ ہماری صف میں کہیں آ کر شامل ہوں تو ہمارے مذہب میں اصلاً جائز نہیں۔ کہ جب وہ نماز سے خارج ہیں تو یہ ایسا ہوا کہ نماز کی صف بندھی اور بیچ میں ایک شخص بے نیت نماز حائل ہے۔ یہ قطع صف ہوا جو حرام ہے۔

سنن نسائی ص ۱۳۷ پر ہے: "عن عبد الله بن عمر ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله۔"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو صف کو وصل کرے، اللہ تعالیٰ اسے صلہ عطا فرمائے اور جو صف کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ اسے قطع کر دے۔

تو غیر مقلدین کا ہمیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے یا اپنی نماز میں انھیں شریک کرنے پر مجبور کرنا، صراحۃً ہمارے مذہب میں دست اندازی ہے۔ جس کا حق انھیں شرعاً و قانوناً کسی طرح حاصل نہیں۔

(۱۹) قانون ہمیں ہرگز مجبور نہیں کرتا کہ ہم اپنے مذہبی خیالات سے باز رہیں یا ان کی مخالفت پر مجبور کئے جائیں۔ ہمارے مذہب میں غیر مقلدین، مبتدع بد دین ہیں۔ جس کا ایک ثبوت اوپر طحطاوی علی الدر المختار سے گذرا۔ اور اس بارے میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے علمائے کرام کے فتاویٰ موجود ہیں۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اهل البدع شر الخلق و الخليقة۔" "بدمذہب سارے جہان سے بدتر، بہائم سے بدتر ہیں۔

مسند امام احمد مطبوعہ مصر ہامش جلد اول ص ۱۱۰ پر ہے، نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اصحاب البدع كلاب النار"، بدمذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔ ایضا کتاب مذکور ص ۱۱۰۔

جب ہم شرعاً و قانوناً ہرگز مجبور نہیں کہ کتے کو اپنی نماز کی صفوں میں کھڑا کریں یا اپنی مسجدوں میں آنے دیں۔ تو جو ہمارے مذہب میں بحکم حدیث اس سے بدتر ہیں، انہیں اپنی نماز میں شریک کرنے پر ہمیں مجبور کرنا، ضرور ہمیں مذہبی نقصان پہنچانا ہے، جو کسی طرح قرین انصاف نہیں۔

(۲۰) ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

وَفِی النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ" (التوبة :۱۷-۱۸)" مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دے کر،ان کا تو سب کیا دھرا اکارت ہے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔"(کنزالایمان)

تو غیر مقلدین حقیقۃً ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے۔دھوکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعائی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا،خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذادہی وآزاررسانی وبدنیتی ہے۔کوئی استحقاق،کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہوسکتا۔یہ بعینہٖ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں۔ہمیں ان میں پوجا پاٹ کی اجازت ملے۔حالانکہ یہ دعویٰ صراحۃً فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لئے کرنا،سوائے بدنیتی وآزاررسانی کے کیا ہوسکتا ہے؟ایسے ناجائز وفاسد المبنیٰ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتے۔لہٰذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔

(۲۱)　اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں،مگر اس قدر تو یقیناً معلوم،جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بدمذہب وگمراہ ہے۔کما قال الله تعالىٰ:" وَاِنَّا اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" (سبا : ۲٤)"اور بے شک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں"(کنزالایمان)اس کے ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہوچکیں،کافی ہیں۔بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں اور اگر تم اس وقت مصلحۃً نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ وبددین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔اب دو حال سے خالی نہیں۔یا تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔یا واقع میں تم ہدایت پر ہو تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے،وہ گمراہ ہے۔اب یا تو تم ہمیں،ہمارے جمیع اعتقادیات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔اور اگر ہاں،تو ہمارے اعتقادیات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ وبددین ہو،یہ بھی حق ہوا۔بہرحال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ان سے دور بھاگیں،ان کی نماز میں نہ شریک ہوں،اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں،وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو،ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

بہرحال! حاصل حکم یہ ہے کہ تم ہماری مساجد میں نہ آؤ۔ایسا حکم کہ شرع کا متفق علیہ ہے،اسے چھوڑ کر بے بنیاد دعویٰ پیش کرنا،کوئی وجہ نہیں رکھتا۔اب قرآن کی آیت سنئے۔

اللہ عزوجل وعلا قرآن عظیم میں فرماتا ہے:"وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ

الظّٰلِمِیْنَ۔"(الأنعام: ٦٨) ''اور جو تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھو''۔

تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی ص ۳۸۷ پر ہے: "ان القوم الظلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع۔" ''یعنی ظالم لوگ مبتدع اور فاسق اور کافر ہیں۔ اور ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔''

ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۹ ص ۳۹ پر ہے: ''ان ھجرۃ اھل الھواء والبدع دائمۃ علیٰ ممر الاوقات مالم تظھر التوبۃ والرجوع الیٰ الحق'' یعنی بدمذہبوں سے جدائی ہمیشہ ہے چاہے کتنا زمانہ گزرے، جب تک ان سے توبہ اور حق کی طرف رجوع ظاہر نہ ہو۔

کنز العمال ہامش مسند امام احمد جلد اول ص ۱۱۲ پر ہے: "عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "اذا رأیتم صاحب بدعۃ فاکفھروا فی وجھہ فان اللہ تعالیٰ یبغض کل مبتدع۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بدعتی، بدمذہب کو دیکھو اس کے ساتھ ترشروئی کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر مبتدع کو دشمن رکھتا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۴۹ پر ہے: "مجالسۃ الاغیار تجر الیٰ غایۃ البوار ونھایۃ الخسار"۔ ''یعنی غیروں کے پاس بیٹھنا، بربادی اور کمال تباہی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

شفا شریف امام قاضی عیاض مطبع صدیقی بریلی ص ۱۹۷ پر ہے: ''قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لن یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ'' ص ۲۰۰ پر ہے: "فالصادق فی محبۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من تظھر علامات ذلک علیہ"۔ ص ۲۰۱ پر ہے: "ومنھا مجانبۃ من خالف سنتہ وابتدع فی دینہ''۔

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اس کی اولاد اور ماں باپ اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز تم میں کوئی مومن نہیں جب تک میں اسے خود اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں سچا وہ ہے، جس پر محبت کی علامتیں ظاہر ہوں۔ ان علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفوں اور مبتدعوں سے دوری اختیار کرے۔

شفا شریف میں ہے: "ومنھا بغض من ابغض اللہ ورسولہ ومعاداۃ من عاداہ ومجانبۃ من خالف سنتہ وابتدع فی دینہ۔"(۲/۲۲) ۔واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ احمد حسن صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے بواسیری مسوں سے رطوبت ہر وقت

جاری رہتی ہے۔ تو اس صورت میں ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح زید پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ درصورت دیہات میں نہ ہونے کسی شخص خواندہ کے، زید نماز جماعت سے فرض عشاء اور تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب بواسیری مسوں سے رطوبت جاری ہو یعنی نماز کا کوئی پورا وقت شروع سے ختم تک ایسا گذر گیا ہو کہ اس کو وضو کر کے فرض پڑھنے کی مہلت نہ ملی ہو اور جب سے اب تک پانچوں وقت نماز کے ہر وقت میں بلا ناغہ آ رہی ہو اگر چہ ہر وقت میں ایک ہی دفعہ آتی ہو تو جب تک یہ حالت باقی رہے، اسے حکم معذور کا ہے۔ وہ پانچوں وقت وضو تازہ کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر واجب، سنت نفل، سب کچھ پڑھ سکتا ہے۔

کنز الدقائق مع البحر میں ہے: ''وتتوضأ المستحاضة ومن به سلسل البول او استطلاق بطن او انفلات ريح او رعاف دائم او جرح لا يرقأ لوقت كل فرض ويصلون به فرضا (كان او واجبا) او نفلا وهذا اذا لم يمض عليهم وقت فرض الا و ذلك الحدث يوجد فيه (ولو مرة)'' وہ ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح پڑھ سکتا ہے۔ مگر اس کی اقتداء طاہروں اور دوسرے عذر سے معذوروں کے لئے درست نہیں، فرائض میں نہ تراویح میں۔ تراویح وغیرہا نوافل ہیں۔

ہدایہ میں ہے: ''ولا يصلى الطاهر خلف من هو فى معنى المستحاضة اه كمن به سلس البول واستطلاق البطن وانفلات الريح والجرح السائل والرعاف ويجوز له اقتداء اى معذور بمثله اذا اتحد عذرهما لا ان اختلف اه''

فتح، غنیّہ شرح منیہ میں ہے: ''لا يصح اقتداء الطاهر لصاحب العذر۔'' والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از کانپور مسجد رنگیان مرسلہ مولوی نثار احمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مع اہل وعیال کانپور میں بہ نیت اقامت مقیم ہوا۔ عرصہ دراز کے بعد ایک شادی بھی کانپور میں کی اور مکان ذاتی بنایا اور حیثیت کے موافق کچھ معاش بھی ہے۔ تخمیناً ستائیس برس یا کچھ زیادہ مقیم رہا۔ اب ان کا انتقال ہوگیا۔ وقت اقامت کانپور کے ایک پسر مسمّی بہ عمرو تخمیناً دو تین سال کا ہمراہ تھا۔ اب اس عمرو کی عُمر ستائیس سے زیادہ ہے۔ زید نے اس مدت میں عمرو کا عقد لکھنو میں کرا دیا تھا۔ عمرو صاحب اولاد بھی کانپور میں ہوا اور عمرو کانپور سے کوچ کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا۔ اس قدر زمانہ کے بعد اتفاق سے دوسرے شہر میں نوکر ہو کر چلا گیا اور ارادہ ہے کہ کوچ کرے گا۔

اس صورت مسئولہ میں زید کا وطن اصلی کانپور ہوا یا نہیں؟ ہوا تو کیوں اور نہیں تو کیا وجہ؟ جب زید کا وطن اصلی بن جاوے تو عمرو پسر کا باوجود اس کیفیت کے کہ ارادہ کوچ نہیں اور اس قدر عمر بھی اس نے شہر میں گذاری ہو، وطن اصلی بنایا

نہیں اور کون سی علت نہیں کی۔ اور نہ ہونے کی برتقدیر بن جانے کے دوسرے شہر کے نوکری باوجود کوچ کے ارادہ کے وطن اصلی کو باطل کرے گی یا نہیں؟ اور کیا علت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب زید مع اہل و عیال کانپور آکر بہ نیت اقامت مقیم ہوا اور اپنا ذاتی مکان بنایا اور وہیں شادی بھی کرلی اور کہیں کوچ کا بھی ارادہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کا انتقال بھی ہوگیا۔ اسی طرح عمرو کہ وہاں ۲۴ سال سے زائد سے مقیم ہے، وہیں صاحب اولاد ہوا، کہیں کوچ کا ارادہ بھی نہ کیا، تو کانپور ضرور ان دونوں کا وطن اصلی ہے۔

بحرالرائق میں ہے: "الوطن الاصلی ھو وطن الانسان فی بلدتہ او بلدۃ اخری اتخذھا دارا وتوطن بھا مع اھلہ وولدہ ولیس من قصدہ الارتحال عنھا بل التعیش بھا۔"

تبیین الحقائق میں ہے: "وھو (الوطن الاصلی) مولد الرجل او البلد الذی تاھل فیھا۔"

حاشیہ علامہ شلبی میں فتح القدیر سے ہے: "ای ومن قصد التعیش بہ لا الارتحال (۱/۲۰۳)"

جامع الرموز میں ہے: "الوطن الاصلی ان یکون مولدہ وماھلہ ومنشأہ کما فی المحیط وعبرہ من الاختیار علیٰ الاولیین لکونہ ابعد من الخلاف۔"

درمختار میں ہے: "الوطن الاصلی موطن ولادتہ او تاھلہ او توطنہ۔"

ردالمحتار میں ہے: "قولہ: او تاھلہ ای تزوجہ، قال فی شرح المنیۃ: ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الاقامۃ بہ فقیل لا یصیر مقیما وقیل یصیر مقیما وھو الاوجہ۔ قولہ ای توطنہ ای عزم علیٰ القرار فیہ وعدم الارتحال وان لم یتاھل قلت فبالاولیٰ اذا تاھل۔"

عمرو کا دوسری جگہ قیام کہ نہ اس کی مولد ہے، نہ وہاں اس نے شادی کی، نہ اسے اپنا وطن بنالیا یعنی یہ عزم نہ کرلیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت چھوڑوں گا۔ بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی، بربنائے تعلق نوکری ہے۔ تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی، اگرچہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ ہو، اگرچہ وہاں تا حاجت اقامت بعض یا کل اہل و عیال کو بھی لے جائے کہ بہر حال یہ قیام ایک وجہ خاص سے ہے، نہ مستقل مستقر۔ تو یہ صرف وطن اقامت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "ووطن اقامتہ وھو البلد الذی ینو المسافر الاقامۃ فیہ خمسۃ عشر یوما او اکثر۔"

تبیین میں ہے: "ووطن اقامتہ وھو الموضع الذی ینو المسافر ان یقیم فیہ خمسۃ عشر یوما فصاعدا۔"

حاشیہ شلبی میں ہے: "ای علیٰ نیتہ ان یسافر بعد ذلک اہ فتح۔"

وہ وطن اصلی کو باطل نہیں کرسکتا۔ تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے: "ولا یبطل الوطن الاصلی بانشاء السفر وبوطن الاقامۃ"۔

ح ط ش میں ہے: "لم یبطل الوطن الاصلی بوطن الاقامۃ۔"

عمرو جب کانپور آئے گا، بمجرد دخول مقیم ہو جائے گا اور اتمام واجب۔ جامع الرموز میں ہے: یبطل الاصلی (السفر) ای وطن السفر المسمی بوطن الاقامة والوطن المستعار الحادث ایضا فلو خرج الیٰ الاول صار مقیما بمجرد دخول فیه۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے وہ کہاں ہونی چاہئے اور زمانہ رسول اللہ میں وہ اذان کہاں ہوتی تھی، اندر مسجد کے یا باہر؟ بینوا توجروا۔ السائل سید محمد عمر غفر لہ از شہر پیلی بھیت محلہ احمد زئی۔

الجواب

اذان نبوی جمعہ کے دن خطبہ کے لئے خطیب کے منبر پر چڑھنے کے وقت مواجہہ خطیب میں اذان عثمانی کی طرح بیرون مسجد ہی ہونی چاہئے۔ یہی سنت نبوی وصدیقی وفاروقی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۱) عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی میں ہے: "قوله بین یدیه ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجه والمسنون هو الثانی" یعنی لفظ بین یدیہ کے معنی تو یہ ہیں کہ امام کے روبرو ہونا چاہئے مسجد میں یا بیرون مسجد۔ مگر مسنون وہی دوسری صورت ہے۔ یعنی اذان کا خارج مسجد ہونا۔

(۲) اسی میں ہے: "وبسند آخر عنه کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علیٰ المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر" یعنی دوسری سند سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مواجہہ، میں جب جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوتے، دروازہ مسجد پر اذان دی جاتی تھی۔ رواہ ابوداؤد

(۳) تعلیق الممجد حاشیہ مؤطا امام محمد (۴) میں ہے: "وعند الطبرانی (۵) کان یوذن بلال علیٰ باب المسجد علیٰ عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم وابی بکر وعمر۔"

(۶) کشف الغمہ میں ہے: "وکان الاذان الاول علیٰ عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما اذا جلس الخطیب علیٰ المنبر علیٰ باب المسجد۔" مسجد میں اذان کہنا حسب تصریح فقہائے کرام مطلقاً ممنوع ومکروہ ہے۔

(۷) فتح القدیر میں ہے: "الاقامة فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنة فان لم تکن ففی فناء المسجد وقالوا یوذن فی المسجد" (فتح القدیر، باب الاذان: ۱/۲۱۵)

(۸) اسی میں ہے: "هو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدوده لکراهة الاذان فی داخله۔"

(۹) غنیۃ المصلی شرح منیۃ المصلی میں ہے: "الاذان انما یکون فی المسجد والاقامة فی داخله۔"

(۱۰) فتاوی تاتارخانیہ (۱۱) مجمع البرکات، (۱۲) عالمگیریہ، (۱۳) قاضی خان، (۱۴) خلاصہ (۱۵)، خزانۃ

المفتیین ،(۱۶) بحرالرائق میں ہے:'' ینبغی ان یوذن علی المئذنة او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد ۔''
اذان مئذنہ پر ہو یا بیرون مسجد کہی جائے ۔اور مسجد میں اذان نہ دی جائے ۔

(۱۷) شرح مختصروقایہ علامہ برجندی میں ہے:'' وفیہ اشعار بانه لا یوذن فی المسجد۔''

(۱۸) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: ''یکرہ ان یوذن فی المسجد کمافی القهستانی''(۱۹) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷) (۲۰) النظم (۲۱) شرح طحاوی پھر (۲۲) شرح قدوری محمود زاہدی میں ہے: ولا یوذن الا فی فناء المسجد او علی مئذنة ۔

ان تمام تصریحات جلیلہ میں عموم واطلاق صاف بتارہا ہے کہ مطلقاً اذان چاہے جمعہ کی ہو یا پنجگانہ، مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے۔ ومن ادعیٰ التخصیص فعلیه ان یاتی بالتنصیص هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

کتبه عبده العاصی ظفر الدین البهاری

عفی عنه بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ علیه وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولانا محبوب علی خان رضوی احاطۂ ڈاکٹر عبدالسبحان خان محلہ کرنیل گنج کانپور ۔۱۱ ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اذان خطبہ جمعہ مسجد یعنی موضع اعد للصلاۃ میں مکروہ نہیں ہے اور حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی فتویٰ میں کوئی عبارت ایسی نہیں لکھی ،جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو۔لہٰذا مسجد میں یہ اذان مکروہ نہیں ہے ۔عمرو کہتا ہے کہ اذان خطبہ، اذان ہی نہیں ہے ۔اس کو تغلیباً اور بر بنائے تقویٰ اذان کہہ دیا ہے ۔اور اذان خطبہ کا مقصود اعلام نہیں ہے ۔حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کا یہ دعویٰ کہ اذان خطبہ جمعہ، مسجد یعنی موضع اعد للصلاۃ میں مکروہ نہیں، بالکل غلط ، بے بنیاد وخلاف عقل ونقل وتصریح علماء ہے ۔زید سے پوچھا جائے کہ اذان خطبہ اذان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مطلق ممانعت وکراہت اس کو کیوں شامل نہیں؟ کیا زید دکھا سکتا ہے کہ یہ اذان ، اذان نہیں؟ یا علماء نے اس کو مستثنیٰ فرمایا ہے؟ جب دو بات میں سے ایک بھی نہیں ،تو زید کا دعویٰ بالکل محض ہے ۔اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ اذان نہیں، لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلی المولیٰ علیہ وسلم وحضرات شیخین کرام کے زمانہ مبارکہ میں نماز جمعہ بغیر اذان ہوا کرتی تھی ۔وهذا لا یقول به جاهل نیز یہ کہنا کہ اعلیٰ حضرت نے فتوائے مبارکہ میں کوئی عبارت ایسی نہ لکھی جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو، یہ بھی بالکل غلط ۔اعلیٰ حضرت کی تحریر میں عبارت فتح القدیر ملاحظہ ہو: فی المسجد ای فی حدوده لکراهة الاذان فی داخله یعنی جمعہ کا خطبہ مثل اذان مسجد میں ذکر الٰہی ہونے سے مراد حدود مسجد میں ہونا ہے ۔اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے ۔اس عبارت میں خود اذان خطبہ مسجد کے اندر مکروہ ہونے کا صاف افادہ ہے ۔ جسے منکرین مخالفین کو بھی انکار

کرتے نہ بنی۔ اسی طرح غایۃ البیان شرح ہدایہ میں ہے۔ عمرو کا کہنا بھی بالکل لغو و مہمل ہے۔ اگر اذان خطبہ سرے سے اذان ہی نہیں، تو اس کا کیا جواب ہے کہ سرکار دو عالم صلی المولیٰ علیہ وسلم وحضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ مبارکہ میں جمعہ کی نماز بے اذان ہوا کرتی تھی۔ یہ مسئلہ ایسا واضح ہے کہ عربی کی بڑی بڑی کتابوں کی شان عظیم ہے، فارسی کی چھوٹی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ زاد التقویٰ میں ہے: اذان ثانی وقتیکہ برائے خطبہ الخ

ترغیب الصلاۃ میں ہے: درعہد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بنا نہا دبانگ مکرر شد۔ اب کوئی عمرو صاحب سے پوچھے کہ جب اذان خطبہ، اذان ہی نہیں تو اذان ثانی، کے کیا معنی اور ''مکرر شد'' کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے اور ضد اور ہٹ دھرمی سے بچائے۔ آمین واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ خطبہ پڑھنا سنت ہے یا فرض؟ اور سننا سامعین پر فرض ہے یا سنت؟ بعض لوگ نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھا کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

خطبہ تین طرح کے ہیں:

(۱) خطبہ جمعہ کہ فرض ہے۔ اس واسطے بے خطبہ نماز درست نہیں۔ کما ذکر عن الزهری قال بلغنا انه لا جمعة الا بخطبة

شرح وقایہ میں ہے: ''وشرط لادائها المصر (الیٰ ان قال) والخطبة۔''

فتاوی قاضی خاں میں ہے: ''الجمعة لا تجوز بدون الخطبة۔''

عالمگیریہ میں ہے: "حتی لو صلوا بلا خطبة لم یجز۔''

(۲) خطبۂ عیدین۔ اور وہ سنت ہے۔

درمختار میں ہے: "تجب صلاتهما بشرائطهما سوی الخطبة فانها سنة۔"

ردالمحتار میں ہے: "انها فیهما سنة حتی لو لم یخطب اصلا صح واساء لترك السنة۔"

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''وصلاة العید تجوز بدون الخطبة۔''

ہندیہ میں ہے: ''والخطبة بعد الصلاة وتجوز الصلاة بدونها۔''

(۳) خطبہ نکاح اور وہ مستحب ہے اور استماع اور انصات سب میں فرض ہے۔

درمختار میں ہے: "وكذا یجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وختم وعید علیٰ المعتمد''

پھر نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھنا، کس طرح درست ہوسکتا ہے۔؟

رسول علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اذا قعد الامام علیٰ المنبر فلا صلاة'' بلکہ پڑھنا گناہ وممنوع ہے۔ عقبہ

بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی: ''قال الصلوۃ والامام یخطبه معصیة''۔
اس لئے کہ خطبہ میں حکم اسماع اور انصات ہے۔ فلا یشتغل بها لان الاشتغال بها یفوت علیه الاستماع هکذا فی الهدایة والدر المختار وغیر ذلك من معتمدات الاسفار۔ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ بازار شفاخانہ ضلع نینی تال مرسلہ محمد عبدالرحمٰن ٹھیکہ دار ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ فرماتے ہیں:

لا جمعة ولا تشریق ولا صلوۃ عید ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة

''نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں۔''

''صححه ابن حزم فی المحلی'' اور یہی مذہب ہے صحابہ سے، خاتم الخلفاء مولیٰ علی وحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سے عطا اور حسن ابن ابی الحسن وابراہیم نخعی ومجاہد وابن سیرین اور ثوری وسحنون وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کما فی الغنیة شرح المنیة۔

ملتقی الابحر میں ہے: ''لا تصح الجمعة الا بستة شروط المصر او فنائه الخ کذا فی الکنز والاصلاح وتنویر الابصار ومراقی الفلاح وشرح الوقایة والسراجیة''۔

تبیین میں ہے: '' حتی لا یجوز اداؤها فی المفاوزة ولا فی القریٰ کذا فی مجمع الانهر والصغیری والبحر والغنیة والحلیة وملا مسکین۔''

خزانۃ المفتین میں ہے: ''لا یجوز اقامتها الا بشرائط ستة منها المصر الجامع فلا یجوز اقامتها فی القریٰ ولا المفاوز البعیدة من الامصار۔''

یعنی'' جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں جس سے مصر جامع ہے۔ تو نہیں جائز ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو مصر سے دور ہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے''۔

''لانه اشتغال بما لا یصح ومع ذلك اما ترك الظهر وهو فرض او ترك جماعة وهی واجبة ثم الصلاة فرادیٰ مع الاجتماع وعدم المانع شنیعة اخریٰ غیر ترك الجماعة فان من صلیٰ فی بیته معتزلا عن الجماعة فقد ترك الجماعة وان صلوا فرادیٰ حاضرین فی المسجد فی وقت واحد فقد ترکوا الجماعة

واتوا بھذہ الشنیعۃ زیادۃ علیہ فیودی الیٰ ثلث محظورات بل اربع بل خمس لان ما یصلونہ لما لم یکن مفترضا علیھم کان نقلا واداء النفل بالجماعۃ والتداعی مکروہ ثم ھم یعتقدونھا فریضۃ علیھم ولیس کذلک قالہ فی" العطایا النبویۃ" وکذا افید علیٰ ھامش رد المحتار۔"

فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ لما فی رد المحتار عن الجواھر: "لو صلوا فی القریٰ لزمھم اداء الظھر۔"

اور شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں، دائمی بازار ہو اور وہ پرگنہ ہو جس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو، جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

بحرالرائق میں ہے: "وفی حد المصر اقوال کثیرۃ اختاروا منھا قولین، احدھما فی المختصر ثانیھما ما رووہ لابی حنیفۃ انہ بلدۃ کبیرۃ ،فیھا سکک واسواق ولھا رساتیق وفیھا والٍ یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمہ وعلمہ او علم غیرہ والناس یرجعون الیہ فی الحوادث۔"

اور یہی ظاہر الروایۃ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ عنہم سے ہے کما فی الغنیۃ والحلیۃ والدر والھندیۃ والخانیۃ والخلاصۃ والعنایۃ وفتح اللّٰہ المعین والسراجیۃ وحاشیۃ الدر لمولانا عبد الحکیم۔ اور وہ تعریف کہ مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ مصر ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔ اور جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے۔ کما فی البحر اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب، کما فی الدر۔ تو اس قول کا اختیار، ظاہر مذہب سے عدول اور اس کے ماخذ کا صریح خلاف ہے۔ بلکہ اس تعریف کے بموجب حرمین محترمین جن کے مصر ہونے پر اتفاق ہے، جن میں زمانہ اقدس سے جمعہ قائم ہے، شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں۔ اور جس تعریف سے وہ دونوں شہر پاک مصریت سے خارج ہوں، غیر معتبر ہے۔ غنیۃ شرح منیۃ ص ۵۵۰ میں ہے: "الفصل فی ذلک ان مکۃ والمدینۃ مصران تقام بھما الجمع من زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصر وکل تفسیر لا یصدق علیٰ احدھما فھو غیر معتبر حتّٰی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتاخرین کصاحب المختار والوقایۃ وغیرھما وھو ما لو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لا یسعھم فانہ منقوض بھما، اذ مسجد کل منھما یسع اھلہ وزیادۃ۔"

اسی لئے مجمع الانہر میں ہے: "اذ ھذا الحد غیر صحیح عند المحققین۔" بالجملہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے، ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از راکیاب ڈاک خانہ منکڈ محلہ حسین بارہ مرسلہ مولوی عبدالشکور صاحب ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

مقتدائے زماں، پیشوائے اہل ایماں، جناب مولانا صاحب مدظلہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ فتویٰ مفتی قاضی لطف اللہ صاحب رامپوری کا، حضور کے پیش کرنا ہے۔ اگر صحیح ہو تو اس میں حضور کا مہر و دستخط چاہئے۔ ورنہ اس کی غلطی سے ہم لوگوں کو اطلاع فرمادیں والسلام۔

ما قولکم ایہا العلماء الکرام دریں مسئلہ کہ نماز جمعہ در دیہات جائز است یا نہ؟ واگر خواندہ شود شرائط صحت آن چیست؟ وبحالت در وجود ہمہ شرائط جمعہ ظہر احتیاطی خواند یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

منجملہ شروط صحت نماز، مصر بودہ ست۔ و در دیہات جمعہ نزد حنفیہ بحکم ایں روایت ہدایہ: "صلوٰۃ الجمعۃ لا تصح الا فی الجامع او مصلّی المصر ولا تجوز فی القریٰ" ادا نمی شود۔ لیکن در تعریف مصر اختلاف است۔ فقہا متقدمین مصر آنرا گویند کہ حاکم و قاضی آنجا قدرت اجرائے احکام شرعیہ، حدود و قصاص داشتہ باشد۔ مگر چوں تسلط کفار غالب شد و دین اسلام ضعیف گردیدہ تحقق شرط مذکور مفقود شد، یعنی باوجود حاکم، اسلام عنقا صفت شد واگر جائے حاکم اسلام باقیست، قدرت اجرائے حدود ندارد۔ واز فقہائے متاخرین فقط کثرت اسلام را اعتبار نمودہ، جائے را کہ وسیع تر مساجد آنجا گنجائش نمازیاں مکلف نداشتہ، آنرا مصر بموجب روایت مفتیٰ بہ قرار دادہ اند۔

چنانچہ در ردالمحتار مذکور است: "ویشترط لصحتہا سبعۃ اشیاء الاولیٰ المصر وھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا وعلیہ اکثر الفقہاء لظھور التوانی فی الاحکام وظاھر المذھب ان کل موضع لہ امیر وقاضی یقدر علی اقامۃ الحدود" (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ۱/۱۳۷)

علامہ شامی محشی درمختار در تائید روایات مذکور می آرد: "(لقولہ ما لا یسع الخ) ھذا یصدق علی کثیر من القریٰ (قولہ المکلفین بھا) احتراز عن اصحاب الاعذار مثل النساء والصبیان والمسافرین عن ط: القھستانی (قولہ وعلیہ فتویٰ اکثر الفقہاء الخ) وقال ابو شجاع ھذا احسن ما قیل وفی الولوالجیۃ ھو صحیح بحر وعلیہ منتھی الوقایۃ ومتن المختار وشرحہ وقدمہ فی متن الدر علی القول الاخر وظاھرہ ترجیحہ وایدہ صدر الشریعۃ لقولہ لظھور التوانی فی احکام الشرع سیما فی اقامۃ الحدود فی الامصار۔" (رد المحتار: ۱/۱۳۷)

پس بر تحقیق مذکورہ بالا آنجا تعریف مصر صادق ست۔ یعنی دہیکہ دراں چند مسجد باشند واہل اسلام کہ نماز برآنہا فرض است، ایں قدر کثیر باشد کہ در مسجد کلاں آنجا گنجائش متصور نہ باشد، آنرا حکم مصر است۔ واگر دراں موضع از جانب حاکم اسلام، امام جمعہ مقرر نہ باشد، اہل اسلام ہر کہ امام خود مقرر کردہ باشند، پس او جمعہ ادا سازند۔ نماز جمعہ ادا خواہد شد، بحکم ایں روایت فتاوی عالمگیریہ: "بلاد علیھا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ومصر القاضی بتراضی المسلمین اھ۔"

وبحالت شک در وجود شرائط جمعہ یعنی بودن مصر وحاکم اسلام یا نائب آں در صحت جمعہ شک آوردہ ظہر اقتضائی

روایت مشہور بخوف عدم اعتقاد عدم فرضیت جمعہ بہتر ست کہ عوام نخواہند۔ واہل گر خوانند درخانۂ خود خفیہ خوانند تا فساد اعتقاد بر آں نشود۔ وبحکم ایں روایت درمختار وفی البحر وقد افتیت مرارا بعدم صلوٰۃ الاربع بعدها بنیة اخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضیة الجمعة وهو الاحتیاط فی زماننا واما من لا یخاف علیه مفسدة منها فالاولیٰ ان تکون فی بیته خفیة هذا ما القی فی الخاطر الفاطر محمد لطف الله غفر له۔

الجواب صحیح ۔فی الواقع نماز جمعہ نزدیک سادات کرام حنفیہ خصهم الله تعالیٰ باللطف العام کے دیہات میں درست نہیں ۔اگر پڑھیں گے، گنہگار ہوں گے۔ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا مگر تعریف مصر غیر ظاہر الروایۃ وغیر معتبر کو اختیار کرنا فقاہت سے ازبس دور۔حسب اقرار خود وتصریح علمائے کرام ظاہر الروایۃ، کل موضع له امیر وقاضی یقدر علیٰ اقامة الحدود کما فی الهندیة والظهیریة والخانیة والعنایة والبحر والدر المختار وغیرها من معتمدات الاسفار، علما نے غیر ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دینے کو جہالت ونادانی وخرق اجماع فرمایا ہے۔

بحرالرائق میں ہے:''ما خرج عن ظاهر الروایة فهو مرفوع عنه۔''

درمختار میں ہے: ''ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع اقول فکیف بالافتاء بالمرجوع عنه۔''

بلکہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اور انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی سے نقل کیا: ''المقلد لا یجوز له ان ان یحکم الا بما هو ظاهر الروایة اه۔'' اس پر اکثر فقہا کا فتویٰ ہونا اور ولوالجیہ میں صحیح کہنا اس تعریف کے اختیار کرنے کی وجہ نہیں ہوسکتی ہے، کہ تعریف کل موضع الخ پر بھی اکثر فقہا کما فی العنایة وعلی هذا شارح منیہ نے اس کی بھی تصریح فرمائی۔پس جبکہ تصحیح فتویٰ مختلف ہوئی تو ترجیح ظاہر الروایۃ کی ہوگی۔

بحرالرائق میں ہے:'' الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح لظاهر الروایة۔''

اسی میں ہے: ''اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاهر الروایة والرجوع الیها۔'' علیٰ هذا توانی فی الاحکام کو وجہ اختیار اس روایت کی گردانا بھی بعد غور معلوم ہوسکتا ہے کہ کس درجہ ضعیف ہے کہ تعریف ظاہر الروایۃ میں ''یقدر علی اقامة الحدود'' ہے، نہ یقیم الحدود۔ بالجملہ وجہ اختیار اس تعریف کی کوئی نہیں۔وجوہ مذکورہ یا مشترک یا مردود۔اور وجہ ترک قوی (اولاً غیر ظاہر الروایۃ ہونا ثانیاً اس تعریف کی رو سے مکہ معظمہ ومدینہ منورہ، جہاں زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ قائم ہے، کا مصریت سے خارج ہونا) موجود۔

غنیۃ میں ہے: ''والفصل فی ذلك ان مکة والمدینة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه علیه السلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احدهما فهو مصر وکل تفسیر لا یصدق علی احدهما فهو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختاره جماعة المتاخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما وهو ما لو اجتمع اهله فی اکبر مساجده لا یسعهم فانه منقوض بهما، اذ مسجد کل منهما یسع اهله وزیادة فلا

یعتبر هذا التعریف اه۔" (غنیة المستملی شرح منیة المصلی ص ۵۵۰)
اورسبب اختیار موضع لہ امیر وقاضی الخ ظاہر وبین ۔ولہذا اسی کا اختیار انسب ۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنگالہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲ رجب ۱۳۲۳ھ متعلم مدرسہ عالیہ رامپور

چہ می فرمایند راز داران دین متین ودقیقہ شناسان شرع متین اندریں مسئلہ کہ آخر الظہر باحتیاط الظہر بعد فرض الجمعہ بدیار ما مروج است، اصل آں چیست؟ وباداے آں در ہر چہار رکعت بعد الفاتحہ سورت خواندہ شود یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا والباطل باطلا چوں جمعہ مشروط بشرائط نزد ائمہ ما سادات کرام حنفیہ علیہم الرضوان من الملک العلام بودووجود ہمہ شروط دریں بلاد محل تامل اختلاف است ۔ بدین وجہ اکثر مشائخ بخارا بلکہ جمہور ائمہ دین وعلماء معتمدین بمقامیکہ در جواز صلاۃ جمعہ شک افتد، بعد اداے چہار رکعت سنت بعد جمعہ بنیت سنت وقت بایں نیت کہ نماز یکہ وقت او یافتم وہنوز او نکردہ ام یا نماز جمعہ متعدد جا خواندہ شود۔ (اگر چہ حسب مذہب مفتیٰ بہ توارد جمعہ مطلقاً جائز ودرست ست۔ کما اعتمد علیه فی الکنز والوافی، والملتقی والکافی و الطحطاوی، والهندیة والشامی، والمحیط وجواهر الاخلاطی، وصححه مفتی الجن والانس نجم الدین والعلامه الشرنبلالی فی المراقی، قال فی شرح الوقایة" وبه یفتیٰ" وفی شرح المجمع والحاوی القدسی وجواهر الاخلاطی" وعلیه الفتویٰ"۔ وفی فتح القدیر "علیٰ المفتی به"، وفی المحیط وتکملة الرازی" وبه ناخذ"۔

خواص را حکم چہار رکعت سنت بعد الجمعۃ بنیت سنت وقت بایں نیت کہ آخرین ظہرے کہ وقت او یافتہ ام وہنوز ادا نکردہ ام۔

قال فی الحلیة شرح المنیة "وقد یقع الشك فی صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن ذلك اذا تعددت فی المصر وهی واقعة اهل مرو فیفعل ما فعلوه" قال المحسن "لما ابتلی اهل مرو باقامة الجمعة فی موضعین مع اختلاف العلماء فی جوازها امر ائمتهم باداء الاربع بعد الجمعة حقا احتیاطا"

درفتاویٰ عالمگیریہ ست:" ثم فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة لوقوع الشك فی المصر او غیره واقام اهله الجمعة ینبغی ان یصلوا بعد الجمعة اربع رکعات وینووا بها الظهر حتی لو لم تقع الجمعة موقعها یخرج عن عهدة فرض الوقت بیقین۔" کذا فی الصغیری والغنیة شرحی المنیة والکافی،

وفتح القدير والقنية والطحطاوى وحاشية المراقى والحاوى القدسى، والبحر الرائق ومجمع الانهر وشرح المجمع ونهر الفائق، والفتاوىٰ الظهيرية والحجة وخزانة المفتيين ومختار الفتوىٰ والسراجية وشرح الكنز لملا مسكين، والتاتارخانية، والفتاوىٰ الصوفية، وجامع المضمرات، والدر المختار والفتاوىٰ الرحمانية وخزانة الروايات، واختاره الامام محسن والتمرتاشى والعلامه ابن الشحنة والباقانى والمقدسى وابو السعود والقاضى بديع الدين وشيخ الاسلام وغيرهم من الائمة الكرام عليهم الرحمة والرضوان من الملك العلام۔

اما عوام کہ بہ تصحیح نیت قدرت ندارند یا بہ سبب ایں رکعات اربعہ جمعہ را فرض ندانند وآنہا قائل فرضیت صلاتین شوند، محکوم بایں حکم نیند۔ بلکہ اوشاں را بروبش اطلاع نشود کہ ایں فتنۂ آکد واہم مفسدہ اشد واعظم ست۔ درحق شان ہمیں بس ست کہ بر بعض روایات نماز اوشاں ادا می شود۔ ولہذا در ''نور الشمعہ'' تصریح فرمود: ''نحن لانامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم۔''

درمراقی الفلاح مذکور است: ''بفعل الاربع مفسدة اعتقاد الجهلة ان الجمعة ليست بفرض او تعدد المفروض فى وقتها ولا يفتىٰ بالاربع الا الخواص ويكون فعلهم اياها فى منازلهم اھ۔''

ولہذا در طحطاوی فرمود: ''فالاولىٰ ان تكون فى بيته خفية خوفا من مفسدة فعلها اقول وهو اعتقاد الجهلة الخ وبمثله صرح غير واحد من الائمة۔''

ودر ضم سورۃ اختلاف لکن احوط ضم در رکعات اربعہ ست۔

در بحر الرائق نویسد: ''ثم اختلفوا فى القراءة فقيل يقرء الفاتحة والسورة فى الاربع وقيل فى الاولين كالظهر۔''

صاحب منحۃ الخالق فرمائد: ''ويقرؤن فى جميع ركعاتها۔''

در فتح اللہ المعین ست: ''واختلفوا فى ضم السورة للفاتحة فى الاربع او فى الاولين فقط والاحتياط ان يقرء هما فى الاربع هكذا فى العالمگيرى عن فتاوى (اهو) ''ينبغى ان يقرء الفاتحة والسورة فى الاربع التى يصلى بعد الجمعة فى ديارتنا كذا فى التتارخانية''اه

اقول لكن الحق هو التفصيل اے شخصے کہ قضا ہائے ظہر برگردن ندارد، در رکعات اربعہ ضم نمائد وگرنہ در اولین فقط۔

قال الحلبى: ''وينبغى ضمها فى الكل ان لم يكن عليه قضاء فان وقعت فرضا فالسورة لا تضر وان وقعت نفلا فالضم واجب وان كان عليه قضاء لا يضم فى الاخيرين لانها فرض البتة۔'' والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ڈاکخانہ شاہی مرسلہ شاہزادہ علیخان صاحب ۱۴ رجب ۱۳۲۳ھ
جو شخص دیہات میں جمعہ نہ پڑھے اس کو معاف ہے کیا کوئی گرفت نہ ہوگی؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

جمعہ نہ پڑھنے میں کوئی گرفت نہیں بلکہ پڑھنے میں ہے۔ جمعہ کے بدلے اور روز کی طرح نماز ظہر ادا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از قصبہ جادو ضلع مندسور، گوالیار مرسلہ مولوی عبدالملک ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ
کیا حکم ہے شرع شریف کا موافق مذہب احناف کے اس مسئلہ میں کہ جادو ایک قصبہ ہے جہاں تین مسجدیں ایک محلہ میں قریب قریب آباد ہیں۔ جمعہ روز ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجدوں میں مثل صلاۃ خمسہ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح نماز صحیح نہیں۔ کیونکہ منجملہ اس کے شرائط کے حضور سلطان ہے اور وہ یہاں پر مفقود ہے۔ ایسے مقام پر مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی شخص کو اپنا قاضی و سردار بنا کر اس کے پیچھے نماز جمعہ پڑھا کریں۔ دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت کے لئے سلطان یا اس کے نائب یا ماذون کا حاضر ہونا کچھ ضرور نہیں۔ اگر اس میں سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے۔ اور مسلمانوں کو قاضی بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، یہ کچھ ضرور نہیں۔ اسی طرح اپنی اپنی مسجدوں میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے۔ ایک جگہ جمع ہونے میں حرج ہے۔ امیدوار قول فیصل ہوں۔

الجواب

اگر جادو ایسا قصبہ ہے کہ اس میں متعدد کوچے، دائمی بازار رہتا ہے اس کے متعلق گاؤں گنے جاتے ہیں، اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر بھی مقرر ہے، جواز روئے حشمت وشوکت کے اس قابل ہے کہ اس سے مظلوم کا انصاف ظالم سے ہوسکے، تو وہاں نماز جمعہ درست ہے۔ اور یہی ظاہر الروایۃ ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔ کما فی الخانیۃ والھدایۃ والدر والخلاصہ وغیرھا اور اگر یہ تعریف اس پر صادق نہیں تو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں رہی۔ رہ گئی شرط سلطان تو اگر سلطان نہ ہو تو اس کا نائب یا ماذون وماذون الماذون وھلم جرا چاہئے۔ اور اگر ان سب میں کوئی نہ ہو تو بضرورت مسلمانوں کے اتفاق سے جسے چاہیں، امام بنالیں۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: "وان لم یکن ثمہ قاضی ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامۃ علی تقدیم رجل جاز لمکان ضرورۃ۔ ھکذا فی الصغیری والبحر والطحطاوی والبزازیۃ والسراجیۃ والخلاصۃ والفتاوی لقاضیخان وغیرھا۔"

درمختار میں ہے: "واما مع عدمھم فیجوز للضرورۃ۔"

ردالمحتار میں ہے: "فی معراج الدرایۃ عن المبسوط "البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونھا وکل مصر فیہ وال من جھتھم یجوز لہ اقامۃ الجمعۃ والاعیاد"۔

اقول ولیس حضور السلطان فی الصلاۃ شرطا قطعا والا لم یجز الا فی موضع واحد من المملکۃ جمیعا بل المراد اذنہ بالاقامۃ کما یدل علیہ قول العلامۃ محمد علاء الدین الحصکفی صاحب الدر المختار او مامورہٗ باقامتہا فالکل من القولین لہ وجہ لکن الاظہر والابین ہو الاول والاحسن ما حررنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد۔ بیتھو شریف۔ ۶ رصفر ۱۳۲۳ھ

دیہات میں نماز عیدین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

دیہات میں نماز عید جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے۔ کیونکہ شرائط اس کے سوا خطبہ کے، شرائط جمعہ ہیں۔

شرح وقایہ میں ہے: ''وشرط لہا شروط الجمعۃ وجوبا واداءً الا الخطبۃ ہکذا فی الغنیۃ والاصلاح۔''

خلاصہ میں ہے: ''ویشترط للعید ما یشترط للجمعۃ من المصر والسلطان الخ ہکذا فی العالمگیریۃ وقاضی خان والخزانۃ ولفظہا لہا۔''

اور جمعہ دیہات میں درست نہیں۔ شرح وقایہ میں ہے: ''وشرط لادائہا المصر او فناؤہ۔'

عالمگیریہ میں ہے: ''ومنہا المصر ہکذا فی الکافی کذا فی الاصلاح والسراجیۃ۔''

غنیۃ میں فرمایا: ''اما شروط الاداء فستۃ ایضا الشرط الاول المصر او فنائہ فلا یجوز فی القریٰ عندنا ہکذا فی الصغیریٰ۔''

اور یہی مذہب صحابہ سے خاتم الخلفا مولیٰ علی وحذیفہ رضی اللہ عنہما اور تابعین سے عطا، حسن بن ابی الحسن، نخعی، مجاہد ابن سیرین، ثوری، سحنون، ہے کما فی الغنیۃ۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: ''والجمعۃ لا یجوز اقامتہا فی الرساتق ولا المفاوز البعیدۃ من الامصار۔''
''جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں۔ جس میں سے ایک مصر ہے۔ تو جائز نہیں ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو امصار سے دور ہیں۔

ابوبکر بن ابی شیبۃ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے راوی، فرماتے ہیں: ''لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر والاضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ۔''

''نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق اور نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں'' صححہ ابن حزم فی المحلی۔

اور اسی پر عمل خیر القرون صحابہ کرام کا رہا کہ اس وقت بحمد اللہ کثرت سے بلاد فتح ہوئے لیکن بجز امصار کہیں نصب

منبر واقامت جمعہ وعیدین کے ساتھ مشغول نہ ہوئے۔

درمختار میں ہے: "وفی القنیة صلوٰة العید فی القریٰ تکرہ تحریما ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرطه۔"

قنیہ میں ہے: عید کی نماز گاؤں میں مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی چیز کے ساتھ اشتغال ہے جو درست نہیں۔ اس کے لئے مصر شرط ہے۔ وانتفاء الشرط یستلزم انتفاء المشروط۔ والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شاہ سلامت اللہ مصنف "الشمس الطالع" از رامپور ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہاں پور کے رہنے والے دو شخص، ثقہ عادل، بمبئی سے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے خود ۲۹ ذیقعدہ کو بمبئی میں چاند دیکھا تو بمبئی کے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید ۲۹ کے حساب سے ہوگی یا ۲۹ کے حساب سے نہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع موافق ظاہر الروایۃ (کہ اسی پر عمل واجب اور اس کا خلاف مرجوح ومرجوع عنہ ہوتا ہے جس پر افتا جہل وخرق اجماع۔ کمافی الدر المختار) شاہجہاں پور میں ۲۹ کا چاند ثابت ہوکر چہارشنبہ کو عید اضحی کرنی لازم ہے کہ نصاب شہادت کامل۔ ان کی شہادت واجب الاعتبار اور اختلاف مطالع کا موافق ظاہر الروایۃ اور مذہب مفتی بہ وتصریحات علماء، اصلاً اعتبار نہیں۔

عالمگیریہ میں ہے: "ولا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الروایة کذا فی فتاویٰ قاضی خان وعلیه فتوی الفقیه ابی اللیث وبه کان یفتی شمس الائمة الحلوائی، قالوا: رای اهل مغرب هلال رمضان یجب الصوم علیٰ اهل مشرق کذا فی الخلاصة۔"

اور ہلال عید الفطر کی طرح حکم ہلال عید اضحی ہے۔ خزانۃ المفتیین میں خلاصہ سے ہے:

"وهلال ذی الحجة کالفطر وهو ظاهر المذهب۔" پس اسی پر عمل واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از سرکار پیتھو شریف ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں جو کچھ امام کو پڑھنا چاہئے، وہ مقتدی کو بھی پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مقتدی بھی سب پڑھیں کہ نماز جنازہ صرف ذکر ودعا ہے، قراءت قرآن نہیں۔ اور مقتدی کو بھی صرف قراءت

قرآن عظیم ہی منع ہے، باقی دعا و اذکار میں وہ امام کے شریک ہیں، مثل امام سب کچھ پڑھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔" جب تم کسی کے جنازہ کی نماز پڑھو تو خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا مانگو۔

فی العطایا النبویة: "فی الرحمانیة فی الطحاوی یکبرون الافتتاح مع رفع الیدین ثم یقرؤن ثم یکبرون ویصلون علیٰ النبی صلی الله علیه وسلم ثم یکبرون ویستغفرون للمیت ثم یکبرون ویسلمون ولا یرفعون ایدیهم فی التکبیرات الثلث ولا قراءة فیها۔"

خزانۃ المفتیین میں ہے: "فان کان المیت غیر بالغ فان الامام ومن خلفه یقولون اللّٰهم اجعله لنا فرطا واجعله لنا اجرا وذخرا واجعله لنا شافعا ومشفعا۔" والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحیم　　نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مسئولہ ذیل میں؟

ایک بستی کی مجموعی آبادی ۱۵۰ گھر کی ہے اور مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۵۰ گھر کی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی مسلسل ہے اور مسلمانوں کا محلہ اتر دکھن لانبا ہے، شمالی کنارے سے جنوبی کنارے تک، محلہ کی لانبائی تقریباً چار سو قدم ہے۔ زمانۂ قدیم سے ایک مسجد محلہ کے بالکل شمالی کنارے پر ہے، جس میں پنج وقتی اور جمعہ کی بھی نماز ہوتی ہے۔ محلہ چونکہ جنوبی کنارے پر زیادہ آباد ہے اور مسجد شمالی کنارے پر ہے۔ اس لئے بیشتر نمازی پنج وقتی نماز میں مسجد نہیں پہونچ سکتے ہیں۔ اس مسجد میں زیادہ تر لوگوں کے نہیں پہونچنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کا راستہ ایک کھار کے کنارے سے ہے، جو برسات کے چار مہینوں میں دس ہاتھ تک (لانبائی میں) دو فٹ پانی میں ڈوبا رہتا ہے اس لئے آمد و رفت میں سخت دقت ہوتی ہے۔

متذکرہ بالا مجبوریوں کی وجہ سے بستی کے لوگوں کی اور محلہ کے جنوبی کنارے پر رہنے والے لوگوں کی خواہش ہے کہ جنوبی کنارے پر ایک مسجد پنج وقتی نماز ادا کرنے کے لئے بنائیں (جو لب سڑک وشاہراہ ہوگی)۔ اس لئے دریافت طلب ہے کہ ایسی صورت میں اس مسجد کی بنا درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: عبد الغنی عفی عنہ۔ تاریخ بست وچہارم ماہ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ

الجواب

صورت مسئولہ میں، جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جس جگہ اب مسجد ہے اور جہاں پر دوسری مسجد بنانی چاہتے ہیں، ان دونوں میں اس قدر بُعد اور دوری ہے کہ اس مسجد کی اذان اُس مسجد تک نہیں جاتی۔ اور بستی کا نقشہ دیکھنے سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آبادی اس خطۂ زمین کے قریب ہے۔ جہاں لوگ مسجد بنانی چاہتے ہیں اور اس مسجد بنانے

سے ہرگز اس پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا مقصود نہیں، نہ اس کا خیال ہے۔ بلکہ اس مسجد سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو لوگ دور ہونے کی وجہ سے اس مسجد میں نہیں جاتے ہیں، اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اس مسجد کے بن جانے سے وہ لوگ بھی مسجد میں نماز پڑھنے کی وجہ سے ثواب پانے کے مستحق ہوجائیں گے۔ تو ایسی صورت میں اس مسجد کے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بنانے والے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے: "من بنیٰ للّٰہ مسجدا بنی اللہ له بیتا فی الجنة۔" ''جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے یعنی مقصود اس سے خداوند عالم کی رضامندی وخوشنودی ہو، نہ ریا وشہرت، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا''۔

بلکہ جتنے لوگ اس میں چندہ دیں گے اور مسجد کے بنانے میں شریک ہوں گے، سب کے لئے یہی اجر ہے کہ خداوند عالم جنت میں ان کے لئے گھر بنائے گا۔

تفسیر روح البیان جلد۲ص۵۸۲ میں ہے: "واذا اشترك جماعة فی عمارة مسجد فهل يحتمل لكل منهم بيت فی الجنة كما لو اعتق جماعة عبدا مشتركا بينهم فانهم يعتقون من النار ويجوزون العقبة لقوله تعالى: "مَا اَدْرٰكَ مَاالْعَقَبَةُ ،فَكُّ رَقَبَةٍ" وقد فسر النبی صلی الله عليه وسلم فك الرقبة بعتق البعض والقياس الحاق المساجد بالعتق لان فيه ترغيبا وحملا للناس على انشاء المساجد وعمارتها۔''

''یعنی اگر ایک جماعت کسی مسجد کی تعمیر کرنے میں شریک ہو تو کیا ہر ایک کے لئے جنت میں گھر ہوگا؟ جس طرح ایک جماعت اپنے مشترک غلام کو آزاد کرے تو وہ سب کے سب آتش دوزخ سے آزاد ہوجائیں گے اور ان سب لوگوں کو عقبہ کی جزاء دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ عقبہ کیا چیز ہے؟ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فك رقبة کی تفسیر بعض غلام آزاد کرنا، فرمایا ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ مسجد بنانے کو بھی غلام آزاد کرنے کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں لوگوں کو ترغیب ہے، مسجد بنانے اور اس کی عمارت پر''۔

رہا قرآن شریف میں ایک مسجد قبا کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنانے کا ذکر وعید کے ساتھ ''وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ۔" (التوبة: ۱۰۷) میں اس وجہ سے ہے کہ ان منافقین نے دوسری مسجد اس لئے بنائی تھی کہ پہلی مسجد کو ضرر پہونچائیں۔ اس کا منشا ان کے اندرونی کفر کو تقویت دینا، مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ اندازی، تشتت وتفرق پیدا کرنا تھا۔ تو جہاں یہ باتیں نہ ہوں گی، دوسری مسجد بنانا، ناجائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینیر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ

جواب صحیح ہے مگر فاضل مجیب نے جو شرائط تحریر فرمائے ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے۔ خصوصاً تشتت وتفرق پیدا کرنا کسی طرح لازم نہ آئے۔

محمد اصغر حسین عفی عنہ ۴رذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

مسئلہ مولوی محمد رضوان از کانپور مسجد رنگیان ۱۵ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر کسب ناجائز اور قدرے تجارت بھی کرتی ہے۔ یعنی سال میں ہزار پانسو کا مال خرید کر فروخت کرتی ہے اس درمیان میں دو چار مکان بھی اس نے خریدا اور وہ مال اس کے پاس کچھ کسب حرام سے پیدا ہوا تھا اور کچھ بطور حلال۔ لیکن یہ امر کہ کس قدر حلال اور کس قدر مال حرام ہے، کچھ معلوم نہیں۔ بعد چند دنوں کے اس مال کی وارث اس کی ماں یعنی ہندہ کی ماں نے اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کیا۔ اب لوگ اس خیال سے کہ مسجد میں روپیہ ناجائز بھی لگا ہے، نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا عرض ہے کہ من کل الوجوہ اس سے آگاہی دی جائے کہ یوں ہی مسجد بنوانا مال مختلط سے بلا جریان ارث جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

ایسی مسجد میں نماز صحیح ہونے میں تو کلام نہیں۔ اولاً لعدم الاخلال برکن او شرط۔

ثانیاً یہ مسجد مال مختلط سے بنی ہے، نہ خاص حرام سے۔ ایسے مقام پر ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ عنہم تصریح فرماتے ہیں کہ حرام پر محمول نہ کریں گے جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ شی بعینہ حرام سے ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے فتاویٰ ظہیریہ سے ،کہا امام فقیہ ابو اللیث نے ،بعضوں نے فرمایا: "یجوز ما لم یعلم انہ یعطیہ من حرام قال محمد و بہ ناخذ ما لم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ واصحابہ۔"

ثالثاً اگر بالفرض مال حرام ہی سے ہے اور مسجد تعمیر کی تو اگر زر حرام دکھا کر بائع سے کہے کہ اس کے بدلے فلاں چیز دیدے پھر وہی روپیہ ثمن میں ادا کرے۔ اور اگر وہ روپیہ نہ دکھایا یا مطلقاً خریدا پھر ثمن میں زر حرام دیا گیا، زر حرام پر عقد کیا اور دیتے وقت مال حلال ادا کیا، تو یہ خریدی شی حسب مذہب مفتیٰ بہ امام کرخی کے حلال ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: ''تصدق لو تصرف فی المغصوب والودیعۃ وربح اذا کان متعینا بالاشارۃ او بالشراء بدراھم الودیعۃ او الغصب ونقدھا وان اشار الیھا ونقد غیرھا والیٰ غیرھا او اطلق ونقدھا لا وبہ یفتیٰ۔"

درمختار میں ہے: "اکتسب حراما واشتریٰ بہ او بالدراھم المغصوبۃ شیئا قال الکرخی ان نقد قبل البیع تصدق بالربح والا لا۔"

ردالمحتار ج ۴ ص ۲۴ پر ہے: "توضیح المسئلۃ ما فی التتارخانیۃ حیث قال رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتریٰ فھذا علی خمسۃ اوجہ اما ان دفع تلک الدراھم الیٰ البائع اولا ثم اشتریٰ منہ بھا او اشتریٰ قبل الدفع بھا ودفعھا او اشتریٰ قبل الدفع بھا ودفع غیرھا او اشتریٰ مطلقا ودفع تلک الدراھم او اشتریٰ بدراھم اخر ودفع تلک الدراھم قال ابو نصر یطیب لہ ولا یجب علیہ ان یتصدق الا فی الوجہ الاول والثانی لا یطیب وفی الثلاث الاخیرۃ یطیب وقال ابو بکر لا یطیب فی الکل لکن الفتوی الآن علیٰ قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس اھ وفی الولوالجیۃ وقال بعضھم لا یطیب فی الوجوہ کلھا وھو

المختار لكن الفتوىٰ الآن على قول الكرخي دفعا للحرج بكثرة الحرام اه۔"
رابعاً کسب ناجائز سے جو کچھ ہندہ نے حاصل کیا تھا، جب مخلوط ہوکر وارث یعنی اس کی ماں کے پاس پہنچا اور اس کو اس مال کی کوئی تفصیل معلوم نہیں کہ کس کس سے لیا اور کتنا کتنا لیا، تو اس کے لئے یہ حلال ہے۔
شامی میں ہے: "وان كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئا منه بعينه حل له والاحسن ديانة التنزه عنه اه۔"
اسی کے باب الحظر والاباحۃ میں ہے: "في المجتبىٰ مات وكسبه حرام فالميراث حلال۔" اور مال حلال سے جو مسجد بنائی گئی، وہ مسجد ہی ہوگی اور اس کو ویران اور خراب کرنا، اپنے دین کو ویران اور خراب کرنا ہے کہ اس مسجد میں صحت نماز میں شک نہیں۔ اور مال مخلوط سے جو مسجد بنائی جائے، وہ بھی مسجد ہے۔ لیکن بنانے والے کو اس کی اجازت نہ تھی کہ جب تک اس حرام سے میراث حاصل نہ کر لیتا مال مخلوط کو دوسرے کام میں صرف کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از سنبھل ضلع مرادآباد مرسلہ محمد مدنی صاحب ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ
ہادی ورہنما بعد سلام مسنون ملتمس ہوں کہ قصبہ سنبھل میں ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ جس کے بابت علماء صاحبان فرماتے ہیں کہ اس کا کرایہ لینا منع ہے۔ اور اس وجہ سے اب وہ تہ خانہ یعنی دکان بند کرائی جارہی ہے۔ جس کے باعث سے مسجد کے دو روپیہ ماہوار کی آمدنی میں فرق آنے والا ہے۔ امر دریافت طلب ہے کہ یہ بات اگر جائز ہو تو معزز فرمائیں کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے یا نہیں؟ اور اس کا روپیہ مسجد کے صرف میں آنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاشبہ مصارف مسجد کے لئے ایسی دکان کو کرایہ پر دینا، اس کا مسجد میں صرف کرنا، موافق مذہب ظاہر الروایۃ جائز ودرست ہے، جبکہ تعمیر مسجد سے وہ دکان بنائی گئی ہو۔ جس کا مانع محض جاہل یا مجنون لایعقل ہے۔ اس کے ثبوت میں تصریحات علماء بکثرت موجود، جس کے آگے مانعین کے اوہام بالکل مردود ہیں۔
بحرالرائق میں ہے: "بخلاف ما اذا كان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانه يجوز له۔ اذ لا ملك فيه لاحد بل هو من تتميم مصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس۔ هذا هو ظاهر المذهب كذا في ملا مسكين شروح الكنز و حاشية فتح الله المعين معزيا الى الفتح۔"
درمختار میں ہے: "واذا جعل تحته سردابا لمصالحه جاز كمسجد المقدس كذا في حاشيته للطحطاوی ورد المحتار للشامی۔"
مگر یہ انہی صورتوں میں ہے جبکہ تعمیر مسجد کے وقت دکان بنائی گئی ہو۔ اور اگر بعد تمامی مسجدیت پھر کسی نے بنالیا ہو تو درست نہیں۔ کما صرح به العلامة الشلبي لقوله: "فان قيل لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفا على المسجد

قیل لایستحب ذلك ولکنه لو جعل ذالك فی الابتداء هکذا صار مسجدا وما تحته صار وقفا علیه ویجوز المسجد والوقت الذی تحته ولو انه بنیٰ المسجد اولا ثم اراد ان یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل" هکذا فی الدر المختار ورد المحتار من معتمدات الاسفار۔ والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر محلہ قراولان مسئولہ مولوی امین اللہ صاحب ۱۳ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس بارے میں کہ مسجد میں خرچہ دینا کیسا ہے؟ اور دینے والے کی فضیلت اور جو کوئی دینے والے کو منع کرے تو کیا عقاب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد میں خرچہ دینا یعنی اس کی تعمیرات میں فروش وحوض وحمام، ودیگر مصارف میں مثل روشنی وغیرہ کے صرف کا اتنا ثواب ہے جس کو شمار میں نہیں لا سکتے۔ اس کا ثواب بما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ہے۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔

رب العزۃ جل وعلا فرماتا ہے: "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" ''خدا کی مسجدیں وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہوں''۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما یلحق المومن من عمله بعد مماته مسجدا بناه"۔ ''بے شک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا رہتا ہے، وہ مسجد ہے جس کی بنا میں اس نے شرکت کی''۔ اخرجه ابن خزیمة وابن ماجة والبیهقی عن ابی هریرة رضی الله عنه۔

حضور اقدس نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''من بنیٰ للّٰه مسجدا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة۔'' ''جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے بدلے جنت میں گھر بنائے گا''۔ وفی روایة ولو کمفحص قطاة اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی اور بعض روایت میں ہے موتی اور یاقوت سے۔ رواه احمد والبخاری ومسلم وابن ماجة وابن حبان وابو حنیفة وابن خزیمة والبزار فی المسند والطبرانی فی الصغیر والترمذی وهو فی الکبیر وایضا فی الاوسط وابن عدی عن سیدنا عثمان وعمر وجابر بن عبد الله وابی ذر وانس بن مالك وابی امامة وابی هریرة واسماء بنت سیدنا الصدیق رضی الله عنهم اجمعین۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو، چاہے شرکت پیسوں سے ہو یا روپوں سے یا اشرفیوں سے، سب کو بے کم وکاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ لا ینقص من اجورهم من شیء۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار روپے والے کا سوا اور دس روپیہ والے کا ایک روپیہ اور دس آنہ کے مالک کا چار پیسہ، سب ایک حیثیت میں ہے۔ اور جو شخص اسے روکے، سخت گناہگار، آثم، فاسق، مرتکب گناہ کبیرہ، مستحق وعید، مناع للخیر ہے۔ اعاذنا الله

منہ ومن سائر اہل الاسلام بصدقۃ نبیہ صاحب التاج والمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

چہ می فرمانید علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہا:

اول اینکہ مسجد کہنہ را بجائے دیگر نقل کردن جائز است۔

دوم: آنکہ زیارت قبور از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث شریف؟

سوم: گزاردن نماز جنازہ بے نمازی جائز است یا نہ؟

چہارم: اگر شخصے بمیرد، درآں خانہ اندرون سہ روز اتخاذ ضیافت، خواہ دفن کنندگان باشد یا غیر اوشاں جائز است یا حرام؟

پنجم: زیارت قبور بے نمازی چہ حکم دارد؟

ششم: قربانی بقر کردن از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث؟

الجواب

(۱) معاذاللہ من ذلک مسجد کہنہ را بجائے دیگر نقل ہرگز روا نیست کہ ایں ابطال غرض وقف است کہ اصلا روا نیست۔ لا یجوز تغییر الوقف۔

صاحب فتح القدیر فرمائید: ''الواجب ابقاء الوقف علیٰ ما کان علیہ'' علمائے کرام فرمودہ اند کہ مسجد را مدرسہ یا قبرستان وعکس نتواند کرد۔

درفتاوی عالمگیریہ از سراج الوہاج است: "لایجوز تغییر الوقوف عن ہیاتہ فلا یحول الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا۔" پس چوں تبدیل ہیئت جائز نیست، تغیر اصل مقصود چگونہ روا باشد۔ آرے اگر حول مسجد ہمہ ویران شد و مسجد از آبادی دور افتادہ ماند وہیچ کس در نمی آید، اگر نقل نہ کنند غاصبان وظالمان مال او را می برند، ایں گاہ بضرورت بر جواز نقل فتویٰ دادہ اند۔ کما فصلہ فی رد المحتار۔

(۲) رسول اللہ ﷺ فرمودند: ''کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروا القبور۔'' الخمسۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ودر قول اللہ عزوجل: "وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ۔"(التوبۃ: ٨٤) اشارہ است بزیارت قبور مسلمانان۔

(۳) نماز جنازہ بر ہر مسلم متقی باشد یا فاسق سوائے اربعہ مذکورین فی کتب الفقہ کہ درآن تارک الصلوۃ نیست فرض است۔ صاحب درمختار فرمائد: ''وہی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعۃ بغاۃ وقطاع طریق اذا قتلوا فی الحرب الخ۔''

(۴) رسم مذکور سخت قبیح واتخاذ ضیافت مذکور گناہ ونا جائز است۔ امام محقق علی الاطلاق در فتح القدیر وعلامہ

حسن شرنبلالی در مراقی الفلاح وامام بزازی درفتویٰ وغیرہم من الاعلام در مصنفات خودش آوردہ اند وعبارت چنیں است: ''یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) جائز است کہ رقت قلب ودموع چشم وذکراز وہم حاصل است۔ لاجرم علامہ تصریح فرمودند: ''والزیارۃ بہٰذا القصد یستوی فیھا جمیع القبور۔''

(۶) ازہردو۔ قال اللہ تعالیٰ: ''وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ'' الآیۃ۔''(الحج: ۳۶)

خود حضور اقدس ﷺ از ازواج مطہرات بقرہ ذبح فرمودہ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم را امر فرمودہ اند۔ البخاری عن ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: '' ضحّی رسول اللہ ﷺ عن نسائہ با لبقر۔'' وشیخین وابوداؤد از جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی: '' امرنا رسول اللہ ﷺ ان نشترک فی الابل والبقرۃ کل سبعۃ منا فیہ بذاتہ۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الزکوٰۃ ۳

مسئلہ از بارہ بنکی قصبہ ردولی مرسلہ محمد الطاف الرحمٰن ۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا، جس کی تجارت کی۔ بعد ایک سال کے دوسو روپیہ منافع ہوا۔ سال اول میں زکوٰۃ صرف دوسو روپیہ منافع پر لازم ہوگی یا صرف ایک ہزار اصل پر یا دونوں پر؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جس تاریخ سے وہ مالک نصاب ہوا، جب اس تاریخ پر سال گزرے گا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تاریخ مذکور پر دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پاس اموال زکوٰۃ میں سے دَین وغیرہ ضروریات سے فاضل، اس وقت کتنا مال ہے؟ خواہ نقد، خواہ مال تجارت، خواہ دوسروں پر قرض۔ ان سب پر زکوٰۃ آنے کی صورت یہ ہے کہ مال تجارت جتنا اس وقت موجود ہو، بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت لگائی جائے۔ جو نفع مال تجارت ہے، وہ اگر اس تاریخ سال، تمام نصاب سے پہلے مل گیا تو وہ بھی حساب کیا جائے گا۔ اگر چہ تمامی سال سے ایک ہی گھڑی پیشتر ملا ہو۔ اور جو نفع اس تاریخ کے بعد ہوگا، وہ اس سال میں محسوب نہ کیا جائے گا۔ سال آئندہ میں اس کا حساب لگایا جائے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "ومن كان له نصاب كاملا وفي اثناء الحول وجد مالا من جنسه، ضمه الى ماله وزكاه ولو كان من غير جنسه من كل وجه كالغنم مع الابل فانه لا يضم هكذا في الجوهرة النيرة فان استغفاه بعد حولان الحول فانه لا يضم ويستانف له حول آخر بالاتفاق۔ هكذا في شرح الطحاوى۔"

والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ واجد علی خاں بریلی محلہ سوداگران ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۴ھ

مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گھانس یعنی پولوں پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کے مصارف، مصارف زکوٰۃ ہیں یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

پولوں کا طریقہ جس طرح آپ کے گاؤں میں مروج ہے کہ اس کی احتیاط اور نگاہداشت ہوتی ہے، ضرور ان پر عشر ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ علماء نے جو حطب اور قصب کو مستثنیٰ فرمایا، اس سے مراد وہی ہے کہ جس سے استغلال ارض مقصود نہ ہو۔ یہاں تک کہ عامہ کتب مذہب مثل بحر، بدائع و ردالمحتار و درمختار و خانیہ وخزانۃ

المفتیین وغیرہا، میں تصریح فرمایا:

واللفظ للاول" انما استثنیٰ الثلاثة لانه لا یقصد بها استغلال الارض غالبا حتی لو استغل بها ارضه وجب العشر اہ۔" "یعنی صاحب کنز نے ان تین چیزوں کو اس لئے مستثنیٰ کیا کہ غالبًا ان سے مقصود استغلال ارض نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مشغول کرے ان جزؤں کے ساتھ زمین کو، ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

اور مصارف اس کے مصارف زکوٰۃ ہیں۔ فتح القدیر، ردالمحتار اور خانیہ اور فوائد متفرقہ پھر خزانۃ المفتیین میں ہے:" ویصرف العشر الیٰ من یصرف الیه الزکوٰة اه قال فی الجوهرة :مصرفه مصرف الزکوٰة۔" واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی سید حسن ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

نانا، نانی، چچا کو زکوٰۃ دینا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نانا نانی کو نہیں دے سکتا۔ چچا کو دینا جائز ہے بلکہ اس میں دوہرا ثواب ہے، صدقہ اور صلہ رحمی۔

خانیہ ج ۱ ص ۱۲۸ میں ہے:" (ای لا یجوز دفع الزکوٰة) الیٰ والدیه واجداده وجداته وان علوا من قبل الاباء والامهات ویجوز الیٰ سائر قرابته نحو الاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات اه۔" هکذا فی کنز الدقائق وشرحیه البحر وتبیین الحقائق ۔والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک کاٹھیاوار ضلع راجکوٹ، دھوراجی مرسلہ موسیٰ الان ۴ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ

بخدمت فیض درجت، مجدد مائۃ حاضرہ، عالم اہلسنت، مولانا و بالفضل اولانا، کمترین حاجی موسیٰ الان مقام دھوراجی بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے عرض رساں ہے کہ بندہ سے زکوٰۃ کے بارے میں جو کچھ کوشش ہوتی ہے، وہ خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے دلا کر حق الٰہیہ ادا کرتا ہے۔ اور اس دینے میں حضرات سادات کرام کو بھی بقول شامی و بحر الرائق و مراقی الفلاح شامل کرتا ہے۔ پر اب مولانا مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی مرحوم کے فتاویٰ جلد اول میں ایک فتویٰ دیکھنے میں آیا، جس میں صاف ممانعت حضرات سادات کو دینے کی لکھی ہے بلکہ شامی بحرالرائق اور مراقی الفلاح کے قول کو صاف نامعتبر لکھا ہے۔ لہٰذا میں متردد ہوں کہ حضرات سادات کرام کے لئے غیروں کے پاس میں جو کوشش کرتا ہوں تو محنت برباد اور گناہ لازم ہوتا ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ حضرات سادات کو زکوٰۃ دینے اور نہ دینے کا جواز یا عدم جواز موافق حکم شریعت غراء کے لکھ کر ناچیز کو اس مخمصہ سے نجات بخشیں اور عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بنی ہاشم کو زکوٰۃ و صدقات دینا زنہار جائز نہیں۔ نہ انہیں لینا حلال۔ سیدنا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں

اس کے تحریم میں وارد آئیں۔ ہمارے ائمۂ ثلثہ بالا جماع بنی ہاشم پر تحریم صدقات فرماتے ہیں اور کافہ فقہا علی الاطلاق اسی پر ماشی اور اجلہ محققین اہل شروح وفتاویٰ وارباب تصحیح وفتویٰ مثل امام ابوبکر مرغینانی صاحب ہدایہ وامام فقیہ النفس قاضی خاں وامام طاہر صاحب خلاصہ وامام صاحب کافی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بے اشعار خلاف، امر جازم کہ مسئلہ میں کوئی روایت ضعیفہ مخالفہ کو بھی نہیں دیتی۔ قابل التفات سمجھنا تو درکنار اور جن بعض نے اس کا ذکر کیا تھا، ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ مذہب کے خلاف اور ظاہر الروایۃ سے جدا ہے۔ جس کے حاکی فقط نوح جامع ہیں۔

مجمع الانہر میں ہے: ''لا تدفع الی هاشم وهو ظاهر الرواية وروى ابو عصمة عن الامام انه يجوز في زمانه الخ۔''

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا قول نہیں بلکہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ پر عمل ناجائز۔

امام خیر الدین ارملی عالم فلسطین اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ''هذا هو المذهب الذي لا يعدل عنه الى غيره وما سواه روايات خارجة عن ظاهر الرواية وما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه لما قرروه في الاصول من عدم امكان صدور قوانين مختلفين متساويين عن مجتهد والمرجوع عنه لم يبق قولا له كما ذكروه وحيث علم ان القول هو الذي تواردت عليه المتون فهو المعتمد المعمول به الخ۔''

رہا یہ کہ پھر اس زمانہ پر آشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟

اقول: بڑے مال والے اگر اپنی خاص جیب سے بطور نذر و ہدیہ ان حضرات کی خدمت نہ کریں، تو یہ ان کی بے سعادتی بھی ہے۔ وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی ملجا و ماویٰ نہ ملے گا۔ کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال، جو انھیں کے صدقہ میں انھیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیر زمین جانے والے ہیں، ان کی خوشنودی کے لئے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اس کا ایک حصہ صرف کیا کریں۔ کہ اس سخت حاجت کے دن اس جواد وکریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں سے مشرف ہوں اور متوسط حال والے اگر مصارف مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمد اللہ تعالیٰ وہ تدبیر ممکن کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمت سادات بھی بجا ہو۔ یعنی کسی مسلمان مصرف زکوٰۃ معتمد الیہ کو جو اس کی بات سے نہ پھرے، مال زکوٰۃ میں کچھ روپیہ بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردے۔ پھر اس سے کہے کہ تم اپنی طرف سے فلاں سید کو نذر کردو۔ تو قرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

ذخیرہ میں اور ہندیہ میں ہے: ''اذا اراد ان يكفن من زكوة ماله لا يجوز والحيلة ان يتصدق بها على فقير من اهل الميت ثم هو يكفن به فيكون له ثواب الصدقة ولاهل الميت ثواب التكفين وكذلك في جميع البر الخ۔''

مگراس میں اتنی دقت ہے کہ اگراس نے نہ مانا تو اس پر کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وہ مالک مستقل ہو چکا۔ اسے اختیار ہے، چاہے دے یا نہ دے۔ لہذا فقیر غفر اللہ لہ کے نزدیک اس کا احسن طریقہ یہ ہے کہ مثلاً زکوٰۃ سے بیس روپیہ سید کو نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے۔ کسی فقیر، عاقل، بالغ، مصرف زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر، سوا سیر غلہ دکھائے کہ ہم یہ تمھیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے، بیس روپیہ کو بیچیں گے۔ یہ روپیہ تمہیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو۔ اب بیع شرعی کر کے روپئے بہ نیت زکوٰۃ اُسے دے۔ جب وہ قابض ہو جائے، اپنا مطالبہ ثمن میں پہلے اول تو خود ہی لے اور وہ انکار نہ کرے گا۔ اور اگر کیا بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے۔ اور دائن جب اپنے دَین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضا مندی کے لے سکتا ہے۔ اب یہ روپیہ لے کر بطور خود سید یا بنائے مسجد میں صرف کردے کہ یہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔

درمختار میں ہے: ''یعطی مدیونه الفقیر زکوٰة ماله ثم یاخذ ها من دینه ولو امتنع المدیون مد یده واخذها لکونه ظفر بجنس حقه اه۔'' من الزهر الباسم فی حرمة الزکوٰة علیٰ بنی هاشم لعالم اهل السنة مجدد المأة الحاضرة سیدی احمد رضا خاں متع اللّٰه المسلمین بطول بقائه۔ واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ رحیم بخش خان بہادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد آداب وتسلیمات کے عرض خدمت اقدس ہے۔ جناب عالی! ایک شخص سید زادہ ہے اور وہ شخص قرض دار ہے۔ اور اس شخص کے معاش سے قرض ادا نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کے مال سے اس کا قرض ادا کردیا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔؟ ایک شخص کہتا ہے کہ جائز ہے اور ایک شخص کہتا ہے کہ ناجائز ہے۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ صحیح طور پر بدلیل لکھ کر روانہ فرمائیں۔ بینوا توجروا فقط۔

الجواب

زکوٰۃ اور اسی طرح تمام صدقات واجبہ، اوساخ الناس حضرات سادات کرام کو دینا ناجائز وحرام، نہ ان کے دیئے زکوٰۃ ادا ہو۔

فتح القدیر میں ہے: ''لا تدفع الی بنی هاشم هذا ظاهر الروایة۔''

مجمع الانہر میں ہے: ''لا تدفع الی بنی هاشم وهو ظاهر الروایة۔''

رہا یہ کہ پھر ایسی حالت میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟ تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی مسلمان، مصرف زکوٰۃ، معتمد علیہ کو جو اپنی بات سے نہ پھرے، مال زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کردے۔ پھر اس سے کہے: تم اپنی طرف سے فلاں سید صاحب کو نذر کردو، اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ اس فقیر کو گئی اور یہ جو سید نے پایا، نذرانہ تھا۔ اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

ذخیرہ وہندیہ میں ہے: ''واذا اراد ان یکفن میتا من زکوٰۃ ماله لا یجوز والحیلة ان یتصدق بها علیٰ فقیر من اهل المیت ثم ہ و یکفن به، یکون له ثواب الصدقة ولاهل المیت ثواب التکفین و کذلك فی جمیع ابواب البر کعمارة المساجد وبناء القناطیر، الحیلة ان یتصدق بمقدار زکوٰته علیٰ فقیر ثم یامره بالصرف الیٰ هذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة وللفقیر ثواب بناء المسجد و القنطرة اه ملخصا۔ ''

اقول ویظهر لی ان ثواب تلك القرب لهما جمیعا لان من دل علیٰ خیر کان کفاعله والتفصیل فی فتاوینا واللہ تعالیٰ اعلم۔　　　　صح الجواب فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

کتاب الصوم ٤

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ کیا روزہ ارکان اسلام میں شامل ہے؟ اور قرآن کریم میں ' فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ'' کی آیت میں ' شهد '' سے کیا مراد ہے؟۔اہم کتابوں کے حوالے سے مزین کر کے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاشبہ روزہ ماہ مبارک بھی اہم واعظم فرائض اسلام سے ہے۔جس کی فرضیت خود قرآن شریف میں مذکور اور احادیث صحیحہ ثابتہ سے مدلل ہے۔ قال تعالیٰ:" شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ"۔(البقرة: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے(متبرک مہینہ) جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور فیصلہ کی روشن باتیں ،تو جو شخص پائے تم میں سے اس مہینہ کو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ" کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں،قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین ، مدارک ،تفسیر خازن ، ابن جریر طبری ،تفسیر نیشاپوری ، درمنثور ،تفسیر واحدی ،تفسیر حسینی ، معالم التنزیل ،تنویر المقیاس ، روح المعانی ، بحر المحیط ، النہر ،تفسیر کبیر ،تفسیر کشاف ،تفسیر ابن کثیر ، فتح البیان قنوجی ، میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافرا فلیصمه"یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی ،تفسیر حسینی ، روح البیان ، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی "فمن شهد منکم هلال شهر فلیصمه" یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا" و تیقن به"یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شهدت الهلال نہیں کہتے بلکہ شاهدت۔

اقول وهذا کما تری لانك تقول شهدت الهلال لما رائیته وشهدت الهلال اعم منه کما صرح به فی نفسه لقوله وشهد من الشهود والترکیب یدل علی الحضور اما ذاتا او علما وقد قیل لکل منهما۔

(۳) تفسیر فتح الرحمان علامہ شیخ علی مہائی میں ہے: "(فمن شهد) ای علم (منکم الشهر) باستکمال شعبان او شاهد الهلال (فلیصمه)۔"یعنی تم میں سے جس کو ماہ رمضان کا علم ہو شعبان کے دیکھنے سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۴)　　تفسیر کبیر میں ہے: "(فمن شهد) ای من شاهد الشهر بعقله و معرفته (فليصمه)" یعنی جو شخص ماہ رمضان کو حاضر جانے اپنی عقل سے، معرفت سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ اگر چہ بظاہر متعدد اقوال معلوم ہوتے ہیں مگر سب ایک ہیں لما فيه بمنزله قيود و احترازات۔ خلاصہ یہ کہ جسے رمضان شریف کا علم ہو، خواہ چاند دیکھ کر یا ثقہ عادل کی گواہی سے، ورنہ شعبان کے تیس دن پورا کر کے اس پر فرض ہے کہ رمضان کا روزہ رکھے، جب کہ عاقل بالغ مکلف مقیم تندرست غیر معذور ہو۔ اس لئے کہ شہود کا معنی علم کے ہیں۔ كما صرح به المهائمى فى فتح الرحمان واشار اليه النووى فى "روح المسائل فى الفروع" لقوله شهود الشهر اما بالروية و السماع و الخازن لقوله" وقيل هو محمول على العادة شهود الشهر اى روية الهلال ولذالك قال النبى صلى الله عليه وسلم صوموا لرويته وافطروا لرويته اخرجاه فى الشيخين ولا خلاف انه يصوم رمضان من رائ الهلال ومن استكمل شعبان وفصله الامام الرازى فى الكبير كما هو دابه حيث قال:" اعلم ان قوله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه يستدعى بحثين ۔ البحث الاول ان شهود الشهر بما ذا يحصل؟ فنقول اما بالروية واما بالسماع فنقول اذا رأى انسان هلال رمضان فأما ان يكون منفردا بتلك الروية أو لا يكون؟ فان كان منفردا بها فأما ان يرد الامام شهادته أو لا يردها؟ فان تفرد بالروية ورد الامام شهادته لزمه ان يصوم لأن الله تعالى جعل فى حقه فوجب ان يجب عليه الصوم واما ان انفرد بالروية وقبل الامام شهادته أو لم ينفرد بالروية فلا كلام فى وجوب الصوم واما السماع فنقول اذا شهد عد لان على روية الهلال حكم به فى الصوم والفطر جميعا واذا شهد على هلال رمضان يحكم به احتياطا لامر الصوم۔" (التفسير الكبير ٢٥٦/٥)

ان دونوں اکابر مفسرین کی تصریح سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ من شهد منكم الشهر کے معنی من علم کے ہیں۔ اور یہی مفہوم حدیث شریف "صوموا لرويته وافطروا لرويته" کا ہے۔ كما نص عليه الخازن وبعد تصريحات العلماء فى كتب اللغة لسان العرب بين الروية النظر بالعين والقلب۔ اسی میں ہے:" وروية القلب هو العلم"

تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ روزہ رکھو رمضان کا، خود چاند دیکھ کے یا دو عادل کی رویت پر بھروسہ کر کے یا شعبان کے تیس دن پورے کر لو کہ اس کے بعد کا دن ضرور رمضان ہی کا ہے۔ یونہی افطار کر و عید کا چاند دیکھ کر ورنہ دو عادل کی رویت پر بھروسہ کر کے ورنہ ماہ رمضان کا تیس دن پورا کر کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

عید کا چاند

(رسالہ مبارکہ ''عید کا چاند'' کے آغاز میں مرتب قیس محمد خاں قادری رزاقی کے وہ مراسلات ہیں جو انہوں نے امیر جماعت اہل حدیث اور امیر شریعت پھلواری شریف کی خدمت میں چاند کی بابت ارسال کئے تھے۔ پھر ان پر

مفصل تنقیدی تبصرہ اور ماہنامہ نقیب کے ایڈیٹر کے مضمون کا علمی محاسبہ ہے۔ چونکہ یہ چیزیں زیر نظر کتاب سے غیر متعلق تھیں، اس لئے انہیں حذف کر دیا گیا۔۱۲ ساحل)۔

کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) روزہ رکھنا کب فرض ہوتا ہے اور کب روزہ کھولنا اور عید کرنا واجب ہوتا ہے؟

(۲) چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ ہر مقام اور ہر شہر والوں کو خود ان کے دیکھنے پر حکم ہوگا یا ایک جگہ کی رویت سے دوسری جگہ روزہ رکھنے اور کھولنے کا حکم ہوگا اور کب؟

(۳) اگر اس بارے میں علما کے اقوال مختلف ہیں تو ان قولوں میں کس پر فتویٰ ہے کس پر عمل کرنا چاہئے؟

(۴) مشرق مغرب کا ایک حکم ہونا اس وقت تھا جب رسل ورسائل کے ذرائع محدود تھے۔ اب سارے کرۂ زمین کی خبر چند منٹوں میں معلوم ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت لندن کے افق پر چاند ہونے کو ہندوستان کے افق پر ماننا کیونکر ممکن ہے؟

(۵) زمانے کی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون، ٹرنک کال وغیرہ سے جب خبروں کی آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں تو ان کو نہ ماننا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے اور اس بارے میں عام علمائے ہندوستان کا کیا فتویٰ ہے؟

(۶) سننے میں آیا ہے ۱۹؍اگست کو مراد آباد میں جمعیت العلما نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جا سکتی ہے۔ اس فتوے کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟

امید کہ ان سوالوں کے جوابات آیات واحادیث وکتب فقہیہ کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول جناب مولانا سید شاہ بدر الدین صاحب سجادہ نشین پھلواری شریف قدس سرہٗ کی تحقیقات کی روشنی میں تحریر فرمایا جائے تو بہت بہتر ہو کہ خود غرضوں کے سوا صوبہ بہار کے علما وعوام کسی کو ماننے میں نہ عار ہو اور نہ کسی کو ہمت انکار ہو۔ بینوا توجروا۔

قیس محمد خاں قادری رزّاقی عفی عنہٗ محلہ مغلپورہ پٹنہ سٹی ۲۲؍اگست ۱۹۵۱ء

الجواب

جواب سوال اول: قال اللہ تعالیٰ: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ: ''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لئے ہدایت اور راہ نمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی پائے یہ مہینہ ضرور اس کے روزے رکھے۔

مَن سے مراد عاقل بالغ تندرست مسلمان ہیں۔ شہد یا شہود سے ہے جس کے معنی ہیں حاضری یا حضر میں ہونا جو سفر کا مقابل ہے یعنی جو مسلمان عاقل بالغ اس مہینے رمضان میں مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو تو اس پر روزے رکھنا

فرض ہیں۔ یا مشاہدہ سے بنا ہے یعنی تم میں سے جوکوئی ماہِ رمضان کا چاند مشاہدہ کرلے تو اس میں روزہ رکھے۔

تفسیر ابوسعود میں ہے: ''فمن شهد منكم الشهر اى حضر فيه ولم يكن مسافرا وقيل من شهد منك هلال الشهر فليصمه''

تفسیر کبیر میں ہے: "(المسئلة الثانية) شهد اى حضر و الشهود الحضور ثم ههنا قولان احدهما ان مفعول شهد محذوف لان المعنى فمن شهد منكم البلد او بيته بمعنى لم يكن مسافرا والقول الثانى مفعول شهد هو الشهر و التقدير من شاهد الشهر بعقله و معرفته فليصمه" تفسیر کبیر جلد (۲ ص ۱۸۴)۔

حدیث شریف میں ہے: ''اذارايتم الهلال فصوموا واذارايتم فافطروا وان غم عليكم فعدوا ثلثين يوما'' ''جب دیکھو رمضان شریف کا چاند تو روزہ رکھو اور جب دیکھو شوال کا چاند تو افطار کرو اور اگر چاند نظر نہ آئے تو گنتی تیس دن پوری کرو''۔ رواه الامام احمد والبيهقى عن جابر رضى الله عنه ورواه الامام احمد و مسلم والنسائى وابن ماجه عن ابى هريرة ورواه النسائى وابن ماجه عن ابن عمر ورواه ابو داؤد من حذيفة''۔

دوسری حدیث میں ہے: ''اذاجاء رمضان فصم ثلاثين الا ان ترى الهلال قبل ذلك'' ''جب رمضان شریف کا مہینہ آئے تو تیس دن روزہ رکھو مگر یہ کہ تیس کے قبل عید کا چاند دیکھا جائے تو ۲۹ ہی دن روزہ رکھنا ہوگا''۔ رواه الطبرانى فى الكبير عن عدى بن حاتم رضى الله عنه۔

تیسری حدیث میں ہے: ''اذارائيتم الهلال فصوموا واذارأيتموه فافطروا فان غم عليكم فاقدروا له رواه البخارى و مسلم والنسائى وابن ماجه وفى رواية فان غم عليكم فعدوا ثلثين'' رواه الطبرانى فى الكبير عن طلق بن على رضى الله عنه۔

اس مضمون کی حدیثیں اس قدر ہیں جو اہلِ علم سے مخفی نہیں، جن کا خلاصہ حکم یہ ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور عید کا چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو اور اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال کے ص ۳ میں فرماتے ہیں: فمن شهد منكم الشهر فليصمه۔ تو جو کوئی تم میں سے حاضر ہو یعنی پائے اس مہینہ کو تو چاہیے کہ اس میں روزہ رکھے۔ شہد کے معنی حضر کے ہیں۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جو مسلمان اس مہینے کو پائے اس حال میں کہ مکلف بالشرع اور تندرست و مقیم ہو، اس پر اس مہینہ کا روزہ فرض ہے۔ بیمار و مسافر کو اس کے بعد کی آیہ شریفہ میں قضا کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔ مفسرین نے فمن شهد منكم الشهر فليصمه کے کئی معنی کیے ہیں۔ ازانجملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: هو اهلاله بالدار اپنے گھر میں

مقیم ہو اور رمضان مبارک کا چاند دیکھے تو چاہئے کہ روزہ رکھے۔ یعنی ضرور ہے، فرض ہے کہ روزہ رکھے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ شہود ماہ رمضان سے اہل اسلام پر روزہ فرض ہو جاتا ہے اور شہود رمضان سے غرض ماہ رمضان کا چاند دکھائی دینا ہے۔

پھر اسی استفتا کے ص ۵ پر تحریر فرماتے ہیں اور اگر آسمان صاف ہونے کے ساتھ ۲۹ رکو چاند نہ دیکھا گیا، وہاں کے آدمی نے چاند نہ پایا، وہ شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنے کے بعد ماہ رمضان جانے اور روزہ رکھے پھر اگر ۲۹ رشعبان کو ابر ہونے کے سبب سے چاند ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہ ہو سکے تو بھی شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنا ہوگا۔ کیونکہ آیۂ کریمہ کے موافق اس نے رمضان کا مہینہ ابھی پایا نہیں ہے۔ ہاں اگر قرب وجوار سے ۲۹ کے چاند ہونے خبر کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔

پھر اسی استفتاء کے ص ۹ پر اس مسئلہ کو حدیث جامع ترمذی: ''صوموا لرویته وافطروا لرویته فان حالت دونکم غیابة فاکملوا ثلثین یوما''، ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور افطار کرو چاند دیکھ کر، اور اگر بدلی حائل ہو جائے (چاند دیکھنے سے) تو تیس دن مہینے کا پورا کرو''، سے مدلل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکم یہ ہے کہ بدلی حائل ہونے کے سبب سے اگر ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورا کر کے روزہ رکھو اور اگر عید کا چاند ۲۹ رمضان کو نظر نہ آئے تو تیس دن روزے کے پورے کرو، نہ یہ کہ دور کے شہر و ملک کی روایت کی خبر تار برقی پر منگاؤ اور اس برقی خبر پر ۲۹ دن کے بعد روزہ رکھ لو یا عید مناؤ اور روزہ کو رخصت کر دو۔

پھر بحوالہ علامہ عینی ابو عمر یعنی ابن عبد البر کا قول نقل کرتے ہیں: ''لا یصح اعتقاد رمضان الا برویة فاشیة او شهادة عادلة او اکمال شعبان ثلثین یوما وعلیٰ مذهب جمهور فقهاء الا مصار بالحجاز والعراق والشام والمغرب'' ماہِ رمضان ہونے کا اعتقاد صحیح نہیں مگر صاف ظاہر رویت ہلال سے یا عادل کی گواہی سے یا ماہ شعبان کا تیس دن پورا کرنے سے۔ اسی پر بلاد حجاز اور عراق اور شام اور ملک مغرب کے جمہور فقہا کا مذہب ہے۔

پھر فرماتے ہیں: اور جمہور قدروا کے معنی کہتے ہیں اکملوا یعنی پورا کرو تیس دن۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ ابتدائے ماہ میں روزہ کا واجب ہونا اور انتہائے صوم میں افطار کا واجب ہونا، دونوں ہی کا تعلق چاند ہو جانے سے ہے اور چاند کا ہونا اپنی جگہ یا قرب وجوار کی رویت پر ہے، نہ حساب نجوم پر، نہ اور شہروں سے برقی خبر منگانے پر۔

نیز امیر شریعت اول رحمہ اللہ اسی استفتا کے ص ۱۳ پر فرماتے ہیں: ابر کی حالت میں تیس دن کا مہینہ پورا کرنا شعبان میں ہو یا رمضان، ہر ایک میں ہے۔ عقود الجواهر ''المنیفة فی روایة الامام ابی حنیفه رحمه الله

میں مرتضی زبیدی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: ”وفیہ عن الحکم یتعلق بالرویۃ ولا عبرۃ بقول الموقنین وان کانو اعدولا فی الصحیح و ھو مذھب الجمھور الامن شذمن المتاخرین۔“ اس روایت میں حکم چاند دیکھنے کے متعلق ہے اور یقین سے بتانے والے کے قول کا اعتبار نہیں اگر چہ وے عادل ہوں۔ صحیح اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اگر چاند نکلنے کی جگہ آسمان میں ابر یا غبار کی وجہ سے رویت نہ ہو اور قرب و جوار سے رویت کی خبر آئے تو ماہ رمضان کے چاند کی تصدیق ایک مسلمان کی گواہی سے ہو جائے گی عادل ہو یا نہ لیکن فاسق نہ ہو اور ماہ شوال کی رویت کے لئے دو گواہ عادل کا ہونا چاہئے۔ غیر عادل یا ایک کی گواہی افطار کے لئے معتبر نہیں“

یہ چند اقتباسات استفتائے رویت ہلال کے بحوالہ صفحے لکھے گئے۔ اب حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے جواب استفتائے رویت ہلال کے چند اقتباسات تمام علمائے ہند خصوصاً حضرات صوبہ بہار کے لئے پیش کرنا مناسب جانتا ہوں جس سے مسئلہ روز روشن کی طرح واضح اور ابین ہو جائے۔ جواب ص ۵ پر لکھتے ہیں: درمنثر میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: ”واخرج الحاکم و صححہ والبیھقی فی سننہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جعل اللہ الاھلۃ مواقیت للناس فصوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ فان غم علیکم فعدوا ثلثین“۔ ”حاکم نے اس کو روایت کیا اور صحیح بتایا ہے اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے چاندوں کو لوگوں کے اوقات بتانے کو بنایا ہے تو روزہ رکھو اسے دیکھ کر اور افطار یعنی فطر یوم عید کرو اس کو دیکھ کر۔ پھر اگر وہ تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن رمضان کے شمار کرلو“۔

پھر ص ۱۰ پر فرماتے ہیں: قاضی ابوبکر بن عربی مالکی اپنی تفسیر احکام القران میں لکھتے ہیں: ”محمول علی العادۃ بمشاھدۃ الشھر وھی رویۃ الھلال وکذلک قال صلی اللہ علیہ وسلم: صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ“ یہ مہینہ دیکھنے کی عادت پر محمول ہے اور وہ چاند دیکھنا ہے۔ ایسا ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو (یعنی مہینہ تمام کرو) چاند دیکھ کر۔

پھر اس جواب کے ص ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں: رمضان مبارک کا چاند ہونے کے بعد روزہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسی طرح رویت شوال پر روزہ کا تمام ہونا بھی ہے۔ تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد لکھتے ہیں: ”وفیہ اشارۃ الی ان الصوم والفطر یعتبر برویۃ الھلال وھو الذی علیہ اسم الشھر سواء کان تسعۃ وعشرین او ثلاثین یوما کاملا“ ”اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ اور فطر کا اعتبار کیا جاتا ہے چاند دیکھنے پر اور اسی پر مہینے کا نام ہے، خواہ انتیس دن کا ہو یا پورے تیس دن“۔

پھر فرماتے ہیں: اورتفسیرات احمدیہ میں ملا احمد معروف بہ ملا جیون لکھتے ہیں: ''ای یرید الله ان تکملوا مدة رمضان من الهلال الیٰ الهلال کاملة اذا کان خطابالکل من علیه الصوم او تکملوا عدة قضائه اذا کان خطا باللمسافر و المریض خاصة''۔ '' حضرت تعالیٰ چاہتے ہیں کہ رمضان کا شمار ایک چاند سے دوسرے چاند تک کامل پورا کرو، جب خطاب ان کی طرف سمجھا جائے کہ جن پر روزہ فرض ہے یا یہ معنی کہ قضا شدہ روزہ کو گن کر پورا کرو جب خطاب خاص کر مسافر یا بیمار کے لئے سمجھا جائے'' اور اسی قول کو علامہ عبدالعزیز کی تفسیر فتوحات ربانیہ اور ابو حیان اندلسی کی تفسیر بحرالمحیط اور امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور کی عبارات سے اور تقویت پہونچائی۔

الحمدللہ کہ جواب سوال اول کا آیۂ کریمہ تفسیر، حدیث کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتائے رویت ہلال و جواب استفتائے رویت ہلال کے اقتباسات سے جن کو حضور نے بیس کتابوں کی عبارات سے مبرہن و مدلل فرمایا ہے، مختصراً ہدیۂ ناظرین ہے۔ وہ سوال و جواب جس کو ذاتی رائے کہہ کر رد کیا جاتا ہے اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے فتویٰ کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔ یہ وہ تحریر ہے جس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ رمضان شریف کی ابتدا اور اسی طرح عید بھی چاند دیکھنے ہی سے ہوتی ہے اور ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورے کر کے روزہ رکھنا فرض ہوگا اور اسی طرح اگر شوال کا چاند ۲۹ ر رمضان کو نہ ہو تو تیس دن پورے روزہ رکھ کر عید کرنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال دوم: اس بارے میں علما کے تین قول ہیں:

پہلا قول: ہر شہر کی رویت اسی شہر والوں کے لئے ہوگی۔ دوسری جگہ والوں کے لئے اس کا حکم نہ ہوگا۔ یہ قول قاسم، سالم، عکرمہ، اسحٰق وغیرہ کا ہے۔ یہی مذہب اہل حدیث کا ہے۔

امیر جماعت اہل حدیث مولانا حکیم سید عبدالخبیر صاحب اپنے فتویٰ مسلکہ جامعہ الاقوال فی رویة الهلال ص ۴۷ میں سوال ایک جگہ کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے روزہ، عیدالفطر، عیداضحیٰ کا حکم ہوگا یا نہیں؟ کے جواب میں لکھتے ہیں: ایک جگہ کے لوگوں کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے اس چاند کا حکم نہیں چل سکتا: جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت کریب کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملک شام سے مدینہ منورہ پہونچے اور انہوں نے شب جمعہ کے چاند دیکھنے کی خبر دی اور مدینہ والوں نے چاند شب شنبہ کو دیکھا تھا تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس روایت کو مدینہ والوں کے لئے نہیں قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم اپنی رویت کے حساب سے روزہ رکھیں گے اور یہ صرف اپنی ہی رائے نہیں بیان فرمائی بلکہ فرمایا هکذا امرنا رسول الله صلی الله علیه و سلم۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال ص ۷ پر حدیث مسلم شریف مذکور ترمذی شریف سے

نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: جامع ترمذی میں اس مضمون کا ایک باب ہی قائم کیا ہے باب ماجاء لکل بلد رویتھم پھر اس حدیث کو نقل اور ترجمہ کرکے شرح مسلم نووی سے اس کے فوائد واقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد نہیں ہے کہ انہوں نے بتادیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی کرنے کو حکم فرمایا ہے اور اس بنا پر اہل ملک شام کے چاند دیکھنے اور ان سب کے مع امیر کے روزہ رکھنے کی خبر سننے کے ساتھ امر نبوی ہی پر اپنا معمل رہنا ظاہر کیا۔

نیز جواب استفتائے رویت ہلال ص ۳۳ پر محمد ابوالطیب سندی کی شرح جامع ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: ''قوله هكذاامرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يحتمل ان يكون معناه انه امرنا ان لانقبل شهادة الواحد فى حق الا فطار او انه امر نابان نعتمد علىٰ روية اهل بلد نا ولا يعتمد علىٰ روية غير اهل بلد نا والمصنف حمله علىٰ المعنى الثانى فلذا استدل به''۔ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، احتمال رکھتا ہے اس کا معنی ہو کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایک شخص کی شہادت افطار کے بارے میں ہم قبول نہ کریں یا یہ کہ ہمیں آپ نے حکم دیا ہے کہ اپنے شہر والوں کی رویت پر ہم اعتماد کریں اور اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر کی رویت پر اعتماد نہ کیا جائے۔ مصنف (امام ترمذی) نے اس کو معنی دوم پر حمل کیا اور اسی بنا پر اس حدیث سے استدلال کیا''۔

پھر ص ۳۹ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ''ظاهره اعتبار اختلاف المطالع قال الخطابى ذهب الىٰ ظاهره القاسم و سالم وعكرمة وهومذهب اسحٰق وقالوا ان لكل قوم رويتهم انتهى''۔

''اس حدیث کا ظاہر اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہے خطابی نے کہا کہ اس حدیث کے ظاہر کی طرف قاسم، سالم اور عکرمہ رحمہم اللہ گئے ہیں اور یہ مذہب اسحٰق کا ہے اور ان سب نے کہا کہ ہر قوم کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ انتہی''۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ دوسری قریب جگہ کی رویت کا اعتبار کیا جائے گا، دور کی رویت معتبر نہ ہوگی۔ پھر قریب اور دور کی حدوں میں اختلاف ہوا ہے۔ اس بارے میں علما کے پانچ قول ہیں:

(۱) جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی ہے، وہ قریب ہے اور جہاں نماز قصر کی جاتی ہے وہ دور ہے۔

(۲) جہاں تک مطلع واحد ہو وہ قریب ہے اور جہاں کا مطلع دور ہو وہ دور ہے

(۳) جہاں تک اقلیم کا اتحاد ہو، وہ قریب ہے اور دوسری اقلیم دور ہے یعنی ایک اقلیم میں کسی جگہ چاند ہونے سے پورے اقلیم میں روزہ رکھنا افطار کرنا فرض ہوگا۔ دوسری اقلیم میں یہ حکم نہ ہوگا۔

(۴) ایک مہینہ سے کم کی راہ ہو تو وہاں ایک حکم ہوگا اور مہینہ بھر سے زیادہ کی راہ ہو تو وہاں چاند ہونے سے دوسری جگہ نہ ہوگا اور مراد اس راہ سے پیدل چلنے کی راہ ہے، نہ موٹر، ریل گاڑی، ہوائی جہاز سے۔
(۵) ۲۴ فرسخ سے کم ہو تو ایک حکم ہوگا اور اس سے زائد فاصلہ ہو تو دور سمجھا جائے گا۔

حضرت امیر شریعت اول استفتا رویت ہلال ص ۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ''ہاں اگر قرب وجوار سے ۲۹ کے چاند ہونے کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔ کیونکہ یہاں ابر کے حائل ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور قرب وجوار میں کسی جگہ مطلع سے ابر ہٹا ہونے کے سبب سے نظر آ گیا اور وہاں سے خبر تصدیقی آ گئی تو یہاں کے لوگ بھی مہینہ پانے والے سمجھے جائیں گے اور روزہ رکھنا فرض ہوگا جب قرب وجوار کے دیکھنے کی تصدیق ہو گئی تو اگر ابر کا حجاب نہ ہوتا تو یہاں بھی دیکھا جاتا، اس کی تصریح کی حدیث شریعت سے ظاہر ہوتی ہے (اس جگہ حضور نے حدیث اعرابی مروی عن ابن عباس نقل کر کے ترجمہ کیا پھر فرمایا) اور منزلوں دور سے ۲۹ کے چاند کی خبر آئے تو اس پر اعتبار نہ ہوگا اس لئے کہ فمن شھد منکم سے مخاطب وہیں تک کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں تک کا مطلع ایک ہے، نہ یہ کہ جہان بھر کے لوگ مطالع مختلف کے رہنے والے اختلاف مطالع کے اعتبار سے مسافت بعیدہ کی رویت ہلال پر عمل نہ کرنا، یہ بھی حدیث میں آ گیا ہے (اس جگہ حضور نے کریب والی حدیث ترمذی شریف سے نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا پھر تحریر فرمایا) صحیح مسلم میں بھی ایسا ہی ہے اور امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رویت ہلال (ایک جگہ کی) سب لوگوں کے لئے عام نہیں ہوتی بلکہ ایسی مسافت قریبہ تک جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی، خاص ہے۔ کہا گیا ہے کہ جہاں تک مطلع واحد ہو یا اقلیم کا اتفاق ہو، ان سب کو روزہ لازم ہوگا۔ نہیں تو نہیں۔

اسی میں طحطاوی حاشیہ درمختار سے ہے ص ۱۶: ''واطلق المصنف فشمل ما اذا کان بینھما تفاوت بحیث مختلف المطلع اولا و فصل بعض بالتفاوت وعدمه وحدا لتفاوت شھر فصاعدا اعتبار ابقصة سلیمان علیه الصلاة والسلام''۔ ''مصنف نے مطلق کہا تو دونوں کو شامل ہو گیا آپس میں تفاوت اختلاف مطلع کی حیثیت سے ہو یا نہ ہو اور بعض نے تفاوت وعدم تفاوت اختلاف مطلع میں فرق کیا ہے۔ تفاوت کی حد ایک مہینے کی مسافت اور اس سے زیادہ میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکایت کے اعتبار سے۔ شامی رحمہ اللہ بھی مثل طحطاوی کے لکھنے کے بعد مسافت زمین کے متعلق دوسرا قول تاج تبریزی کا لکھتے ہیں کہ ۲۴ فرسخ سے کم میں اختلاف مطالع نہیں ہو سکتا پھر جواب استفتائے رویت ہلال ص ۲۳ فرمایا آیہ شریفہ فمن شھد منکم الشھر سے قریب کی رویت پر اعتبار کرنا اور بعید کی رویت کو نا معتبر جاننا۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے، اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں قاضی ابو بکر

بن عربی مالکی نے بھی تفسیر احکام القران میں لکھا ہے: "السابعة اذا اخبر مخبر عن روية بلد فلا يخلو ان يقرب اويبعد فان قرب فالحكم واحد وان بعد فقد قال قوم لاهل كل بلد رويتهم وقيل يلزمهم ذلك"۔ "(اس آیت کے متعلق) ساتواں مسئلہ کو جب کوئی مخبر کسی شہر کی رویت ہلال سے خبر دے تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ شہر قریب ہوگا یا دور۔ اگر قریب ہے تو ایک ہی حکم ہے یعنی چاند ہونا تسلیم ہوگا اور اگر دور ہے تو قوم نے کہا کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چاند کو مان لینا ان کو ضرور ہوگا"۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴ پر شرح ترمذی سے نقل فرمایا: "قال القرطبی قال شیوخنا یعنی المالکية اذا كانت روية الهلال ظاهرة بموضع ثم نقل الىٰ غيرهم بشهادة اثنين لهم الصوم انتهى قال الخطابى وبه قال اكثر الفقهاء واليه ذهب الشافعى واحمد ولكن المذكور فى كتب الشافعية ان ذلك فيما تقاربت البلاد و قال الحافظ وان تباعدت فلا يجب عندا كثرهم واوجبه ابو الطيب وحكاه البغوى عن الشافعى لكنه قال ابن عبدالبر اجمعوا علىٰ انه لا تراعى الروية فيما بعد عن البلاد كخراسان والاندلس انتهى"۔ "قرطبی نے کہا ہمارے شیوخ مالکیہ نے کہا ہے کہ جب رویت ہلال کسی ایک جگہ ظاہر ہو جائے پھر (وہ خبر) دو شخص کی گواہی سے دوسروں کی طرف منتقل ہو تو ان پر روزہ واجب ہے انتہی۔ خطابی نے کہا کہ اکثر فقہا نے یہی کہا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اسی طرف گئے ہیں انتہی۔ لیکن شافعیہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ ایک شہر دوسرے سے قریب ہوں اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ اگر دوسرے دور ہوں تو اکثر شافعیہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ ابو الطیب نے واجب کیا اور بغوی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کو حکایت کیا ہے لیکن ابن عبد البر نے کہا کہ مالکیوں اجماع کیا ہے کہ دور کے شہروں میں رویت کی رعایت نہ کی جائے گی جیسے خراسان اور اندلس۔ انتہی"۔

تیسرا قول: جو حنفیہ کا ظاہر المذہب ہے، یہ ہے کہ کسی ایک جگہ چاند دکھائی دینے سے سب جگہ کے لوگوں پر روزہ رکھنا اور روزہ کھولنا فرض ہو جاتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس جگہ چاند دیکھے جانے کا علم دوسری جگہ والوں کو بطریق موجب شرعی ہو جائے اور اگر بطریق موجب اس کا علم نہ ہوا بلکہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، اخبار یا حکایت یا اور کسی واہی تباہی ذریعہ سے اس کی اطلاع پہونچی تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ دوسری جگہ کے لوگوں کو ۳۰ شعبان پورے کر کے روزہ رکھنا اور ۳۰ رمضان پورے کر کے عید کرنے کا حکم شرعی ہوگا۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال ص ۴ پر تحریر فرماتے ہیں: مسافت بعیدہ کی رویت ہلال کی نسبت درمختار میں ہے: "واختلاف المطالع وروية نهارا قبل الزوال وبعده غير معتبر على

ظاهر المذهب و علیه اکثر المشائخ و علیه الفتوی بحر عن الخلاصة فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رویة اولئك بطریق موجب کما مرقال الزیلعی الاشبه ان یعتبرلکن قال الکمال الاخذبظاهر الروایة احوط''۔ '' اور مطالع کا اختلاف اور دن کو چاند دیکھنا زوال کے پہلے اور بعد اس کے، سب نامعتبر ہے۔ظاہر مذہب پر اور اکثر فقہا اسی بات پر ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ خلاصہ سے بحر میں لکھا ہے تو مشرق کے لوگوں کو لازم ہوگا (روزہ یا افطار) مغرب والوں کے چاند دیکھنے سے جب اہل مشرق پر اہل مغرب کا چاند دیکھنا شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے جیسا کہ گزرا۔ زیلعی نے کہا کہ اشبہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے لیکن کمال نے کہا کہ ظاہر روایت پر عمل کرنا زیادہ احتیاط کی بات ہے''۔

پھر ص ۸ پر علامہ شامی کی ردالمحتار سے دونوں قول (اختلاف وعدم اعتبار) ذکر کے نقل فرمایا: ''و ظاهر الروایة الثانی و هو المعتمد عندالمالکیة و الحنابلة لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرویته فی حدیث صوموالرویته بخلاف اوقات الصلاة''۔ ''اور ظاہر روایت نے ثانی کو لیا ہے (یعنی مطالع کا اعتبار کیا جائے گا ہمارے نزدیک یہی معتمد ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کے نزدیک بھی حدیث صوموالرویته میں رویت مطلق کے ساتھ خطاب عام ہونے کے سبب بخلاف نماز کے اوقات کے''۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال ص ۲۹ پر امام نووی شارح صحیح مسلم سے حدیث کریب کی شرح میں شوافع کا مسلک اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کو بیان کر کے فرماتے ہیں: ''وقال بعض اصحابنا نعم الرویة فی موضع جمیع اهل الارض''۔ ''اور لوگوں نے ہمارے کہا ہے کہ ایک مقام کی رویت عام ہوگی، کل زمین والوں کو یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع ظاہر المذہب حنفیوں اور مالکیوں اور حنبلیوں کا ہے اور شوافع کا مسلک اعتبار اختلاف مطالع ہے مگر یہ مسلک تمام شوافع کا نہیں ہے بلکہ بعض کا ہے اور بعضوں کا مذہب ائمہ ثلاثہ کے مطابق یہ ہے کہ ایک مقام کی رویت ہلال عام ہوگی کل زمین والوں کو''۔

پھر جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۳۴ پر ابوالطیب سندی کی شرح ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: ''و ظاهر الروایة فی مذهبنا انهٗ یثبت برویة اهل بلده علیٰ اهل بلد اخرلعموم الخطاب فی قوله صوموا امعلنا بمطلق الرویة فی قوله لرویته و برویة قوم یصدق اسم الرویة فیثبت مایتعلق به من عموم الحکم فیعم الوجوب''۔ ''اور ہمارے مذہب کی ظاہر روایت یہ ہے کہ کسی ایک شہر والوں کی رویت دوسرے شہر والوں پر ثابت ہو جائے گی صوموا میں عموم خطاب کے باعث لرویته میں اعلان مطلق رویت کے سبب ہے اور ایک قوم کی رویت سے رویت کا نام صادق ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس کے متعلق ہوگا، عام حکم ہونے سے وہ بھی

ثابت ہو جائے گا اور وجوب عام ہو جائے گا''۔

اسی جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴۱ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ''وظاهر المذهب عن ابی حنيفة انه اذاثبت فی مصر لزم سائر الناس فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب و انما يلزمهم اذاثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب''۔ ''اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب کسی ایک شہر میں رویت ثابت ہو جائے تو سب لوگوں پر لازم ہو جائے گی تو اہل مشرق کی رویت اہل مغرب کو لازم ہوگی اور اس وقت لازم ہوگی جبکہ اول کی رویت ان کے نزدیک بطریق موجب ثابت ہو جائے''۔

پھر اسی جواب استفتائے رویت ہلال کے ص ۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہے بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے اور طریق موجب کی شرح یہ ہے:'' کان یتحمل اثنان الشهادة اويشهدا علی حكم القاضی او يستفيض الخبر بخلاف ما اذا اخبر ان اهل بلده، كذا راوه لانه حكاية حلبی''۔ ''دو شخص خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا (رویت کی تصدیق پر) قاضی کے حکم دینے کی دو شخص گواہی دیں یا متواتر خبر آئے بخلاف اس کے کہ دو شخص خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، کیونکہ یہ حکایت ہے (اس کا اعتبار نہیں) حلبی (الی قولہ)، طریق موجب کی شرط نے تار برقی پر آنیوالی خبر کو اخبار کے پرچوں میں چھپی ہوئی خبروں کو جیسا کہ عام طور پر چھپتی ہیں۔ ریل کے سفر کرنے والے جنہوں نے خود نہ دیکھا ہو اور کسی شہر کے لوگوں کے دیکھنے کی خبر دیتے ہوں، یہ سب خبر حکایت میں شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں نہ اپنی رویت شہادت ہوتی ہے، نہ قاضی (یا بجائے قاضی کے کسی عالم) کے حکم کی شہادت ہوتی ہے جو قابل اعتبار ہو سکے۔ ایسی نا قابل اعتبار دور کی رویت کی خبر ملے بھی تو اس کا کچھ نفع نہیں اور حالت یہ ہے کہ اس طرح کی نا قابل اعتبار خبر پر عمل نہ کرنے والے سے لوگ جھگڑتے رہتے اور سند میں پیش کرتے ہیں کہ حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو صوم وافطار واجب ہے اور بطریق موجب کی شرط کو نہیں دیکھتے، نہ اس کے معنی جانتے ہیں۔

الحمد للہ کہ سوال دوم کا جواب بھی حسب درخواست سائل حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کی تحقیق کی روشنی میں تحریر کیا گیا۔ ناظرین سولہ اقتباسات خصوصاً اخیر ص ۴۴ والی عبارت کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جن کو ذاتی رائے قرار دے کر رد کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال سویم: حضرت عزت حق سبحنہ تعالیٰ شانہٗ علمائے کرام فقہائے عظام کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ کسی مسئلہ کو بھی مجمل مہمل نہیں چھوڑا بلکہ ایسی روشن تصریحات فرمادیں جس سے مسئلہ کا حل بہت آسانی سے ہو سکتا

ہے اور اس مسئلہ میں بھی کوئی الجھن کی بات نہیں رہی۔ سوال دوم کے جواب میں معلوم ہوا کہ اس باب میں علما کے تین قول ہیں:

قول اول: ہر جگہ کا چاند صرف وہیں کے لئے ہے، جہاں دیکھا گیا۔ دوسری جگہ اس کا حکم نہیں چل سکتا۔ اسی کی طرف قاسم، سالم، عکرمہ گئے ہیں۔ یہی مذہب اسحٰق کا ہے۔ اسی پر فتویٰ امیر جماعت اہل حدیث پٹنہ کا ہے۔

قول دوم: اختلاف مطالع کا اعتبار کر کے قرب و جوار کی رویت اگر شرعی طریقہ پر ثابت ہو جائے تو لیا جائے گا، دور کی رویت کا اعتبار نہ ہوگا، اس کا دوسرا حکم ہوگا۔ یہ مذہب بعض شافعیہ کا ہے اور احناف سے علامہ زیلعی، صاحب فیض، صاحب تجرید اور بعض مشائخ حنفیہ بھی اس کی طرف گئے ہیں اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ اس قول کو ضعیف فرماتے ہیں۔ استفتائے رویت ہلال کے ص ۱۷ پر علامہ شامی کی عبارت ''فقیل بالاول و اعتمده الزیلعی و صاحب الفیض و ھو الصحیح عندالشافعیة'' کا ترجمہ کرنے میں کہا گیا ہے یعنی ضعیف قول ہے کہ پہلی بات لی جائے گی یعنی اعتبار کیا جائے گا۔ زیلعی اور صاحب فیض نے اس پر اعتماد کیا ہے اور خود بھی بعض دقتوں کو پیش نظر رکھ کر اسی کو پسند فرماتے ہیں اس دقت کو جواب استفتائے رویت ہلال من قول سوم، حنفیہ کا ظاہر مذہب یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہونا بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے لکھ کر اور طریق موجب کی شرح شامی سے بحوالہ حلبی نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: ''طریق موجب کی شرح معلوم کرنے کے بعد جاننا چاہئے کہ بعید المسافت شہر کی رویت ہلال کی تصدیق اس شرط کے موافق کس قدر مشکل ہے''

قول سوم: اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے لئے لازم ہوگی بشرط ثبوت بطریق موجب ہو جائے۔ یہی مذہب عام احناف کا ہے، یہی ظاہر المذہب، یہی ظاہر الروایت ہے۔ یعنی ان مسائل سے ہے جو اصحاب مذہب یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد سے مروی ہے تو اسی کو ماننا اور حنفی عالم کو اسی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔

علامہ شامی رسم المفتی میں محقق ابن کمال پاشا سے ناقل کہ فقہا کے سات درجے ہیں۔ اول مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم۔ دوم مجتہدین فی المذہب جیسے صاحبین رضی اللہ عنہما۔ سوم مجتہدین فی المسائل جیسے امام خصاف، امام طحاوی وغیرہما۔ چہارم مقلدین سے اصحاب تخریج جیسے امام رازی وغیرہ۔ پنجم مقلدین سے اصحاب ترجیح جیسے ابوالحسین قدوری صاحب ہدایہ وغیرہما۔ ششم طبقہ مقلدین سے جو اقویٰ، قوی، ضعیف اور ظاہر المذہب، روایت نادرہ میں تمیز پر قادر ہیں جیسے صاحب کنز، صاحب مختار وغیرہما۔ ہفتم طبقہ مقلدین جو ان باتوں پر قدرت نہیں رکھتے جیسے آجکل کے عام علما۔ انہیں کے بارے میں صاحب درمختار لکھتے ہیں: ''واما نحن فعلینا اتباع مارجحوه وصححوه کمالو افتوافی حیاتھم''۔ ''ہم مقلدین پر اتباع کرنا اس کا ہے جسے ان علما نے ترجیح دی اور جس کی

تصحیح کی جیسے وہ حضرات اگر زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے تو کیا ہماری مجال تھی کہ ہم ان کی مخالفت کرتے'' ۔نہیں ہرگز نہیں تو جب انہوں نے ایسے اصول وضوابط مقرر فرمادیے تو ہمارا فرض مذہبی ومنصبی ہے کہ فتویٰ دیتے وقت انہیں کا لحاظ کریں اور عوام کو خوش کرنے کی کوشش میں نہ پڑیں۔

درمختار میں ہے:'' رسم المفتی ان ما اتفق علیه اصحابنا فی الروایات الظاهرة یفتی به قطعاً''۔ '' جو مسئلہ ظاہر الروایت میں ہمارے ائمہ کا متفق علیہ ہے۔اس پر قطعاً فتویٰ دیا جائے گا'' ۔کیونکہ وہ ائمہ ثلاثہ سے بروایت ثقات مروی ہے تو اس سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتائے رویت ہلال میں درمختار کی عبارت اوپر گذری کہ انہوں نے بحرالرائق شرح کنزالدقائق علامہ زین بن نجیم ہے اور انہوں نے فتاویٰ خلاصہ سے قول سوم کو لکھا علیه اکثر المشائخ، اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔تو جس پر اکثر مشائخ ہوں ہماری کیا مجال کہ اس کی مخالفت کریں۔اسی میں ہے، وعلیه المفتوی اسی پر علما کا فتویٰ ہے۔تو جس قول پر علمائے سابقین فتویٰ دے چکے، ہماری کیا مجال کہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔اسی کو ظاہر المذہب فرمایا پھر ظاہر المذہب سے عدول کا کسے حق ہے؟اسی کو علامہ کمال نے الاخذ بظاهر الروایة احوط فرمایا یعنی ظاہر الروایت ہی کو لینے میں زیادہ احتیاط ہے پھر دوسرے قول کو لے کر بے احتیاطی کرنے کا کیا حق ہے۔اسی کو علامہ شامی نے فرمایا:هو المعتمد عندنا ہمارے یعنی حنفیہ کے نزدیک یہی معتمد ہے۔پھر معتمد کو چھوڑ کر غیر اعتمادی قول کا لینا کہاں کا انصاف ہے اور یہ نہ صرف حنفیہ ہی کا معتمد بلکہ مالکیہ کا یہی مذہب ہے،حنبلیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض شوافع کا بھی یہی مسلک ہے پھر ایسے قول کو جو چاروں مذہب کا ہو چھوڑنے کی کون سی وجہ ہوسکتی ہے اور وہ بھی اسی حالت میں کہ ظاہر المذہب کے ترجیح کی علما تصریح فرماتے ہیں۔

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''وفی وقف البحر فانه اذا کان احد القولین ظاهر الروایة والا خیر غیرها فقد صرحوا اجمالا بانه لایعدل عن ظاهر الروایة''۔ ''بحرالرائق کی کتاب الوقف میں ہے: جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں۔ایک ظاہر الروایہ ہو اور دوسرا غیر ظاہر الروایہ (جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے کہ قول سوم ظاہر الروایہ ہے اور قول دوم غیر ظاہر الروایہ بلکہ حسب تصریح حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ ضعیف ہے) تو علما نے مطلقاً تصریح فرمائی کہ ظاہر الروایہ سے عدول جائز نہ ہوگا۔

اسی میں ہے:''فهو ترجیح ضمنی لکل ما کان ظاهر الروایة فلایعدل عنه بلاترجیح صریح لمقابله''۔ '' تو یہ ترجیح ضمنی ہے ہر اس قول کے لئے جو ظاہر الروایہ ہو تو اس سے عدول جائز نہ ہوگا جب تک اس کے مقابل کی ترجیح صریح نہ ہو''۔اور اس جگہ مقابل کی اصلا ترجیح نہیں بلکہ قیل سے تعبیر اس کے ضعف کی تصحیح ہے پھر ظاہر

الروایہ سے عدول کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ص ۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ''و کذا یر جح اذا کان احدھما ظاھر الروایة''۔ ''اسی طرح ترجیح دی جائے گی جب دو قول میں ایک ظاہر الروایہ ہو''۔ پھر فرماتے ہیں: ''و بہ صرح فی کتاب الرضاع من البحر حیث قال الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح لظاھر الروایة لماسیاتی ان الفتیا بالمرجوح جھل''۔ ''ظاہر الروایہ کی ترجیح کی تصریح علامہ بن نجیم نے بحر الرائق کی کتاب الرضاع میں فرمائی کہ فتویٰ جب مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں مفتی بہ تو ظاہر الروایت کو ترجیح ہوگی۔ اس دلیل سے قریب آتی ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت و نادانی ہے''۔

اور اس مسئلہ میں تو دوسرے قول پر اصلاً فتویٰ نہیں پھر ظاہر الروایہ کو چھوڑنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے خصوصاً جبکہ فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ درمختار کی عبارت اوپر گذری ''و علیہ الفتویٰ بحر عن الخلاصہ'' پھر فرمایا: ''و فیہ من باب الصرف اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاھر الروایة و الرجوع الیھا''۔ ''جب تصحیح مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں کو علما نے صحیح فرمایا ہو تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ ظاہر الروایہ کون ہے اور اسی کی طرف رجوع واجب ہے۔ تو اس جگہ دوسرے قول نے بھی تصحیح نہ کی بلکہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح فرمادی تو ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر قول دوم اختیار کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''ما خرج عن ظاھر الروایة فھو مرجوع عنہ و المرجوع عنہ لایجوز الاخذ بہ''۔ ''جو ظاہر الروایہ سے باہر ہے، وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ کو لینا جائز نہیں''۔

درمختار میں ہے: ''ان الحکم و الفتیا بالمرجوح جھل و خرق الاجماع''۔ ''حکم اور فتویٰ دینا قول مرجوح پر جہالت اور خلاف اجماع کرنا ہے''۔

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اولیٰ من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایة اذا لم یصحح و الافتا بالقول المرجوع عنہ اھ''۔ ''اور اس سے زیادہ باطل امر ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دینا ہے جب کہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور قول مرجوع عنہ پر فتویٰ دینا ہے''۔

پھر علامہ شامی جلد ۲ ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''الواجب الرجوع الیٰ ظاھر الروایة عنہ اختلاف الترجیح''۔ ''ترجیح کے اختلاف کی صورت میں ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے تو جب دوسرے قول کی اصلاً ترجیح نہ ہو تب تو ظاہر الروایت پر فتویٰ ضروری اور لازمی ہوگا''۔

نیز ردالمحتار جلد سوم میں فرماتے ہیں: ''اذا ذکر فی ظاھر الروایة حکم من دون ذکر خلاف کان

مقتضاه انه قول ائمتنا الثلثة"۔ "جب ظاہر الروایہ میں کوئی حکم مذکور ہو اور وہاں اس کا خلاف نہ مذکور ہو تو اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ امام اعظم، امام یوسف، امام محمد کا قول ہے"۔

پھر جلد رابع میں فرماتے ہیں: "لا یحل الافتاء بالمرجوح ولاینفذ القضاء به"۔ "قول مرجوح پر کسی مفتی کو فتویٰ دینا اور کسی قاضی کو فیصلہ کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی قاضی فیصلہ دے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا"۔

پھر جلد پنجم میں فرماتے ہیں: "ماخالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لا صحابنا"۔ "جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں"۔

ان تمام تصریحات صریحہ کے بعد واضح ہو گیا کہ ان تینوں اقوال میں قول سوم کو ترجیح ہوگی، اسی پر فتویٰ دینا ہوگا۔ یہی ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ اس کے سوا ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔ اسی کی طرف رجوع واجب، اس کے سوا دوسرے قول کو لینا اور اس پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم: مولیٰ تعالیٰ بہتر سے بہتر جزائے خیر دے ہمارے علمائے کرام، فقہائے عظام کو کہ اپنے ذہن رسا سے ایسے اصول وقواعد بنائے، ایسی باتیں بتا گئے جو بعد کے شبہات وشکوک کے زہر کے لئے تریاق ہوں۔

درمختار جلد اول میں ہے: "ان الحكم الملفق باطل بالاجماع"۔ "حکم ملفق جس کی بنا دو مذہب یا دو اصول پر ہو بالاجماع باطل ہے"۔

علامہ شامی اس کی مثال دے کر توضیح فرماتے ہیں: "مثاله متوضی سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلیٰ فان صحة هذه الصلوٰة ملفقة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفيق باطل فصحته منتفية اه الخ"۔ "اس کی مثال یہ ہے کہ ایک باوضو شخص ہے جس کے بدن سے خون بہا اور اس نے کسی عورت کو بھی چھوا پھر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز کی صحت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی دونوں کے مذہب کی تلفیق سے ہو سکتی ہے یعنی ایک مسئلہ امام صاحب کا لیں اور ایک مسئلہ امام شافعی صاحب کا۔ عورت کے چھونے سے حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور شافعیہ کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول لے اور خون نکلنے سے احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شافعیہ کے یہاں نہیں ٹوٹتا ہے تو اس مسئلہ میں امام شافعی صاحب کی بات لے اور نماز پڑھ لے۔ اس ترکیب سے اس نماز کو صحیح جانے مگر چونکہ تلفیق باطل ہے اس لئے یہ نماز بھی کسی کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس کے بدن سے خون نکلا اور خون نکلنے سے وضو جاتا رہا اور امام شافعی صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس نے عورت کو چھوا اور شافعیہ کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو جاتا رہتا ہے تو اس شخص نے دونوں اماموں کے نزدیک بے وضو نماز پڑھی، اس لئے وہ نماز باطل ہوگی۔

اسی طرح یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ اور اپنی جدت سے تلفیق ہے تو بدرجہ اولیٰ باطل ہوگا ورنہ اگر پوری بات امام صاحب کی لیں تو کوئی دقت نہیں اور اگر پوری بات اپنی لیں جب بھی کوئی دشواری نہیں۔ اس لئے امام صاحب کا مذہب جہاں یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اس لئے اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو روزہ رکھنا اور افطار کرنا واجب ہوگا، وہیں ان کا مذہب یہ بھی ہے کہ مشرق والوں کے چاند دیکھنے سے مغرب والوں پر کب روزہ افطار کا حکم ہوگا، جب کہ ان کا چاند دیکھنا مغرب والوں کو بطریق موجب ثابت ہو جائے۔ یہ نہیں کہ کوا کائیں کرتا جا رہا ہے، کسی کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کہہ رہا ہے دہلی میں چاند ہو گیا تو پٹنہ والوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا فرض ہو جائے گا بلکہ ابر و باد کی صورت میں رمضان کے لئے ایک معتبر شخص کی خبر اور ہلال عیدین میں دو عادل شخصوں کی شہادت ضرورت ہے جو خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا رویت کی تصدیق پر قاضی کے حکم دینے کی گواہی دیں یا چاند دیکھنے کی جگہ سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زباں اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی۔ جب ایسی گواہیاں گذریں گی تب چاند ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور ہر دیندار جانتا ہے کہ اس دور آزادی و بے قیدی میں مطابق قواعد شرع مقبول الشہادہ شخص کا ملنا اور اس کا گواہی دینا کس قدر قلیل الوجود کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ فساق فجار کی کثرت ہے اور انہیں کے ذریعہ ایسی خبروں کی حکایت و روایت۔ اس لئے فقہائے کرام کے مذہب پر چاند کا ثبوت دوسری جگہوں کے لئے کس قدر مشکل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ فقہائے عظام کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیں۔ اس لئے کہ اس کے مشکل اور دشوار ہونے کی وجہ سے الجھن کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس شرط کے مطابق رویت ہلال ثابت نہ ہوگی تو یہاں عید کرنے، روزہ کھولنے کا حکم نہ دیا جائے گا جس طرح زنا کی شہادت کے لئے کالمیل فی المکحلہ کی گواہی دینا شرط ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح دیکھنا اور وہ بھی نہ صرف ایک یا دو شخصوں کا بلکہ اکٹھے چار آدمیوں کا اور اس کی گواہی دینا کس قدر مشکل ہے مگر اس میں دقت ہی کیا ہے؟ اگر ایسی گواہی نہ گذرے گی قاضی مجرم نہ قرار دے گا، حد نہ لگائے گا۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے اگر چہ عادل ہونا شرط نہیں، غیر فاسق ہونا کافی ہے اور ایسے لوگ اس زمانے میں بھی بہت ملیں گے مگر رمضان کے چاند کی گواہی دیتا ہی کون ہے؟ یہ ساری دینداری کا زور تو عیدین کے چاند کے لئے صرف کیا جاتا ہے اور ان اختراع کرنے والوں کے طور پر اس لئے کہ اگر چہ یہ لوگ ریڈیو تار ٹیلیفون کو مانتے ہیں اور ان کو بہ منزلہ شہادت جانتے ہیں۔ اسی لئے دوسرے علما سے پوچھتے ہیں ''سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تصریحات کے بعد تار اور ریڈیو کی خبروں پر اعتماد نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ لیکن ساتھ ساتھ وہ موافق مذہب احناف عدم اعتبار اختلاف کو نہیں مانتے اور نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ساتھ اپنے استادوں کا بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ بہر حال دور دراز مقامات میں اختلاف مطالع کا لحاظ کرنا ہی پڑے گا تو ان کے طور پر دور دراز

مقامات کی خبر اختلاف مطالع کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی تو مقصد ایک ہی رہا۔ فقہا کی تحریرات وتحقیقات ماننے والوں کے لئے دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہوں، غیر معتبر ہیں۔ اس لئے کہ ضرورت شہادت کی ہے اور یہ چیزیں خبر کے لئے موضوع ہیں، شہادت میں کارآمد نہیں۔ اس لئے کہ ان پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور روشن خیال مجتہدین وقت حضرات کے نزدیک بھی دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہیں غیر معتبر ہیں۔ اگرچہ ان کے نزدیک اس دور ترقی میں ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ دنیا نے عوام کی سہولت کے سامان فراہم کئے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اوٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا، خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے اس کو ضرور ماننا چاہئے مگر وہ لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اور فقہا کی تصریح لاعبرۃ لا ختلاف المطالع کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک مطلع مختلف ہونے کی وجہ سے دہلی کی خبر ہمارے بہار کے لئے قابل اعتبار ولائق عمل دار آمد نہیں تو حکم بہر حال ایک ہی رہا کہ دہلی کی خبر ہلال تار، ٹرنک کال، ریڈیو کے ذریعہ معتبر نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال پنجم: تحریرات سابق یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ہلال عیدین میں شہادت گواہان عادل کی ضرورت ہے۔ نہ صرف خبر کی اور تار، ٹیلیفون، ٹرنک کال، ریڈیو وغیرہ خبر رسانی کے لئے موزوں ہیں، نہ شہادت کے لئے۔ اسی لئے جن لوگوں نے تار، ٹیلیفون وغیرہ ایجاد کئے، کبھی انہوں نے بھی فوجداری اور دیوانی کے مقدمات میں گواہوں کے لئے ان چیزوں کو قابل قبول نہ جانا۔ ایسے روشن خیال حضرات سے گزارش ہے کہ پہلے یہ نصیحت حکام وقت کو کریں کہ جب دنیا نے ترقی کر کے عوام کی سہولت کے لئے سامان فراہم کیا ہے، اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ مقدمات میں گواہوں کی حاضری لازم قرار نہ دیجئے۔ جی چاہے تو آئے ورنہ جہاں سے چاہے فون کردے یا تار دیدے یا جو اظہار دینا ہے، ریڈیو اسٹیشن پر جاکر وہیں سے نشر کردے۔ اس میں متخاصمین کا بہت روپیہ جو گواہوں کے لانے لے جانے میں صرف ہوتا ہے، بچ جائے گا۔ اگر کچہریوں میں اس کو رائج نہ کرسکیں تو الیکشن کا زمانہ قریب، ہے کوشش کر کے پہلے اسی میں جاری کرایئے کہ ووٹروں کو پولنگ اسٹیشن پر آنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ہر شخص اپنے قریب کی جگہ سے فون کردے یا تار دیدے یا ریڈیو اسٹیشن پر جاکر بول دے کہ میں نے فلاں شخص کو ووٹ دیا، تب اس روشن خیالی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ جب کچہریوں کی شہادت میں ان ذرائع کو جاری کرلیں تب علمائے کرام کو نصیحت کریں اور لکیر کے فقیر بننے سے ان کو روکیں۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیوی قانون میں ایک انچ کی بیشی کی ہمت نہیں کرسکتے، ہر بات پر آمنا و صدقنا کہنے کے لیے تیار مگر شرعی مسائل میں مداخلت کے لئے کمربستہ۔ میری یہ غرض نہیں

کہ چونکہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے لئے یہ چیزیں مقبول نہیں، اس لئے ثبوت ہلال کے لئے ہم نہیں مانتے۔ جب کسی وقت کچہریوں کی شہادت میں قابل قبول سمجھی جائیں گی، ثبوت ہلال میں بھی معتبر ہوں گی بلکہ دکھانا یہ ہے کہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے قواعد و قانون بہت نرم ہیں پھر بھی یہ چیزیں شہادت کے لئے معتبر نہیں پھر شرعی مسائل جس کی شہادت کی شرطیں بہت سخت ہیں، ان میں کیونکر قابل اعتبار سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ فتویٰ کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرنک کال وغیرہ برقی خبریں صرف خبر رسانی کے لئے ہیں، شرعاً ثبوت ہلال کی شہادت کے لئے معتبر نہیں۔ ہندوستان بھر کے مشاہیر علمائے سابقین و موجودین کی تحقیق ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر چار تحریریں ہیں۔ انہیں کی مدد سے علمائے کرام کی تحقیقات کو پیش کرسکتا ہوں (۱) رسالہ مبارکہ ازکیٰ الاهلال بابطال مااحدث الناس فی امر الهلال مصنفہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مأتہ حاضرہ مؤید ملتِ طاہرہ سیدی و سندی، شیخی و مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلی قدس سرہٗ العزیز (۲) رسالہ جامع الاقوال فی رویت الهلال مرتبہ سید شاہ محمد حسین صاحب ارزاں شاہی برادر جناب سید شاہ حامد حسین صاحب سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں پٹنہ (۳) رسالہ نادر تحفہ جامعہ حبیبیہ (٤) جوابات استفتاءعزیزی و تلمیذی مولوی سید شاہ محمد فرید الحق سلمہٗ ولیعہد سجادہ عمادیہ پٹنہ۔

(اس کے بعد رسالہ مبارکہ ازکی الاہلال اور ہندوستان کے ایک سو اکیانوے مشاہیر علما کی تصدیقات ہیں۔ ازکی الاہلال فتاویٰ رضویہ میں چھپ چکا ہے اور تصدیقات میں وہی عبارتیں ہیں جن کا تذکرہ ملک العلما کے فتوے میں آچکا ہے۔ اس لئے احقر نے انہیں یہاں سے حذف کردیا ۱۲ ساحلؔ)

فقیر قادری محمد ظفرالدین رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ یوپی، سی پی سابق حال ام پی، بمبئی، بہار، بنگال، حیدر آباد، پنجاب وغیرہ کے مختلف اضلاع، مختلف مقامات، مختلف خیالات، مختلف اعتقادات اور اپنے وقت کے مشہور و مستند علمائے سابقین و معاصرین کی ایک سو اکیانوے تحریرات فتاویٰ و تصدیق ہیں، جن میں بالاتفاق حکم ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرنک کال، اخبار، خطوط سے ثبوت ہلال نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ رویت پر شرعی شہادت نہ ہو۔ ایک جگہ چاند ہونے سے دوسری جگہ روزہ، افطار، قربانی، نماز کا حکم دینا صحیح نہ ہوگا۔ بعض علما نے یہ فتویٰ دیتے ہوئے کہ ریڈیو کے ذریعہ شہادت اور اثبات رویت ہلال نہیں ہوسکتا، اتنا اور اضافہ کیا ہے: البتہ کسی عالم یا قاضی کے پاس شہادت رویت گذرے تو خود وہ عالم اس خبر کو ریڈیو کے ذریعہ نشر کرسکتا ہے، سرکاری آدمی یا غیر مسلم شخص اگر نشر کرے گا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، مگر مرکزی انجمن تبلیغ صداقت بمبئی کی طرف سے جامع مسجد مدنپورہ ۱۰ محرم الحرام بروز جمعہ ۱۳۷۱ھ کو دن

میں زیر صدارت حضرت محدث اعظم ہند مولانا الحاج شاہ سید محمد صاحب کچھوچھوی مدظلہ ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں الہ آباد ، لکھنؤ ، دہلی ، فیض آباد ، بریلی ، مرادآباد ، سنبھل ، پیلی بھیت ، مظفرپور ، بہار ، داناپور ، گونڈہ ، بہرائچ ، نانپارہ ، ناگپور ، جبل پور ، فتحپور ، کانپور ، بستی ، رائے بریلی ، بلیا ، اعظم گڑھ ، مبارکپور ، بنارس ، بھاگلپور و دیگر مقامات کے علمائے کرام ومفتیان عظام نے شرکت فرمائی ۔ مزید دلائل شرعیہ کے تحت یہ طے فرمایا کہ ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر یا شہادت تو غیر معتبر ہے ہی ، اگر ریڈیو کے ذریعہ قاضی کے فیصلۂ رویت ہلال کا اعلان ہو تو وہ بھی غیر معتبر اور نا قابل عمل ہے ۔ کیونکہ قاضی شرع کا فیصلہ اس کے حدود وقصاص ہی میں جاری ونافذ ہوگا اور ایسا قاضی واقعی قاضی شرع ، عالم دین ہوگا اور وہ قاضی شرع کے جملہ فرائض انجام دے گا یا صرف چاند کی شہادت لیا کرے گا نیز یہ کہ وہ قاضی جو صرف چاند ہی کی شہادت لے گا اور اعلان کرے گا اور اس کی قضا آل انڈیا ہوگی ، وہ ہندوستان میں ایک ہی ہوگا یا ہر شہر ، ہر قصبے اور آبادی میں؟ کیونکہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جگہ رویت ہلال ہوئی اور دوسری جگہ نہیں ہوئی تو جہاں رویت ہوئی وہاں آل انڈیا قاضی نہ ہوا تو رویت وہیں رہ گئی اور ہر شہر آبادی میں ایسے آل انڈیا قاضی کا ہونا قطعاً ناممکن ۔ لہذا ریڈیو سے سنا ہوا رویت ہلال کا فیصلہ قاضی یا فیصلہ کا اعلان ہرگز ہرگز قابل قبول ولائق عمل نہیں ہے ۔ ملاحظہ ہو روزنامہ خلافت بمبئی ۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء

(فتویٰ جس پر ۱۵ مشہور و مستند علما نے دستخط فرمائے خلافت بمبئی ۱۴ نومبر ۱۹۵۱ء)

الجواب: جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت ہو ، صرف وہاں والوں پر روزہ ، افطار ، اضحیہ واجب ہے ۔ ہدایہ وغیرہ میں ہے: ''الاصل بقاء الشهر فلا ينتقل عنه الا بدليل ولم يوجد'' ۔ فلہذا جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت نہ ہو ، وہاں والوں کو یہ حکم دینا کہ روزہ رکھو یا افطار کرو یا قربانی کرو ، نماز عید ادا کرو ، خلاف شرع ہے اور قاضی کا حکم خلاف شرع قابل عمل نہیں ہوتا ہے ۔ لہذا اگر کوئی قاضی اپنے شہر اور دیگر بلاد جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے ، ان تمام مقامات کے لئے روزہ وافطار وغیرہ کا حکم دے تو اس کے حکم واعلان پر جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے عمل نہ ہوگا ، خواہ وہ قاضی ریڈیو سے حکم دے یا خود دوسرے بلاد میں جاکر خود حکم کرے ۔ دوسری جگہ جب حکم دے گا تو اس ۔ بے ثبوت شرعی کا مطالبہ ہوگا ۔ بے ثبوت نہ اسے حکم کرنا جائز ، نہ اس حکم پر عمل جائز ۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں امام علامہ محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں: ''الفرق بين رسول القاضي و كتابه حيث يقبل كتابه ولا يقبل رسوله فلان غاية رسوله ان يكون كنفسه وقدمنا انه لو ذكرما في كتابه لذلك القاضي بنفسه لايقبله وكان القياس في كتابه كذلك الا انه اجيز باجماع التابعين على خلاف القياس فاقتصر عليه'' ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ الفقیر ابو الفضل السید محمد افضل حسین مفتی دارالعلوم مظہر اسلام بریلی۔
(اس فتوے پر اکیانوے علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔جنہیں یہاں سے حذف کردیا گیا۔۱۲ساحل)
ان تمام تحریرات، فتاویٰ وتصدیقات کی روشنی میں کالشمس فی نصف النہار واضح ہوگیا کہ اثبات ہلال کے لئے شہادت کی ضرورت ہے۔رمضان شریف کے چاند کے لئے ابروغبار کی حالت میں ایک شخص کی اگرچہ مستورالحال ہو اور عید الفطر کے چاند کے لئے دو عادل مرد یا ایک مرد عادل اور دو عادل عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔تار، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹرنک کال، اخبار، خطوط، افواہ بازار وغیرہ سے چاند ثابت نہیں ہوسکتا۔یہی جمہور علمائے اسلام کا مفتی بہ قول ہے۔ثبوت رویت کے بعد ریڈیو سے اعلان بھی محض خبر ہی خبر ہوگی۔کسی صورت، کسی حالت میں حدود سے باہر کے مسلمانوں کے لئے وہ اعلان مثبت وملزم نہیں ہوسکتا ہے۔مذکورہ بالا ایک سو اکیانوے فتاویٰ وتصدیقات کے علاوہ اور بھی علمائے کرام کی تحریرات وتصدیقات اس مسئلہ پر اور موجود ہیں مگر کتاب کی طوالت، ازدیاد حجم وضخامت و صرف کثیر طباعت واشاعت کی وجہ سے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا۔ماننے والے کے لئے اس قدر فتاویٰ وتصدیقات کا بیش قیمت ذخیرہ بہت کافی ہے۔درخانہ کس ست یک حرف بس ست اور منکر متعصب ہٹ دھرم کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان، افغانستان، ترکستان، عرب، عجم سارے جہان کی تحریرات فتاویٰ وتصدیقات سب بیکار ہیں واللہ الہادی وھو تعالیٰ اعلم۔

ضمیمہ جواب سوال پنجم: صدق جدید لکھنؤ نمبر ۱۶؍۱۱ر جنوری ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون ریڈیو اور رویت ہلال (ایک بیرسٹرایٹ لا اور سشن جج کے قلم سے) کی سرخی سے شائع ہوا ہے۔مضمون قدرے طویل اور بہت مفید ہے ۔ایک حصہ اس کا عام انگریزی داں حضرات کے مطالعہ کے لئے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ایک اچھی سی صحبت میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ جب حساب سے چاند نکلنے کا سوال حل ہوسکتا ہے تو پھر عید کی بابت ہر سال یہ دبدھا کیوں؟ میں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ کچہری کی تعطیلات کے نقشہ میں خود لکھا ہے کہ اعتبار رویت کا ہوگا، نہ کہ چاند نکلنے کے حساب کا۔سوال ہوا کہ جب تار اور ٹیلی فون موجود ہے تو پھر ہر جگہ کے لئے الگ رویت کا سوال کیوں پیدا ہوتا ہے ؟ میں نے کہا کہ جہاں عام طور پر رویت منائی جاتی ہے تو کوئی نزاع نہیں رہتی ہے اور جہاں نزاع ہوتی ہے تو اس کی مہذب صورت کسی معتبر ہستی مثلاً قاضی کا فیصلہ ہے اور وہ بھی ایک Democrettic طریقہ سے کہ مقدمہ پیش ہو، مانے ہوئے شہادت کے اصول برتے جائیں، گواہ معتبر ہوں وغیرہ۔تیسرا سوال ہوا کہ کیوں نہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ سارے ملک میں ریڈیو سے نشر ہوجائے تو مان لیا جائے۔میں نے کہا کہ لکھنؤ کا جج ایک مقدمہ میں ڈگری دیتا ہے تو اس کو وہ خود دہلی میں نافذ نہیں کرسکتا۔وہ ڈگری جب دوسرے جج کے نزدیک ثابت ہوجاتی ہے تو وہ اس کو اپنے

حکم سے بلا چون و چرا نافذ کر دیتا ہے اور زمانہ حال کے قانون میں بھی ریڈیو تار، ٹیلیفون کا اعتبار حاضری عدالت کے سمن تک کی ضرورت کے لئے نہیں کیا گیا ہے، نہ کہ کسی حکم یا ڈگری کے نفاذ کے لئے۔ آجکل کے قانون شہادت میں بھی اگر کوئی ٹیلیفون پر شہادت دینا چاہے تو نہیں لی جائے گی اور اس بابت احکام بہت سخت ہیں کہ کسی عدالت کا حکم تار، ٹیلیفون پر نقل کیا جائے تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے خواہ وہ کسی حاکم ہی کی زبانی کیوں نہ ہو، احکام خواہ کیسے ہی اہم ہوں، معطل رہتے ہیں جب تک باضابطہ طریقہ پر منتقل نہ ہوں۔ البتہ ہوتا ہے تو اعتبار حلف نامہ کا ہوتا ہے یا معتبر گواہ کے حلف کا وہ بھی خاص مقررہ صورتوں میں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ریڈیو اور تار جس کی چیزیں ہیں، وہی ان پر اعتبار کرنا نہیں چاہتا، نہیں چاہ سکتا تو اس زمانہ میں دنیا کو اصول قانون کے نئے تصورات پیدا کرنا، بہت نرالی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس مضمون کی تمہید بھی بہت دلچسپ طریقہ سے شروع کی ہے۔ فتویٰ اور فقہی مسائل پر کوئی رائے دینا تو میرے لئے چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن محض علمی نقطۂ نظر سے یہ عرض کرنے کی جرأت ہوتی ہے۔ اگر ریڈیو کے سے عالمگیر نظم کو اس ضمن میں مان لیا گیا تو پھر شاید رمضان کبھی ۳۰ روزوں کا ہوا کرے گا اور پھر ٹیلیفون نے کیا قصور کیا ہے؟ اس پر تو جانے بوجھے لوگوں کی آواز بھی پہچانی جا سکتی ہے۔ شملہ، سری نگر، کھٹمنڈو وغیرہا کے لوگ اگر طے کر لیں کہ کم از کم ہندوستان میں رمضان کی ۳۰ ر نہ آنے پائے تو ہر ممکن جنتری لغو ہو سکتی ہے اور کیا عجیب کہ جلد ہی وہ وقت بھی آجائے کہ اس اعلان کا کام یو این او کے سپرد کیا جائے جو ریڈیو سے زیادہ معتبر ادارہ ہوگا اور اس کا اعلان اسلامی دنیا بلکہ ہر دنیا کے لئے زیادہ قابل قبول ہو گیا الخ۔

جواب سوال ششم: ہر واقف کار جانتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند ایک سیاسی جماعت ہے اور سیاست ہی کے لئے اس کی وضع و تشکیل ہوئی تھی۔ اس نے آج تک جو کچھ کام کیا من حیث جماعت اسی دائرہ میں قدم رکھے ہوئے کیا۔ اگرچہ حصول مقصد انگریزوں کی ہندستان سے روانگی اور حکومت ہند پر ہنود کے تسلط کے بعد بظاہر سیاست سے علیحدہ ہو گئی ہے لیکن زمانہ دراز سے مجلس بازی، رزولیوشن سازی کی جو عادت پڑ گئی ہے ۱۸ و ۱۹ راگست کے جلسہ میں بھی وہی روش اختیار کی۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے ۳۵ افراد مرادآباد میں جمع ہوئے لیکن انہوں نے عالمانہ طرز پر عالم ہونے کی حیثیت سے کوئی فتویٰ تحریر نہ کیا، جس کے حکم کو قرآن شریف، حدیث شریف، فقہ کی عبارات سے مدلل کرتے بلکہ سیاسی طرز پر رزولیوشن سازی سے کام لیا اگرچہ شرط در شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی وجہ سے وہ رزولیوشن علمائے محققین کے فتویٰ کے خلاف نہیں، لیکن عوام کو دھوکا اور ہر سال عیدین کے موقع پر ایک جھگڑے کا نیا سامان پیدا کر دیا کہ ہر عید میں جھگڑا ہوا اور لطف یہ کہ فریقین کے ہاتھوں میں جمعیت العلما ہی کا فیصلہ ہوا اور دونوں اسی قرارداد سے سند پکڑے ہوئے سر پھٹول کر رہے ہوں۔

مجلس نے جو طے کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ''مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات پر بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے''۔ بظاہر دیکھنے میں یہ فیصلہ ہے اور اخبار والوں نے بھی اس کو فیصلہ ہی سمجھا۔ اسی لئے مرادآباد کے اس اجتماع کو جو ۱۴ و ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۸-۱۹/ اگست ۱۹۵۱ء کو ہوا بہت مبارک قرار دیا'' کہ جس طرح اس پیچیدہ صورت حال کا فیصلہ اطمینان بخش اور سکون افزا ہوا جو آنے والے انتخابات کی ہماہمی کے سبب سے پیدا ہو رہی تھی، اس طرح اس مسئلہ (ریڈیو) کے متعلق بھی اطمینان بخش فیصلہ علمائے کرام نے صادر فرما دیا''۔ حالانکہ گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس مجلس نے نہ کوئی حکم بتایا نہ فیصلہ صادر کیا بلکہ قضیہ شرطیہ کے طور پر عوام کے لئے دل خوش کن بات کر دی۔ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود یعنی اگر آفتاب طلوع ہو تو دن موجود ہوگا، کہنے والا ہرگز نہ حکم ایجابی وجود نہار کا دیتا ہے، نہ حکم سلبی عدم نہار کا۔ یعنی نہ وہ یہ کہتا ہے کہ دن ہے، نہ کہ کہتا ہے کہ دن نہیں ہے بلکہ ایک گول مول بات کہہ کر وقت ٹالنا چاہتا ہے، بعینہ یہی حالت اس فیصلہ کی ہے۔ اس فیصلہ کی ابتدا بھی جملہ شرطیہ سے ہے اور نہ صرف ایک شرط بلکہ شرط در شرط بالائے شرط کے ساتھ اس کو مشروط کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے۔ الخ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فیصلہ کسی عامی شخص کا نہیں، نہ عوام کی پنچایت کا بلکہ جمعیت العلما کے تین درجن مولویوں کا متفقہ فیصلہ اور وہ بھی مشروط بشرائط جسے اخبار الجمعیہ سنڈے ایڈیشن اور دوسرے اخباروں نے دوسطری سرخی کے ساتھ شائع کیا ہے:

''رویت ہلال کا اعلان اور شرعی نقطہ نظر۔ چند شرطوں کے ساتھ ریڈیو کے اعلان پر عمل کیا جا سکتا ہے''۔

اس سرخی نے بتایا کہ ریڈیو کے ذریعہ آئی ہوئی خبر جمعیت علمائے ہند کے نزدیک بھی شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی، خود اسی مضمون میں ہے: ''ریڈیو کے ذریعہ جو اعلان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جا سکتی، نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے، نہ شرعی قانون شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ خبر دینے والا ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کو نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ایسی خبروں کے لئے ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوگی جس کی بنا پر کسی خاص صورت کے

علاوہ عام طور پر رویت ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ ریڈیو کی خبر کی حیثیت شہادت کی نہیں بلکہ خبر کی ہے اور خبر بھی شخص واحد کی جو نہ جامع شرائط ہے، نہ سننے والے اس کو جانتے ہیں تو اس کو شہادت کی حیثیت ہرگز نہیں دی جا سکتی بلکہ بعد شہادت فیصلہ و حکم علما کا اس کے ذریعہ صرف اعلان کیا جا سکتا ہے تو اس کی حیثیت ایک ڈگڈگی یا نقارہ کی سی ہوئی اور اناؤنسر اس کے ذریعہ نشر کرنے والا ہوا اور وہ بھی چند شرطوں کے ساتھ مشروط اور ہر شخص مشروط حکم کے متعلق جانتا ہے کہ اس کی حیثیت خواب میں سلطنت کرنے والے شخص کی ہے۔ جب تک خواب دیکھ رہا ہے سلطنت کے پورے سامان ہیں، آنکھ کھلی تو ہُو کا میدان۔ یہی حالت مشروط حکم کی ہے اگر شرط پائی گئی حکم برقرار موجود ورنہ ہباءً منثورا۔ اذا فات الشرط فات المشروط اور جب کہ ایک شرط نہیں چند شرطوں کے ساتھ حکم مشروط تو سب شرطوں کا پایا جانا ضرور ورنہ حکم بے سیاہ مرچ کا کافور ہوگا۔

اہل علم حضرات بنظر غائر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ فیصلہ تین ٹکڑوں پر مشتمل ہے:

اول اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جاتی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس میں چھ شرطیں ہیں۔ اگر ایک بھی منتفی تو حکم معدوم یعنی (۱) اگر ریڈیو سے خبر آئی مگر علما نے حکم نہیں کیا تو ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۲) اگر علما نے حکم بھی کیا لیکن بغیر شہادت لئے کسی کے قول پر اعتماد کر کے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۳) اگر شہادت بھی لی لیکن باقاعدہ شہادت نہ لی جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۴) اگر باقاعدہ شہادت بھی لی گئی لیکن علما نے شہادت نہ لی بلکہ معززین کے باقاعدہ شہادت لینے پر علما نے حکم کیا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۵) اگر علما نے شہادت باقاعدہ لی مگر وہاں کے علما نے لی، نہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے بلکہ دوسری جگہ کے علما نے باقاعدہ شہادت لے کر حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۶) اگر وہیں کے علما نے جہاں سے ریڈیو میں اعلان کیا گیا ہے، باقاعدہ شہادت لی اور حکم کیا لیکن سننے والے کو اس کا اطمینان نہ ہوا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ غرض پہلے ٹکڑے کی رو سے ان چھ شرطوں کی تحقیق ضروری ہے ورنہ رویت ہلال کے متعلق ریڈیو کی خبر کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

دوم دوسرا ٹکڑا یہ ہے کہ خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔ یعنی انہیں چھ شرطوں پر بس نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ساتویں یہ ہے کہ خبر دینے والا متعین ہو۔ اگر کوئی شخص خاص اس کام کے لئے متعین ہو، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر ریڈیو اسٹیشن پر ایک ایک آدمی اس کام کے لئے متعین کیا جائے۔ کیا معلوم

کہاں چاند نظر آئے اور کہاں کی اطلاع سے کہاں روزہ رکھنے، روزہ کھولنے، عید کرنے کا حکم دیا جائے؟ کلکتہ کی خبر سے دہلی والوں پر یا لکھنؤ کی خبر سے مدراس والوں پر دیہات کی خبر سے شہر والوں پر یا شہر کی خبر سے دیہات والوں پر حکم روزہ افطار کا ہوگا تو ہر جگہ ریڈیو اسٹیشن قائم کیا جانا اور ریڈیو اسٹیشن پر ایک آدمی خاص اس کام کے لئے متعین و مقرر کئے بغیر چارہ نہیں (۸) اور صرف متعین ہونا بھی کافی نہیں بلکہ خبر دہندہ کا مسلم ہونا ضرور ورنہ ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۹) اور صرف مسلمان ہونے ہی سے کام نہیں چلتا بلکہ خبر دہندہ کو معتمد بھی ہونا ضرور ورنہ ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں مذہبی اختلافات کس قدر ہیں اور ہر شخص اپنے ہی ہم مذہب شخص کو معتمد و مستند سمجھتا ہے۔ کیا سنی عالم کے پاس شہادت رویت گذرے اور اس بنا پر ریڈیو سے اس نے اعلان کیا تو اسے شیعہ صاحبان مان لیں گے یا شیعہ مجتہد کے نزدیک رویت کا ثبوت ہوا اور وہ ریڈیو پر اعلان کرے تو اس کو سب سنی معتمد مستند سمجھ کر مان لیں گے پھر سب سننے والوں کا معتمد ہونا کس قدر دشوار ہے؟

سوم پھر تیسرا پیراگراف ملاحظہ کیجئے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔ یعنی ان نو شرطوں کے بعد دسویں (۱۰) شرط یہ بھی ہے کہ تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں میں حکم نہ کیا بلکہ بعض ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۱) اسی طرح اگر تمام ہندوستان کے شہروں میں حکم کیا لیکن قصبوں میں حکم نہ کیا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۲) علیٰ ہذا اس کے برعکس تمام قصبوں میں حکم کیا لیکن تمام شہروں میں حکم نہیں کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۳) بعد میں اگر تمام دیہات کے متعین ذمہ دار جماعات نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کی ہے، نہ دیہات میں (۱۴) اسی طرح اگر پاکستان کے تمام شہروں، قصبوں دیہات میں ذمہ دار متعین جماعات نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کی ہے، نہ پاکستان کی۔ اگرچہ حکم ہندوستان کا پاکستان کو بھی ماننا ضروری ہوگا ملاحظہ ہو اخیر کا فقرہ ''یہ حکم تمام ہندوستان پاکستان کے لئے ہے'' (۱۵) پھر ان شرطوں کے ساتھ متعین ذمہ دار جماعات کو بھی لحاظ رکھنا چاہئے یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا لیکن غیر معین جماعات نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۶) متعین جماعات نے حکم کیا لیکن وہ ذمہ دار نہ تھی جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۷) حکم تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت نے کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط جماعات بصیغہ جمع ہے نہ جماعت بصیغہ واحد (۱۸) ان تمام شرطوں کے بعد تمام گھاٹیوں سے گذرنے پر بھی ریڈیو کی خبر سے چاند ثابت ہو کر بحکم صوموا الرویتہ وافطروا الرویتہ یہاں بھی

رویت کا حکم ہو کر روزہ رکھنا یا افطار کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ عمل کیا جا سکتا ہے یعنی اگر کوئی عمل کر لے تو مضا نقہ نہیں۔ یہ خلاصہ اس متفقہ فیصلہ کا ہے جسے ۳۵ علمائے جمعیت علما ہند نے مرادآباد میں ۱۸-۱۹ راگست کو پاس کیا ہے جو سب کچھ ہے اگر سرسری نگاہ سے دیکھا جائے اور جو گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں۔ میرے خیال میں یہ فیصلہ لسان العصر اکبر الہ آبادی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

دیکھو اسے تو سب کچھ، سوچو تو کچھ نہیں ہے
ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نشیں ہے

ہاں یہ ضرور ہوا کہ عوام خوش ہو گئے کہ ریڈیو کے ذریعہ اعلان پر عمل کرنے کا علما نے چند شرطوں کے ساتھ فتویٰ دیدیا لیکن جب عید الفطر یا عید اضحیٰ کے چاند کے متعلق کسی جگہ کا ریڈیو بولے گا تو..... ہوئے بس است کے مطابق ایک جماعت ریڈیو سے ہی عید کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی اور اپنے دعوے کے ثبوت میں اسی فیصلہ کو پیش کرے گی۔ دوسری جماعت کہے گی یہ اعلان قابل اعتبار نہیں، اس لئے کہ علما نے تو ان شرطوں کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ وہ کہاں پائی گئیں (۱) اس پر کہاں اطمینان ہوا کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے (۲) یہ نشر کرنے والا کون شخص ہے؟ ہم تو اسے جانتے ہی نہیں (۳) پھر کیا معلوم کہ مسلم ہے یا غیر مسلم؟ (۴) مسلم بھی ہے تو کس مذہب و مشرب کا ہے؟ ہمیں اس پر کس طرح اعتماد ہو کہ وہ شرعاً مقبول و قابل وثوق ہے؟ (۵) یہ سب مان لیں پھر تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات نے اس کے موافق کب حکم کیا ہے جو حسب شرائط فیصلہ یہ اعلان قابل اعتبار ہو؟ شرطوں پر عمل کے متعلق عوام کی حالت اگر جمعیت علمائے ہند کے حضرات معلوم کرنا چاہیں تو مولوی اشرف علی صاحب کی کتاب امداد الفتاویٰ ملاحظہ فرمائیں اور ان کے تلخ تجربہ سے سبق حاصل کریں۔ اس لئے کہ یہ ۳۵ حضرات جن کا فیصلہ اخبار والے اچھال رہے ہیں اور عوام شد و مد کے ساتھ پیش کر رہے ہیں، اکثر ان کے شاگرد کی حیثیت رکھتے ہیں اور بہتیرے شاگرد کے شاگرد کی حیثیت کے ہوں گے۔ شاید ہی گنے چنے حضرات ان کے مساوی اور برابری کی حیثیت کے ہوں تو جب ان کو اپنا مشروط فتویٰ عوام کی بے احتیاطیوں اور ان کی وجہ سے شرور و فتن پیدا ہونے کی وجہ سے کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے، واپس لینا پڑا۔ اس لئے ان ۳۵ علمائے جمعیت العلما ہند سے نہایت ہی مخلصانہ گذارش ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کے تجربہ سے آپ حضرات بھی فائدہ اٹھائیں اور اس فیصلہ کو واپس لیں ورنہ کچھ دنوں کے بعد ہر جگہ جنگ و جدل، نزاع، سر پھٹول اسی فیصلہ کی وجہ سے دیکھ کر اس سے رجوع کرنا ضرور ہوگا۔

امداد الفتاویٰ کی عبارت درج ذیل ہے: ''اس کے قبل بندہ نے تار کو خط یا طبل و مدفع یعنی توپ پر قیاس کر کے اس باب میں ایک تقریر لکھی تھی جس میں قبول تار میں کچھ تفصیل اور بعض شرائط کے ساتھ تقیید تھی مگر اس سال

یعنی ۱۳۲۷ھ کی رویت شوال کے متعلق تاروں پر عمل کرنے میں بے علموں اور کم علموں نے بے احتیاطیاں کیں اور ان سے جو فتن و شرور پیدا ہوئے، ان کو دیکھ کر تجربہ ہوا کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے اور نیز اخبار متواترہ سے تحقیق ہوا کہ تار میں مختلف اقسام کی غلطی اور دھوکہ بھی زیادہ محتمل ہے۔ لہذا خط سے بھی ادون ہے کہ خط میں اس کے طرز سے کچھ تو شناخت کاتب کی ہوتی ہے پھر بھی الخط یشبہ الخط بعض احکام میں کہا گیا ہے اور تار میں تو اس کی بھی کوئی علامت نہیں اور نیز طبل سحر و مدفع افطار سے بھی اضعف ہے کیونکہ ان کی ضرب ایک جماعت حاضرین کی مشارکت سے ہوتی ہے جس میں جرأت تعمد خدع کی ابعد ہے، تار میں یہ بھی نہیں۔ ان امور پر نظر کر کے سدّ اللذرائع و حسما للماده، اس تفصیل سے رجوع کر کے اب یہ حکم متعین سمجھتا ہوں کہ اس باب میں تار کی خبر اصلا قابل اعتبار و لایق عمل نہیں واللہ اعلم۔ ۳ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ''۔

بالجملہ بمضمون السعید من وعظ بغیرہ، لوگوں کو اس تجربہ سے سبق لینا چاہئے اور ہرگز ہرگز مناسب نہیں کہ عوام کے سامنے کوئی مشروط فیصلہ یا حکم پیش کریں۔ اس لئے کہ عوام بے احتیاطی سے کام لیں گے اور شرائط کا لحاظ نہ کریں گے بلکہ جو بات ان کی خواہش کے مطابق ہوگی، کر گذریں گے اور علما کے سر سارا الزام ڈالیں گے اور اسی فیصلہ کا سہارا پکڑیں گے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وھو الھادی وھو الموفق واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روافض کہتے ہیں کہ روزہ کو رات میں افطار کرنا چاہئے اور یہ حوالہ دیتے ہیں'' ثُمَّ اَتِمُّوْ الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ''۔ ان کو کیا جواب دیا جائے؟ اور افطار کا وقت کون ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

رات میں افطار سے اگر یہ مراد ہے کہ جب دن ختم ہو جائے اور رات آجائے، اس وقت افطار کرنا چاہئے تو یہ بے شک حق ہے۔ اور یہی مفاد آیت کریمہ ہے اور یہی اہلسنت و جماعت کا مذہب و عمل ہے۔ دن کے ختم ہونے اور رات کے داخل ہو جانے میں بیچ میں کوئی وقفہ نہیں۔ ایک آن واحد دونوں میں مشترک ہے۔ مگر یہ روافض کا مذہب نہیں ہے۔ ان کے نزدیک جب تک ایک حصہ معتد بہ رات کا نہ گذر جائے، افطار جائز نہیں۔ ان سے یہ پوچھا جائے کہ لیل سے مراد اول لیل لیتے ہو یا آخر یا اس کے وسط کا کوئی حصہ؟ ثالث غیر متعین ہے۔ نہ آیت کریمہ سے کچھ پتہ چل سکتا ہے کہ گھڑی بھر رات گذرے مراد ہے یا ایک پہر یا دو پہر۔ ثانی بداہۃً باطل۔ ورنہ معنی یہ ہوں گے کہ ساری رات گذر جائے، دوسرے دن کے صبح کو افطار کرو۔ لاجرم شق اول متعین، کہ آغاز لیل ہونے تک روزہ پورا کرو، اور یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ روافض کا یہ قول

بے باک شریعت مطہرہ پر افترا ہے۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اذا اقبل اللیل من ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم۔“
نیز فرماتے ہیں: ”لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر۔“
رہا اس کا حوالہ دینا اور اپنے زعم میں آیت قرآنیہ کو اپنا مؤید سمجھنا، سو یہ خیال خام، بلکہ نقش بر آب ہے۔ اس کا جواب یہ کہ غایت اگر جنس ماقبل سے ہو تو تحت حکم مغیا داخل ہوگا۔ مثل مرفقین وکعبین کے بوجہ جنس مغیا ہونے، داخل حکم مغیا یعنی غسل ہے اور اگر غایت غیر جنس مغیا ہو تو نہیں داخل ہوگا۔ اور یہاں صورت ثانیہ ہے۔ والتفصیل فی کتب الاصول من شاء فلینظر الیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدنپورہ مرسلہ مولوی عبدالرحمان ۶ر جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

زید کہتا ہے کہ دعا ”اللّٰھم لك صمتُ وبك امنتُ وعلیك توکلتُ وعلیٰ رزقك افطرت“ میں سب صیغہ ماضی کے ہیں۔ اور ماضی دعا میں مستقبل کے معنوں میں ہو جاتی ہے۔ تو یہ سب صیغے مستقبل کے معنی میں ہوں گے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ وہ جو کتابوں میں لکھا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جس ماضی کے ساتھ اپنے کو یا غیر کو دعا کی جاتی ہے، نہ یہ کہ جو صیغے کہ دعا میں بولے جاتے ہیں۔ خواہ بغرض ماضی، ان سب سے مستقبل کے معنی لئے جائیں۔ تو ان دونوں میں قول صحیح کس کا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بے شک عمرو سچا ہے زید کا قیاس محض فاسد ہے۔ قائل کا مقصود ان الفاظ سے دعا کرنا نہیں ہوتا۔ رہا لفظ افطرت سو اگر قبل افطار پڑھا تو البتہ معنی استقبال محتمل ہے۔ ورنہ اس میں بھی خبر مقصود ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از کیمپ میرٹھ، کوٹھی خان بہادر، مرسلہ منشی میر محمد ۶ر ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ برخوردار حبیب محمد نے سترہ برس ۵ ماہ ۴ یوم کی عمر میں اس جہانِ فانی سے بعالمِ جاودانی رحلت کی۔ ایام حیات میں نماز مرحوم پابندی کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ کل نمازوں کا کفارہ جس قدر سن بلوغ سے ایام وفات تک قضا ہوں یا جس قدر واجب ہوں، ادا کروں۔ براہ نوازش کتب فقہ وحدیث سے ٹھیک تعداد ایام تعداد کفارہ یومیہ وکل کفارہ سے کس قدر ہوا، معزز کیجئے۔ مرحوم کے سات سال کی عمر سے کبھی رمضان شریف کے روزے قضا نہیں ہوئے۔ البتہ امسال بحالت بیماری یک ماہ کے روزہ قضا ہوئے، ان کا کفارہ کیا ہوگا؟ پیدائش مرحوم ۶ر شوال ۱۳۰۶ھ ہوئی بوقت ۷ بجے شام اور وفات ۱۰ر ذی الحجہ بوقت ۳ر بجے کے ہوئی۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

حسبِ تصریح فقہاء کرام ہر نماز، ہر روزہ کا فدیہ، گیہوں خواہ اس کے آٹے یا ستو کے نصف صاع اور جَو اور اس کے ستو اور آٹے سے ایک صاع ہے۔

درمختار میں ہے: ''لو مات وعلیہ صلوات فائتۃ واوصیٰ بالکفارۃ یعطی لکل صلاۃ نصف صاع من بُر کالفطرۃ و کذا حکم الوتر والصوم۔''

اسی میں ہے: ''یجب نصف صاع من بر او دقیقہ او سویق وصاع من تمر او شعیر اھ۔''

سنن ونفل کا کفارہ نہیں کہ وہ مکملات ہیں۔ دن رات میں صرف وتر و فرائض خمسہ کے چھ کفارہ، جس کے تین صاع گیہوں، چھ صاع جَو ہوئے۔ صاع عربی پیمانہ ہے، ہمارے بلاد میں مروج نہیں۔ لہٰذا اس کا حساب سیروں سے عام فہم ہے۔

فاقول وباللہ التوفیق: صاع دوسو ستر تولے، نیم صاع اس کا نصف ایک سو پینتیس تولے، تولہ بارہ ماشے، ماشہ ۸ رتی، رتی آٹھ چاول کا ہوتا ہے۔ اور انگریزی روپیہ سکہ رائجہ سوا گیارہ ماشے ہیں۔ پس چہارم صاع کی مقدار آٹھ سو دس ماشے یعنی ساڑھے سرسٹھ تولے ہوئے اور نیم صاع ایک سو پینتیس تولے اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چوالیس روپیہ بھر ہوئے۔ انگریزی سیر کہ بنگال و ہندوستان و پنجاب کے اکثر شہروں میں مروج ہے، اسی روپیہ بھر یعنی پچھتر تولے کا ہے۔ اس سیر سے ایک صاع کے ساڑھے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور دسواں حصہ چھٹانک کا ہوا۔ تو فدیہ یومیہ نماز کا ۳ صاع گندم یعنی دس سیر...... چھٹانک ہوا یعنی چار روپے بھر اوپر پونے گیارہ سیر۔ اور ہر ماہ کے کہ ۳۰ دن کا ہو، آٹھ من چار سیر ہوئے۔ اور حسب تصریح علماء عظام سال قمری کبھی تین سو پچپن دن سے زائد نہیں ہوتا۔ تو سال بھر کے پچانوے من چونتیس سیر ہوئے۔ پس اگر مدت بلوغ معلوم ہے تو ان سترہ سال ۲ ماہ ۴ دن سے اس قدر نکال کر باقی کا فدیہ سال ماہ یوم سے حساب کر کے ادا کریں۔ اور اگر معلوم نہیں تو اقل مدت بلوغ کہ مرد کے لئے ۱۲ برس ہے، نکال کر باقی ۵ سال ۲ ماہ ۴ دن کے چار سو چھیانوے من اکیس سیر تین چھٹانک، اور پانچواں حصہ چھٹانک کا کفارۂ نماز میں ادا کریں۔ خواہ بازار کے نرخ سے اس قدر کی قیمت دیں۔

رہے انتیس کفارے روزے کے کہ رمضان ۱۳۲۴ھ ۲۹ ہی دن کا ہوا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر ایسا مرض جس میں روزہ مضر تھا یا روزے کی طاقت نہ تھی، شروع ماہ مبارک سے آخر تک برابر مستمر رہا۔ اور شوال تک بھی کوئی دن ایسا نہ پایا جس میں روزے کا امکان ہوتا۔ جب تو ان روزوں کا فدیہ اصلاً لازم نہیں۔ اگر شروع رمضان سے ۶ رشوال تک کچھ دن ایسے پائے جس میں روزہ رکھنا مضر نہ ہوتا اور اس کی طاقت تھی، تو ایسے جتنے دن ہوئے، ان کا کفارہ وہی فی روزہ نیم صاع کے حساب سے یعنی چار روپے بھر اوپر پونے دو سیر کے ادا کریں۔ یہ سب فدیے کسی فقیر مصرف زکوٰۃ پر تصدق کریں۔

درمختار میں ہے: '' فان ماتوا فیہ ای فی ذلک العذر فلا تجب علیھم الوصیۃ بالفدیۃ لعدم ادراکھم عدۃ من ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکھم عدۃ من ایام اخر۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال دستیاب نہ شد)

الجواب

طریقش آن سنت کہ حساب کنند سالہای عمر میت را وادنیٰ مدت در مرد دوازدہ سال ودر زن نہ سال است، وضع کنند۔ باقی را مقابل ہر شش نماز واجب شبانہ روز کہ سہ صاع کامل گیرند و ماہہا کامل سی روز اعتبار کنند تا فدیہ نماز ہائے یکساں کہ سی وصد وشصت روز است، یکہزار وہشتاد صاع حاصل آید۔ مگر از آنجا کہ سال قمری بیش از سہ صد و پنجاہ و پنج یوم نمی شود، فدیہ سال کامل یک ہزار شصت و پنج صاع از گندم شد و پانزدہ صاع فدیہ رمضان افزائند، ہمگی فدیہ تمام سال یک ہزار وہشتاد صاع شود وزناں را اگر عادت حیض معلوم بود فبہا ورنہ از پیش بلوغ تا عمر پنجاہ سال یا بہر عمر کہ حیضش منقطع شدن معلوم باشد، بہر ماہ سہ روز کم کنند۔ ہمیں طریق سالہائے تمام عمر را حساب کنند۔ حاصل آنرا موافق قیمت آں وقت اگر ارزانی شود مبلغ تخص نمودہ والا پس ہر قدر کہ غلہ شدہ باشد بفقرا وہر کہ مصرف زکوٰۃ باشد، دہند۔ واما فی زماننا کہ رغبت عامہ کسان در امور شرعیہ فاتر ست یا بوجہ قلت استطاعت قدر مذکور ادا نتوانند کہ تیسرش آنست کہ قدرے گندم یا جو وغیرہا کہ میسر شود۔ منجملہ بایں نام بفقرا دہند واو قبول کردہ اینہا را باید۔ باز بہماں نام دہند وہمچنیں مکرر کنند تا آنکہ فدیہ نماز وروزہائے بتمام وکمال ادا شود۔

امام بزازی در فتاوی خود فرمایند: ''ان لم يكن له مال يستقرض نصف صاع ويعطيه المساكين ثم يتصدق به المسكين على الوارث ثم الوارث الى المسكين ثم وثم حتى يتم لكل صلوة نصف صاع كما ذكرنا'' هكذا فى البحر الرائق والخلاصة والهندية والطحطاوى على مراقى الفلاح وابى السعود على المسكين والملتقط والبرجندى والدر المختار وغيرهما من معتمدات الاسفار۔ والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب النکاح ۵

مسئلہ مرسلہ مولوی ظہور الحسن رامپوری مدرس مدرسہ محمدیہ راندیر ۲۵؍رجب ۱۳۲۴ھ

درنکاح ایجاب وقبول کہ رکن است اگر بجائے قبول الحمد للہ گفت وقبول کردم وغیر آن از الفاظ قبولیہ نگفت ۔دریں صورت نکاح نافذ خواہد شد یا نہ؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

نہ۔فی الهندية:" سئل نجم الدين عمن قال لامرءة خویشتن را بہزار درم کابین بمن بزنی دادی فقالت بالسمع والطاعة قال ينعقد النكاح۔ ولو قالت سپاس دارم لاينعقد۔ لان الاول اجابة والثانی وعد كذا فی المحيط۔" والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، بیتھو شریف ضلع گیا ۶؍صفر المظفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چوری سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ یعنی وکیل بالنکاح اور شاہدین جانتے ہوں یا ایک ایسا شخص اور سوائے ان تین کے جانتے ہوں اور بعد نکاح بھی اخفاء منظور ہو اور یہ مقصود ہے کہ حمل نہ رہے، جو افشائے نکاح ہو یا یہ بات کہ فلانہ عورت سے بذریعہ نکاح جو تعلق ہے، ظاہر نہ ہو۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

عورت جو چھپا کر نکاح کرنا چاہتی ہے، اگر نابالغہ ہے تو ظاہر کہ بغیر اولیاء کے نکاح نافذ نہیں۔

درمختار میں ہے:"وهو ای الولی شرط صحة نكاح صغير ومجنون ورقيق۔"

ردالمحتار میں ہے: "فلا يصح الا بولی۔"

اور اگر بالغہ ہے اور اس کے لئے کوئی ولی نہیں یا جس سے نکاح کرنا چاہتی ہے، وہ اس کا کفو ہے یعنی نسب یا مذہب یا چال چلن یا پیشہ یا کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اس عورت کا ہونا اس کے اولیا کے لئے باعث ننگ وعار ہو یا کفو بھی نہیں نہ تو اس عورت کے ولی کو اس کی اطلاع ہے اور وہ یہ جان کر کہ یہ شخص اس کے ساتھ اس نکاح پر راضی ہے تو ان دونوں صورتوں میں نکاح ہو جائے گا۔ جبکہ دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں ایجاب وقبول دونوں کو ایک جلسہ میں کرادیں اور اتنا سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ اس عورت نابالغہ کے اولیا موجود ہوں، جس سے نکاح کرتی ہے یہ کفو نہیں اور اولیاء کو خبر نہ کی گئی، یا وہ راضی نہیں یا راضی ہوئی لیکن انہیں کفو نہ ہونا معلوم نہیں، تو سرے سے نکاح ہوگا ہی نہیں۔ اور صورت اولیٰ جس سے نکاح ہو جائے گا، اس میں بھی ایسا اخفاء ناپسند وخلاف شرع ہے۔

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ''اعلنوھذاالنکاح واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔'' ''نکاح کا اعلان کرو، اسے (تبرکاً) مسجد میں کرو، اس پر دف بجاؤ''۔ رواہ الترمذی عن عائشۃ رضی اللہ عنھا والامام احمد فی مسندہ وابن حبان فی صحیحہ والطبرانی فی الکبیر وابو نعیم فی الحلیۃ والحاکم فی المستدرك عن ابن الزبیر رضی اللہ تعالی عنہ۔

حدیث شریف میں ہے: ''فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح۔'' ''زنا اور بیوی سے مجامعت میں فرق دف اور صوت ہے کہ زنا چپکے چپکے کیا جاتا ہے اور نکاح اعلان کے ساتھ''۔ رواہ احمد والترمذی والنسائ وابن ماجہ۔

شرعۃ الاسلام میں ہے: ''والسنۃ فی النکاح الاعلان ای الا ظھار لیقع الفصل بینہ وبین السفاح۔'' درصورت جواز نکاح یہ قصد کہ ولادت نہ ہو، مستلزم ہے عزل کو یعنی وقت جماع فرج سے باہر انزال۔ عورت اگر حرہ ہو (اور بیشک یہاں سب کی عورتیں ایسی ہیں) تو بے ان کے اذن جائز نہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: ''نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن الحرۃ الا باذنھا۔'' اور اگر وہ بھی راضی ہو تو ایک عبث فعل ہے۔

حضور اقدس ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: ''ما من کل الماء یکون الولد واذا اراد اللہ خلق شئ لم یمنعہ شئ۔''

بلکہ ناپسند اور مقصود شرع کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم یوم القیمۃ۔'' نکاح فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں کہ ظاہر نہ کیا جائے۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ''النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔'' نکاح میری سنت ہے، جو اس سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر کہنہ...... ۸ر جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو کے نکاح میں اپنی پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی اور ماموں زاد بھائی کی لڑکی آسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عمرو کے نکاح میں بے شک آسکتی ہے۔ قال اللہ تعالی: ''وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ (النساء: ۲۴) درست ہے نکاح کرنا سوائے ان محرمات منصوصہ کے سے'' واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از فرید پور، بریلی مرسلہ قاضی محمد صلاح الدین ۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمائند علمائے دین اندریں صورت کہ زید بحالت مجرد، ایک عورت مسماۃ ہندہ، بیوہ سے شادی کی اور ہندہ اپنے ساتھ ایک لڑکا عمرو لائی۔ عمرو کی وفات کے بعد عمرو کی بیوہ سے زید کی شادی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

بلاشبہ عمرو کی بیوہ بیوی کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ۔(النساء: ٢٤)" اور ان کے سوا جو رہیں، وہ تمہیں حلال ہیں۔" (کنز الایمان)

منحۃ الخالق میں ہے: "ولا تحرم بنت زوج الام وامہ ولا ام زوجة الاب ولا بنتها ولا ام زوجة الابن ولا بنتها ولا زوجته ولا زوجة الاب رملی۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح کیا۔ اس عورت کے ہمراہ ایک لڑکی سات برس کی تھی اور اس شخص کے ایک لڑکا تھا۔ پہلی بیوی سے دس برس کا، اب وہ لڑکی اور لڑکا دونوں جوان ہو گئے۔ اب وہ شخص اور وہ عورت باہم لڑکی اور لڑکے کا نکاح کرتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔ نکاح آپس میں درست ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ۔(النساء: ٢٤)" اور ان کے سوا جو رہیں، وہ تمہیں حلال ہیں۔" (کنز الایمان)

بحر الرائق میں ہے: "تحل اخت اخیه نسبا بان یکون له اخ من اب او اخ من امه فانه یجوز له التزوج بها هکذا فی شرح الکنز والتبیین والملا مسکین۔" واللہ تعالی اعلم وعلمه اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ از شہر.......۳۰ر ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی زوجہ نے انتقال کیا اور شخص مذکورہ کی خواہش یہ ہے کہ اپنی سگی بھتیجی بہو سے جو کہ بیوہ ہے عقد کرنا چاہتا ہے۔ از روئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

اگر کوئی وجہ حرمت رضاعت یا قرابت سے نہیں تو اس شخص کا نکاح اپنی بھتیجی بہو سے درست ہے قال اللہ تعالیٰ: "وَاُحِلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ(النساء: ٢٤) اور حلال کی گئی تمہارے لئے ماسوا محرمات منصوصہ کے۔ اور ظاہر ہے کہ محرمات منصوصہ سے بھتیجی بہو نہیں۔ والمسئلة لا تخفی علیٰ من له عقل سلیم وفوق کل ذی علم علیم واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب صحیح اور مجیب نجیح ہے واللہ اعلم فقیر الی القدیر وصی احمد قادری مدرس مدرسۃ الحدیث ،پیلی بھیت محلہ میر خان

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش محافظ دفتر سرائے خادم ۷ ربیع الثانی شاہجہاں پور ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک طوائف غیر مذہب نے اپنا نکاح مسلمان کے ساتھ بلا مسلمان ہوئے کیا۔ ایک ماہ تک اس کے مکان پر رہی اور کھانا پینا بھی شمول رہا۔ بعد ایک ماہ، زید کے یہاں سے نکل کر بکر کے ساتھ نکاح کرلیا۔ قبل نکاح ثانی کے اس کو کلمہ شریف پڑھایا گیا اور نماز بھی پڑھائی گئی۔ اسلام میں مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرع شریف میں وہ نکاح اول یعنی زید کے ساتھ اور نکاح ثانی یعنی بکر کے ساتھ ان دونوں میں کوئی نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی درست نہیں ہوا، تو اب شرع شریف کے نزدیک کس طرح پر درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

طوائف کا، اگر وہ کتابیہ تھی اور اس نے اپنا نکاح زید کے ساتھ قبل قبول مذہب اسلام کرلیا تو یہ نکاح صحیح ہوگیا۔ لعدم المانع۔ اس کے بلا طلاق وموت زید جو نکاح بکر سے کرلیا، یہ نکاح درست نہیں اور نہ ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ جل وعلا: "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ" (النساء: ٢٤) ''اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔'' (کنز الایمان)

جلالین میں ہے: ''وحرمت علیکم ای ذوات الازواج من النساء من قبل مفارقة ازواجهن "یعنی اور حرام کی گئیں تم پر شوہر دار عورتیں قبل مفارقت ازواج ان کے۔ اگر وہ عورت مشرکہ تھی تو بلا مسلمان ہوئے اس کا نکاح زید سے درست نہ ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَلَاتَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (البقرة: ٢٢١) اور نہ نکاح کرو مشرکات سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اس صورت میں بعد اسلام جو نکاح اس نے بکر سے کیا، وہ صحیح ہوا۔ لخلوها من الازواج و المسئلة مشهورة۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بحضور جناب زبدۃ العارفین وقدوۃ السالکین، خاتم المحدثین، وارث علوم سید المرسلین، اعلیٰ حضرت استاذنا ومرشدنا صاحب قبلہ ادام فیوضهم علینا وعلی سائر المسلمین آمین

پس از تقدیم آداب وقدم بوسی معروض خدمت بابرکت میں یہ ہے کہ بہت دن گذر گیا ہے کہ ایک خط مندرج ایک سوال کے ارسال خدمت کیا گیا تھا۔ مگر شومی بخت سے جواب نہیں دیا گیا۔ لہٰذا بار دیگر عرض کرتا ہوں۔

سوال: ایک شخص نے ایک آدمی کو اس وعدے سے کہ اپنی لڑکی کی شادی کردیں گے، اپنے گھر میں لایا اور کہا کہ تم میرے گھر داماد رہو! مگر میرے گھر کا کام کما حقہ انجام دینا ہوگا۔ دین مہر کذا وکذا پر جانبین سے قواعد قرار ٹھیک ہوئی۔ تم جو میرے گھر میں کام کروگے، اس سے مہر ادا کیا جائے گا۔ مگر یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ناکح پر بہت روپیہ قرض تھا۔ جب کہ اتنا روز گذرا، قرض خواہوں نے تقاضہ شروع کیا۔ اب دلہن کے باپ نے اپنی طرف سے اس کا قرض کچھ ادا کیا اور کچھ باقی رہا۔ پھر جب کچھ دن گذرے تو ناکح کہتا ہے کہ اب نکاح کرادو۔ دلہن کا باپ کہتا ہے، تم میرے یا

س آئے، اتنا اتنا قرض تھا تم پر، میں نے تمہارا قرض ادا کیا۔اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔تم کچھ روپیہ کہیں سے لاؤ تب شادی ہوجائے گی۔انہوں نے بہت تلاش کیا اور قرض چاہا مگر آگے کا مقروض تھا، کہیں سے کچھ نہیں پایا۔پھر دلہن کے باپ نے کہا کہ تھوڑا دن میرے پاس ٹھہرو، میرے پاس کچھ روپیہ ہوجائے، تب تمہاری شادی کرادیں گے، مگر وہ نہ مانا۔دوسرے ایک آدمی سے مل کر رات کو اس لڑکی کو چرا کر لے بھاگا اور مشورہ دینے والے کے گھر میں رکھا۔لے جانے کے بعد دلہن کے باپ نے اس کے پاس رورو کر کہا کہ مجھ کو شرم مت دینا، میرے گھر میں آؤ، میں بخوشی نکاح کرادوں گا۔جب دلہن نے یہ بات سنی تب یہاں سے دوسری جگہ لے جاکر دونوں چھپ رہے۔تو دلہن کے باپ نے پولس کو خبر کردی۔قریب دومہینہ بعد میاں بی بی دونوں پکڑے گئے۔حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہوا۔تو آکر فیصلہ یہ ہوا کہ لڑکی کو اپنے والدین کے حوالہ کیا جائے اور اس کو محبوس ڈیڑھ مہینہ کیا اور دولہا کے پاس نہ گھر رہنے کو نہ جگہ گھر باندھنے کو۔نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے اور نہ ایک کوڑی مول لینے کو ہے۔ایسا مفلس اور نادار شخص ہے۔ایسے آدمی کو ایک لڑکی کیوں کردی جائے، نہ ایک کپڑا دے سکتا ہے۔پس دلہن کے باپ نے دوسرے آدمی کو کہ اس کے پاس دوسوروپیہ موجود ہے، اس سے نکاح کرادیا۔تب ظاہر ہوئی یہ بات کہ جو چرا کر لے گیا تھا، اس وقت میاں جن نے نکاح پڑھوایا تھا مگر جس وقت کہ مقدمہ دائر تھا، اس وقت کسی نے یہ بات نہیں کہی اب جب کہ نکاح دوسرا ہوگیا۔جو لوگ شاہد اور وکیل تھے، کہتے ہیں کہ نکاح اس سے ہوگیا تھا مگر لڑکی سے قبل نکاح ثانی کے ہم دو تین آدمیوں نے بہت پوچھا اور بار بار استفسار کیا لیکن وہ برابر انکار ہی کرتی رہی کہ نکاح نہیں ہوا۔ ایک دفعہ ایک عورت سے اقرار کرتے سنا ہوں مگر اپنے کان سے نہیں سنا اور یہ بات پھر پوچھی گئی تھی۔مہر میں کچھ تعین کیا گیا تھا یا نہیں؟ کچھ کپڑا بھی نقد دیا تھا یا نہیں؟ برابر کہا کہ نہیں۔واقعہ بھی یہی تھا کہ اس نے کچھ نہیں دیا۔حاکم برہما تھا۔لڑکی چودہ برس سن کی تھی۔برہما قانون میں نابالغ ٹھہرایا، نابالغ اپنے اختیار سے نکاح نہیں کرسکتی ہے۔ مگر از روئے شرع محمدی، موافق مذہب حنفی کے لڑکی بالغہ ہے۔خوب ظاہر، اس میں کچھ شک نہیں۔اب لڑکی کے والدین کہتے ہیں کہ اگر اس سے نکاح ہوگیا ہو، تاہم اس کو لڑکی نہیں دیں گے۔چونکہ اس کو نہ گھر ہے، نہ جگہ گھر باندھنے کی ہے اور نہ روزی ایک روز کی موجود ہے۔اور نہ وہ ایک کپڑا دے سکتا ہے، ایسے آدمی کو لڑکی کیسے دی جائیگی؟ بالفرض اگر دی بھی جائے تو وہ کیا کھلائے گا اور کہاں رکھے گا؟ اس سے اگر نکاح ہوا ہے تو فسخ کردوں گا، چونکہ وہ میرا کفو نہیں ہوسکتا ہے۔اب یہ مسئلہ میرے پاس آیا ہے۔مگر میں کیا جواب دوں، ساکت ہوں، کچھ جواب نہیں نکلتا ہے۔اب آنحضور خوب تحقیق کرکے، عبارت کتب تحریر فرماکر بندہ کے پاس ارسال فرمائیں۔ اگر صورت فسخ ہو تو صحیح اگر نہ ہو تو صحیح۔

جواب مرسلہ مولوی واعظ الدین بنگالی پنجم محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

مولانا المکرم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اس شخص کی حالت جو لڑکی کو لے گیا تھا اور دعوی نکاح کرتا ہے، جس طرح کہ سوال میں مرقوم ہے، بہت قرض دار ہے، نہ گھر رہنے کا، نہ چاول کھانے کا، نان نفقہ، خور و نوش سے عاجز ہے۔نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے، نہ کوڑی مول لینے کو، نہ ایک جوڑا کپڑا دے سکتا ہے، نہ مہر معجل و نہ مہر موجل ادا

کر سکتا ہے۔تو فی الواقع اس لڑکی کا قصور نہیں، کہ کفائت میں معتبر کفائت فی المال بھی ہے۔یعنی وہ ایسا ہو کہ مہر ونفقہ دے سکے۔عالمگیری میں ہے:"وھو ان یکون مالکا لمھر والنفقۃ وھی المعتبر فی ظاھر الروایۃ حتی ان من لایملکھا او لا یملك احدھا حتی لا یکون کفاءً کذا فی الھدایہ۔"

پس جب کہ وہ اس کا کفو نہیں۔تو اگر لڑکی چودہ سال کی بالغہ ہے، قطع نظر اس سے کہ عورت نکاح کا انکار کرتی ہے۔چونکہ ولی سے اجازت نہ ملی، بغیر اس کی رضا کے نکاح کر لیا بطور خود تو موافق مذہب مفتیٰ بہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں محض باطل ہے۔اور موافق ظاہر الروایۃ کے اگرچہ صحیح ہے، مگر ولی کو حق فسخ حاصل ہے۔حاکم سے کہہ کر تفریق کرا سکتا ہے۔

"امرءۃ زوجت نفسھا من غیر کفو صح النکاح فی ظاھر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقدو بہ اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحیط۔"

تبیین میں ہے:"من نکحت غیر کفو فوق الولی لما ذکرنا والنکاح ینعقد صحیحاً فی ظاھر الروایۃ۔"

حاشیہ علامہ شلبی میں ہے:"اما علی الروایۃ المختارۃ للفتوی لایصح العقد اصلاً اذا کانت زوجت نفسھا منھا۔"

درمختار میں ہے:"ویفتی فی غیر الکفء بعدم جوازہ اصلاًوھو المختار للفتوی لفساد الزمان" (الدر المختار، باب الولی:۳/۵٦)

عقود دریہ میں ہے:سئل فی امرءۃ یرید الزوج بلا رضا ابیھا وھو غیر کفو کیف احکم فی ذلك ؟ الجوب:اذا نکحت بلا رضاء ابیھا فرق القاضی بینھما بطلب الولی وھذا ظاھر الروایۃ عن ائمتناولکن المروی عن الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما بطلان النکاح من غیر کفؤ وبہ اخذ کثیر من مشائخنا قال شمس الائمۃ وھذا اقرب الیٰ الاحتیاط والاحوط سدّ باب التزوج عن غیر کفوء۔قال الامام فخر الدین الفتویٰ علیٰ قول حسن فی زماننا۔ فی البحر المفتیٰ بہ روایۃ الحسن عن الامام ابی حنیفۃ من عدم انعقادہ اصلاًاذا کان لھا ولی ولم یرض قیل فلا یفید الرضاء بعدہ اہ مختصرا۔"

مفتیٰ بہ روایت حسن کی امام صاحب سے ہے کہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، کہ عالمگیریہ اور درمختار میں اور صاحب ہدایہ اور خلاصہ اور قاضی خاں میں "مختار للفتویٰ" اور علامہ شلبی نے "الروایۃ المختارۃ للفتویٰ" ایضاح میں "وعلیہ الفتوی" فرمایا۔ھکذا فی فتح اللہ المعین وتبیین وبزازیہ وخزانۃ المفتیین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلاشبہ جواب صواب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔فقیر سراپا تقصیر وصی احمد حنفی سنی قادری مدرس مدرسہ الحدیث واقع پیلی بھیت محل منیر جان۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی عبد الرؤف از ملک بنگال شو بہ پور ضلع نواکھی ۲۴ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

ماقولکم ایھا العلماء، وارث الانبیاء رحمنا اللہ ببرکاتکم اندریں مسئلہ کہ زید، زوجہ خود را سہ طلاق داد۔ بعد ازاں برائے آوردن در نکاح خود عمرو را بران کلام مقرر و معین نمودہ کہ تو زوجہ مطلقہ مرا بعد از انقضائے عدت بنکاح آوردہ بعد از دو یک شب زن مذکورہ را سہ طلاق بدہ۔ عمرو برآں قول مقرر گشتہ، آں زن را بنکاح آوردہ بحسب قرار آں زن را سہ طلاق بداد۔ آں نکاح صحیح است یا نہ؟ و برائے زوج اول حلال است یا نہ؟ اگر علماء عوام الناس را بران فعل ترغیب بدہند مجرم خواہند شد یا نہ؟ و مصداق قول رسول اللہ ﷺ لعنة الله على المحلل والمحلل له براوشاں صادق آید یا نہ؟ بادلہ شرعیہ قویہ بمطابق مذہب حنفیہ بیان فرمائید و عند اللہ اجرتش بگیرند۔

الجواب

اللہم ارنا الحق حقا والباطل باطلاً سبحنك لاعلم لنا الا ما علّمتنا نکاح عمرو با زوجہ زید منکوحہ بنکاح صحیح بشرط تحلیل مثل آنکہ گوید، تزوجت على ان احللك نزد فقیہ اقدم، امام اعظم، سراج الملۃ والدین والائمۃ ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکروہ است، وممنوع وگناہ است۔ وہمیں مذہب اہل علم از اصحاب کبار عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان بن عفان وعبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم واز تابعین احبار امام سفیان ثوری وابن مبارک است وامام شافعی، واحمد ہم قائلش شدہ اند۔

در ہدایہ است: ''واذا تزوجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه۔'' اگر ازاں مطلق بشرط تحلیل نکاح کرد، نکاحش مکروہ است۔ هكذا فى التبيين والبحر وشرح الوقايه وفتح الله المعين قال فى الدر المختار وكره التزوج للثانى (تحريما) درردالمحتار تحت قولہ وكره التزوج للثانى است: كذا فى البحر یعنی در بحر ہم کراہیتش مرقوم است۔ لکن اگر تحلیل آں زن برزوج اول عند العقد محض منوی ومضمر داشت۔ كما هو المستفاد من ظاهر السوال وشرط درعقد نکرد، مستحق لعن نخواہد شد۔

فى العنايه، لو اضمر ذلك فى قلبه لم يتحقق اللعن، ورنہ مکروہ است بلکہ آں مرد ان شاء اللہ تعالیٰ ماجور خواہد شد۔ كما فى البحر والتبيين درقہستانی از مضمرات ست (کہ آنرا علامہ ابن عابدین شامی شارح در مختار تحت قولہ لایکرہ کردہ بل يحل فى قولهم جميعاً بلکہ بالاتفاق حلال است مرا اورا۔ باز نکاح بشرط تحلیل اگرچہ گناہ است، فاما در حصول تحلیل آں مر زوج اول را نہ اشتباہ است چوں عمرو بالغ یا مراہق کہ مثلش جماع می تواند کرد، آں را بعد وطی طلاق داد۔ بعد انقضائے عدت برزوج اول بلاشبہ حلال است، ہے۔ لوجود الدخول فى النكاح الصحيح۔ در ہدایہ است: فان طلقها بعد وطيها حلت للاول پس اگر آں مرد، آں زن را بعد وطی طلاق داد، برزوج اول حلال است۔ فى الدرالمختار: ''كره بشرط التحليل وان حلت للاول لصحة النكاح وبطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق كما حققه الكمال۔''

"نکاح بشرط تحلیل مکروہ است اگر چہ آن زن برائے شوی حلال شد بسبب صحت نکاح و بطلان این شرط۔ پس زوج ثانی اگر چہ بشرط طلاق در عقد آوردہ باشد بر طلاق جبر نکردہ شدہ۔ چنانچہ امام کمال ابن ہمام تحقیق فرمودہ است۔"
وعلمائے کہ بر تزویج بشرط تحلیل ترغیب دہند، لا جرم بمضمون الدال علی الشی کفاعلہ اثم ومصداق حدیث لعن رسول الله ﷺ الحدیث خواہند شد، احتراز باید کرد واز شان علماء پس بعید است کہ نکاح برائے اجتماع زوجین کردہ می شود، برائے تفریق را ترغیب دہند نسأل الله العفو والعافیة۔ والله تعالی اعلم

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کا نکاح اس کا باپ کرسکتا ہے یا نہیں اور ماں کو منع کرنے کا حق ہے یا نہیں اور ولی کون کون ہیں؟

الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔ کنز الدقائق میں ہے: "وللولی انکاح الصغیر والصغیرة۔" "یعنی جائز ہے نکاح کردینا ولی کو صغیر اور صغیرہ کا"۔ اور عصبہ بہ ترتیب ارث ہے۔ یہاں تک کہ اقرب کے ہوتے ابعد محجوب ہے۔
ہدایہ میں ہے: "والترتیب فی العصبات فی ولایة النکاح کالترتیب فی الارث والابعد محجوب بالاقرب۔"
پس جب کہ باپ نکاح کرنا چاہتا ہے ماں منع نہیں کرسکتی اور باپ کا نکاح کردینا جائز ہے۔ والله اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ اگر ولی غیر جابر دخترک نابالغہ را بنکاح زید داد۔ بعد از بلوغ آں دخترک بروفق شرع بر فسخ نکاح قادر است یا نہ؟ نیز بر تقدیر اول نزد محمد و ابوحنیفہ بعض از شرائط فسخ نکاح قضائے قاضی پست۔ لہذا معترض گوید کہ دریں دیار بوجہ عدم قاضی نہ دخترک پس از بلوغ بر فسخ نکاح قادر نیست۔ بدلیل عقلی ونقلی ایں اعتراض درست شود یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زبانی سائل معلوم شد کہ نکاح ہذا بموجودگی اب نمودہ و پدرش بمجلس نکاح حاضر نبود و بعد استماع خبر جلسۂ اولی سکوت کردہ بجلسۂ ثانیہ او کرد و براں راضی شد۔ پس بر تقدیر صدق مستفتی نکاح مذکور باطل محض است۔ اصلا روئے صحت ندارد۔ وفی الدر: "فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ اہ الی ان اجاز جاز والا فلا واذا لم یجز لم یجز۔" یعنی اگر ولی ابعد وقت موجودگی ولی اقرب نکاح کرد۔ بر اجازت موقوف خواہد ماند۔ پس اگر اجازت داد نکاح صحیح و درست شد و گر رد کرد باطل است۔ پس چوں اجازت نہ داد و رد کرد، ناجائز باطل است۔ وسکوتش

یہ مجلس اول ہم نیست کہ رضا صراحۃ ودلالۃً مثل قبض مہر یا فرستادن دختر خود راز دو لی وغیر ذلک درکار است۔

قال العلامة الشامی فی حواشیه: "(قوله توقف علیٰ اجازته)تقدم ان البا لغة لوزوجت نفسها غیر کفو فللو لی الاعتراض مالم یرض صریحا او دلا لة لقبض المهر ونحوه فلم یجعلوا سکوتها اجازة والظا هر ان سکوته ههنا کذالك فلا یکون سکوته اجازة لنکاح الا بعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد ومالم یرض صریحا او دلا لة تامل۔"

واما جواب ایں آمد کہ صورت فسخ بودی چگونہ کردہ شدی پس از آنجا کہ درعامۂ بلاد ہند بوجہ سلطنت مسلمانان، قاضی شرع مفقود وحکم عنقاء دارد، چارہ کار ایں بود کہ زوجہ معاملہ مذکورہ راپیش حکم برد کہ او بعد ثبوت بموجبہ شوہر تفریق کند۔ فان الحکم کالقاضی کل مالیس بحد ولا قود ولا دیة کما نص علیه فی عامة الکتب للمذهب۔

مگر تحکم بلا رضائے فریقین نتواں شد۔ اگر زوج تن برضا ندہد، حکم حکم مقبول نیفتد ودر زمان فقدان سلطان اسلام، قضاۃ ہر کہ از علمائے سنت اعلم وافقہ واہل باشد، دریں چنیں امور قائم مقام اومی باشد۔ می رسید کہ پیش آں عالم رفتی واز کار خود سخن گفت وعالم بعد ثبوت مواجہت شوہر تفریق فرمودے۔ فاما ایں معاملہ دریں دیار پیش نمی رود۔ اگر بعد تفریق عالم زن تحکم شوہر نمی گرفتہ خود درہر نی دیگر دہد۔ شوہر بہ کچہری ہاناشی می تواں شد۔ پس اولیٰ آنکہ بریا۔ ستہ اسلامیہ نزد قاضی وے کہ مجاز عام من جانب نواب باشد، تفریق خواہد۔ بتفریقش نکاح فسخ خواہد شد۔ اینجا دقت ہمیں است کہ تقاضہ محل الغائب روانیست وریاست رابر شہر کہ سائن قلم بردار نیست ولایت کراخواہد داد۔ فامابسبب معاہدہ کہ میاں رئیسان وانگریزاں است، آناں بالجبر بذریعہ کلکٹر ایں ظلمت می تواند کرد وگواہیم نتوانند پیش اعلم بلد معاملہ بپایاں رسانند تا عند اللہ تفریق حاصل نشود تا آنکہ آں زن گوید کہ تفریق یافتہ ام بلکہ از سر مقدمہ پیش کند کچہری ہانبہ...... شرع اند۔ چوں ثابت شود کہ ولی ابعد بے اجازت اقرب تزویج کرد واقرب رد نمود، حکم بروخواہند داد وایں حکم مطابق آں حکم خواہد شد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اصاب المجیب جزاہ القریب جز الا یثیب عبدہ المذنب احمد رضا خاں القادری۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بلا رضامندی اس کے اور بلا قبول اس کے، زید سے کر دیا۔ اور حیلہ سے زید کے مکان پر بھائی لے گیا اور جس وقت نکاح کی خبر ہندہ نے سنی فوراً وہاں سے چلی آئی۔ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں حسب بیان سائل معلوم ہوا کہ ہندہ بالغہ ہے۔ لہٰذا بغیر رضا اس کے اور بلا اجازت اس کی ہرگز درست نہیں۔ یہ نکاح نہیں ہوا۔ ولایت جز نابالغہ پر کسی کو حاصل نہیں واللہ اعلم۔ محمد یسین

بیشک نکاح نہیں ہوا کیونکہ عورت نابالغہ کا نکاح بدون اس کے اذن کوئی بھی نہیں کرا سکتا۔ قال النبی ﷺ: "لا

تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن۔" الحدیث متفق علیه ۔ وعن حسناء بنت خدام ان اباها زوجها وھی ثیب (ای بالغة)فکرهت ذالك فاتت رسو ل ﷺ فرد نکاحها رواه البخاری ۔

حرره العبد الضعیف محمود غفرله

یہ جواب غلط ہے۔سوال میں صرف اتنا ہے کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بغیر اس سے اجازت لئے زید سے کرادیا۔ جب ہندہ کو خبر ہوئی، فوراً چلی آئی۔اس پر یہ کہنا کہ ہرگز نکاح درست نہیں اور بیشک یہ نکاح نہ ہوا، محض غلط ہے۔نکاح ضرور درست ہے اور ضرور ہوگیا۔اجازت نہ لینے سے اس قدر ہوا کہ نکاح فضولی قرار پایا۔پھر نکاح فضولی صرف درست نہیں بلکہ صحیح ومنعقد ہے۔ہاں اس کا نفاذ اجازت پر موقوف رہتا ہے۔اگر اجازت دیدے نافذ ہے، چاہے رد کرے تو باطل ہے۔پر یہاں کوئی کلمہ بھی مذکور نہیں۔صرف اتنا ہے کہ وہ سن کر فوراً چلی آئی۔چلا آنا ممکن ہے کہ بر بنائے عدم رضا ہو یا بر بنائے شرم وحیا ہو، محتمل بات سے خواہی نخواہی رد قرار دینا محض جہالت ہے۔اس کا جواب مستند یہ ہے کہ نکاح صحیح سمجھا جائے گا اور ہوگیا۔اور اس کا نفاذ اجازت ہندہ پر موقوف ہے۔واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ کو نابالغہ میں شادی کیا اور ہندہ کے والدین نہیں تھے۔نانا نانی نے پرورش کیا اور ان کو ولی مان شادی دلایا۔اور ہندہ کا اس وقت سے لے کر وقت شادی تک کوئی واسطہ نہیں رہا۔اور ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمد ورفت کا سلسلہ جاری رکھا۔تقریباً شادی کو ڈیڑھ سال ہو رہا ہے.........ہوئی ہے اور اس کے نانا نے ان کو آنے سے باز رکھا ہے.........وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی بن کر شادی دلایا۔لہٰذا نکاح منسوخ ہے۔آپ سے درخواست ہے کہ یہ بتائیں کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ سوال کا جواب مفصل دیں۔ (نام ندارد)

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کی شادی کو ڈیڑھ سال ہوئے۔شادی کے چھ ماہ بعد وہ بالغہ ہوئی اور شادی کے دن سے اس وقت تک شوہر سے راضی اور اس نکاح سے خوش ہے۔اور سوال میں یہی ہے کہ ''ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمد ورفت کا سلسلہ جاری رکھا''۔اس لئے یہ نکاح کہ ولی بعید نے پڑھایا اور ہندہ نے بعد بلوغ پسند کیا، انکار نہ کیا، جائز وثابت ہے۔

ہدایہ میں ہے:''وان زوجهما غیر الاب والجد فلکل منهما الخیار اذا بلغ ،ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ۔"

ہندہ کے نانا کا اس کو شوہر کے پاس آنے سے روکنا سخت گناہ اور "یُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ "(البقرة:۲:۱۰۲) میں داخل ہے۔اور یہ بے معنی دلیل پیش کرنا کہ ''وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی

بن کر شادی دلایالہذا نکاح منسوخ ہے'' عجیب بے عقلی اور گناہ کا اعادہ کرنا ہے۔ اگر چچا کی موجودگی میں نانا کے نکاح پڑھانے سے نکاح نہیں ہوتا تو کیا اس نے اپنی نواسی کو زنا کرانے کے لئے زید کے حوالہ کیا تھا۔ اس کے نانا کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور میاں بیوی میں تفرقہ کا باعث اور اپنے کو مورد طعن نہ بنائے۔ واللہ تعالی اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ

صدر مدرس جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار۔ ۱۱/ ذی یقعدہ بروز یکشنبہ ۱۳۵۱ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فضولی نے ہندہ بالغہ، باکرہ کا نکاح خالد سے بلاتعین دوگواہ باجازت باپ ہندہ کے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم سے قریب ہے) ایک جماعت عام میں کردیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل نکاح اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ مگر ہندہ کو قبل سے خبر تھی کہ آج خالد سے میرا نکاح ہے اور جب دوسرے اجنبی لوگوں نے نکاح کی خبر ہندہ کو دی تو ہندہ چپ رہی اور انکار نہیں کیا اور خلوت صحیحہ بھی ہوگئی۔ ایسی صورت میں نکاح ہوگیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

الجواب واللہ الموفق للصواب۔

الجواب: اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے۔ لہذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرالیا جائے ورنہ ابدالآباد زنا ہوتا رہے گا اور اولاد ولد الحرام قرار پائے گی جیسا کہ ہدایہ میں ہے:

''واذا استاذنها الولی فسکتت او ضحکت فهو اذن بقوله ﷺ البکر تستامر فی نفسها فان سکتت فقد رضیت اه قال وان فعل هذا غیر الولی لم یکن رضاء حتی تتکلم به لان هذا لسکوت نقلة الالتفات الیٰ کلامه فلم یقع دلالة علیٰ الرضا ولو وقع فهو محتمل والاکتفاء بمثله للحاجة والحاجة فی حق غیر الاولیاء بخلاف اذا ما کان المستامر رسول الولی لانه قائم مقامه انتهی۔''

اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور رضامندی کے لئے صراحت کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تکمیل ضروری ہے اور بلا تصریح کے محض وطی ہوجانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں واللہ اعلم۔ اور جب کہ نکاح ہذا مجمع عام میں ہوا ہے، دوگواہوں کے تعین نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جبکہ نکاح ہذا موقوف ہے تو صرف تصریح اذن سے نافذ ہوجائے گا، دوبارہ نکاح پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق ہی نہ رہا واللہ اعلم بالصواب۔

نمقه المسکین ابو المظفر محمد سعید الدین عفی عنه المدرس الاول فی المدرسة العزیزیه

بین السوال والجوب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔ سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ شخص ہے جو مامور بانشائے عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت ''اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا'' جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے، جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بناء پر انشاء عقد ہوا؟ اگر یہی صورت ہے تو فضولی نہیں ٹھہرتا بلکہ مامور منجانب اب ہوا۔ فانّی یصح ھذا الجواب یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے بعد از انشاء عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی، اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحبِ ہدایہ صحیح ہوسکتا ہے لیکن محل نظر ضرور ہے۔ فقط کتبہ علی نعمت الظواری رحمت زید باری

(سوال مطول و مفصل)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ کی منسوب خالد سے ایک سال سے تھی۔ اور ہندہ اور ہندہ کے باپ وغیرہ کو معلوم تھا کہ آج ہندہ کا نکاح ہے۔ لیکن ہندہ کا باپ چار کوس پر تھا۔ ہندہ کے باپ نے اکبر کے نام سے خط لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں۔ پیادہ روی سے مجبور ہوں، سواری ملتی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تاریخ بڑھادی جاتی تاکہ میری بھی شرکت ہوتی۔ مگر جب کہ عورتوں نے تاریخ مقرر کرلی ہے تو انجام ہی ہونا ضرور ہے۔ زید وہاں موجود ہے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کردے۔ لڑکی میری دانستہ بالغہ ہے، اس کی بھی اجازت لے لے اور احمد آرندہ خط کو زبانی ہدایت بھی ایسی کردی۔ زید ہندہ کے باپ کا حرف پہچانتا تھا بلا اجازت اکبر خط پڑھ کر احمد آرندہ خط کا زبانی بیان سن کر بلا لیئے ثبوت شہادت، زید نے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم کے قریب ہے) ایک مجمع عام میں بلا نامزد کرنے دو گواہ کے، ہندہ کا نکاح خالد سے کردیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے قبل نکاح اجازت نہیں لی تھی اور نہ بعد نکاح خود زید یا کسی دوسرے شخص خاص نے ہندہ کو نکاح کی خبر دی۔ مگر جب نکاح ہوگیا تو گھر باہر شور غل مچ گیا کہ نکاح ہوگیا، نکاح ہوگیا۔ جس وقت تواتر سے نکاح کی خبر ہندہ کے گھر پہونچی (ہندہ بھیڑ میں تھی) صریح لفظوں میں اقرار یا انکار نہ کیا اور خلوت صحیحہ بھی ہوگئی۔ ہندہ خالد سے راضی ہے اور ہندہ کے باپ کو بھی کوئی کلام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نکاح صحیح ونافذ ہوگیا یا تجدید نکاح وتصریح اذن ہندہ کی ضرورت ہے اور بالفرض اسی صورت میں اگر ہندہ کے باپ کا خط نہیں آتا اور زبانی ہدایت بھی نہیں ہوتی تو کیا جواب ہوگا؟

(انتباہ) مانحن فیہ، میں امورات خمسہ مفصلہ ذیل پر ضرور دلیل شافی ہونی چاہئے:

(۱) اجازت بالکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس صورت میں زید وکیل منجانب پدر ہندہ قرار پائے گا یا نہیں؟ خانیہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ اگر ولی نے بلا اجازت اپنی لڑکی بالغہ کا نکاح پڑھادیا تو یہ نکاح لڑکی کی رضا پر موقوف ہے۔ اگر بالغہ ہے تو سکوت بھی رضا ہوگا جیسا کہ عندالاستیذان سکوت رضا پر محمول ہے۔ پس اگر زید وکیل پدر ہندہ قرار پاتا ہے تو اس کے نکاح پڑھادینے پر سکوت، رضا پر محمول ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بالفرض زید وکیل نہیں بلکہ فضولی قرار دیا

جائے تو بغیر تصریح اذن ہندہ، یہ نکاح نافذ ہوگا یا نہیں؟ اور اجازت فعلی (اعنی خلوت صحیحہ) مثل اجازت قولی (اعنی اقرار باللسان) کے متغیر ہوگی یا نہیں؟

(۲) انعقاد نکاح کے وقت نامزد کرنا دو گواہوں کا (جیسا کہ فی زماننا ہذا مروج ہے) بھی ضرور ہے یا صرف موجود رہنا کافی رہے گا؟

(۳) بعد نکاح منکوحہ کے پاس روبرو شخص خاص (جیسا کہ فی زماننا ہذا رائج ہے) کو جا کر نکاح کی اطلاع کرنا بھی ضرور ہے یا کسی طرح (جیسا کہ ماتحن فیہ میں ہوا ہے) سے اطلاع ہو جانا کافی ہوگا؟

(۴) استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے:''واذا استاذ نها الولى فسكتت او ضحكت فهو اذن وان فعل هذا غير الولى لم يكن رضا حتى يتكلم به۔'' اور ''ممانحن فیہ'' میں یہ نکاح بوجہ ترک استیذان ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے:''وتزويج العبد والامة بغير اذن مولاهما موقوف فان اجاز الولى جاز وان رده بطل وكذالك لوزوج رجل امرءة بغير رضاها او رجلا بغير رضاه''۔

پس استیذان اور اجازت شرعاً دو شئی ہے یا شئی واحد؟ اگر دو شئی ہے تو جس طرح استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے، اسی طرح اجازت میں بھی تکلم باللسان شرط ہے یا نہیں؟ اور ہر واحد کی بقول مفتیٰ بہ اجمالا یا جداگانہ کیا تعریف ہے؟

(۵) مجرد سکوت دلیل اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر بالفرض مجرد سکوت دلیل اجازت نہیں ہے تو خلوت صحیحہ دلیل اجازت ہوگی یا نہیں؟ بنقل عبارات فقہیہ معتبرہ علمائے احناف جواب ہونا چاہئے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں نکاح مذکور صحیح و نافذ ہوا۔ اب نہ تصریح اذن ہندہ کی ضرورت نہ تجدید نکاح کی حاجت۔ بلکہ بالفرض اگر ہندہ کے باپ کا خط بھی نہ آتا اور زبانی ہدایت بھی نہ ہوتی، جب بھی نکاح نافذ ہی ہوتا۔ اس لئے کہ یہاں یا تو زید بوجہ توکیل اب ہندہ بمنزلہ اب ہے کہ القلم احد اللسانين والكتاب كالخطاب۔ یا اتنا بھی نہیں بلکہ ایک اجنبی وفضولی گرچہ بالغہ کے نکاح میں باپ بھی حکماً فضولی ہے اور امر خود عورت ہی کی طرف عاید۔ اسی کی اجازت سے جائز، اس کے رد سے رد ہے۔

فتاوی امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے:''لان رجلاً زوج ابنته البالغة من رجل غائب وقبل عن الزوج فضولى فمات ابو المرءة قبل اجازة الغائب لايبطل نكاح الاب بموته لان الاب لو اراد فسخ النكاح لايملك فى قول ابى يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى لانه فضولى فلا يبطل النكاح۔''

صورت اولیٰ میں جب کہ بحکم فعل الوكيل فعل المؤكل زید کا نکاح جو مجمع عام میں اگر چہ بے تعیین شاہدین ہوا (اس لئے کہ نکاح کے لئے حضور و سماع و فہم شاہدین شرط ہے نہ کہ مجمع حاضر سے خاص دو کی تعیین) ہندہ کے باپ کا کیا

ہوا نکاح قرار دیا جائے۔ کما سیاتی نصہ جب تو اس کی خبر پا کر ہندہ بکر کا سکوت ہی اجازت کو بس ہے۔ اگر تمکین وخلوت صحیحہ نہ بھی ہوتی تو صرف سکوت ہی رضا سمجھا جاتا۔

خانیہ میں ہے: ''السکوت جعل رضافی مسائل معدودة منها بکر زوجها دلیلها فعلمت ذالك فسکتت کان سکوتها رضا۔''

اور صورت ثانیہ میں اگرچہ زید بمنزلہ اب ہندہ نہیں، نہ اس کا نکاح حکم نکاح اب ہندہ میں ہے۔ تو یہاں مجرد سکوت کافی نہ ہوتا۔ مگر جب بھی لااقل فضولی اجنبی تو ہے اور نکاح فضولی منعقد ہے۔ بالغہ کا نکاح کوئی راہ چلتا محض بلا اذن کردے تو اجازت بالغہ پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت ہے تو جائز، رد کردے تو رد ہو جائے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: ''لایجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبافان فعل ذلك فالنکاح موقوف علیٰ اجازتها فان اجازته جاز وان ردت بطل۔''

اب تنقیح طلب دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اجازت کے لئے صاف لفظوں میں ہی اقرار ضروری ہے یا اور بھی کسی طرح سے اجازت ہو سکتی ہے؟ تو ان صورتوں میں سے کوئی بات یہاں پائی گئی یا نہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ خاص الفاظ سے اجازت کی حاجت نہیں۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، فتاوی عالمگیریہ، تنویر الابصار، درمختار، میں ہے: والـلفظ للاول'' و کما یتحقق رضاها بالقول لقولها رضیت وقبلت او احسنت و اصبت وبارك الله لك ولنا ونحوه مایتحقق رضاها بالدلالة بطلب مهرها ونفقتها و تمکینها علیٰ الوطی وقبول التهنیة وضحك بالسرور من غیر استیذان۔''

شامی میں حلبی اور اسی میں خانیہ سے ہے: ''اجاب صاحب الهدایه فی امرءه زوجت نفسها بالف من رجل عند الشهود فلم یقل الزوج شیئًالکن اعطاها المهر فی المجلس ان یکون قبولا وانکر صاحب المحیط وقال لا مالم یقل بلسانه قبلت بخلاف البیع لانه ینعقدبالتعاطی والنکاح لخطرة لا حتی توقف علی الشهود بخلاف اجازة نکاح الفضولی بالفعل لاتحوز العقول ثمه۔''

ردالمحتار میں ہے: ''یعنی واشار ان الاجازة یثبت بالدلالة کمایثبت بالتصریح وبالضرورة۔''

عالمگیریہ میں بحرالرائق سے ہے: ''ویثبت الاجازة فی النکاح الفضولی بالقول والفعل۔'' اور ہم دیکھتے ہیں کہ خلوت برضا بھی اجازت ہے۔

فتاوی ظہیریہ، بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے: ''ولو خلا بها برضاها هل یکون اجازة لاروایة لهذه المسئلة وعنده ان هذا اجازة۔''

بزازیہ قبیل فصل عاشر میں ہے: ''ولو خلا بها برضاها فالظاهر انه اجازة۔'' اسی میں ہے: ''عندی

انہ اجازۃ و کذالخلوۃ فی النکاح الموقوف۔" پس جب خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے اور دلالت بھی رضا۔تو صورت مسئولہ میں اگر چہ عاقد نے خود جا کر اطلاع نہ کی، نہ شرعاً اسے یہ ضرور مگر جب ہندہ کو خبر پہونچی اور اس نے رد نہ کیا، یہاں تک کہ خلوت صحیحہ ہوئی تو اجازت فعلی پائی گئی، جو اقوی من القول ہے۔لا جرم نکاح نافذ ہو گیا۔اب تصریح اذن کی اصلا حاجت نہیں۔واستیذان غیر ولی میں خاص زبان سے کوئی لفظ کہنا شرط ہے، نہ اجازت نکاح غیر ولی میں بلکہ قولی و فعلی دونوں کافی ہیں۔ہاں سکوت محض قولاً و فعلاً، دلالۃً صراحۃً اجازتاً، اصلاً نہ ہو، استیذان یا تزویج غیر ولی کے لئے کافی نہیں۔اور یہی مطلب عبارت ہدایہ کا ہے، جس کی توضیح عنقریب آتی ہے۔یہ سب اس صورت میں ہے کہ سوال میں خلوت سے حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر وہ جماع سے کنایہ ہے یعنی صحبت برضا واقع ہوئی، جب تو فضولی اجازت میں اصلا کسی طرح کسی کو محل شبہ نہیں۔فان التمکین من الوطی اجازۃ بلا خلاف وقد نص علیہ فی غیر ما کتب۔

استیذان و اجازت میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔استیذان غالباً مزوج یا کسی بالائی شخص کا کام ہے۔اور اجازت بحال بلوغ و عقل و قرب خاص زوجین کا فعل کہ دوسرے سے ناممکن۔اذن و اجازت میں فرق ہے۔اگر چہ ایک دوسرے کی جگہ کلمات علما میں مستعمل۔قبل از نکاح اظہار رضا کو اذن کہتے ہیں اور بعد کو اجازت، قولی ہو یا فعلی۔

ردالمحتار میں ہے: "قلت یظھر مما ذکرنا الفرق بین الاذن و الاجازۃ ان الاذن مما سیقع و الاجازۃ مما وقع و یظھر منہ ایضا ان الاذن یکون بمعنی الاجازۃ اذا کان لامر وقع بالجملہ۔" صورت مسئولہ میں نکاح مذکور، بے شبہ صحیح و نافذ ہے۔نہ حاجت تجدید، نہ ضرورت تصریح اذن۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب جناب مولوی ابو المظفر محمد سعید الدین صاحب مدرس اول مدرسہ عزیزیہ قطعاً باطل ہے۔چند حروف مختصر اس کے متعلق حسب فرمائش گذارش کرتا ہوں۔

قولہ "اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے"

اقول نہیں ہر گز نہیں۔بنابر مذہب قوی نکاح فضولی میں خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے۔ملاحظہ ہو فصول عمادیہ عبارت بزازیہ سے ہے:" وکذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف اجازۃ۔"

پس جب خلوت صحیحہ ہوئی جو اجازت فعلی اولیٰ من القولی ہے، نکاح فائز ہو گیا پھر دوبارہ اجازت کی حاجت نہیں رہی۔

قولہ "لہٰذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرا لیا جائے۔" اقول صاف لفظوں میں اجازت تو اصلا کسی حالت میں لازم نہیں۔بلکہ قولا و فعلا ہر طرح مطلقا اجازت ہوتی ہے اور استیذان اور تزویج ولی اقرب میں محض سکوت بلا قول و فعل سے بھی۔اور عبارت ہدایہ سے شبہ کا حل اجمالاً گذرا اور تفصیلا عنقریب آتا ہے۔تو لہٰذا جس بنیاد پر لکھا گیا ہے، وہی غلط ہے۔لہٰذا یہ "لہٰذا" بھی فاسد و شطط ہے۔کوئی ضرورت نہیں کہ اب پھر صاف لفظوں میں ہندہ سے کہلوایا جائے۔

قولہ ''ورنہ ابدالآباد زنا ہوتا رہے گا اور اولا د ولد الحرام قرار پائے گی'' اقول یہ حکم علیل محض جبروتی و بے دلیل، بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ خادم فقہ و واقف رموز شرع پر پوشیدہ نہیں کہ اذن واجازت سے مقصود صرف اظہار رضا ہے نہ کہ خاص لفظ۔ قلت اور تمکین علی الوطی اول دلیل علی الرضا۔ کما صرح العلامہ الشامی قدس سرہ السامی تو ابدالآباد درکنار ایک دفعہ کی وطی بھی زنا نہ ٹھہرے گی، نہ زوجین کی اولاد کبھی حرامی قرار پائے گی۔ اور ابد الآباد عجب ارشاد۔ معدود برسوں سے زیادہ تو زوجین زندہ بھی نہ رہیں گے مگر ان کا زنا ابدالآباد جاری رہے گا۔ اور اگر اس سے وبال زنا مراد ہو، جب بھی غلط۔ زنا کفر نہیں، جس کی سزا دائم و نا منقطع ہو۔

قولہ ''جیسا کہ ہدایہ میں ہے:''واذا استاذنها الولی الیٰ قوله لانه قائم مقامه الخ''

اقول مولوی صاحب یہاں تک کہ جو لکھا محض اجتہاد تھا اور اپنے خیال پر احکام تھے۔ اب عوام کے نزدیک فتویٰ کی عزت اور اسے بھاری بھرکم بنانے کو عربی عبارت تحریر فرمائی۔ مگر اس سے تو نہ لکھنا ہی اچھا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ استیذان واجازت دونوں کا حکم ایک ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عبارت ہدایہ میں دوبارہ استیذان ولی وغیر ولی کا فرق بتایا ہے کہ ولی کے استیذان میں سکوت وضحک بھی اذن ہے۔ اور غیر ولی میں نہیں بلکہ تکلم درکار ہے۔ اور سوال میں صاف مذکور ہے کہ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ پھر صورت مسؤلہ سے اس عبارت کو کیا تعلق ہوا؟ اور اگر اذن واجازت دونوں کا ایک ہی حکم ہے تو اس عبارت ہدایہ سے زیادہ کھلی ہوئی تصریح خانیہ میں ہے:''اما غیر الاب والجد لیس بولی فی النکاح من غیر کفو فلم یکن سکوتها رضا ولابد من التعلق۔''

مگر جواب اس کا اولاً یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اجنبی فضولی محض ہو اور وہ خود نکاح پڑھا دے۔ درمختار میں ہے:''بکر استاذنها غیر الاقرب کاجنبی۔''

شامی میں ہے:''قوله کاجنبی المراد به من لیس له ولایة فتمثل الاب اذا کان کافرا او عبدا او مکاتبا لکن رسول الولی قائم مقامه فیکون سکوتها رضا عند استیذانه کما فی الفتح والوکیل کذالك کما فی البحر عن القنیة'' اور یہاں پر زید وکیل اب ہندہ ہے تو حکم اب میں ہوا۔ پس خلوت اور تمکین تو در کنار نفس سکوت ہی رضا ہوگا۔ العبارۃ قد مضت ثانیاً۔ بالفرض زید حکم اب میں نہ لیا جائے اور اجنبی محض ہی قرار پائے، جب بھی صاف لفظوں میں کہنا کچھ ضروری نہیں، دلالت اذن بھی حکم نطق وتکلم میں ہے۔

درمختار میں ہے:'' فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة بسکوتها بل لابد من القول الثیب البالغة او ماهو فی معناه من فعل یدل علیٰ الرضا بطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطی ودخوله بها برضاها'' ظهیریه۔

شاید مولوی صاحب کو بعض رسمی کتابوں کے الفاظ ''حتی تتکلم بالقول کالثیب'' سے دھوکا ہوا، اس لئے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار لازم کیا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ سیاق کلام مظہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ غیر ولی کے

استیذان میں سکوت محض کافی نہیں۔ بلکہ دلالت واضحہ چاہئے۔ جس طرح بھی ہو۔ ممکن کہ سکوت، قلت التفات کی وجہ سے ہوتو رضا پر دال نہ ہوگا۔ اس لئے درمختار میں عبارت تنویر "فان استاذنها غير الاقرب فلا بل لابد من القول كالثيب" کے درمیان فلاں کے بعد بڑھایا "لاعبرة بسكوتها" ہدایہ میں "حتی لاتتكلم" کے بعد فرمایا: "لان هذا السكوت لقلة التفات الىٰ كلامه فلم يقع دلالة علىٰ الرضا۔" ظاہر ہوا کہ یہاں سکوت، عدم دلالت کی وجہ سے نا معتبر ہوا۔ تو جہاں دلالت ہو، اعتبار لازم ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ شریعت مطہرہ کا یہ قاعدہ نہیں کہ "بہ مرکن بگیر تا بہ تپ راضی شود" بلکہ چند چیزوں سے ممانعت مقصود ہوتی ہے یا چند طریقہ سے اجازت سمجھی جاتی ہے تو اس میں اسہل کو ذکر فرماتی ہے تا کہ اقوی و اشد کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جائے۔ ابوین کے بارے میں حکم ہوا "ولا تقل لهما اف" جس سے سب وشتم، ضرب وغیرہ سب سے ممانعت بدرجہ اولیٰ سمجھی گئی۔ یوں ہی تکلم باللسان، طلب مہر، طلب نفقہ، خلوت صحیحہ، تمکین علی الوطی میں سب سے آسان صرف زبانی اجازت تھی۔ شرح وقایہ، ہدایہ، خانیہ وغیرہا میں صرف قول ونطق وتکلم پر اکتفا کیا کہ ذی عقل سلیم سمجھ سکتا ہے کہ جب اجازت قولی سے نکاح موقوف، نافذ ہو جاتا ہے، اجازت فعلی سے کہ اس سے بدرجہا قوی ہے، بدرجہ اولیٰ نافذ ہوگا۔ اگر قدمائے حنفیین کے وہم وخیال میں بھی یہ بات آتی کہ آخر زمانہ میں بعض مدعیان علم ایسا خیال فرمائیں گے کہ ماں باپ کو اف کہنا تو بے شک گناہ ہے، مارنے، گالی دینے، تحقیر شان، سوءادب سے نہیں تو جس طرح متاخرین نے تصریح کر دی ہے، وہ بھی صاف فرما دیتے اور عبارت ہدایہ سے دھوکا نہ ہوتا۔

علامہ شامی تحت قول "لابل رضاهما يكون بالدلالة" لکھتے ہیں: "اشارة الى ماورد الزيلعي على الكنز وغيره من ان رضاهما لايقتصر علىٰ القول۔"

قولــــــه "اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور کیا رضامندی کے لئے صراحت کی ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تعمیل ضروری ہے"

اقول بے شک ضروری ہے اور ضرور ضروری ہے۔ مگر حکم شرع تو یہی ہے کہ اجازت صرف قول پر موقوف نہیں۔ جو فعل اجازت پر دلالت کرے، وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ بکر کے متعلق تصریحات گذر چکیں، ثیب اور صبی کے متعلق بھی ملاحظہ ہو۔

خانیہ پھر ردالمحتار میں ہے: "الولی اذا زوج الثیب فرضیت بقلبها تظهر الرضا بلسانها كان لها ان ترد لان المعتبر فيها الرضا باللسان اذالفعل الذى يدل علىٰ الرضا نحو التمكين علىٰ الوطى وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدية وكذا فى الغلام۔"

دیکھئے عدم اظہار رضا باللسان پر اختیار متفرع کیا ہے۔ جس سے آپ جیسا وہم ہوتا ہے کہ خاص الفاظ لازم ہیں اور وہیں اسی سطر، اسی حکم کی خاص تعلیل میں رضائے قولی وفعلی کی تعمیم فرما دی، جس سے ہر ذی فہم پر روشن ہو گیا کہ رضا باللسان

مارضا بالقول سے مطلق دلیل رضا مراد ہے۔قولی ہو یا فعلی۔ورنہ دلیل مناقض دعوی ہوگی۔
امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "انہ (ای التمکین) فوق القول ای لانہ اذا ثبت الرضا بالقول ثبت بالتمکین علی الوطی بالاولی لانہ دل علی الرضا۔" رد المحتار۔

قولہ "اور بلا تصریح کے محض وطی ہو جانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں۔"

اقول عبارات کتب سے تو کالشمس فی رابعۃ النہار معلوم ہو چکا ہے کہ اس صورت میں اجازت قولی ہی ضروری نہیں، اجازت فعلی بھی کافی ہے۔اور تنفیذ نکاح کے لئے مثل قولی ہے۔متعدد عبارتیں گزر چکیں۔علامہ زین بن نجیم کی تصریح سنئے۔
شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں:"ویثبت الاجازۃ لنکاح الفضولی بالقول والفعل۔"

قولہ "کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعا عذر نہیں۔"

بے شک جہل شرعیہ سے شرعا عذر نہیں اور یہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے۔اقول جب تو مدعیان علم وافتا نکاحی اولاد کو ولد الحرام بتاتے، بی بی سے صحبت کو ابدالآباد تک زنا فرماتے ہیں۔

اعاذنا اللہ منہ وسائر المسلمین بحرمۃ نبیہ الامین المکین ﷺ علیہ الی یوم الدین۔

غرض اس جواب کی غلطی میں کلام نہیں۔مگر تعجب تو جناب مولوی علی نعمت صاحب پر ہے کہ یہ کیا فتوی دیتے ہیں اور ان سے کیا غرض متعلق اور اصل مقصود سائل سے کیا تعلق۔

قولہ "بین السوال والجواب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے"۔

اقول یہ تشویش بیجا ہے۔بین السوال والجواب اصلا اضطراب نہیں۔مگر شاید آپ نے سرسری نظر سے دیکھا۔اگر بغور ملاحظہ فرماتے یا سائل سے دریافت فرمالیتے کہ باپ نے زید کو اکیس ہزار پر نکاح کی اجازت دی تھی یا اس نے بطور خود اکیس ہزار پر نکاح کر دیا، آپ کو یہ تشویش نہ ہوتی۔سوال میں اگر کوئی بات مجمل ہو اور مجیب دریافت کر کے بعد تعیین ایک شق پر جواب دے تو یہ بین السوال والجواب اضطراب نہیں کہلاتا، خصوصا جب کہ لفظوں میں اس کا صریح ظاہر احتمال موجود ہو۔

قولہ "سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ ہے جو مامور بانشاء عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت" اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا "جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے"۔

اقول یہ وہ اضطراب بین السوال والجواب ہے جس نے مولوی صاحب کے دل کو پریشان کر دیا کہ سوال میں زید کو فضولی لکھا ہے اور جواب میں باپ نے اجازت دیدی ہے، لکھا ہے۔افسوس کہ سائل کا بیان معترض صاحب کے کلام سے زاید روشن، علم سے قریب ہے۔جہاں وہ زید کو فضولی بتاتا ہے، ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتا ہے "باجازت باپ ہندہ بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ الخ"۔جس سے معلوم ہوا کہ نکاح بالغہ میں اجازت پدر کے بعد بھی وہ فضولی ہی جانتا ہے اور

بے شک ایسا ہی ہے کہ عاقلہ بالغہ میں باپ خود بھی فضولی ہے۔اب تو ارشاد ہو کہ جواب میں وہ عبارت مفید اطمینان ہے اور یہ سوال کے اندر داخل ہے، اس لئے بعوض مبلغ الخ میں جار مجرور متعلق اجازت ہے۔ چنانچہ مطول سوال میں اب ہندہ کے باپ کا مقولہ صاف مذکور ہے۔ زید وہاں موجود ہے، بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کردے۔فضولی کی یہ تعریف صحیح نہیں۔ آپ کی اسی غلطی نے آپ کو پریشان کیا۔اور بین السوال والجواب اضطراب کھلوایا ورنہ فضولی کی تعریف اگر پیش نظر ہوتی، تو اضطراب نہ سمجھا جاتا۔ بے شک زید فضولی ہے اور بے شبہ ہندہ کے باپ نے اسے اجازت دیدی ہے۔

قولہ ''کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بنا پر انشا ہوا۔'' اقول یہ وہی بات ہے جس کا جواب گذر چکا۔

قولہ ''اگر یہی صورت ہے تو زید فضولی نہیں ٹھہرتا۔''

اقول یہ مثل محل شقشقہ ہے۔یقینی یہی صورت ہے پھر بھی زید فضولی ہے۔اس لئے کہ توکیل ہندہ کی طرف سے ہوتی تو البتہ وکیل ہوتا ہے۔

قولہ'' فانی یصح هذا الجواب'' الیٰ قولہ ''یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے ازانشاعقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی۔''

اقول اس کا سوال اصلاً ذکر نہیں، نہ واقعہ کے مطابق۔عجب کہ وہ معنی کہ عبارت سوال سے پیدا ہوسکیں، نامقبول ٹھہرا کر اضطراب بین السوال والجواب میں مانا جائے اور جس معنی کی سوال میں بو بھی نہیں، وہ مطلب فرض کیا جائے۔

قولہ ''اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہوسکتا ہے''۔

اقول عبارت صاحب ہدایہ سے اگر مراد وہ عبارت ہے جو جواب میں منقول ہے تو اس کو اس سے کیا تعلق؟ اور اس کی رو سے یہ جواب کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ اور اگر دوسری عبارت جو اس مقام پر ہدایہ میں مذکور ہوئی وہ مراد ہے تو از روئے عبارت ہدایہ کی تحقیق کیا معنی؟ کیا از روئے دیگر کتب صحیح نہیں۔

قولہ ''لیکن محل نظر ضرور ہے۔''

اقول جب از روئے عبارت ہدایہ جواب صحیح ہوسکتا ہے تو پھر محل نظر کیوں ہے؟ اور یہ سب سہی مگر جواب مسئلہ جو سائل کا مقصود ہے کہ نکاح ہوگیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ کیا ہوا؟ اللهم اصلح امة محمد صلی الله تعالی علیه وسلم۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وافضل الصلوة علی سید المرسلین محمد وآله وصحبه اجمعین الیٰ یوم الدین فقط

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ ابوالحسن ...... ۱۱محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکیاں، قوم سید کا نکاح دو نابالغ لڑکوں قوم پٹھان کے ساتھ بولایت والدین فریقین ہوا۔لیکن چند ہی روز ہونے کے بعد لڑکیاں بحالت نابالغی ہی اپنے والدین کے گھر میں آگئیں۔تب سے اب تک چار سال ہوئے، وہ اپنے شوہروں کے گھر نہیں گئیں۔نہ ان کے شوہروں نے، نہ ان کے والدین نے ان منکوحہ لڑکیوں کو اپنے گھر بلایا۔اب لڑکیاں بالغ ہیں مگر بوجہ سادات اشرف النسب ہونے کے پٹھان شوہروں کے گھر جانے کو انکار کرتی ہیں۔پس ان صورتوں میں یہ بالغ لڑکیاں بوجہ غیر کفو ہونے کے اپنے نکاح فسخ کردینے کے مجاز ومختار نہیں ہیں یا ہیں؟ اور غیر کفو ہونے کی کیا تعریف ہے؟ نیز یہ کہ ان لڑکیوں کے آباؤ واجداد کا پٹھانوں کے ساتھ سابق کا کوئی رشتہ ان کے موجودرشتہ پر نظیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

غیر کفو کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشہ میں بہ نسبت خاندان دختر کے کوئی قصور وعیب ہو جس کے سبب اس کے خاندان کو عار لاحق ہو یا ایسا محتاج ہو کہ اگر کچھ مہر معجّل یا بعض معجّل ٹھہرا ہو تو فی الحال اس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا لڑکی قابل جماع ہو تو نفقہ نہ دے سکے۔پس اگر صغیرہ ہو کہ مرد کی طاقت نہیں رکھتی ہے تو نفقہ کا اعتبار نہ ہوگا۔اس کے لئے نفقہ بھی صرف قدرت علی المہر کافی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: "یعتبر یعنی الکفاءۃ نسباً و حریۃو اسلاما و دیانۃً ومالاً و حرفۃ۔"

ملتقی الابحر میں ہے: "ویعتبر مالافالعاجزعن المھر المعجل والنفقۃ غیر کفوء۔"

عالمگیریہ میں ہے: "یعتبر القدرۃ علی النفقہ اذا کانت المرءۃ کبیرۃ تصلح الجماع اما اذا کانت صغیرۃ لا تصلح الجماع فلاتعتبر القدرۃ علی النفقۃ لانہ لانفقۃ لھا فی ھذہ الصورۃ ویکتفی با لقدرۃ علی المھر کذا فی الذخیرۃ۔"

پٹھان اگر عالم نہ ہو تو سیدہ کا کفو نہیں۔مگر جب باپ یا دادا صغیرہ کا نکاح غیر کفو سے یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کردیں، مطلقا لازم ہوتا ہے۔کہ نابالغ کو بعد بلوغ اصلاً اختیار فسخ نہیں ہوتا۔مگر جب کہ نکاح کرتے وقت باپ دادا نشے میں ہوں یا اس سے پہلے بھی کسی بچی کا نکاح غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کرچکے ہوں تو البتہ پھر نکاح ناجائز ہوگا۔

درمختار میں ہے: "لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مھر ھا وزیادۃ مھرہ أو بغیر کفوء ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا او جدًا لم یعرف منھا سوء الاختیا ر وان عرف لایصح النکا ح اتفاقا و کذا لوکان سکران الخ (در المختار۔ باب الولی ۱ / ۱۹۲)، زوج بنتہٗ من فاسق صح وان تحقق بذلک أنہ لسوء الاختیار اشتھر بہ عند الناس فلو زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح الثانی لانہ کان مشھورا

بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول۔"

فتاوی خیریہ لنفع البریۃ علامہ خیرالدین رملی میں ہے:"ظاہر کلامھم ان الاب اذا کان معروفاً بسوء الاختیار لم یصح عقدہ باقل من مھر المثل ولا باکثر فی الصغیر بغبن فاحش ولا من غیر الکفوء فیھما سواء کان عدم الکفائۃ بسبب الفسق اولا الخ۔"

بالجملہ صورت مسئولہ میں اگروہ پٹھان غیر عالم ہے۔باپ نے نشے کی حالت میں نکاح کردیایا اسکے قبل بھی کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کرچکا تھا تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔اور اگر ایسا نہیں تو وہ نکاح ہوگیا،اسے اصلاً اختیار فسخ کا نہیں۔

خانیہ میں ہے:"اذا بلغ الصغیر او الصغیرۃ وقد زوجھا الاب او الجد لاخیار لھما اھ۔"آباواجداد کا پٹھانوں کے ساتھ کوئی رشتہ سابق ہونا موجب کفائت نہیں ہوتا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ مرسلہ مولانا ومولوی ثناءاللہ خلف مولانا احمد حسین ۲۱رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ہندہ بالغہ نے بلا اجازت اور اطلاع اپنے ولیوں کے،زید کے ساتھ جو اس کے غیر کفو سے ہے،روبرو گواہوں کے اپنا نکاح کیا،یہ نکاح حنفی مذہب میں جائز ہوا یا نہیں؟اگر اس میں اختلاف ہے تو مفتیٰ بہ قول کونسا ہے؟۔

(۲) ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ تھا اور اس نکاح کے ہوتے ہوئے ہندہ پر جبر کرکے اس کا دوسرا نکاح عمرو کے ساتھ اعنی نکاح علی النکاح،گواہوں کے اور نکاح خواں کے رشوت دے کر پڑھاتا ہے،شرعاً جائز ہے یا حرام؟اور اس کا ارتکاب کرنے والوں اور گواہوں اور نکاح خواں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے جنہوں نے دیدہ ودانستہ ایسا کام کیا؟اور اس منکوحہ مجبورہ کو شوہر ثانی کے ساتھ ہمبستر ہونے پر مجبور کرنا اور ناکح ثانی(عمرو)کو اس ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلائی کہ حلال ہے،شرعاً کیا حکم ہے؟عورت منکوحہ کو اللہ ورسول وقرآن کا واسطہ دلانا کہ اس کے طفیل میں اس نکاح سے انکار کردے،یہ جائز ہے یا نہیں؟اور اس کے جو معین ومددگار اور جولوگ کہ کوشاں ہیں ان کا کیا حکم ہے؟بینوا وتوجروا۔

الجواب

اگرچہ زید بایں معنی ہندہ کا کفو نہ تھا کہ اس کے مذہب یا نسب یا پیشے یا چال چلن میں بہ نسبت ہندہ کے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے ہندہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو،بدنامی ہو اور ہندہ نے اپنے ولی سے اجازت نہ لے لی اور اس کی رضائے صریح کے بطور جو زید سے نکاح کرلیا تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں،محض باطل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:"امرءۃ زوجت نفسھا من غیر کفو صحّ النکاح فی ظاھر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لاینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط۔"

تبیین میں ہے:"(من نکحت غیر کفو فرق الولی)لما ذکرنا والنکاح ینعقد صحیحاً فی ظاھر الروایۃ۔"

حاشیہ علامہ شلبی میں ہے: "اما علی الروایة المختارة للفتوی لایصح العقد اصلاً اذا کانت زوجت نفسها منه۔"

درمختار میں ہے: ''ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلاً وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان۔''

عقود الدریہ میں ہے: ''سئل فی امرءة یرید التزوج بلاء رضاء ابیها وهو غیر کفو کیف الحکم فی ذالك؟ الجواب: اذا نکحته بلارضاء ولیها فرق القاضی بینهما بطلب الولی وهذا ظاهر الروایة عن ائمتنا ولکن المروی عن الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ بطلان النکاح من غیر کفوء وبه اخذ کثیر من مشائخنا قال شمس الائمة الحلوائی وهذا اقرب الی الا حتیاط والاحوط سد باب التزوج من غیر کفوء قال الامام: الفتویٰ علی قول الحسن فی زماننا۔ قال فی البحر المفتیٰ به روایة الحسن عن الامام عن عدم انعقاد اصلاً اذاکان لها ولی ولم یرض به قبل فلا یفید الرضا بعده اھمختصر اً۔''

عالمگیریہ اور درمختار اور خزانۃ المفتیین اور خلاصہ اور تبیین میں مختار للفتوی اور علامہ شیخ شلبی محشی تبیین نے الروایة المختارة للفتوی ایضاح میں وعلیه الفتوی فرمایا اور اگران باتوں سے کسی بات میں ایسا نقص نہیں بلکہ محاورہ عوام کے طور پر بایں معنی زید کے کو غیر کفو کہا گیا کہ وہ ہندہ کے خاندان سے نہیں تو صرف اس قدر بات مضر نہیں۔ وہ نکاح صحیح ہوگا۔

نکاح علی النکاح یعنی کسی عورت منکوحہ، غیر مطلقہ کا نکاح اس کے شوہر کی حیات میں کسی سے کر دینا سخت ناجائز وحرام ہے۔ قال الله تعالی "وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ(النساء: ٢٤)''اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں''(کنز الایمان)

جلالین میں ہے: "وحرمت علیکم المحصنات ای ذوات الازواج من النساء ان تنکحو هن قبل مفارقةازواجهن۔"

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:''لایخطب الرجل علی خطبة اخیه ''نکاح کا پیغام نہ دے کوئی مرد اپنے بھائی کے پیام پر''رواه الاربعة واحمد والبیهقی عن ابن عمر وابی هریرة رضی الله تعالی عنهم۔ اقول فکیف بالنکاح علیٰ النکاح۔

ہندہ کا نکاح ثانی عمرو کے ساتھ باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:''امرءة زوجها ولیان فهی للاول۔''اور اسی بلا پر انکار تکبر اہل علم کا ہے۔ کیونکہ نکاح کے لئے شرط محل قابل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: "ومنها (ای من شروطه) المحل المقابل وهی المرءة التی احلها الشرع بالنکاح کذا فی النهایه۔" اور یہ ظاہر ہے کہ غیر کی منکوحہ قابل نکاح نہیں۔ کما مر

..اس میں ہے: ''زوجها علی التعاقب جاز الاول دون الثانی۔''

قاضی خاں میں ہے:''ولا یجوز نکاح منکوحة الغیر عند الکل۔''''سبھوں کے نزدیک غیر منکوحہ کا

نکاح جائز نہیں‘‘۔اور اس عورت کو شوہر ثانی کے ساتھ صحبت کرنے پر جبر کرنا اور عمرو کو ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلانی ناجائز اور حرام، دلالت علی الزنا ہے اور اسے حلال جاننا کفر و مخالفت نص قطعی رب العزۃ جلالہ۔

شرح عقائد میں ہے: ’’استحلال المعصیة صغیرة کانت او کبیرة کفر اذا ثبت کونها معصیة بدلیل قطعی اعاذنا الله منه۔‘‘ نکاح سے مکر جانے کو اللہ و رسول و قرآن شریف کا واسطہ دینا اور یہ کہنا کہ اس کے طفیل میں اور صدقے میں اس نکاح سے انکار کردے، سخت ناجائز و گناہ کبیرہ ہے۔اور اس کا مرتکب، مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور یہی حکم ان کے معین و مددگار کوشاں کا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک عورت عاقلہ بالغہ نے بلا اذن ولی برضا و خوشی اپنے کفو میں روبرو چند گواہوں کے بعوض مہر معین ایک مرد سے نکاح کرلیا تو شرع شریف میں یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ دوم: ایک عورت نے جو کہ عاقلہ بالغہ ہے، مہر بذریعہ خط زید کو لکھ بھیجا کہ میرا نکاح بالعوض اتنے مہر کے عمرو سے کردے۔ چنانچہ زید نے اس عورت کی توکیل کے موافق عمرو مذکور سے نکاح روبرو چند گواہوں کے کردیا اور اس عورت کو اطلاع دیدی کہ میں نے فلاں بالغ کا نکاح عمرو سے تیری تحریر کے موافق کردیا تو یہ نکاح عندالشرع جائز ہوگا یا نہیں؟ اور عمرو اور عورت کا درمیان دوسو ۲۰۰ مبلغ فیصلہ ہے۔بینوا و توجروا۔

الجواب

جائز ہے اگر وہ کفو شرعی ہو۔محاورہ عام میں فقط ہم قوم کو کفو کہتے ہیں۔اور شرعاً وہ کفو ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن، کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا، اولیاء زن کے لئے عرفاً باعث ننگ و عار ہو۔اگر ایسا کم ہے تو نکاح اصلاً نہ ہوگا۔ جب تک کہ باوصف علم عدم کفاءت، صریح رضاء ولی سے نہ ہوا ہو۔پھر اگر کفو بمعنی شرعی ہے تو نکاح مطلقاً ہوگیا اور ولی کو حق اعتراض بھی نہیں، اگر مہر مثل کے ساتھ کیا ہو۔ ورنہ اگر شوہر مہر مثل دینے سے انکار کرے تو عصبہ کسی اسلامی ریاست میں وہاں کے قاضی کے پاس جو ماذون عام منجانب ریاست ہو، جا کر دعویٰ کرے۔قاضی شوہر کے سامنے تفریق کردے، نکاح فسخ ہوجائے گا۔فی الدر: ’’(ولو نکحت باقل من مهرها فللولی) العصبة (الاعتراض حتیٰ یتم) مثلها (او یفرق) القاضی بینهما دفعاًللعار۔‘‘ والله تعالی اعلم۔

(جواب دوم) اس کا جواب بھی جواب سوال اول سے واضح ہے۔ یہاں اس قدر امر زائد ہے کہ وکیل نے جن گواہوں کے سامنے نکاح کردیا، ان کے سامنے ایسے لفظوں سے عورت مؤکلہ کو بتایا ہے کہ اس کا تعین ہوجائے مثلاً ہندہ بنت زید ابن عمرو یا فقط ہندہ بنت زید یا ہندہ فلانیہ جب کہ شاہدین اس قدر سے اسے پہچان لیں ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

فی رد المحتار عن البحر: ’’ان کانت غائبة لم یسمعو اکلامها بان عقد ها وکیلها فان کانت الشهود یعرفونها کفی ذکر اسمها اذا علموا انه ارادها وان لم یعرفونها لابدّ ذکر اسمها واسم أبیها وجدها۔‘‘ والله تعالیٰ اعلم۔

سید ابوالقاسم دربھنگوی.........۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ

علمائے دین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ مطلقہ کو عدت گذر جانے کے بعد مہر دین میں کچھ زمین دیدیا تھا۔ اب تک وہ زمین ہندہ کے قبضہ میں ہے۔ رجسٹری کے لئے کہتی ہے مگر زید دو وجہ سے انکار کرتا ہے۔

وجہ اول: زید خیال کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ رجسٹری کے بعد ہندہ اپنے چچا زاد بھائی کو دیدے۔ کیا اس خیال سے زید رجسٹری روک سکتا ہے یا نہیں؟ بصورت شق ثانی کیوں؟

وجہ دوئم: زید خیال کرتا ہے کہ مہر دین کی مدت گذر گئی۔ بوجہ شادی ہونے کے۔ نہ ہم پر وہ دین واجب الادا ہے اور نہ اب ہندہ جبراً زمین کی رجسٹری کرا سکتی ہے۔ کیا شرعاً مہر دین کی تمادی ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو کیوں؟ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ شرعاً ہندہ کی ملکیت سمجھی جائیگی یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب

زید نے جو زمین اپنی مطلقہ بی بی کو بعوض دین مہر دیدیا اور جس پر وہ قابض و دخیل شرعاً وہ زید کی بی بی ہندہ کی چیز ہے۔ زید کا رجسٹری سے انکار کرنا غلطی اس کی ہے اور جو وجہ اس کے انکار کی خیال کرتا ہے، وہ دونوں مہمل ہے۔ جب وہ چیز ہندہ کی ہوگئی تو اس کو پورا اختیار ہے۔ اپنے چچا زاد بھائی کو دیدے یا کسی راہ چلتے کو۔ ہندہ کا اپنی ملک میں پورے تصرف کا اختیار ہے۔ نیز یہ خیال کہ دین کی مدت گذر گئی، خیال خام ہے۔ شرعاً تمادی کوئی چیز نہیں۔ جس کا جو حق ہے وہ ادا کرنے سے ادا ہوتا ہے یا معاف کرنے سے۔ بغیر اس کے اس کا حق باطل نہیں ہوتا۔ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے، جو بذریعہ ہبہ بعوض دین مہر سے حاصل ہوئی ہے، بلاشبہ اس کی ملک ہے۔ ان البیع یتم بالایجاب و القبول و الھبة تتم بالقبض۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی حفیظ اللہ صاحب از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ ۱۱ر صفر ۱۳۲۳ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم ومکرم بندہ دام مجدہم بعد آداب آنکہ مسئلہ ذیل میں بحوالہ کتب مطلع کیجئے، اللہ اجر دے گا۔

زید حنفی مذہب نے ہندہ حنفی مذہب سے بہ تعیین ایک ہزار روپیہ، دین مہر کے نکاح کیا اور نکاح کے دس پانچ برس بعد اپنی زوجہ کی اطاعت اور فرماں برداری سے خوش ہو کر زید نے بجائے ایک ہزار کے، تین ہزار دین مہر اپنے ذمہ قبول کر کے تین ہزار روپیہ کی جائداد اپنی بنام ہندہ کے لکھوا دی اس طرح تعدادِ دین مہر بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اپنی بیوی کی مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے اسی مجلس میں بلاشبہ جائز ہے، جس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں۔ رب العزۃ عزت عظمتہ فرماتا ہے: "وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ (النساء: ٢٤) "(اور قرارداد کے بعد اگر تمہارے آپس میں کچھ رضامندی ہو جائے تو اس میں گناہ نہیں" (کنز الایمان) یعنی تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کم کردے عورت اپنے مہر مفروضہ سے یا کل کا کل شوہر کو ہبہ کردے یا

بڑھادے شوہر مقدار مہر پراس کی رضامندی سے۔
شرح وقایہ میں ہے:''مازید علیٰ المهر بعد العقد یجب کذا فی الاصلاح۔''
کنز الدقائق میں ہے: ''وما فرض بعد العقد او زید لایتنصف۔''
بحرالرائق میں ہے: ''واما ما زید علی المسمیٰ فانما یتنصف لما ذکرنا ان التنصیف یختص بالمفروض فی العقد الاول ودل وضع المسئلة علیٰ جواز الزیادة فی المهر بعد العقد وهی لازمة بشرط قبولها فی المجلس علیٰ الاصح۔'' یعنی دلالت کرتا ہے یہ مسئلہ جائز ہونے پر زیادتی مہر میں بعد عقد کے۔
تبیین الحقائق مین ہے:''تحت قول ''وصح'' ثم المصنف ذکر جواز الحط ولم یذکر جواز الزیادة لان جوازها علم من قوله وما فرض الخ فلهذالم یذکره مقصودا۔''
خزانہ میں ہے:''امرء ة وهبت مهرها من زوجها ثم ان الزوج اقربین الشهود وان علیه کذا وکذا من المهر یصح اقراره اذا قبلت ویحمل انه زاد فی المهر والزیادة فی المهر بعد المهر جائز لکن لابد من القبول لان الزیادة فی المهر لایصح من غیر قبول المرأ ة۔''
''مہر چھوڑ دینے کے بعد شوہر نے سامنے گواہوں کے اقرار زیادتی مہر کا ذکر کیا تو اس کا اقرار قبول کیا جائیگا اور اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے مہر میں زیادتی کی اور مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے جائز ہے''۔
درمختار میں ہے:''ومازید بعد العقد او زید علی المسمیٰ فانها تلزمه بشرط قبولها۔''
ردالمحتار میں ہے:''افاد انها صحیحة ولوبلا شهود اوبعد هبة المهر الابراء منه وهی من جنس المهر او من غیر جنسه۔''
عالمگیریہ میں ہے:''الزیادة فی المهرصحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلثة کذا فی المحیط۔'' اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی ہمارے ائمہ ثلثہ کے نزدیک درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ منشی عوض علی بیگ ....۱۶ شعبان ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک شیر خوار بچہ چھوڑا۔ بچہ کا باپ اور دادا دادی اور نانا نانی موجود ہیں۔ بچہ کی پرورش کا شرعا کون مستحق ہے؟ اور اسباب جہیز متوفیہ کا کون مستحق ہے؟ بچہ کے مال کا کون ولی ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں لڑکا سات برس کی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گا۔
ہدایہ میں ہے:''فان لم تکن له امّ فام الام اولیٰ من الاب وان بعدت لان هذه الولایة تستفاد

من قبل الامهات۔"(الهداية ۲/٤١٤)

عورت کا جہیز مہر وغیرہ جو کچھ متروکہ ہو، بارہ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم شوہر اور دو دو عورت کے مادر و پدر اور پانچ سہم پسر کو ملیں گے۔ بچہ کے سات برس عمر ہونے تک اس کے دادا دادی کو اپنے پاس رکھنے کے بارے میں مال سے مزاحمت کا اصلاً حق نہیں ہے۔ نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے:"والام والجدة احق بالغلام حتیٰ یاکل وحده ویشرب وحده ویلبس وحده ویستنجی وحدهٗ وفی الجامع الصغیر حتیٰ یاکل وحدهٗ ویشرب وحدهٗ ویلبس وحدهٗ والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنین اعتبارا للغالب اه وعلیه الفتوىٰ كذا فی الكافی وغیره قال له العینی۔"

نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔ بچہ کا جو مال ہے خواہ اسے متروکۂ مادر سے ملا ہو یا اور کسی طرح، اس کی ولایت دادا کو ہے۔ نانا نانی کو اس میں کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بہار شریف مدرسہ حنفیہ مرسلہ مولوی عبداللہ طالب علم ۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کی اس طرف مسلمانوں میں دستور ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر انتقال کرتا ہے اور جب تک وہ عورت نکاح ثانی نہیں کرتی، تو جو کچھ کہ اس کے شوہر یا سسر یا اس کے ماں باپ وغیرہ نے از قسم زیورات وظرف وغیرہا وقت شادی یا بعد شادی اس عورت کو دیا تھا، اس کے قبضہ قدرت وتصرف میں رہنے دیتے ہیں ۔خواہ سسرال میں وہ رہے یا میکہ میں اور جب اس کا نکاح ثانی ہوتا ہے تو اس کے شوہر اول کے وارث جو کچھ زیورات وظروف کہ انہوں نے وقت شادی یا بعد شادی کے، وقتاً فوقتاً دیا تھا، سب واپس کر لیتے ہیں۔ پس اور جو کچھ کہ اس عورت کو اس کے ماں باپ نے دیا تھا۔ اگر شوہر اول کے وارث کے پاس ہوتا ہے تو وہ سب کو واپس کر دیتے ہیں۔

پس سوال یہ ہے کہ وقت شادی یا بعد شادی کے شوہر یا سسر یا اس عورت کے ماں باپ از قسم زیورات وظروف دیتے ہیں، وہ اس عورت کی ملک سمجھی جائے گی یا ریت کے مطابق بطریق زیب وزینت کے خیال کیا جائے گا؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جس قدر مال زیورات وظروف وغیرہا وقت شادی یا بعد شادی، وقتاً فوقتاً اس کے باپ نے جہیز میں دیا ہے، سب اس کی ملک حسب عرف عام ہمارے بلاد کے ہے، جس میں شوہر، اس کے ماں باپ کا استحقاق نہیں۔ اس لئے بعد رخصتی اس کی واپسی کو سخت معیوب وباعث مطعون جانتے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے: "کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرء ة لاحق لاحد فیه۔"

ہاں جب عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہننے کو بطور عاریت دیا ہو اور وہ عرفاً پہنانے والوں کی ہی ملک میں شمار کیا جاتا ہو، تو حکم اس کا عاریت کا ہے کہ واپس کر دیا جائے۔

درمختار میں ہے: "جهز ابنته ثم ادعىٰ ان ما دفعه بها عارية وقالت هو تمليك او قال الزوج ذلك بعد موتها يرث منه او قال الاب او ورثته بعد موته عارية المعتمد ان القول للزوج اذا كان العرف مستمرا ان الاب يدفع مثله جهازا الا عارية واما ان كان مشتركا كمصر والشام فالقول للاب۔ (الدر المختار باب المهر ۱/ ۲۰۳)

رہا زیور وغیرہ کہ والدین زوج، اپنی بہو کے پہننے کو دیتے ہیں، اگر اس میں نصاً یا عرفاً کسی طرح تملیک مقصود نہیں ہوتی تو وہ بدستور ملک والدین پر ہے، جس میں بہو کا کچھ حق نہیں۔ بعد انتقال اپنے لڑکے کے جب عورت آمادہ بنکاح ہو جائے یا جب چاہیں لے سکتے ہیں۔ بالجملہ شریعت مطہرہ نے اس امر کو معلق بہ عرف رکھا ہے۔ موافق عرف تملیک یا عاریت قرار پائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے فرزند کی شادی، جس گاؤں میں وہ رہتا تھا، کی۔ اور بموجب حکم کٹرم کے تاریخ مقررہ پر برات لے کر اس کے گھر میں گیا اور کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر حسب رواج گاؤں مذکورہ کے برات کے سب آدمی اپنے اپنے گھر میں چلے گئے۔ اور لڑکا سسر کے گھر میں رہا اور لڑکے کا باپ بھی اپنے گھر میں چلا آیا۔ جب صبح ہوئی تو لڑکے کا باپ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو لڑکی کے باپ نے اس کو پیغام بھیجا، جو زیور تم نے اپنی بیٹی کے لئے رکھا ہے، وہ بھیج دو اور آ کر نکاح کر لو، اس وقت لڑکے کے باپ نے تین گواہوں کے روبرو یہ اقرار کیا کہ یہ زیور عاریتاً زینت کے واسطے ہیں، اپنی پتوہ کو پہناتا ہوں نہ میں نے اس کا مالک کیا ہے اور نہ ہبہ کیا اور نہ بخشش کیا، فقط عاریتاً دیا ہے۔ جس وقت چاہوں گا، لے لوں گا اور مہر جو نکاح کے وقت مقرر ہوتا ہے وہ زیور سے جدا نہیں۔ اب شرعاً یہ زیور کس کا ہوتا ہے؟ لڑکے کے باپ کا یا لڑکے کا یا پتوہ کا؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

وہ زیور اس کے (لڑکی) باپ کا ہے، نہ لڑکے، نہ اس کی بی بی کا۔

جامع الفصولین ص ۲۶۶ میں ہے: "بعث الیٰ امرءة ابنه شيئاً نيابا ثم ادعىٰ انها عارية صدق۔"

جب ابوین (کہ غالباً جہیز تملیکاً بھی دیتے ہیں) دیتے وقت کسی کو گواہ کر دیں کہ یہ عاریۃً ہے، نہ تملیکاً یا شہر کا رواج ہی ایسا ہو کہ جہیز کے لئے دیا کرتے ہیں یا عرف شہر مشترک ہو اور ابوین دعوی عاریت کا کریں تو عاریت ہی بجھا جائیگا نہ کہ تملیک۔ کما افتىٰ بها العلامة حامد آفندی فی مغنی المستفتی وذکرها العلامه الشامی فی تنقیحه۔ تو یہ زیور دینا کہ سسر اپنے پتوہ سے واپس کرے، درست ہے۔ عامہ کتب ہدایہ، عنایہ، تنویر الابصار، درمختار، کنز الدقائق، بحر الرائق وغیرہ میں ہے: "للمعیران یرجع" اور بیٹی والے کو اختیار ہے کہ اپنی چیز جب چاہے واپس کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الطلاق ۶

علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ایک شخص نے اپنے سسر کو ایک خط لکھا۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔ جس زمانہ میں اس شخص نے اپنے سسر کو خط لکھا، اس کی بیوی اپنے باپ کے یہاں تھی، وعدت کا زمانہ ہنوز باقی ہے۔

عبارت خط:

''ہم لوگوں کو آج روز پنجشنبہ تاریخ ۱۸ ر رمضان المبارک سے لے کر دس روز کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس درمیان میں سواری ہماری رخصت ہوگئی تو خیر۔ ورنہ یہ میری تحریر ناطق ہوگی کہ اگر عزیزی محمد شبلی کی ماں ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۱۰ روز کے اندر گھر نہ آئیں تو میرا طلاق رجعی ان پر واقع ہو جائے گا اور اگر بیس کے روز ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۸ ر عید الفطر تک گھر رخصت ہو کر نہ آئیں تو عزیزی محمد شبلی کی ماں مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق بائن کے۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ آپ لوگ کا جی چاہے اس طلاق کو بائن کرائیے اور رخصتی نہ کیجئے اور جی چاہے شرط کے درمیان میں رخصت کر دیجئے تو طلاق واقع نہ ہوگی''۔

تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اب تک والدہ محمد شبلی گھر آنہ گئیں تو شک نہیں کہ بحکم تعلیق اول طلاق رجعی وبحکم تعلیق ثانی طلاق بائن واقع ہوگئی۔ فان الصریح یلحق الصریح ولا فرق فی الصریح الثانی بین کون الواقع به رجعیا او بائنا کما صرح به العلامة الشامی فی حاشیة الدر المختار والطلاق المضاف الیٰ الشرط یقع عقبیه اتفاقا وههنا علق الطلقتان علیٰ شرطین وقد وقعا فطلقت تطلیقتین کما صرحوا به فی مسائل قال فی الهندیة ناقلا عن المحیط: "لو قال لها ان کلمت فلانا فانت طالق وقال لها ایضا ان کلمت انسانا فانت طالق فکلم فلانا طلقت تطلیقتین۔"

اب اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی یہ صورت ہے کہ عدت کے اندر یا بعد انقضائے عدت، مدۃ العمر میں، جب دونوں راضی ہوں اور نکاح کرلیں، بدستور حقوق زوجیت قائم ہو جائیں گے۔ الا انه لا یملك الا ما بقی من الطلقات فان الزوج الثانی هو الذی یهدم بالدخول ما دون الثلاث من الطلقة او الطلقتین فیجعلهما کان لم یکونا کما یهدم الثلاث اجماعا۔

درمختار میں ہے: "وینکح مبانة عما دون الثلاث فی العدة وبعدها بالاجماع۔"

ہدایہ میں ہے:" اذا کان الطلاق بما دون الثلاث فلا بد له ان يتزوجها في العدة وبعد انقضائها۔" "یعنی جب کوئی شخص تین طلاق سے کم (دو یا ایک) دے تو وہ شخص اس عورت سے عدت کے اندر اور بعد گزرنے عدت کے بھی نکاح کرسکتا ہے۔" والمسئلة مشهورة في الكتب مسطورة۔

عبدہ العاصی ظفر الدین البہاری۔ مہر

بے شک صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی۔ چونکہ وقوع طلاق بائن موجب تجدید نکاح ہے، لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ البتہ بسبب عدم تحقق طلاق مغلظہ، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فقط

بندہ مقبول احمد خاں تاب اللہ علیہ مدرس الحدیث مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور۔ مہر

صورت مسئولہ میں بلاشبہ شرط محقق ہونے سے طلاق بائن واقع ہوگئی۔ مگر چونکہ حل اصلی باقی ہے لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ بغیر حلالہ کے زوج اس سے نکاح کرسکتا ہے، کیونکہ حلالہ کی ضرورت طلاق مغلظہ میں ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ سید دیانت حسین، مدرس الفقہ مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور، پٹنہ۔ مہر

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ سید از ہر علی خلف جناب سید امیر احمد ۲۱ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا۔ اور وہ چند دن اس کی زوجیت میں رہ کر بلا اطلاع اس کے، نکل کر آوارہ ہوگئی۔ اور بحالت آوارگی بقول ہندہ مقدمہ زن وشو میں دائر ہوا۔ زید نے پچاس روپیہ لے کر رضامندی داخل کردی اور زوجہ اور شوہر باہر کچہری کے آئے۔ ہمراہوں نے بقول ہندہ یہ بات کہی کہ تو اپنی زوجہ کو لے جا۔ زید نے کہا کہ میں نے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس کو چھوڑ دیا اور طلاق دے دی۔ چنانچہ اس وقت سے آوارہ پھرتی رہی اور جگہ جگہ آوارہ لوگوں میں رہی۔ اس کو قریب سات آٹھ مہینہ ہوا۔ اب ہندہ بکر سے نکاح کرنے پر آمادہ ہوئی۔ اس نے خیال کیا کہ زید کوئی دعویٰ کچہری میں ایسا دائر نہ کرے جس میں میں ملزم قرار پاؤں۔ زید کو کچھ روپیہ دے کر لا دعویٰ اسٹامپ پر لکھا گیا۔ اب بکر ہندہ ایک مکان میں ہیں اور حرام کاری میں مبتلا ہیں۔ اور ہندہ کا یہ قول ہے کہ اگر بکر نکاح کرے گا تو میں میکے بیٹھ جاؤں گی۔ طلاق نامہ تحریر ہوئے عرصہ ایک ہفتہ کا ہوا۔ اس صورت میں بکر کا نکاح کیا جانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر واقع میں زید نے ہندہ کو طلاق دے دی اور اس مدت سات آٹھ ماہ میں آوارہ پھرتی رہی، ایام عدت گذر گئے۔ یعنی اگر حاملہ تھی تو وضع حمل ہوگیا اور اگر حائضہ تھی تو تین حیض آ گیا، تو اگرچہ طلاق نامہ تحریر کئے ایک ہی ہفتہ ہوا، بکر سے اس کا نکاح جائز ہے، اگر اور کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ ورنہ انقضائے عدت کے بعد ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس وقت زید نے نکاح ثانی کرنا چاہا تو ولی نے کہا کہ جب تک تم اپنی پہلی زوجہ کو طلاق نہ دو گے، ہم نکاح نہیں کریں گے۔ زید نے کہا کہ میں اسے خفیہ طلاق دے سکتا ہوں تا کہ سوا تمہارے اوروں کو ظاہر نہ ہو۔ یہ کہہ کر زید ولی کو ایک علیحدہ جگہ لے گیا۔ یہاں اس نے بتایا کہ ہم لوگوں میں ایک شخص نکاح ثانی کا وکیل تھا مگر دونوں کو بخوبی معلوم تھا کہ زید و ولی مذکور دونوں اس بات پر متفق ہیں اور زید نے ولی سے بھی کہا کہ آپ بھی یہ طلاق دینا کسی پر ظاہر نہ کیجئے۔ مگر انھوں نے وکیل سے کہہ دیا۔ تھوڑی دیر تھم کر پھر وہیں گیا اور ان دونوں نے زید سے پوچھا کام ہوگیا؟ اس نے کہا، ہاں وہ کام ہوگیا۔ اس وقت اس کی زوجہ اپنے میکے میں تھی۔ بعد ڈیڑھ برس کے معلوم ہوا میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ پھر زید اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے مکان میں لے آیا اور زید نے انکار کیا کہ میں نے اسے طلاق نہیں دی۔ پھر ان شخصوں نے عورت کو دینا طلاق ثلثہ کا ظاہر کیا۔ اب ان شخصوں کی شہادت سے طلاق ثلثہ واقع ہوگی یا نہ؟ اور دریں حالت شاہدان مذکور، خطا کے مرتکب ہیں یا نہیں؟ اور جو لوگ شاہدان مذکور کی تائید کریں ان کا کیا حکم ہے؟ اور شاہدان مذکور پر کتمان ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی کہاں تک حد ہے؟ اور اس میں کیا شرط ہے؟ اور شاہدان مذکور تاخیر شہادت سے فاسق ہیں یا نہیں؟ اور فاسق ہوئے تو کون سے فاسق؟ اور وہ دو شخص جنہوں نے کہا تھا کہ دریافت کرنے پر اظہار کردیں گے، کتمان میں شامل رہے یا نہیں؟ زید نے ان دونوں سے جو اشارۃً کہا تھا کہ کام ہوگیا، اس سے اظہار ثابت اور کتمان زائل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور زید اپنی زوجہ مطلقہ کے مکان پر آمد و رفت کرتا تھا۔ اس سے عیش ازواج ثابت ہوگا یا نہیں؟ زوجہ مطلقہ کا وکیل یہ کہتا ہے کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی، جب تک ہم نے کچھ نہیں کہا۔ جب زید کا ارادہ مطلقہ کو گھر لانے کا ہوا، قبل گھر لانے کے وکیل مذکور، طلاق ثلثہ کا اظہار کرنا فسق سے خارج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سوال میں کسی جگہ زید کا اپنی بیوی کو طلاق دینا مذکور نہیں۔ اس کے الفاظ یہ لکھے گئے ہیں "طلاق دے سکتا ہوں: آپ بھی یہ طلاق کسی پر ظاہر نہ کیجئے، وہ کام ہوگیا" اور ظاہر ہے کہ ان میں کوئی لفظ، الفاظ طلاق سے نہیں۔ پس صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید نے طلاق دی ہے تو اگر گواہ بھی نہ ہو، جس طرح کی طلاق دی، دیانۃً پڑگئی۔ اور اگر فی الواقع نہ دی تو وہ تین کیا دس بیس بھی گواہی دیں تو عند اللہ طلاق واقع نہیں۔ رہا قضاء پس اگر دو مرد اور دو عورتیں کہ سب عادل ہوں، گواہی دیں گے، قاضی حکم طلاق دے دے گا، لان القاضی لیس له الا الظاهر و التدین لیس من القضاء۔

درمختار میں ہے: "و نصابها (ای الشهادة) بغیرها من الحقوق سواء کان مالا او غیره کنکاح و طلاق۔"

اس صورت میں وہ بعد انقضائے عدت زوج کے لئے قضاءً حرام سمجھی جائے گی۔ اگرچہ طلاق نہ دی اور اب بے نکاح اور بے حلالہ اس سے نکاح بھی حلال نہ ہوگا۔

رہی تنقیح اس بات کی کہ صورت مسئولہ میں ان کی شہادت پر طلاق کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟

فاقول وباللہ التوفیق: یہ لوگ ہر طرح فساق وفجار گواہ ہیں اور ان کی شہادت سے ہرگز حکم طلاق نہیں دیا جا سکتا کہ اگر یہ لوگ جھوٹے ہیں اور واقعی اس نے طلاق نہ دی، تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر واقعی زید نے طلاق دی بھی ہو، تو ان کو فقط اتنا سن کر کہ وہ کام ہوگیا، شہادت کی اجازت نہیں۔ یہ لفظ محتمل ہے۔ خود انہوں نے طلاق دیتے نہ سنا اور یہ اقرار ایسے ضمائر اور کنایات میں ہوا، جو ہر گونہ احتمال کی گنجائش رکھتے ہوں۔ مثلاً انہوں نے پوچھا کہ وہ کام ہوگیا اور اس سے یہ مراد رکھی ہو کہ جس غرض کے لئے قصد طلاق تھا وہ بلا طلاق حاصل ہوگئی، کام ہوگیا۔ تو معاینہ مخل، و بلا اقرار صریح شہادت محض جزاف وجسارت تھی۔ اس صورت میں اب تک شہادت نہ دینے کے باعث کتمان یا تاخیر کا کوئی الزام نہیں کہ شرع تو ان کو اس شہادت کی کسی وقت اجازت نہیں دیتی۔ الزام تو اس شہادت کا ہے۔ مع ھذا اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور بالفرض مان ہی لیجئے کہ اس نے صریح لفظوں میں ان کے سامنے تین طلاقوں کا اقرار کیا تھا۔ تو جب زید عورت کے پاس اس کی ماں کے یہاں آمد ورفت کرتا تھا، مگر انہوں نے ظاہر نہ کیا۔ وہ کاتمین شہادت، فساق ومردود الشہادۃ ہوئے۔ کہ شہادت حسبہ میں کسی کے دریافت کی حاجت نہیں۔ خود اس پر ادائیگی شہادت واجب ہے۔

درمختار میں ہے: ''ویجب الاداء بلا طلب الشهادة فی حقوق الله تعالیٰ وهی کثیرة عد منها فی الاشباه اربعة عشر و منها طلاق المرأة وعتق الامة وتدبیرها شرعاً وقال ومتی اخر شاهد الحسبة شهادته بلا عذر فسق فترد۔''

اور جو شخص اس بات میں گواہوں کی تائید کرے، وہ فاسق ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: ''تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔'' (المائدة: ۲)

اور وکیل کا یہ کہنا کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی الخ محض مہمل اور بیہودہ غیر معتبر کہ یہاں پہلے سے سکوت کیا گیا اور مطلقہ کو گھر لانے کا انتظار کرنا، تاخیر از وقت ہے۔ اور انہوں نے بلا شبہ وقت سے تاخیر کی۔ یونہی اول ان دونوں کا کہنا، دریافت کرنے پر اظہار کردیں گے، ان کو حد فسق سے نہیں نکال سکتا کہ اس میں دریافت تک انتظار کی ضرورت نہیں۔ بلا دریافت ان کو شہادت ادا کرنی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ناظم صاحب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس دیار میں بے پڑھے لکھے عوام میں رواج ہے کہ لڑائی جھگڑے میں بیوی کو یہ کہہ دیتے ہیں (۱) تو میری ماں ہے (۲) آج سے تو میری ماں ہے (۳) تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ ان جملوں سے وقوع طلاق اور عدم وقوع طلاق میں اس اطراف کے علماء اختلاف رکھتے ہیں

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ سے طلاق نہیں واقع ہوگی۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ بیوی کو ماں کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ نیز ابوداؤد کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو یا اختی (بہن) کہہ

کر پکارا تھا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ لیکن وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا۔ اور اس دیار میں طلاق کی نیت سے اس کا رواج نہیں ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے استعمال کے بعد استفتا کرتے ہیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ کیا کچھ کفارہ دینا ہوگا؟

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس جملہ کا استعمال صرف طلاق کے لئے اس دیار میں عوام میں رائج ہو گیا ہے، اس لئے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایسا کہنے والے علماء یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو استفتے آتے ہیں ان میں بھی استفتا کا یہ مضمون ہے کہ طلاق کا معاملہ پنچایت میں پیش ہوا۔ اور پنچایت نے شوہر کو کہا کہ طلاق دے دو۔ تو شوہر نے دریافت کیا کہ کس طرح طلاق دوں؟ تو پنچایت نے کہا کہہ دو! تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ نیز ایک استفتاء کا مضمون یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو مذکورہ جملہ یعنی تو میری ماں یا تو میری ماں، میں تیرا بیٹا کہہ کر نکال دیا پھر جب اس سے کہا گیا، اپنی بیوی کو لے جاؤ تو اس نے اس واقعہ کا حوالہ دے کر کہا کہ مدت ہوئی کہ ہم اس کو طلاق دے چکے۔ ان واقعات کے علاوہ عام رواج کا ثبوت اس امر سے واضح ہے کہ جب اپنی بیوی کو اس قسم کے الفاظ لڑائی جھگڑے میں کہتا ہے تو اس کے متعلق استفتا ہوتا ہے کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ اس کو فعل لغو سمجھتا یا تعظیم ومحبت کے معنی میں بولتا تو نہ اشتباہ کی وجہ تھی، نہ سوال کی ضرورت ہوتی؟

اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اطراف بہار میں بیوی کو جھگڑے کے وقت ماں کہنے سے وقوع وعدم وقوع طلاق میں جو رائیں اوپر مذکور ہوئیں، ان دونوں میں آپ کے نزدیک حق وصواب کون سی رائے ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

فقیر غفرلہ المولی القدیر کی تحقیق میں رائے اول اولیٰ ہے۔ اور اسی پر میرا فتویٰ ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی نص صریح ہے: "اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا۔" (المجادلة: ۲) "وہ جو تم میں اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ بیٹھتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں۔" (کنز الایمان)

نیز ابوداؤد شریف کی حدیث، اقوال وتصریحات فقہائے کرام اس پر شاہد عدل ہیں۔ پھر اس کے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔ دوسری جماعت کی دلیل میرے فہم سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ "تو میری ماں ہے، میں تیرا بیٹا" لغت میں اس کے معنی طلاق نہیں۔ نہ فقہائے کرام نے مصطلح شرعی بنایا۔ پھر اس کے شرعی حکم کا ثبوت کیونکر ہوسکتا ہے؟ سائل فاضل دام بالفضائل نے صرف رائے دریافت کی ہے، اس لئے میرے خیال میں یہ چند سطریں کافی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدن پورہ مرسلہ مولوی قاری عبدالرحمان ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

ہمارے علماء رحمھم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا "اگر میں تجھ کو رکھوں تو اپنی

ماں کو رکھوں'' خالد نے کہا کہ ظہار ہو گیا، تم کو کفارہ چاہئے۔ ولید نے کہا ظہار نہیں ہوا۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

الجواب

فی الواقع ظہار نہیں ہوا۔ لانه هو تشبيه المسلم الخ اور وہ یہاں متحقق نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:'' واحترز به عن نحو انت امّی فانه باطل۔''

ایضاً فتاویٰ سراج المنیر میں یوں ہے:''لو قال ان فعلت كذا فانت امی فهو باطل۔ فلا يلزم منه شئ و ان اراد به التحريم لانه كذب اه۔'' والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد صاحب از بیتھو شریف ضلع گیا ۸؍صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے تو اگر نکاح کرے تو تو ماں ہے۔ بعد نکاح ظہار ہوا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

نہیں، اور نہ ظہار ہونے کے کوئی معنی ہیں۔ کیونکہ ظہار کے معنی ''تشبيه المسلم زوجته او يعبر عنها بجزء شائع منها بمحرمة عليه تابيداً'' ہے اور یہاں سے اس نے بیوی کے کسی جزء شائع کو اپنی کسی محرم تابیدی کے ساتھ تشبیہ نہ دی۔ ظہار کے لئے چار چیزیں ہیں۔ مشبہ، مشبہ، مشبہ بہ، ادات تشبیہ ہونا ضرور ہے۔ بغیر ان کے ظہار نہ ہوگا۔

طحطاوی میں ہے:'' اعلم انّ له ارکانا اربعة المشبه و المشبه به و ادات التشبيه۔''

علما تصریح فرماتے ہیں کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ یا اس کا بدل ضرور ہو ورنہ ظہار نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں تحت قول ''و شرعا تشبيه المسلم'' ہے:'' واحترزت عن امی بلا تشبيه فانه باطل۔'' یعنی اگر بلا تشبیہ صرف ''تو میری ماں ہے'' کہا تو قول باطل ہے۔

درمختار میں ہے:'' وان نوى بانت علىّ مثل امی برا او ظهارا طلاقاً صحت نيته و الّا لم ينو شيئا او حذف الكاف لغا۔ یہ کنایات ظہار سے ہے۔ اگر کچھ نیت نہ کیا، لغو ہوگا جیسا کہ لغو ہے انت امی یا بنتی یا اختی وغیرھا، جس میں تشبیہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲؍رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر بعد نکاح بیقین معلوم شد کہ شوہر زن، عنین محض است۔ پس برائے فسخ نکاح چہ صورت ست؟ بینوا توجروا۔

الجواب

درصورت مسئولہ کہ شوہر عنین محض و برزن قدرت ندارد، و دراداے حق واجبش قاصر است۔ بروفرض ست کہ زن خودرا طلاق دادہ رہا کند، ورنہ گناہگار خواہد شد۔ قال تعالیٰ: "فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ۔" (البقرۃ:۲۲۹) واگرازظلم وخدانا ترسی طلاق ندہد، تدبیرش اینست کہ ہندہ نزد حاکم شرع شریف رفتہ طالب جواب از شوہر خود شود۔ اگر شوہر عنین است، خودرا اقرار کند فبہا والا حاکم زنے پارسا ثقہ معتمد ہوشیار را معائنہ کنا نیدہ شہادت گیرد کہ دوشیزہ ست۔ بعدہ شوہر را مہلت یکسال کامل قمری (کہ آں سہ صد و پنجاہ و چہارم وہشت ساعت وچہل دقیقہ علی ما ھو فی الدر المختار ورد المحتار من القھستانی می شود) بزیادت ایام مرض ہردو دہد ودرروایتے سال شمسی ہم است۔ لکن ھو ظاھر الروایۃ وصححہ فی الواقعات والو الجیۃ فکان ھو المعتمد لانہ الثابت عن صاحب المذھب۔

اگر دریں مدت شوہر بروقدرت نداشت ووطی نکرد، باز ہندہ دعویٰ کردہ تفریقش خواہد۔ پس اگر از اقرار زید یا بشہادت زنے مسلمہ ثقہ دوشیزگی ہندہ ثابت شد، حاکم اورا درنفس وشوہرش مختار گرداند۔ اگر نفس خودرا اختیار کرد، حاکم زید را حکم طلاقش دہد۔ اگر طلاق داد فبہا ورنہ حاکم تفریق کند۔ ازیں تفریق طلاق بائنہ واقع شود۔ بعد انقضاے عدت اورا اختیار است باہر کہ خواہد خودرا سپارد ودرزوجیتش داخل شود۔ واگر اززنان شہادت عدم بکارتش دادند، قاضی شوہر را حکم حلف دہد۔ اگر سوگند بخورد کہ بکارتش ازمن زائل شد، حق وے باطل گشت۔ واگر نکول کند، باز مہلت یکسال دادہ خواہد شد۔ وہکذا، پس اگر اولاً یا ثانیاً قادر شد فذالك ھو المقصود وگرنہ اگر نفس خودرا ایں مجلس اختیار نکرد، دعویٰ اززن دست رفت۔ باز ہیچ گاہ دعویٰ تفریق ازیں مرد نتواں کرد۔

دروقایۃ الروایۃ ست: "ان اقر انہ لم یصل الیھا اجل الحاکم سنۃ قمریۃ فی الصحیح ورمضان وایام حیضھا منھا لامدۃ مرضہ ومرضھا۔ فان لم یصل الیھا فرق القاضی بینھما ان طلبتہ (ای التفریق) وان اختلفا وکانت ثیبا او بکرا فنظرت النساء فقلن ثیب حُلِّف فان حلف بطل حقھا وان نکل او قُلن بکر اجل ولو اجل ثم اختلفا فالتقسیم ھھنا کمامر۔" شرح الوقایۃ ۲/۱۲۳-۱۲۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم ازعلی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیاہی عورت اور بیاہا مرد اور بے بیاہی عورت اور بے بیاہا مرد نے زنا کیا، حرام کیا۔ اس کے واسطے کیا سزا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟ اور جو لوگ کہ رنڈی بازی کرتے ہیں، ان کے لئے کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زانی فاسق ومرتکب کبیرہ، مستحق عذاب شدیدہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ

سَبِیْلًا۔" (الاسراء:۳۲) نہ پاس پھٹکو زنا کے بے شک وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن۔"، زنا کرنے والے وقت زنا کے مومن نہیں رہتے۔ جو سزا اللہ ورسول نے اس کی مقرر فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ سب کو اس سے بچائے۔ یہ گناہ تو ایسا ہے کہ اس کی جزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "من زنی زنیٰ به ولو بحیطان داره۔"

سلطنت اسلامیہ میں محصن اور محصنہ کے لئے حکم سنگسار کرنا ہے۔ حدیث میں ہے: "الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما نکالا من الله۔"

ہدایہ میں ہے: "رجمه القاضی حتی مات۔"، اسے قاضی سنگسار کرے یہاں تک کہ مرجائے۔ اور غیر محصن اور غیر محصنہ کو سوسو بار کوڑے ماریں۔ قال عز من قائل: "فَاجْلِدُوْ هُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" الایة۔(النور:۲) زانیہ اور زانی کو سوسو کوڑے مارو۔

ہدایہ میں ہے: "وان لم یکن محصنا وکان حرا فحده مائة جلدة۔" اگر بے بیاہا حر زنا کرے تو اس کی حد سوسو کوڑے ہیں۔ یہ حکم مرد اور عورت دونوں کا ہے۔ لان النصوص یشملھما۔

زنا خاص ہے اور حرام عام۔ زنا شرع میں 'ایلاج عضوه الیٰ الحشفة فی الفرج الداخل لامرءة خالیة عن الملکین وشبھتھما وشبھة الاشتباه' کا نام ہے اور یہ موجب حد ہوتا ہے۔ بخلاف حرام کے مثل وطی کرنا اپنی عورت سے حالت حیض میں کہ حرام ہے مگر زنا نہیں۔ یا وطی کرنا اپنے لڑکے یا باپ کی لونڈی سے اس گمان پر کہ حلال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

کتاب السیر ۷

(سوال دستیاب نہ ہوسکا ۱۲ ساحل)

الجواب

وبه هداية الحق والصواب قبل تفصیل جواب، یہ چند باتیں واجب الحفظ ہیں۔ تاکہ سوالات کے حل میں نہ دقت ہو، نہ آئندہ شبہات کا موقع رہے۔

(۱) ایمان نام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کا ان تمام چیزوں میں جو حضور خداوند عالم سے لائے۔
درمختار باب المرتد میں ہے: "هو تصديق محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مما علم مجيئه ضرورة۔" (۲۸۳/۳)

ہاں اس پر دنیوی احکام جاری کرنے کے لئے زبانی اقرار ضروری ہے۔ اسی میں ہے: "والاقرار شرط لاجراء الاحكام الدنيوية۔"

(۲) اسی کی نقیض کفر ہے۔ اسلام کی ایک بات کی بھی عدم تصدیق کفر ہے۔ الكفر لغة الستر وشرعاً تكذيبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في شيء مما جاء به من الدين ضرورة۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "قوله تكذيبه صلى الله عليه وسلم اى التكذيب عدم التصديق الذى مرّ أى عدم الاذعان والقبول بما علم مجيئه به صلى الله عليه وسلم ضرورة اى علما ضروريا لا يتوقف على نظر واستدلال وليس المراد التصريح بانه كاذب في كذا۔" (۲۸٤/۳) یعنی ضروریات دین میں کسی ایک چیز کے ساتھ بھی عدم اذعان وتصدیق کا نام کفر ہے۔ صراحۃً حضور کو کاذب کہنا ضرور نہیں۔

(۳) تصدیق اور عدم تصدیق ان دونوں کا تعلق قلب سے ہے اور ہمیں دل چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں کہ کس نے دل سے کہا اور کس نے نہیں۔ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جو زبان سے اقرار کلمہ شہادت کرتا ہے، ضروریات دین کو مانتا ہے، مسلمان ہے۔ اگرچہ دل میں اس کے کچھ اور ہو۔ فان المفتي يفتي بالظاهر والله يتولىٰ السرائر۔ بعد میں اگر زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے، جس سے ضروریات دین سے کسی چیز کا انکار ہوتا ہے، حفاظت وحمایت شریعت کے لئے حکم کفر دیا جائے گا، اگرچہ دل اس کا ایمان سے لبریز ہو۔ منصور حلاج کو سولی کا حکم دینے والے بلاشبہ علماء صالحین اہلسنت وجماعت تھے۔ ان کی وقعت مذہبی اور بزرگی ان کے دلوں پر نقش تھی۔ پھر بھی شریعت کی حفاظت وحمایت کے لئے تکفیر کی اور قتل کا حکم دیا کہ کوئی غیر محض اور ایسا شخص جس کا حال منصور حلاج سا نہ ہو، وہ بھی ایسا کلمہ بولے اور حلاج کو اپنا پیشوا قرار دے۔

مدخل ابن امیر الحاج جلد اول میں ہے: "وافتى من يشار اليه في وقته من العلماء والصالحين بقتله تحفظا

منهم علیٰ منصب الشريعة ان يتعرض له غير محقق فيدعی شيئا من الامور ويجعل قدوة فی ذلك الحلاج رضی الله عنه۔"

شرح شفا ملا علی قاری میں انہیں منصور کے واقعہ قتل میں ہے: "قال بعضهم والدليل علی صحة باطنه انه كان يقطع يداه ورجلاه وهو يقول حسبی الله الواحد وقد زار قبره بعض اهل الكشف فرأی نورا ساطعا من قبره الیٰ السماء فقال يا رب ما الفرق بين قوله وقول فرعون "انا ربكم الاعلی" فالهم ان فرعون رأی نفسه وغاب عنّا والمنصور رائنا وغاب عن نفسه۔"

"یعنی بعض علماء نے فرمایا کہ منصور کے صاحب باطن ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹے جارہے تھے تو وہ 'حسبی الله الواحد' فرمارہے تھے۔اور بعض اہل کشف نے ان کی قبر کی زیارت کی تو ان کی قبر سے آسمان تک ایک چمکتا ہوا نور نظر آیا۔تو انہوں نے بارگاہ ربانی میں عرض کی: اے رب پھر ان کے اور فرعون کے قول انا ربکم الاعلیٰ میں کیا فرق ہے کہ یہ مقتول ہوئے اور فرعون مردود؟ ندا آئی: ''فرعون نے خود کو دیکھا اور ہم سے غائب ہوا اور منصور نے ہمیں دیکھا اور اپنے نفس سے غائب ہوا۔'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴) اور کفر کی حالت اور نسبت علامہ سعد الدین تفتازانی کی اس عبارت جیسی ہے: "العلم ان كان اذعانا فتصديق والا فتصور يعنی ان كان اذعانا لما علم مجيئه من الدين ضرورة فايمان والا فكفر۔"

تو تصدیق کی طرح ایمان کی صرف ایک ہی صورت ہے یعنی ضروریات دین میں سے ہر بات کا اذعان یعنی اعتقاد ثابت جازم مطابق للواقع کا نام ایمان ہے۔اور والا فتصور کی طرح کفر کی متعدد صورتیں ہیں۔یعنی جن جن امور کا اذعان ایمان ہے،ان میں کسی ایک ساتھ عدم اذعان کفر ہے۔اسی لئے فقہاء کرام نے فقہ کی کتابوں میں کلمات کفریہ کے لئے ایک مستقل باب قائم کرکے بہت تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ وغیرہ دیکھنے والے پر مخفی نہیں۔جناب قاضی ثناء اللہ صاحب نے رسالہ فارسی مالابدمنہ میں بھی ایک مستقل بحث اس کی لکھی بلکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں ایک کافی حصہ اس کا تحریر فرمایا ہے۔مسلمانوں کو ان کتابوں میں سے اس بحث کو دیکھنا بہت ضرور ہے تاکہ ان کا ایمان سلامت رہے۔ رزقنا الله وسائر المسلمين سلامة الايمان۔

(۵) ہاں بحکم الاسلام يعلو ولا يعلی پہلودار الفاظ میں اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔جیسے کوئی کافر اگر کہے: اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔حالانکہ اشہد جس طرح حال کے لئے ہے استقبال کے لئے آتا ہے۔تو اگر زمانہ حال کے معنی لیا جائے کہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں،ضرور ایمان ہیں۔اور معنی استقبال کے اعتبار سے کہ گواہی دوں گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دوں گا کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں،ہرگز ایمان نہیں۔مگر پہلوئے اسلام کو غلبہ دے کر اس شخص کو مسلمان ہی کہیں گے۔تاہم ایسے لفظوں سے احتیاط اور احتراز معہود ہے۔اسی

لئے مسلمان کرنے وقت کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہلواتے ہیں نہ کہ کلمۂ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ حالانکہ یہ اس سے مؤکد ہے جس طرح کلمۂ ایمان میں اسلام کو غالب رکھا جاتا ہے اسی طرح کلمۂ کفر میں بھی جانب اسلام کو ترجیح دینا چاہئے۔ یعنی کوئی شخص ایسا کلمہ بولتا ہے جس میں متعدد وجوہ ہیں اور اکثر ان میں کفر کی طرف جاتا ہے اور ایک پہلو اسلام کا بھی ہے تو اس کی بات اسی پر محمول کرنا چاہئے۔

فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے: ''اذا کان فی المسئلة وجوہ توجب الکفر ووجه واحد یمنع فعلی المفتی ان یمیل الیٰ ذلک الوجه کذافی الخلاصةوعالمگیری۔'' (۲/۲۸۳)

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ محمل التاویل الفاظ جسے محمل حسن پر محمول کرنا ممکن ہو، ان پر تکفیر جائز نہیں۔ اس لئے کہ تکفیر غایت درجہ کی سزا ہے تو اس کے لئے غایت درجہ کا قصور درکار ہے۔

فتاویٰ بزازیہ و بحرالرائق و مجمع الانہر، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، سل الحسام، تنبیہ الولاۃ میں ہے: ''لا یکفر بالمحتمل لان الکفر نہایة فی العقوبة فیستدعی نہایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نہایة۔''

بحرالرائق وتنویر الابصار وحدیقہ ندیہ وتنبیہ الولاۃ وسل الحسام میں ہے: ''والذی تحرر انه لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علیٰ محمل حسن۔'' (رد المحتار، کتاب المرتد، ۳/۲۸۹)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مذکورہ طالب حسین خاں، بہیڑی ضلع بریلی ۵ر صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دار الحرب اور دار الاسلام کی کیا تعریف ہے؟ اور یہ ملک دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

الجواب

دار الاسلام اس جگہ کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو اور وہاں بے دغدغہ اسلامی احکام جاری ہو جائیں۔ دار الحرب ایسی جگہ کو کہتے ہیں کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت کے احکام بالکل ممنوع ہو جائیں۔ مگر یہاں بفضل اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز احکام شرعیہ کی ادائیگی ممنوع نہیں۔ اور اقامت ونماز باجماعت وغیرہ شعائر شریعت بے مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق وغیرہ معاملات مسلمین ہماری شریعت بیضا کی بنا پر فیصل[ہو]تے ہیں کہ ان امور میں حضرات علمائے کرام سے فتویٰ لینا اور اسی پر حکم وعمل کرنا، حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگر ہنود ومجوس ونصاریٰ ہوں۔

فتاویٰ رضویہ میں سراج الوہاج، اس میں حضرت محرر المذہب سیدنا محمد رضی اللہ عنہ کی زیادات سے ہے: ''انما تصیر دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفة رحمة اللہ علیه بشرائط ثلث۔ احدھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتھار وان لا یحکم فیھا بحکم الاسلام ثم قال وصورة المسئلة ثلثة اوجه اما ان یغلب اھل الحرب علیٰ دار من دورنا وارتد اھل المصر وغلبوا واجروا احکام الکفار او نقض اھل الذمة العھد وتغلبوا علیٰ دارھم

ففی کل من هذه الصور لا تصیر دار الحرب الا بثلث شرائط۔" ہمارے امام اعظم بلکہ علمائے ثلثہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز ہرگز دارالحرب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس مرسلہ مولوی محمد سجاد محلہ اودھو پورہ شہر بنارس، ۱۸ جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب یا شعبان ۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ حسب معمول ایک طالب علم زید مدرسہ میں ہم لوگوں کے پاس رات کو آئے۔ نعوذ باللہ کہنے لگے: یہ تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں خدا ہوں۔ میں نے کہا آسمان و زمین وغیرہ خدا کی بنائی ہوئی ہیں، یہی ثبوت ہے۔ اگر تم خدا ہو تو پیدا کر کے دکھاؤ؟ تو اس نے کہا یہ تمہارا کہنا غلط ہے بلکہ ان چیزوں کو میں نے پیدا کیا ہے۔ اگر تمہارے خدا نے پیدا کیا ہے تو اپنے خدا سے کہو کہ دوبارہ پیدا کرے۔ میں نے کہا: ایسا کرنے سے اس کے نظام میں انقلاب ثابت ہوگا اور ہم گنہگار کی دعا ہی کیا؟ زید نے کہا: اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو میرا دعویٰ ثابت ہوگیا۔ میں ہی خدا ہوں اور میں اس وقت ایسی نظیر لاؤں گا جیسا تم اپنے خدا سے کہہ کر لاؤ۔ پھر چند دنوں کے بعد میں نے زید سے پوچھا کہ ایسی بڑی بات تم کیوں کہتے ہو؟۔ زید نے کہا: ایک آریہ سے اور مجھ سے گفتگو ہوئی تھی، اس نے اس طرح کہا۔ مدرسہ کے اکثر لڑکوں نے ان باتوں کو سنا اور یہ سمجھ کر کہ زید بے وقوفی کی باتیں اکثر زبان سے نکالتا ہے، خاموش رہے۔ پھر ربیع الثانی ۶۱ھ میں تمام طلباء نے کسی اپنے مطالبہ پر تعلیمی مقاطعہ کیا۔ جس میں یہ زید شریک نہیں ہوا اور طلباء کا ساتھ نہ دیا۔ دوران مقاطعہ میں ایک روز مدرسہ کے ایک فارغ التحصیل اور ایک ہمدرد طلبہ ہم سب طلباء کے ساتھ صدر مدرس کی قیام گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان دو شخصوں کو ہم لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ زید ہم لوگوں کے مقاطعہ میں شریک نہیں تو بہت اظہار افسوس کرنے لگے تو ہم میں سے کسی نے کہا۔ اس کا کیا کہنا؟ وہ تو خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ زید کے بے باکانہ الفاظ کی خبر مدرسہ انتظامیہ مجلس کے ناظم کو پہنچی اور مقاطعہ کے سلسلہ میں انتظامیہ کی کمیٹی ہوئی۔ ممبران نے مالی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ امسال زید وغیرہ کی دستار فضیلت کا جلسہ ہونا چاہئے۔ اس پر ناظم مجلس نے کہا کہ زید تو ایسی ایسی باتیں زبان سے نکالتا ہے۔ مجلس میں زید کے مخالف و موافق دونوں ہی تھے۔ اور یہ بات خوب مشہور ہوئی اور اساتذۂ مدرسہ کو بھی اس کمیٹی کے بعد زید کے ان کلمات کا علم ہوا۔ پھر چار پانچ یوم کے بعد ایک استاد نے زید سے کہا کہ جو کلمات تم نے کہے ہیں، اس کو لکھو۔ اولاً تو اس نے انکار کیا پھر اس نے کہا کہ مجھ سے اور ایک آریہ سے بحث ہوئی تھی۔ استاد نے کہا بہرحال جو واقعہ ہو لکھو۔ چنانچہ زید نے مندرجہ تحریر لکھی۔

''ایک آریا نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں اس کا جواب نہ دے سکا تو پھر میں نے اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے طلباء سے یہی کہا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ تو طلباء جو جواب دیتے تھے اس کو میں توڑ دیتا۔ اس طرح سے اگر وہ لوگ کہتے کہ آسمان اور زمین کس نے بنایا؟ تو میں کہتا میں نے بنایا۔ تو میں کہتا، کیا جواب

ہے؟ میرے نہ بتانے پر تو میں کہتا میں خدا ہوں، اور یہ اس لئے کہ وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا، جس طرح میں نے توڑا۔''
اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے ہم لوگوں سے کلام بالا کہتے وقت یہ ظاہر نہ کیا تھا کہ آریا سے بحث ہوئی تھی اور نہ یہ ظاہر کیا کہ میں آریہ کا قول نقل کررہا ہوں بلکہ چند یوم کے بعد میرے پوچھنے پر وہ یہ کہا کہ آریہ سے بحث ہوئی تھی اور اس نے یہ ظاہر کرنے کا اقرار چند اہل محلہ کے سامنے بھی کر چکا ہے۔ تو کیا زید پر تجدید ایمان ونکاح لازم ہے یا نہیں؟

الجواب

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قول کہ ''میں خدا ہوں۔ ان چیزوں (آسمان وزمین) کو میں نے پیدا کیا'' بالکل خلاف شرع وخلاف اسلام ہے۔ مسلمانوں کی زبان سے نکالنے کی یہ بات نہیں اور نہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھ سکتا ہے اور نہ ایسا کہہ سکتا ہے۔ مگر جب زید نے دریافت حال پر کہا کہ ایک آریہ سے مجھ سے گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے یہ دلیل بیان کی تھی، وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا۔ تو اس نے اس آریہ مردود کے قول کی نقل کی اور ظاہر ہے کہ نقل کفر کفر نہ باشد، خود قرآن شریف میں بہت سے مقولے، لوگوں کے خلاف شرع نقل کئے گئے ہیں۔ تو کیا وہ ارشاد باری تعالیٰ سمجھا جائے گا؟ مثلاً "قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ" (البقرة: ۱۱۳) ''اور یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں'' (کنز الایمان) اور "لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى" (البقرة: ۱۱۱) ''ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر جو یہودی یا نصرانی ہو'' (کنز الایمان) بلکہ ان سب سے بڑھ کر "اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ" (المائدة: ۷۳) ''اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے۔'' (کنز الایمان) تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین کا تیسرا ہے۔ ہرگز نہیں کہ یہ نقل قول نصاریٰ ہے۔ اسی طرح زید نے نقل قول آریہ کیا۔ جیسا کہ چند دنوں کے بعد جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے ظاہر کیا اور اگر زید کو اس حکایت ونقل قول آریہ کے ادعاء میں صادق القول نہ مانا جائے۔ بلکہ جیسا کہ لوگوں نے اس کے متعلق ظاہر کیا کہ اس کا کیا کہنا، اس نے تو خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ ان اقوال کو بجائے نقل خود زید کا قول قرار دیا جائے، تو اس پر کوئی شرعی حجت وبرہان نہیں۔ اس لئے کہ دعویٰ کے ثبوت کے لئے یا اقرار ہو یا بینہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں اقرار معدوم۔ تو خواہ مخواہ اگر ثابت ہوگا تو بینہ سے ہی ثابت ہوگا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں البینة كانها مبنهة والثابت بالشهادة كالثابت بالمشاهدة تو یہاں بینہ ہی منتفی۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے سامنے اس نے (زید نے) ان کے خیال کے مطابق دعویٰ خدائی کیا تھا، ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ بے طلب اس کو ظاہر کرتے۔ اور ہرگز اتنے دنوں تک پوشیدہ نہ کرتے۔ اس لئے کہ شہادت حسبہ کے لئے ضروری ہے کہ بے طلب ظاہر کی جائے، مطالبہ کا انتظار نہ کیا جائے اور اگر ایسا نہ کرے تو خود گواہ فاسق، مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اور فاسق مردود الشہادت کی بات چند روپے کے مالیات میں تو مقبول نہیں، چہ جائے کہ اس قدر اہم مسئلہ اسلام وکفر میں اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ واقعات وقرائن خود ان کی تکذیب کررہے ہیں، مقبول ہو۔ زید ان لوگوں کے خیال میں دعویٰ خدائی کرتا

ہے، وہ لوگ اس کو سنتے ہیں، نہ اس سے توبہ کراتے ہیں، نہ اس کے ولی و پدر کو خبر کرتے ہیں، نہ اساتذہ وطلباء ہی میں یہ بات منتشر ہوتی ہے، نہ مجمع عام، جامع مسجد وغیرہ میں اس کا کچھ ذکر ہوتا ہے۔ جب نو دس ماہ کے بعد زید طلباء کی وحشت اور سازش اور اسٹرائک میں شریک نہیں ہوتا تو یہ چلتا ہوا نسخہ اس کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ تو جو شخص ان تمام باتوں کو بنظر انصاف، غائر نگاہ سے دیکھے گا، یقین جانے گا کہ سب یادر ہوا باتیں ہیں، جن کو اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے فقط یہ مقصد ہے کہ زید لوگوں کی نظر میں ذلیل اور بے وقعت ہو، جیسا کہ اس نے اس تحریک کی مخالفت کر کے طلباء کو ذلیل کیا ہے۔ طلباء اس پر دعویٰ خدائی کا الزام لگا کر اس کو رسوا بنانا اور اپنا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ غرض شرعی طریقہ پر اس سے ایسا اعتقاد اور اس کا قائل ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے تجدید ایمان و نکاح کا حکم شرعی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری غفرلہ

سینئر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم پٹنہ ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۶۱ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سردار رحمت اللہ از محلہ کیٹھر شہر بنارس

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ ایک گروہ مسلمانوں کا اہل ہنود سے مل کر اس وقت اس قدر اتحاد واتفاق بڑھا رہا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو قربانی گاؤ کے لئے، جو ایام نحر میں تین دن صاحب نصاب پر واجب ہے، روکتے ہیں اور کہتے ہیں ہندو بھائیوں کی دل آزاری نہ کرنا چاہئے اور انہیں معاندین اہل ہنود نے اس قربانی کے لئے ضلع شاہ آباد، ضلع جونپور وضلع سہارنپور وضلع اعظم گڑھ وغیرہ میں جو کچھ سختیاں و بے حرمتیاں غریب مسلمانوں کے ساتھ میں کیں یعنی قرآن پاک کا پرزہ پرزہ پھاڑ کر پھینکنا، مساجد خدا کا ڈھانا، مخدرات اہل اسلام کے پستان کو کاٹ ڈالنا و دیگر شدائد وسختیاں جو کچھ کیں، آج افسوس! ہمارے مسلمان بھائی فراموش کر کے بخاطر اہل ہنود، قربانی گاؤ کے لئے ایام اضحیہ میں بند کرانے کی کوششیں بہر نوع کرتے ہیں۔ اور اہل ہنود بہت خوش ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ ہماری اذان بآواز بلند جس سے ان کو نفرت ہے، روکیں۔

فی الحال یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین شریف مکہ اپنے کو کہتے ہیں سلطان المعظم، والی قسطنطنیہ کو خلیفۃ المسلمین مانیں، جو شخص اس بارے میں شریک جلسہ نہ ہوگا یا بروز جلسہ اپنا کاروبار نہ بند کرے گا وہ از روئے فتویٰ مولانا شوکت علی ومولانا ابوالکلام ومولانا عبد الباری ومہاتما گاندھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ جن مسلمانوں نے اپنا کاروبار بند نہیں کیا، ان مسلمانوں کا بیان ہے کہ ہم بعد ہر نماز پنجگانہ کے سلطان المعظم کی ترقی اقبال وقیام سلطنت ومحافظت حرمین شریفین ودیگر مقامات مقدسہ کے والی ونگہبان رہنے کی اپنے خدائے پاک سے بمصداق حکم خدا "اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً" (الأعراف: ۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔" (کنز الایمان) اپنی مساجد میں دعا کرتے ہیں اور بروز جمعہ خطبہ میں سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قیام سلطنت کی دعا کرتے ہیں۔ ہاں اس طریق پر جو بالکل بغاوت

پر مبنی ہے یعنی والی سلطنت برطانیہ کو گالی دینا اور بے ایمان و دغاباز وغیرہ کہنا، جس سے ہماری عرضیوں کا الٹا اثر و نتیجہ پیدا ہوتا ہے، احتراز کرتے ہیں اور بمصداق فرمودۂ باری تعالیٰ "وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ" (الانعام:۱۰۹) "اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔" (کنز الایمان) اپنی زبان کو سب وشتم سے باز رکھتے ہیں۔ آیا ایسی صورت میں ہم مسلمانان قابلِ ملامت ہیں یا برسرِ حق؟ بینوا بالکتاب و توجروا جزیل الثواب۔

الجواب

اتحاد و اتفاق اگرچہ ایک ایسی عمدہ چیز ہے جس کی خوبی سے کوئی عقل والا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے لئے اہل درکار "فان مجالسة الاغيار تجر الىٰ غاية البوار و نهاية الخسار" اہل اسلام کے ساتھ اختلاف عقائد و اعمال کی وجہ سے ہنود کو جس قدر عداوت ہے، اظہر من الشمس ہے۔ ان کے نزدیک کتے سور اتنے ناپاک نہ ہوں گے جتنا مسلمانوں کا ایک ایک شخص ہے۔ چھوت چھات کا مسئلہ اسی اعتقاد پر متفرع ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآن شریف کے بعد کس دلیل و برہان کی ضرورت ہے؟ "فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيَاتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۔" (الجاثیۃ:۶) "پھر اللہ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔" (کنز الایمان) قرآن شریف جسے ہر مسلمان اپنی دینی مذہبی کتاب یقین کرتا، اس کے تمام ارشادات کو چشم دید سے بھی صحیح مانتا ہے۔ اس کو دیکھئے غیر مسلموں کیا کیسا کچا چٹھا کھولتا اور ہمیں ان کے ساتھ کیسے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ "لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ"۔ (آل عمران:۲۸) "مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں۔"

وقال تعالیٰ: "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ هٰاَنْتُمْ اُولَاءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ (الی قولہ) اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا۔" (آل عمران:۱۱۸-۱۲۰)

مسلمانو! اپنے لوگوں کے سوا غیروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری خرابی میں کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو ہی چکی۔ اور غیظ و غضب، جو ان کے دلوں میں بھرے ہیں وہ (اس سے بھی) بڑھ کر ہیں۔ ہم نے تم کو پتے کی باتیں بتا دیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ سنو جی تم کچھ ایسے (سیدھے سچے) لوگ ہو کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تم سے (مطلق) دوستی نہیں رکھتے (الی قولہ) مسلمانو! اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ صدق العلی العظیم۔

"لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا" کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظرِ شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے۔ مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی و مساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب

روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیں، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسّی اِس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرا دیں گے اور پھر دوست کے دوست۔ مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلاّ نا، صرف اپنا الّو سیدھا کرنے، گاؤ کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ''انسداد گاؤ کشی پر مسلمانوں کا شکوہ'' ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤ کشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصا حال کے واقعات شاہ آباد و کنار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ باوجود ادعائے اتحاد و اتفاق، اس وقت تک ہنود کے عناد و مخالفت کا وہی رنگ ہے۔ آج ان پر جوش مسلمانوں کے صدقے ہر جگہ کی مساجد، ہنود کے ناپاک قدموں سے پامال ہو رہی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی مسلمان، ہنود کے معابد و مندر میں تو جا سکے۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو بشیشر ناتھ کے مندر ہی میں جا کر اتحاد کی حقیقت دیکھ لے۔ وہاں گھستے ہی ایسی عزت افزائی اور خدمت کی جائے گی کہ اگر برسوں نہیں تو مہینوں تک ضرور یاد رہے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہنود اور مسلمانوں کو ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہنا چاہئے۔ ہاں شعائر اسلام کھو کر ذلت کے اتحاد سے اسلام و عزت کے ساتھ ''شما بخیر و ما بسلامت'' کو ضرور بہتر جانتا ہوں۔

میں ان خداوندان اتحاد سے دریافت کرتا ہوں کہ اس وقت کے اتحاد و اتفاق میں، جس کی ہر جگہ چیخ و پکار ہو رہی ہے، امور مذہبی کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر شخص نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذہب کے فرائض، واجبات، سنن موکدہ و غیر موکدہ، مستحبات، مباحات بجالائے اور خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی، حرام سے بچے۔ کوئی کسی طرح کسی پر اعتراض نہ کرے اور دوسرے کے اعمال و افعال شرعیہ میں حارج نہ ہو، اشارۃً کنایۃً کسی طرح مذہبی دست اندازی نہ کرے۔ اور اگر اس اتحاد میں امور مذہبی کو بھی دخل ہے، اس لئے جس بات سے ہنود کی دل آزاری ہوتی ہو، مسلمانوں کو ترک کر دینا چاہئے۔ تو ہنود کی جن جن باتوں سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے مثلاً مندروں میں سنکھ پھونکنا، گھنٹہ بجانا وغیرہ، کیا برادران وطن ان سب کے چھوڑنے پر آمادہ ہیں؟ اگر ہاں تو بسم اللہ! پہلے کانگریس اور دیگر انجمنوں، پبلک جلسوں میں اس کے متعلق رزولیشن پاس کر لیں۔ پھر ترک اضحیہ بقر کے لئے مسلمانوں سے کہیں اور اگر نہیں تو یہ اتحاد کی یک طرفہ تالی کیسی؟ ہندوؤں کی خاطر ہم اپنا شعار چھوڑ دیں، جسے ہم اپنے گھروں میں پوشیدہ طور سے

کرتے ہیں اور وہ سنکھ اور گھنٹوں کی مکروہ اور دلخراش آوازوں سے ہماری علانیہ دل آزاری سے بھی باز نہ رہیں۔ علاوہ بریں جب ہنود کی مذہبی کتاب ویدوں سے ذبیحہ بقر کی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں گائے کا ذبح کرنا جائز اور خود ان کے پیشواؤں کے فعل سے ثابت۔ جیسا کہ رسالہ سوط الجبار وغیرہ سے ظاہر تو اپنے مذہب کے احکام اور اپنے پیشواؤں کے افعال سے دل آزاری کیوں؟ ولو فرضنا کہ گایوں کا ذبح ہونا، ہنود کی دل آزاری کا سبب ہے۔ تو کیا صرف انہیں تین دن میں جب کہ غریب مسلمان قربانی کے لئے ذبح کرتے ہیں، دل آزاری ہوتی ہے اور بقیہ سال بھر جو برابر کمسریٹ وغیرہ میں روزانہ تیس چالیس ہزار گائیں کٹا کرتی ہیں، اس سے کانوں پر جوئیں تک نہیں رینگتی۔ تو ظاہر ہوا کہ سب مذہبی عناد و عداوت کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی اور ان کو قربانی جیسے ثواب عظیم سے روکنے کی حیلہ سازی ہے۔ مسلمانوں کو عقل و ہوش سے کام لینا چاہئے۔ ایسے دھوکے بازوں کے دام میں نہ آئیں۔ فرضی، وہمی اعزاز دنیوی کی خاطر دین سے دست برداری نہ دیں۔

خلیفۃ المسلمین کی بحث مسلمانوں کے لئے ایک علمی بحث ہے، جس کا فیصلہ کتب عقائد و شروح حدیث میں مفصل موجود ہے۔ تمام مسلمانوں پر مقامات مقدسہ کی حفاظت، حرمین شریفین کی خدمت کی وجہ سے سلطان معظم کا احترام فرض ہے۔ مگر عامیانہ طریقہ ہڑتال، نہ شریعت کی تعلیم، نہ امیر المومنین کا حکم، نہ علمائے دین کا فتویٰ ہے۔ یہ انہیں لوگوں کے اوہام تراشیدہ ہیں جو جھونپڑوں میں بیٹھ کر سلطنت کا خواب دیکھا کرتے اور ہوم رول، سلف گورنمنٹ، سوراج وغیرہ کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں۔ ان کی تقلید نہ مسلمانوں پر ضروری، نہ ان کے احکام کی عدم تعمیل کی وجہ سے کوئی شخص شرعاً گنہگار ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہندوستان کی ریاستہائے اسلامیہ میں اس قسم کا شور وشر، ہڑبونگ و ہڑتال کا نام ونشان تک نہیں۔ نہ تعلیم یافتہ طبقہ بیرسٹران، وکلاء، عمال کچہری وڈاکخانہ جات، ریلوے وغیرہ نے اس کی طرف دھیان کیا۔ حالانکہ رزرولیوشن کے الفاظ یہ تھے: ”اس دن تمام مسلمانان ہند کاروبار بند کریں“ بلکہ بعض جگہ نہ صرف روز جمعہ بلکہ شب جمعہ کو بھی تمام کاروبار جاری اور تمام دکانیں کھلی رہیں۔ ریاست رامپور جو مسٹر شوکت علی ومسٹر محمد علی کا مسقط الراس، مولد و وطن ہے، وہاں کا اخبار دبدبہ سکندری مظہر کہ ”ریاست رامپور میں ۱۸ / مارچ روز پنجشنبہ کو شب بھر بازار کھلے رہے اور دوکانداروں نے رات کھل کر دکانوں میں بسر کی، جن کے مال واسباب کی حفاظت ریاست کی پیدل وسوار فوجیں کرتی رہیں اور ۱۹ / مارچ کو تمام کاروبار بدستور جاری رہے اور شہر کے تمام بازار کھلے رہے۔ جامع مسجد میں سوائے دعاء نصرت وفتوحات شاہان اسلام کے کہ وہ ویسے ہی ہر جمعہ کو کی جاتی ہے، غیر معمولی کوئی امر ظہور پذیر نہ ہوا“۔

سلطان اسلام کے لئے سچے دل سے مساجد و جمعات و جماعات میں دعا کرنا، بیشک پسندیدہ کام ہے۔ علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں ۱۹ شخص ایسے ذکر کئے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ از انجملہ مسلمان کہ مسلمان کے لئے اس کی غیبت میں دعا مانگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ دعا نہایت جلد قبول ہوتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: ولک بمثل ذلک امین۔ دوسری حدیث میں فرمایا: یہ دعا حاجی اور نمازی، مریض ومظلوم کی دعاؤں سے بھی زیادہ جلد قبول ہوتی ہے۔ تیسری

حدیث میں ارشاد ہوا: اس سے زیادہ جلد قبول ہونے والی کوئی دعا نہیں۔ رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مگر اس کے لئے نہ کسی وقت کی تخصیص، نہ کاروبار بند کرنے کی تنصیص، ہر وقت کر سکتے ہیں اور ہر وقت کرنا چاہئے۔ خصوصا بعد صلوات خمسہ۔ شورش، ہنگامہ، فتنہ، فساد سے مسلمانوں کو ہر وقت بچنا چاہئے۔ قال تعالیٰ: "والفتنة اشد من القتل" (البقرة: ۱۹۱) فتنہ کرنا قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے۔ بالجملہ جو لوگ عامیانہ ہڑتال، وحشیانہ افعال کے شریک نہ ہوئے اور انہوں نے مساجد میں باتمثال امر "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً" (الأعراف: ۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔" (کنز الایمان) خلیفۃ المسلمین کی فتح و نصرت و بقائے جاہ و عزت کی دعا کی، وہ ہر طرح مستحق تعریف و توصیف ہیں، نہ الٹا قابل مذمت و ملامت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی عزیز الدین از ابراہیم پور ڈاکخانہ سبور ضلع بھاگل پور ۱۵ رشعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) وہابی کسے کہتے ہیں؟ ان کے کیا کیا عقائد ہیں؟ شرعاً وہ کافر ہیں یا بے دین: اگر کافر نہیں تو اس کو کافر کہنے والا خود کافر ہے یا نہیں؟ کافر اور بے دین یا بد مذہب کا کیا مطلب ہے؟۔

(۲) وہابیوں سے میل جول رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) خالد پیر اہلسنت سے مرید ہے لیکن وہ ایسی بستی میں رہتا ہے جہاں وہابی بکثرت رہتے ہیں۔ اور الگ جگہ کے نہ ہونے سے وہاں کے لوگوں سے زیادہ میل جول رکھتا ہے اور اس کو یہ بھی خیال ہے کہ اگر ہم ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کریں گے تو میرا دنیاوی گھاٹا ہے اور فی الحقیقت اس کا نقصان ہوتا بھی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو کیا ایسا شخص وہابی کہلائے گا؟۔

(۴) وہابیوں سے ارتباط از قسم خورونوش، آمد و رفت، شادی بیاہ، جائز ہے یا ناجائز یا حرام؟ ناجائز اور حرام کا کیا مطلب ہے؟

(۵) بکر کہتا ہے کہ زید اگر چہ وہابی ہے تو اس بنا پر ہم کیوں آنا، جانا، کھانا، پینا، ترک کر دیں۔ ہم تو وہابی نہیں۔ حشر اگر خراب ہوگا تو زید کا نہ کہ میرا۔ تو کیا بکر کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۶) زید جو عمرو (سنی) کے نزدیک وہابی ہے، یہ کہتا ہے کہ ہم وہابی نہیں۔ جو عقیدہ عمرو کا ہے، وہی عقیدہ ہمارا ہے۔ اور دلیل میں المہند (نامی کتاب) کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ہم وہابی ہوتے تو کتاب مذکور کو نہ مانتے۔ حالانکہ ہم اس کو مانتے اور صحیح جانتے ہیں، جس طرح تم صحیح جانتے اور مانتے ہو۔ لیکن عمرو جس طرح رشید احمد و اشرف علی اور اسمٰعیل وغیرہ کی مصنفہ کتابوں کے متعلق پوچھتا ہے کہ تم اسے وہابی سمجھتے ہو اور ان کی کتابوں کو باطل سمجھتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہتا ہے کہ ہم انہیں وہابی یا ان کی کتابوں کو برا نہیں سمجھتے۔ لیکن ہاں اس پر عمل بھی نہیں کرتے۔ نہ معلوم انہوں نے کس مصلحت سے ایسا لکھا؟ تو اس صورت میں زید سنی یا وہابی کس گروہ میں اس کا شمار ہوگا؟

(۷) مولوی محمد علی صاحب ومولوی غنیمت حسین صاحب مونگیری ان دونوں کے کیسے عقائد ہیں؟ وہابی ہیں یا اہل سنت وجماعت؟ فقط بینوا کما هو فی الکتاب۔

الجواب

(۱) محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متبع کو وہابی کہتے ہیں۔ کتاب التوحید عربی زبان میں ایک کتاب اس کی تصنیف ہے، جس میں اپنے خیالات وعقائد اس نے درج کیے ہیں۔ اسی کا ترجمہ تقویت الایمان ہے جو مولوی اسمٰعیل دہلوی نے لکھی ہے، جو لوگ اس کتاب کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے مسائل کو صحیح ودرست جانتے ہیں، وہ سب وہابی ہیں۔ ہندوستان میں وہابیہ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک جو اعتقاداً اور عملاً ہر طرح محمد بن عبدالوہاب ومولوی اسمٰعیل دہلوی کے قدم بقدم ہیں، ان کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اعتقاداً تو اسی کے ہم مشرب ہیں اور فرعاً حنفی ہیں، ان کو دیوبندی کہتے ہیں۔ محمد بن عبدالوہاب واسمٰعیل دہلوی کے عقائد کفریہ نہ تھے۔ اگرچہ بعض اقوال شانِ اسلام سے بہت گرے ہوئے ہیں مگر التزام کفر نہ ہونے کی وجہ سے محققین ومحتاطین علمائے کرام نے ان دونوں اور ان کے ہم خیالوں کی تکفیر نہ کی، صرف گمراہ اور بد مذہب کہا، جیسا کہ مطالعہ رسالہ الکوکبۃ الشہابیہ سے واضح ہوگا۔ اسی وہابیہ کی دوسری شاخ دیوبندی ہے۔ اس نے اللہ ورسول جل وعلا شانہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں سخت توہین وتنقیص کے کلمات لکھے، چھاپے، جس کی وجہ سے علمائے حرمین شریفین نے دیوبندی کی تکفیر فرمائی۔ مطالعہ ہو رسالہ مبارکہ حسام الحرمین۔ ان دونوں شاخوں کے عقائد وخیالات رسالہ الاستمداد میں بحوالہ کتب وہابیہ جمع کردیے گئے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ بھیجتا ہوں۔

کافر کا یہ مطلب ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہے۔ اس شخص کو نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہونا چاہئے اور اپنے عقائد وخیالات سے بری ہونا چاہئے۔ اور بد مذہب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دائرۂ اسلام میں ہے مگر اس کے خیالات مطابق عقیدۂ اہل سنت نہیں۔ اسے اپنے خیال سے توبہ کرنا چاہئے۔ واللہ الہادی وهو الموفق۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(۲) وہابیوں بلکہ تمام بد مذہبوں سے میل جول رکھنا شرعاً ناجائز ہے۔ قال تعالیٰ: "وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔" (الانعام:۶۸) "اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔" (کنزالایمان)

تفسیرات احمدیہ میں ہے: "دخل فیه الكافر والمبتدع والفاسق والقعود مع كلهم ممتنع۔" "اس آیت کے حکم میں ہر کافر ومبتدع اور فاسق داخل ہیں۔ ان میں کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔"

اللہ عز وجل فرماتا ہے: "وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ" (ہود:۱۱۳) "اور ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔"

صحیح مسلم شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ایاكم وایاهم لا یضلونكم ولا

یفتنونکم۔" "ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ واللہ الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جو شخص عقیدۃً، عملاً ہر طرح سنی ہو، صرف یکجا رہنے کی وجہ سے دنیوی تعلقات، میل ملاپ وہابیہ سے رکھتا ہو تو وہ شخص اگر چہ وہابی نہیں ہو جائے گا مگر یہ فعل اس کا شرعاً ضرور قابل ملامت ہے۔ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دینے والے کے پاس ہنسی خوشی بیٹھ سکتا ہے، میل جول رکھ سکتا ہے، اس کی شادی بیاہ میں شریک ہوسکتا ہے، نہ شریک ہو کر طعن خلق وملامت لائم سے بچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ تو ماں باپ سے کروڑوں کیا اربوں مرتبہ زائد ہے۔ پھر کوئی دیندار، وہابیہ سے میل جول رکھنا کیسے پسند کرسکتا ہے؟ خود وہابیہ کے افعال سے سبق لے سکتے ہیں کہ کوئی سنی ان کے کبرا، ان کے فضلا کے حق میں وہی الفاظ استعمال کرائے جو انہوں نے ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کئے ہیں، پھر دیکھئے ایک جگہ اپنے کا ساتھ، کیسا حق نباہتے ہیں؟ اسی طرح ملتے جلتے ہیں یا منھ پھلا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ کسی وہابی کے سامنے کہہ دیکھئے کہ مولوی اسمٰعیل وقاسم ورشید احمد واشرف علی سا علم تو ہر گدھے، کتے، سور کو ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تو سب علم ان لوگوں کو دے نہیں دیا، رہا بعض علم تو ایسا ہر گدھے، کتے، سور، پاگل، لونڈی کو ہے۔ یہ کہہ کر ان کے اخلاق دیکھئے۔ حیف صد حیف کہ وہ لوگ جس قدر اپنے علماء کی عزت کریں، افسوس کہ ہمارے سنی بھائی اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی وقعت وعظمت اپنے دل میں اتنی نہ رکھیں۔

قال تعالیٰ: "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥" (المجادلة: ۲۲) "تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انھیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔" (کنز الایمان) مسلمانوں کے لئے قرآن شریف سے بڑھ کر کس کی ہدایت درکار۔ واللہ الموفق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) نمبر ۴ کا جواب بھی اُسی نمبر ۳ سے واضح ہو گیا۔

(۵) بکر کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ گناہ صرف زید کو ہوگا اور اس کا حشر خراب نہ ہوگا۔ اس کو عذاب وہابی ہونے کا ہوگا تو زید کو عذاب خلاف قرآن وحدیث وہابیہ سے ملنے کا گناہ ہوگا کہ اس نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈالا، اور نفسانی احکام پر چلا۔ تفصیل کے لئے مطالعہ ہو رسالہ فتاوی الحرمین وکتب ردندوہ۔ واللہ تعالیٰ ھو الموفق وھو اعلم۔

(۶) زید اگر عیار نہیں، تو احمق ہے۔ اور اگر احمق نہیں، تو عیار ہے کہ اپنی عیاری دکھاتا اور عقل ونقل سب کے خلاف بات بناتا ہے۔ اس سے پوچھا جائے کہ ان کتابوں کو حق سمجھتے ہو یا ناحق؟ اگر حق سمجھتے ہو تو کیوں حق کے مطابق عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور اگر ناحق سمجھتے ہو تو پھر کس طرح اچھا جانتے ہو؟ تو کیا اچھا اور برا، حق اور ناحق کے درمیان کوئی حد فاصل ہے؟ قال تعالیٰ: "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ" (یونس: ۳۲) ''حق کے بعد نہیں مگر گمراہی''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) مولوی محمد علی صاحب کی کوئی تحریر یا تقریر وہابیت، کے متعلق مجھ تک نہ پہنچی۔ انہوں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں نصاریٰ کا رد کر کے دین کی حمایت کی۔ اور آج کل بھی قادیانیوں کے رد میں منہمک ہیں۔ ہاں بیچ کا زمانہ ندویت کا تھا۔ مگر العبرۃ بالخواتیم جب خود اصول ندوہ کے خلاف قادیانی کا رد کر کے دین کی حمایت کر رہے ہیں تو انہیں اب ندوی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ مولوی غنیمت حسین صاحب مونگیری غیر معروف شخص ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہیں؟ کس خیال، کس عقیدہ کے ہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی سید شاہ رشید الدین احمد بہار شریف محلہ خانقاہ ۱۴؍ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل مفصلہ میں:

(۱) ترک موالات جس کا مفہوم حمایت دین واسلام وآخری انجام جہاد فی سبیل اللہ ہے، مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے یا نہیں؟

(۲) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ مدینہ طیبہ آج کا مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یا انگریزوں کے؟

(۳) مکہ معظمہ میں شراب علانیہ بیچی جاتی ہے یا نہیں۔ عرفات کے میدان میں تھیٹر کا تماشہ کیا گیا یا نہیں؟

(۴) مکہ معظمہ میں بام کعبہ محترم پر انگریزوں نے گولہ باری کی ہے یا نہیں؟

(۵) کعبہ شریف کا غلاف گولہ باری کی وجہ سے جل گیا یا نہیں؟

(۶) اگر یہ خبریں جیسی کہ ہندوستان میں شہرت رکھتی ہیں اور سارے اخبارات اس کے شاہد ہیں اور حجاج راوی، تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر ترک موالات وتعلقات یا جہاد کرنا انگریزوں سے فرض ہے یا نہیں؟

(۷) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اگر انگریزوں کے زیر اثر اور قبضے میں ہے تو ان مقاماتِ مقدسہ کو کفاروں کی نجاست وپلیدی سے پاک کرنا، مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں؟

(۸) رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول (اخرجوا الیهود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب) اور پھر اس پر اجماع منعقد ہونا، اس وقت موجودہ حالت میں کیا فتویٰ دیتا ہے؟

(۹) اگر بادشاہِ وقت کے آگے ضعف وکمزوری کا عذر کر کے ترک موالات وجہاد سے انکار کیا جائے، تو یہ عذر قابل سماعت ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اگر بادشاہ وقت خدانخواستہ فرائض سے مثل روزہ، نماز کے مسلمانوں کو کمزور پا کر

روک دے، تو اس وقت ضعف کا عذر کر کے خاموش بیٹھ جانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

(۱) ترک موالات بموجب احکام آیات واحادیث، جملہ اعداء دین ہنود و یہود و نصاریٰ مجوس وغیرھم سب سے ضروری ہے۔ ان میں کسی سے موالات جائز نہیں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیۂ کریمہ: "وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔" (آلنساء: ۸۹) ''یعنی دوست رکھتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہو گئے ہیں، اسی طرح تم بھی کفر کرنے لگو۔ پس وہ اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ۔ تو جب تک یہ مسلمان نہ ہو جائیں، ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ پھر اگر یہ منھ موڑیں تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ''۔ فرماتے ہیں: ''دلت الآية علىٰ انه لا يجوز موالاة المشركين والمنافقين والمشتهرين بالزندقة والالحاد وهذا متاكد بعموم قوله تعالىٰ يا يها الذين امنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم اولياء ۝ والسبب فيه ان اعز الاشياء واعظمها عند جميع الخلق هو الدين لان ذٰلك هو الامر الذى به يتقرب الىٰ الله ويتوسل به الىٰ طلب السعادة فى الاٰخرة واذا كان كذٰلك كانت العداوة الحاصلة بسببه اعظم انواع العداوة واذا كان كذٰلك متنع طلب المحبة والولاية فى الموضع الذى يكون اعظم موجبات العداوة حاصلا۔''

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین اور منافقین اور جو لوگ کہ الحاد و زندقہ کے ساتھ مشہور ہیں، ان میں سے کسی سے موالات جائز نہیں۔ اور یہ حکم "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ" سے اور موکد ہوتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ سب سے بڑی اور سب سے عزیز ترین چیز جملہ مخلوق کے نزدیک دین ہی ہے، کہ اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے اور آخرت میں نیک بختی کا حصول ہوتا ہے اور جب یہ بات ہے تو جو عداوت اس سبب سے ہوگی، وہ سب دشمنوں سے زیادہ اور بڑی ہوگی۔ تو جس جگہ دشمنی کا سب سے بڑا سبب موجود ہوگا، وہاں محبت اور موالات ناممکن ہے۔

تفسیر مدارک التنزیل میں "حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (النساء: ۸۹) ''جب تک کہ اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں'' (کنز الایمان) کے تحت لکھتے ہیں: ''حتى يومنوا لان الهجرة فى سبيل الله بالاسلام۔'' پس مسلمانوں کو جو اس کے احکام کو مانتے ہیں، چاہئے کہ مطابق حکم خداوند عالم، جملہ اعداء دین سے موالات ترک کر دیں اور کسی غیر مومن کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

والتفصيل فى رسالتى المفردة فى هذا الباب والله تعالىٰ اعلم بالصواب

(۲) جزیرۃ العرب میں حرمین محترمین اور اس کا زیادہ حصہ سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قبضہ میں اور کچھ حصہ اس کا

،اب انگریزوں کے قبضہ میں آیا ہے اور کچھ اس کا بہت پہلے سے نصاریٰ کے قبضہ میں ہے جیسے عدن وغیرہ۔
کنز العلوم واللغۃ میں ہے: "(عدن) میناء ذات تجارة واسعة فی الجنوب الغربی من بلاد العرب یسکنها نحو ۳۵۰۰۰ نسمة اشترتها انجلزة ۱۸۳۹م وجعلت فیها مخازن فحم للسفن المسافرة الی الهند وبها قلعة حربیة علیٰ بوغاز باب المندب۔"
''عدن ایک وسیع تجارتی بندرگاہ ہے بلاد عرب کے دکھن پچھم کے گوشہ پر، جہاں ۳۵ ہزار آدمی رہتے ہیں۔اس کو انگریزوں نے ۱۸۳۹عیسوی میں خریدا ہے اور وہاں ہندوستان آنے والے جہازوں کے لئے کوئلوں کا مخزن ہے اور وہاں باب المندب پر ایک جنگی قلعہ ہے۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) میں نے آج تک یہ کسی سے نہیں سنا، نہ کسی اخبار میں دیکھا۔

(۴) یہ خبر بھی محقق طور پر معلوم نہیں ہوئی ہے۔

(۵) غلافِ کعبہ معظمہ کا جل جانا، یہاں بھی مشہور ہے اور اخباروں میں بھی ہے۔ ہاں اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ عام طور پر زبان زد نصاریٰ کی وجہ سے اس کا نقصان ہونا ہے، مگر ولایت کی کونسل میں اس کے متعلق سوال ہوا، تو انگریزوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ترکوں کا کام ہے۔آگے رہے قیاسات وقرائن، والعلم عند الله۔

(۶) ترک موالات کا جواب نمبرا میں گزرا۔ترک تعلقات کا ہر وقت انسان کو اختیار ہے۔ یہ اپنے جوش اور غیظ وغضب سے جتنا زیادہ جوشیلا ہوگا، اسی قدر جلد الگ ہوسکتا ہے۔رہا جہاد اگر سبب حاصل، شرائط موجود، موانعات مفقود ہیں تو ضرور مستعد ہوجایئے۔ ورنہ اس بے کسی اور بے بسی پر جہاد کا خیال تو بالکل اسی کا مضمون ہوگا ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا　　　لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

درمختار میں ہے: "ولا بد لفرضیته من قید اخر وهو الاستطاعة۔"
سراج الوہاج میں ہے: "وشرط لوجوبه القدرة علی السلاح۔"
شامی میں ہے: "ای وعلیٰ القتال وملك الزاد والراحلة کما فی قاضی خان وغیره قهستانی۔"
یہاں بھی ایک بہت ہی جوشیلے صاحب ہیں۔ایک دن مجھ سے فرمانے لگے، مولانا! آپ جہاد کا فتویٰ دیجئے۔ میں نے کہا، آپ رسد اور اسلحہ کا بندوبست کرلیجئے، تب کہئے۔اب زمانہ گزمی کنم والی بندوق اور کند تلواروں کا نہیں ہے مشین گن، ہوائی جہاز، اسی میل مارنے والی توپ کا انتظام کیجئے اور اگر یہ نہیں کرسکتے تو جہاد کا خواب کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) اگر قدرت اور استطاعت ہے تو ضرور فرض ہے۔مگر فرضیت اس کی ترتیب وار باعتبار الاقرب فالاقرب کے ہے۔
درمختار میں ہے: "یفرض علیٰ الاقرب فالاقرب من العدو الیٰ ان تقع الکفایة۔"
شامی میں ہے: "ونظیره الصلاة علیٰ المیت فان من مات فی ناحیة من نواحی البلد فعلیٰ جیرانه

واھل محلته ان یقوموا باسبابه ولیس علیٰ من کان ببعد من المیت ان یقوم بذٰلك وان کان الذی ببعد من المیت یعلم ان اھل محلته یضیعون حقوقه او یعجزون عنه کان علیه ان یقوم بحقوقه کذا ھٰھنا۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد واجب الانقیاد "واخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب" موجودہ حالت میں وہی فتویٰ دیتا ہے جو اس وقت میں رب العزت جل جلالہ کا فرمان واجب الاذعان "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً۔" (التوبۃ:۱۲۳) ”مسلمانو! اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاہئے کہ وہ تم میں کرارا پن معلوم کریں“ فتویٰ دیتا ہے۔

(۹) بعد وجوب وفرضیت اس قسم کے لایعنی اعذار، قابل قبول نہیں اور بغیر تحقق شرط یا وجود مانع اس کا حکم جڑ دینا، ایسا ہی ہے جیسے کسی فقیر مسکین کو زکوٰۃ یا حج کی فرضیت جتا کر اس کو ابھارنا یا شیخ فانی کو روزہ پر مجبور کرنا یا نابالغ ومجنون پر نماز فرض جاننا یا کسی عورت کو حیض ونفاس کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم دینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ عبدہ العاصی محمد ظفر الدین القادری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الوقف ۸

مسئلہ ملک بنگالہ ضلع سلہٹ مرسلہ مولوی عبید اللہ ۲۷ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) ایک ہندو زمیندار کی زمین مملوک پر اس کی اجازت سے بنائی ہوئی مسجد کہ اس نے نہ زمین ہبہ کی، نہ اسے کسی مسلمان نے خریدا، اب وہ مسجد، شرعاً مسجد ہوئی یا نہیں؟

(۲) رعیت کی اجازت سے جمعہ خانہ قائم ہوا ہے بدون اجازت مالک کے۔ تو وقف کے لئے مالک ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اور وقف صحیح ہوا یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرمادیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں وہ مسجد، شرعاً مسجد نہیں۔ اور اس میں نماز سے ثواب مسجد میں پڑھنے کا ہوگا کیونکہ یہاں ملک ابھی کافر کا باقی ہے۔ وان المسجد لله فما لم يكن لله لم يكن مسجدا نیز وقف کے اسباب سے طلب تقرب الی اللہ ہے اور کافر کا کوئی فعل بھی اللہ کے لئے نہیں ہوتا۔

عالمگیریہ میں ہے: ''واما سببه فطلب الزلفىٰ الىٰ الله هكذا فى العناية۔''

اسی کے بیان شرائط وقف میں ہے: ''ومنها (اى من شرائط الوقف) ان يكون قربة فى ذاته عند المتصرف فلا يصح وقف المسلم او الذمى علىٰ البيعة او الكنيسة او علىٰ فقراء اهل الحرب هكذا فى النهر الفائق۔''

اسی میں ہے: 'ولو وقف الذمى داره على بيعة او كنيسة او بيت نار فهو باطل كذا فى المحيط۔''

اس لئے اگر اس نے اپنا مکان مسجد میں وقف کر کے نماز کی اجازت دے دی اور اس کی اجازت سے لوگوں نے نماز بھی پڑھی، تب بھی بعد موت اس کے ورثہ کا میراث ہوگا۔

اسی میں ہے: ''ولو جعل فى داره مسجدا للمسلمين وبناه كما هى المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فيه فصلوا فيه ثم مات يصير ميراثا لورثته وهذا قول الكل فى جواهر الاخلاطى۔''

عطایا نبویہ میں اسعاف سے ہے: ''لو جعل داره مسجدا للمسلمين وبناه كما هى المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فيه فصلوا فيه ثم مات يصير ميراثا لورثته واوصىٰ بان يحج عنه يكون الوقف باطلا لكونه ليس مما يتقرب به اهل الذمة لله تعالىٰ۔''

عقود الدریہ میں ہے: '' وقف اهل الذمة لا يجوز الا اذا كان قربة عندنا وعندهم حتى لو جعل

دارہ مسجدا للمسلمین لا یجوز۔"

اس کے مسجد شرعی ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ اگر کوئی ہندو ایسا چاہے تو اس سے کہا جائے کہ تو اس شی کا کسی مسلمان کو مالک کردے اور وہ اپنی طرف سے مسجد کے لئے وقف کردے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ نہ لے کیونکہ دین میں کافر سے مدد، شرع مطہر ناپسند کرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) صرف رعیت کی اجازت، بلا اجازت مالک لغو ہے۔ اس سے وقف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وقف کی پہلی شرط یہ ہے کہ واقف وقت وقف اس شی کا مالک ہو، پرائی شی کو کوئی وقف نہیں کرسکتا اور نہ اس کے لئے وہ وقف ہو۔ وہ بدستور ملک مالک پر رہتی ہے۔

ہندیہ میں ہے: "و منہا (ای من شرائط الوقف) الملك وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقفہا ثم اشتراھا من مالکہا و دفع الثمن الیہ لایکون وقفا کذا فی البحر الرائق۔"

درمختار میں ہے: "شرطہ شرط سائر التبرعات۔"

ردالمحتار میں ہے: "افا دان الواقف لا بد ان یکون مالکہ وقت الوقف۔"

فتح المعین و درمختار میں ہے: "و محلہ المال المتقوم۔"

طحطاوی میں ہے: "(قولہ و محلہ المال المتقوم) ای یکون المملوك لہ وقت الوقف۔"

تو بغیر اجازت مالک نہ وہ جمعہ خانہ مسجد ہے اور نہ وہ وقف، وقف۔ بلکہ ایک مکان ہے مثل اور مکانوں کے۔ کیونکہ مسجد کے لئے افراز و تابید کے ساتھ وقف درکار ہے۔ یہاں جب زمین غیر مملوک ہے تو نہ افراز ہوا نہ تابید۔ اس میں نماز ایسی ہی ہے جیسے کرایہ کے مکان میں، جس میں اصلا ثواب مسجد کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بمقام جام نگر حاکم ہنود، مسلمات عورات کو اپنے گھر میں ڈال لیتا ہے چنانچہ وہ اپنے راہ برادر، اپنے دین اسلام پر، وہ عورتیں متمول ہوکر عمدہ عمدہ مساجد بنواتی ہیں؟ ان میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ بیان فرماویں بعبارت کتب۔ جزاکم اللہ خیرا۔

الجواب

اعوذ باللہ من غضبہ وعقابہ و شر عبادہ قال تعالی: "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيْلًا۔" (الاسراء: ۳۲) "اور نہ پاس پھٹکو زنا کے کہ وہ بے حیائی اور اللہ کو دشمن اور سخت بری راہ ہے"۔

زنا حرام قطعی، گناہ کبیرہ عظیمہ شدیدہ ہے نہ کہ معاذ اللہ من ذلک یہ خاص صورت۔ پھر زنا کی وجہ جو کچھ اموال زانیات کو ملتا ہے، وہ اس کی ہرگز ہرگز مالک نہیں ہوتیں۔ ان کے ہاتھوں میں حکم غصب رکھتا ہے۔ جس جس سے جتنا جتنا لیا ہے، اس کو واپس دینا واجب۔ اور وہ نہ رہے ہوں، ان کے ورثا کو دے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقرا پر تصدق واجب۔ لانہ حصل بوجہ خبیث و کل مال ھکذا فشانہ وجب تصدقہ۔

بایں ہمہ حسب مذہب مفتیٰ بہ ان میں نماز جائز اگر اس طرح سے بنائی گئی ہوں کہ خود زمین غاصبانہ طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور نہ اس کی خریداری میں زرحرام پر عقد ونقد جمع ہوا ہو۔ لان الخبث لا یسری فی الابدال من الاشیاء والدراھم والدنانیر۔ حرام پر عقد کے یہ معنی ہیں کہ زرحرام دکھلا کر اس پر عقد کرے، اور نقد یہ کہ پھر زرحرام ہی اس کے معاوضہ میں دے اور اگر مطلقاً بے روپیہ معین کئے کوئی چیز خریدی اور وہ زرحرام بھی عوض میں دیا تو یہ دینا اگر چہ اسے حرام تھا لانہ مامور بان یردہ الی من کان لہ وان لم یبق ہو او وارثہ او لم یعرف فالتصدق وھذا عدول عنھما فلایجوز۔ بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جب کہ اسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اور اس کے پاس بلا ملک ہے۔ مگر جب کہ عقد حرام پر نہ ہوا، خریدی شی میں نہ آیا۔ یونہی اگر زرحرام دکھا کر کہا کہ اس کے عوض فلاں شی دیدے۔ جب اس نے دی مشتری نے وہ روپیہ ثمن میں نہ دیا بلکہ زرحلال دیا۔ تو اب اگر چہ عقد حرام پر ہوا مگر نقد اس کا نہ ہوا اور ظاہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اسی صورت روپیہ پر ہوتی ہیں کہ روپیہ معین کر کے عقد نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ اس روپیہ کے عوض میں زمین یا فلاں شے دیدے یا میں نے اس روپیہ کے عوض میں خریدی۔ اور اگر بالفرض کہیں اجتماع عقد ونقد کا اتفاق ہوا بھی ہوتو، جو نادر محض ہے اور ہم کو اس کا حال معلوم نہیں، تو حکم خبیث نہیں ہو سکتا۔ وقد قال فی الاصل بہ ناخذ مالم یعرف شیئا حراما بعینہ۔ خصوصاً جب کہ معلوم ومعہود ہے کہ ایسے لوگ جو نیک کام کرنا چاہتے ہیں، اپنا خبیث روپیہ نہیں لگاتے بلکہ قرض لے کر کرتے ہیں اور اپنے روپے سے قرض ادا کر دیتے ہیں۔ تو جب تک خاص وجہ خبث وبطلان مسجد ثابت نہ ہو ایسی مسجدیں، مساجد ہی ہیں اور ان میں نماز صحیح۔

کتبہ عبد المصطفیٰ محمد ظفرالدین القادری الرضوی عفی عنہ

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شیخ رحمۃ اللہ..........۲۳ رصفر ۱۳۲۳ھ

ایک زمین متصل مسجد دفن اموات کے لئے وقف ہے، جس میں بہت دنوں سے قانونا دفن کی ممانعت ہوگئی ہے۔ آیا اس میں مکان سکنیٰ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجـــــــــــواب

اس زمین میں مکان سکنیٰ بنانا حرام ہے۔ کہ یہ جگہ دفن اموات کے لئے وقف ہے تو یہ تبرعاً مقبرہ کہا جائے گا۔ اگر چہ انگریزی قانون سے اس میں دفن کی ممانعت ہوگئی ہو کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور اس کا تغیر بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ''لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ اقول فکیف بابطال غرضہ۔''

عقود الدریہ میں ہے: ''لا یجوز للناظر تغییر صبغۃ الموافف کما افتیٰ بہ الخیر الرملی والحانوتی وغیرھما۔''

خزانہ میں ہے: ''مقبرۃ قدیمۃ بمحلۃ لم تبق فیھا آثار المقبرۃ لا یباح لاھل المحلۃ الانتفاع بھا۔''

کہ اس سے انتفاع اور مکان سکنی بنانے میں قبر مسلم بلکہ مسلم کی بے حرمتی ہے اور وہ شرعاً ممنوع۔ علما فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عزت زندگی اور بعد موت برابر ہے۔ والمیت یتاذیٰ بمایتاذیٰ به الحی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کسر عظم المیت واذاہ ککسرہ حیا۔" مردے کی ہڈی توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے، جیسے زندہ کی ہڈی توڑ دینا ہے۔ اور جب وہاں مکان سکنی بنے گا تو لوگ بیٹھیں گے، چلیں گے، پھریں گے، حالانکہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی منع ہے کہ سقف قبر پر بھی حق میت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے قنیہ سے: "قال علاء التوقانی یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت واما قول الزیلعی فی التبیین" ولو بلیٰ المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه" فمعناہ اذا دفن رجل فی ملک غیرہ لان الملك مطلق والمانع زال وهذا ایضا اذاکان ذلك باذنه والا ففی الغصب له اخراج المیت وتسویة الارض۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:" لیس لعرق ظالم حق" کما اشار الیه فی الدر المختار ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق ادمی کأن تکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة ویخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالارض کما جاز زرعها والبناء علیه اذا بلی وصار ترابا زیلعی والا فالزرع فی المقبرة لم یذهب الیه احد وفی غایة القبح ان یقبر فیه الموتیٰ سنة ویزرع سنة والتفصیل فی" العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة۔" واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار بھائیوں کو ایک جائداد کثیر ترکہ پدری سے پہنچی۔ من جملہ اس جائداد کے چاروں بھائیوں نے تین مواضعات کی حقیقت جوان کے حصہ کی ان مواضعات میں تھی، واسطے مصارف فاتحۂ والدین و نیز تنخواہ قرآن خوانوں کے اور عزیزان جو مفلس ہوں، در وقف نامہ وقف کردی۔ اور تخمیناً سو برس تک عمل درآمد فاتحہ و تنخواہ قرآن خواں و عزیزان مفلس رہا۔ ایک زمانے کے بعد ورثاء نے منجملہ جائداد موقوفہ کے ایک موضع کی تقسیم کی نالش، عدالت سرکار انگریزی میں دائر کی کہ اس میں تنخواہ عزیزان وغیرہ کا تعلق ہے، وقف فلاں قانون انگریزی کی رو سے نہیں ہوئی۔ لھذا تقسیم ہونا چاہئے اسے حکم کے موافق متدعیان تقسیم کے۔ منجملہ بیست بسوہ کے ساڑھے سات بسوہ حقیقت تقسیم کرالی اور بقیہ کل جائداد مذکورہ بالا کی آمدنی جیسے قدیم سے صرف ہوا کرتی تھی، وہ اب تک صرف ہوتی ہے۔ بموجب شرع شریف جائداد مذکورہ اور غیر منقسمہ وقف ہے یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شرعاً وہ کل جائداد جس قدر چاروں بھائیوں نے وقف کی تھی، سب بدستور وقف ہے۔ اس کو تقسیم کرا کر اپنی ملک ٹھہرانا شرعاً جائز نہ تھا۔ شریعت میں وقف اہلی بھی جائز ہے۔ جس میں سے عزیزوں کی تنخواہ بھی منجملہ مصارف خیر مقرر کی جائے۔

درمختار میں مواہب علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی سے ہے: "فی الوقف علی نفسه وولدہ ونسله وعقبه جعل ربعه لنفسه ایام حیاته ثم وثم جاز عند الثانی وبه یفتی۔" انتھیٰ۔ والله تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

کتاب القضاء ۹

تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۳٦ھ)

کھڑکی کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العلمین، احکم الحاکمین الذی جعل سیدنا محمدا صلی الله علیه وسلم سید المرسلین وخاتم النبیین وبعض عباده خلیفة فی الارض لیحکم بین الناس بالحق ولا یتبع الهوی فیضله عن سبیل الله وافضل الصلوٰة واکمل السلام علی من قال وصدق فی قوله: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔" من حکم بین اثنین تحاکما الیه وارتضیاه فلم یقض بینهما بالحق فعلیه لعنة الله۔ ثم الصلاة والسلام علی آله واصحابه والذین تبعوهم باحسان لا سیما امامنا الاعظم وهمامنا الاقدم ابی حنیفة النعمان الذی دعی الی القضاء فابی وعلینا معهم وبهم الی یوم الدین یا ارحم الراحمین۔

زمانہ کی نیرنگیاں بھی نت نئے شگوفے چھوڑا کرتی ہیں جو بظاہر ایک کے لئے باعث مسرت ہوتی ہیں تو دوسرے کے لئے سبب حسرت۔ یہی واقعات اگر بنگاہ تامل وتحقیق دیکھے جائیں تو کسی کے لئے موجب شرم وندامت ہیں اور کسی کے لئے ذریعۂ عبرت ونصیحت۔ اس قصبہ شہسرام ناصر الحکام کا ایک معمولی سا واقعہ ترقی یافتوں کی بدولت کچھ ایسا پھلا پھولا، اس درجہ اس نے نشوونما پایا کہ دور دور تک مشہور ہوا، ورنہ بات معمولی تھی، معاملہ آسان تھا۔ ایک شخص کو خداوند عالم دیتا ہے۔ وہ اپنے دومنزلہ مکان کے ایک حصہ کو سہ منزلہ بنواتا ہے۔ زنانہ مکان ہونے کی وجہ سے بقیہ تین طرف پردہ کی دیوار کھنچواتا ہے اس صورت میں ہوا کی آمد ورفت نسبۃً کم ہوجاتی ہے، جس کی تلافی کے لئے وہ غرب رویہ ایک کھڑکی لگاتا ہے جس سے اوپر رہنے والوں کے لئے دوسرے مکان میں جو اس کے خاص رشتہ دار کا ہے، آنے جانے کا بھی آسان راستہ نکل آتا ہے۔ اس کھڑکی کا کھلنا تھا کہ ٹولے محلہ کے ترقی یافتہ حضرات کے حسد کی کھڑکی کھل گئی اور آتش حسد کی چنگاریاں اڑنی شروع ہوگئیں۔ حق کو ناحق، ناحق کو حق بنانا جن کا رات دن کا کام ہو، ان کے نزدیک اس تل کو پہاڑ بنالینا کیا دشوار تھا۔ نفسانیت کے جوش نے یہ راہ بتائی کہ ایک مکان کو پھلانگ کر بے پردگی ہونے کا دعویٰ عقل سلیم کے نزدیک مستبعد ہے۔ اس لئے اس شخص کے پڑوس والے خاص رشتہ دار کو ابھارا کہ میاں تم اپنی بے پردگی کا مقدمہ دائر کرو، ہم بھی اس کا مقدمہ کرتے ہیں۔ دونوں مقدمہ کے ہم قالب ہونے کی وجہ سے جو کچھ کارروائی میرے مقدمہ کی ہوگی وہی تمہارے مقدمہ کی بھی ہوگی، تم خم ٹھونک کے کھڑے تو ہوجاؤ ہم سب کچھ دیکھ لیں گے۔ خرچ بہت کم ہوگا اور جو کچھ ہوگا بھی تو ہم خرچ کے لئے تیار ہیں مگر

جب اس بے چارے کو روپیوں کی ضرورت ہوئی تو فرماتے ہیں کہ ہاں آپ کس موضع پر روپیہ لینا چاہتے ہیں یعنی کوئی جائداد مکفول کیجئے تو ہم روپیہ دیں گے۔ آخر اس بے چارے نے اس خلاف عہدی سے متاثر ہوکر مقدمہ اٹھالیا اور تصفیہ کی درخواست دے دی۔ اب بے پردگی کا مقدمہ ایک ٹانگ کا مرغا ہوکر چلنے سے معذور ہوا تو عقلمندوں نے دوسری راہ نکالی۔ سوء اتفاق سے اس زمانہ میں بلوہ شاہ آباد ہوگیا۔ پیشہ ور حضرات کو اپنا پیشہ چلانے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے دلوں میں رسوخ جمانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ بنام امداد مظلومین ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کی صدارت کی پگڑی اپنے زیب سرکی، پھر کیا تھا قوم کی نکیل ہاتھ میں آگئی۔ جدھر چاہتے قوم کو گھما ڈالتے۔ اپنا معتقد، غیروں سے قوم کو بدظن بنانے کا اس سے بڑھ کر کون سا موقع ملتا۔ امداد مظلومین کے نام سے جلسہ کیا جاتا، جب لوگ آجاتے تو اپنے مخالفین کی متارکت ومخالفت کا عہد و پیان لیا جاتا۔ بعض نیک نیتوں نے جب دیکھا کہ یہ طریقہ امداد مظلومین کے لئے کیا مفید ہوگا یہ تو آپس کا رہا سہا اتفاق بھی ملیامیٹ کردے گا اور شہر بھر میں دو مضبوط پارٹی قائم کردے گا جو اس وقت مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے۔ آخر ان لوگوں نے عام مسلمانان شہر میں اتفاق پھیلانے، بچھڑے ہوؤں کو ملانے کی کوشش کی۔ خداوند عالم نے ان کی سعی مشکور فرمائی اور ۸ محرم الحرام روز جمعہ مبارکہ کو عام مسلمانان شہر کا جلسہ روضہ کی مسجد میں اس غرض سے ہوا کہ آج سب مسلمان آپس میں مل جائیں اور سب کے سب متفقہ متحدہ کوشش سے امداد مظلومین کی طرف متوجہ ہوں۔ اس جلسہ کی غرض وغایت تو یہ تھی مگر خود غرضوں نے (جن کی عادت ہمیشہ اپنے نفع کو قومی بہبودی پر مقدم سمجھنا ہے بلکہ قوم قوم کرنے سے بھی اپنی ہی مقاصد کی سرسبزی مقصود ہوا کرتی ہے) اس جلسہ کا ماحصل اپنے مقصد کا حصول قرار دیا۔ ملتے ہی کھڑکی کا سوال کیا اور ثالثی پر رائے جمائی جس نے صاف کھول دیا کہ امداد مظلومین کا نام تو برائے نام ہے، اصل مقصد جو بلوہ اور مسلمانوں کے لوٹے جانے اور مسجدوں کے شہید کئے جانے سے بھی اعظم ہے یہی ہے ورنہ اس عظیم الشان جلسہ میں جس میں شہر کے عام لوگ جمع تھے اور ایسا جلسہ نہ پہلے ہوا، نہ بعد کو ہوا۔ ان مظلوموں کی امداد کی تجویز اور وجوہ امداد کے متعلق تبادلہ خیالات کرنا تھا، نہ کہ ان سب کو پس پشت ڈال کر اپنے مطلب کے حصول کو مقدم کرنا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غرض جب قانون داں حضرات کو معلوم ہوگیا کہ مقدمہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور کچہری میں چلنے کے قابل نہ رہا تو ان ترکیبوں سے اسے ثالثی پر ڈھالا۔ قسمت کی خوبی ثالث بھی وہ ہاتھ لگے جو ممنون احسان، جن کی حمایت کرکے ایک زمانہ میں عیدگاہ کی امانت دلوا چکے تھے ان کی کیا مجال کہ آیت قرآنیہ کا خلاف کریں اور "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ" (الرحمٰن: ٦٠) "نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی" (کنز الایمان) پر عمل کرکے ان کو شادکام نہ بنائیں۔ اگر کاش ثالث صاحب اسی جلسہ میں اس قصہ کو دو لفظوں میں طے فرما دیتے کہ آج کا یہ دن باعث مسرت وخوشی ہے، بگڑے ہوئے بنے، بچھڑے ہوئے ملے ہیں۔ ایک کھڑکی کی وجہ سے آپ دونوں کے دلوں میں رنج رہنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو بند کردیجئے تاکہ کسی قسم کا ملال کسی کو کسی کی طرف سے نہ رہے، بات ختم ہوجاتی۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس دن جو کچھ کہا جاتا، عین مسرت کے ساتھ قبول کرنے میں کسی کو تامل نہ ہوتا مگر ایک مصلحت غامضہ کے سبب اس کو معرض

تعویق میں ڈالا گیا یعنی اس کھڑکی سے متعلق ایک مقدمہ ہائی کورٹ میں دائر تھا۔ اس کے نتیجہ کا انتظار کیا گیا کہ اگر وہ مقدمہ فریق مخالف کے خلاف میں فیصل ہوا تو پھر اس سے تن مردہ میں جان آجانے کا خیال ہے مگر خدا کی شان کہ وہ مقدمہ حق بحقدار فیصل ہوا۔ جب ادھر سے ناکامی ہوئی تو پھر ثالثی یاد پڑی۔ ثالث صاحب نے پہلے تو بہت کچھ انکسار سے کام لیا، اپنے کو اس لائق نہ جانا، معذرت کے خطوط لکھے، ایک اسسٹنٹ طلب کیا مگر فریق اول (مدعی) کو تو ان سے بڑھ کر ثالث مل ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکر ممکن تھا کہ اس کی جانب سے ان خطوط معذرت کی طرف توجہ کی جاتی۔ فریق دوم (مدعا علیہ) تن بتقدیر ورضا بالقضا میں کچھ اس درجہ مشغوف تھا کہ اس نے بھی ان خطوط کی طرف اصلاً خیال نہ کیا مگر جب آثار وقرائن سے خلاف انصاف ہوتا پایا تو ان کو صاف منع کرا دیا۔ اس پر مجوز صاحب نے التفات نہ فرمایا۔ آخر بے ثالثی ثالث صاحب نے فیصلہ کیا اور خوب ہی دل کھول کر فیصلہ لکھا جس میں تسمہ تک باقی نہ رکھا۔ عقل وشرع کو اپنے زور قلم کے گھاٹ اتارا اور فیصلہ میں سوائے مقصد واحد مدعی کے کسی بات کا لحاظ نہ کیا۔ فیصلہ میں اگر صرف اپنی رائے کا اظہار کیا جاتا اور بر بناء مصلحت جو کچھ حکم دیا جاتا، اس میں کسی دوسرے کو دخل کی ضرورت نہ تھی مگر غضب یہ کہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف فیصلہ کو شریعت حقہ کے مطابق وموافق ہونا ظاہر کیا اور آخر حصہ میں فیصلہ کے، کچھ عربی عبارتیں فتاویٰ کی نقل کر کے اس کو بھاری بھرکم بنانے اور نگاہ عوام میں موافق فقہ حنفی ٹھہرانے کی کوشش کی۔ مجھ سے بعض احباب نے اس فیصلہ پر ایک نظر کرنے کی درخواست کی اور اصل واقعات کو بیان کر کے مسئلہ فقہیہ لکھنے کی خواہش کی۔ اگر اس فیصلہ میں ناحق کو حق ثابت کرنے ،عبارات فقہیہ کے غلط معانی باور کرانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی تو ایک کھڑکی کا معاملہ کوئی ایسا مہتم بالشان نہ تھا کہ میں اپنے عزیز وقت کو اس کی طرف صرف کرتا اور فیصلہ کی غلطیوں کو عالم آشکار کرتا مگر محض حمایت حق نے مجبور کیا کہ فیصلہ ثالثی پر ایک نظر کروں اور اس کے اغلاط شرعیہ وعقلیہ کو حوالہ قلم کر کے اس رسالہ کو بنام "تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب" موسوم کروں۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ایک مرتبہ شروع سے آخر تک ملاحظہ فرمائیں تا کہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ شریعت مطہرہ کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے۔؟ ناظرین ذوی الاحترام پر مخفی نہ رہے کہ مجھے اصل مسئلہ کی وضاحت اور شریعت کی حمایت منظور ہے نہ زید وعمر سے بحث۔ اسی لئے اس تحریر میں کسی جگہ کسی شخص کا نام نہ لکھا جائے گا تا کہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اس سے مقصود کسی کی عزت ہے یا کسی کی ذلت اور ازآنجا کہ اس تحریر کا پورا مطلب بے فیصلہ سمجھا جانا دشوار ہے، اسی لئے حاشیہ پر (احقر نے اسے رسالہ سے پہلے سیٹ کر دیا ہے اور ☆ سے مقامات بحث واضح کر دیئے ہیں ۱۲ ساحل) فیصلہ ثالثی بھی لفظ بلفظ نقل کر دیا جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وھو حسبی ونعم الوکیل۔

☆ فیصلہ ثالثی ۹۶ ۷ سید شاہ...... بنام سید شاہ...... مدعا علیہ۔ ۲۷ رمئی ۱۹۱۸ء کو روز دوشنبہ تھا، مسل میرے پاس آئی۔ اسی روز بنام مدعی ومدعا علیہ نوٹس دے کر پانچ بجے شام کو اسی دن طلب کیا۔ مدعی ومدعا علیہ دونوں وقت پر آئے۔ دونوں فریق کا بیان سن کر ۲۸ مئی سہ شنبہ کو پانچ بجے شام کا وقت واسطے دیکھنے مقام متنازع فیہ کے دیا اور اُس وقت اس جگہ

پہنچے۔ مدعی و مدعا علیہ دونوں کو حاضر پایا۔ بہ موجودگی دونوں فریق کے ملاحظہ کھڑکی وچھت وغیرہ کا کیا اور بوقت ملاحظہ جو کچھ مدعی و مدعا علیہ نے اپنے عذر کو بیان کیا، اس کو سنا۔ ☆ فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ ایک جدید کھڑکی کا، دوسرے کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کے دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے، اس کے پست ہونے کا اور تینوں عذر کا منشا و باعث، خیال بے پردگی زنانہ مکان مدعی ہے۔ اور لحاظ وخیال عورتوں کے پردہ کا علاوہ شرعاً وعقلاً ضروری وشعار شرفا ہونے کے اس شہر کے رسم ورواج میں داخل ہے۔ ☆ ساتھ ان سب عذر کے مدعی کا یہ بھی بیان ہوا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں ہے جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابلِ اعتبار ہو۔ ☆ بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ...... میرے سسرالی رشتہ دار میں ان کے یہاں کی عورتوں کی آمدورفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔ ☆ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا۔ اور بجواب اس سوال کے کہ عورتوں کی آمدورفت کے لئے ایک ہمسایہ کی بے پردگی کب مناسب ہے؟ ☆ مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا بھی زنانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمدورفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو۔ اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے مسل سے نکال کر سنایا۔ وہ یہ ہے:

''(نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت وکوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں۔'' ☆ مدعی نے کہا کہ ان مردوں سے اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہوسکیں۔ پس میرے یہاں کی عورتوں کے لئے وہ لوگ ویسے ہی ہیں جیسے اور غیر مرد جن سے عورتوں کو ہماری پردہ کرنا ضرور ہے۔ ☆ مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنانہ کی صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھلائی جو...... کے عورتوں کی آمدورفت کے لئے کھڑکی متنازع فیہ سے زیادہ مناسب بایں وجہ ہے کہ اس میں زینہ بنانے کی بھی حاجت نہیں۔ اس کی چھت کی سطح...... کی چھت کی سطح کے تقریباً برابر ہے اور یہ کہ کھڑکی متنازع فیہ ابھی اس کام کے لئے ناتمام ہے۔ اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے۔ بغیر اس کے کوئی عورت کیا معنی، مرد بھی...... کے مکان سے کھڑکی پر آنہیں سکتا۔ ☆ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کی آمدورفت کے لئے ہے۔ چونکہ میرا خیال یہ تھا کہ دونوں فریق میں تصفیہ برضامندی وصلح باہمی ہوجاتا تو بہتر تھا کہ کسی فریق کے خلاف فیصلہ ہوتا۔ ☆ میں نے مدعا علیہ سے کہا کہ اس قدیمی راہ کو برقرار رکھئے۔ نئی کھڑکی کو جو ابھی نامرتب ہے، اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے، بند کردیجئے کہ نزاع جاتی رہے۔ اس کی نسبت مدعا علیہ نے عذر کیا کہ وہ دوسرے مکان سے راہ ہے۔ اس سے ہم کو نفع نہیں۔ ☆ مگر یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو جو...... کی قریبی رشتہ دار ہیں اور گویا سب ایک ہی ہیں، غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ کھڑکی جدید جس چھت پر ہے، اس کے نیچے کے مکان مدعا علیہ میں اسی

کھڑکی کے محاذات میں ایک الماری ہے جس میں کواڑ، چوکھٹ سب کچھ موجود ہے۔ ☆ بنظر رفع نزاع بطور صلح باہمی یہ تجویز کیا گیا کہ بجائے اس کھڑکی کے الماری کھڑکی بنادی جائے۔ جو غرض کھڑکی کی بیان مدعا علیہ سے ظاہر ہے، وہ اس سے ساتھ اس آسانی کے حاصل ہوگی کہ زینہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ مگر اس کو بھی مدعا علیہ نے منظور نہیں کیا اور کوئی معقول وجہ بھی اس کی نامنظوری کی بیان نہ کر سکے۔ ☆ اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازع فیہ ہے، ویسی ہی ایک کھڑکی ...... کے گھر سے مدعی کے مکان میں جانے کے لئے ہے اور میری لڑکیاں کے یہاں آتی ہیں پس جیسا کہ اندیشہ مدعی کو میری چھت کی کھڑکی سے اپنے یہاں کی عورتوں کی بے پردگی کا ہے، مجھے بھی اندیشہ اس کھڑکی سے ہے۔ مدعی اس کھڑکی کو بند کردیں تو مجھے بھی اپنی کھڑکی جدید بند کرنے میں عذر نہ ہوگا۔ میں نے اس کی نسبت مدعی پر زور دیا کہ وہ کھڑکی اپنی طرف بند کردیں تب مدعی اس شرط پر اس کے بند کرنے پر راضی ہوئے کہ تین بھائی ہیں اور تینوں میں یہ مکان مشترک ہے۔ ☆ اگر تینوں صاحب حلفاً بیان کریں کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف واندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہنچتی ہو یا اب تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو گو اس کھڑکی اور اس کھڑکی میں قدیم وجدید، مسلم ومقبول، نامسلم ونامنظور ہونے کا فرق ہے تاہم ہم کو بند کرنے میں عذر نہ ہوگا، ابھی ہم بند کر دیتے ہیں۔ ☆ اس پر ...... نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی دختران مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی اور نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ پر کوئی وجہ وضرورت معقول نئی کھڑکی کے بننے کی اور اس سے بے پردگی زنانہ مکان مدعی کے نہیں ہونے کی صورت مدعا علیہ بیان نہ کر سکے اور مدعی نے اپنے زنانہ مکان کی بے پردگی دکھلایا اور اس کی نسبت آئندہ کے لئے بھی اندیشہ معقول طریق سے بیان کیا اور خود بیان حلفی مدعا علیہ سے اس اندیشہ کو مدعا علیہ کے سامنے ثابت کردیا۔ سوراخ دیوار کے بند کرنے میں مدعا کو عذر نہیں بلکہ ایک طرف سے اس کو بند بھی کردیا ہے۔ دیوار کے بلند کرنے میں کہ جس سے بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی بصورت کھڑے ہونے کسی مرد کے چھت پر متصل دیوار جاتی رہے۔ مدعا علیہ کو دو عذر ہوا: ایک یہ کہ اس دیوار سے متعلق ایک موری ہے جس سے موقع بلند کرنے اور دیوار پر زیادہ بار ڈالنے کا نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ اور طرف کی دیوار بھی بلند کرنی پڑے گی جس سے ہوا کا رکاؤ ہو جائے گا۔ ☆ اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ بغور دیکھئے کہ دیوار بلند ہوسکتی ہے یا بلند کرنے میں دیوار کے اندیشہ نقصان دیوار یا موری کا ہے؟۔ انہوں نے بغور دونوں جانب دیوار کے ملاحظہ کر کے کہا کہ کوئی نقصان کسی طرح کا نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسرا عذر مدعا علیہ کا بھی قابل توجہ معلوم نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اولاً ایک جانب کی دیوار ذرا بلند ہونے سے ہر جانب کی دیوار اس کے برابر ہونا، ایسا ضرور امر نہیں ہے جیسی ضرورت بوجہ زوال ضرر ہمسایہ ایک طرف کی دیوار بلند کرنے میں ہے۔ ثانیاً اور طرف کی دیوار بلند کرنے میں بھی ہوا کا رکاؤ بوجہ وسیع رہنے صحن کے نہیں ہوسکتا۔ ☆ مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاوسع اپنے بہت کوشش کی کہ صلح ورضامندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں پر

مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار مجھے خیال صلح کے فکر سے قطع نظر کر کے ہر عذر وایشو کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس لئے میں نے کتب معتبرہ فقہ حنفیہ کی طرف رجوع کیا جس کے پابند فریقین اور خود ضعیف بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عموماً ہر ایسی کارروائی سے انسان روکا جائے گا جس سے ضرر بیّن ہمسایہ کو پہنچے اور سوراخ دروازہ سے بے پردگی ہونے کی صورت میں سوراخ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ علیٰ ھٰذا چھت پر چڑھنے سے بصورت بے پردگی زنان ہمسایہ کے تاحصول صورت پردہ منع کیا جائے گا۔ ان سب امور کی صراحت کتب فقہیہ حنفیہ میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض عبارات اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

درمختار چھاپہ کلکتہ کے ص ۴۹۹ میں مندرجہ عبارت ہے: ''اشتری دارا و دبغ و تاذی جیرانه ان علیٰ الدوام یمنع و علی الندرة یتحمل۔''

اس کی شرح میں ردالمحتار چھاپہ مصر جلد چہارم کے ص ۳۴۱ میں لکھا ہے: ''قال فی جامع الفصولین: والقیاس فی جنس هذه المسائل ان من تصرف فی خالص ملکه لا یمنع ولو اضر بغیره لکن ترك القیاس فی محل یضر لغیره ضررا بیّنا قیل و به اخذ کثیر من المشایخ وعلیه الفتوی اه۔''

فتاویٰ خیریہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۰۲ میں ہے: ''(سئل) فی الجار یرید فتح کوة علی جاره وفی ذلك اطلاع علی عوراته وحریمه او بناء غرفة او حائط علی جدار مشترك بینهما هل یمنع من ذلك ام لا (اجاب) اما مسئلة فتح الکوة ففیها استحسان وقیاس والاستحسان المنع وعلیه الفتویٰ کما نقله فی التتارخانیة قبل مسئلة الکوة بقلیل۔ والحاصل فی هذه المسئلة واجناسها ان القیاس کل من تصرف فی خالص ملکه لا یمنع فی الحکم وان کان یودی الیٰ الحاق الضرر بالغیر لکن ترك القیاس فی مواضع یتعدی ضرر تصرفه الیٰ غیره ضررا بیّنا وقیل بالمنع مطلقاً وبه اخذ کثیر من مشایخنا وعلیه الفتویٰ انتهی۔'' ومثله فی فصول العمادی وکثیر من الکتب انتهیٰ بقدر الضرورة۔

تنقیح فتاویٰ حامدیہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۶۵ میں ہے: ''(سئل) فیما اذا کان کل من جارین سطح بیت فی داره مساو سطح الآخر وصار الآن احدهم یصعد الی سطحه واذا صعد یقع بصره فی دار جاره علی حریمه ویرید الجار منعه من الصعود حتی یتخذ سترة فهل للجار ذلك (الجواب) نعم انتهیٰ بقدر الحاجة۔''

مطابق حکم شرعی ومضمون عبارات مذکورہ کتب معتمدہ حنفیہ وموافق رسم ورواج شرفا شہر کے فیصلہ ہر عذر واستغاثہ کا حسب تفصیل ذیل ہے:

(۱) عذر کھڑکی: کھڑکی بند کر دی جائے۔ (۲) متعلق سوراخ دیوار کھڑکی: مستحکم طور پر بند کر دیا جائے۔ (۳) متعلق پستی دیوار: وہ دیوار اس قدر بلند کر دی جائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا اس چھت پر کہیں کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہیں ہو۔ (۴) کوٹھری متنازع فیہ کے چھت پر تاحصول صورت پردہ چڑھنے کی ممانعت۔ (۵) آئندہ کے لئے مدعا علیہ کو خیال رکھنا چاہئے۔ گاہے ایسی کارروائی وعمل مدعا علیہ نہ کریں جس سے کسی طرح بے پردگی مکان مدعی کی مشہور ہو۔ (نقل

دستخط) تاریخ ۳۰ مئی ۱۹۱۸ء

(۱) فیصلہ ثالثی ملاحظہ ہوا۔ اس فیصلہ کو شروع سے آخر تک پڑھنے والا بآسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ ہوشیار مجوز نے کسی خاص اثر سے متاثر ہو کر محض یک طرفہ فیصلہ دیا ہے۔ اگر یہ فیصلہ ایسے شخص کا نہ ہوتا جو عالم مشہور ہے تو کسی طرح یہ کہنا ناجائز نہ ہوتا کہ ہوشیار مجوز نے ایسا مہمل فیصلہ دیا ہے جو کسی طرح نہ قواعد شرعیہ پر ٹھیک اترتا ہے نہ قواعد عقلیہ پر نہ عرف ورواجات رسمیہ پر۔

(۲) ظاہر ہے کہ ثالث کو فی نفسہ کوئی ولایت شرعیہ نہیں۔ محض فریقین کے رضاء وقبول کی وجہ سے اس کا حکم ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے۔ اسی لئے قبل حکم، فریقین میں ہر شخص کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ ہدایہ جلد سوم ص ۱۴۳ میں ہے:

" ولکل واحد من المحکمین ان یرجع مالم یحکم علیهما لانه مقلد من جهتهما فلا یحکم الا برضا هما جمیعا۔"

اور فریقین میں سے جو شخص چاہے ثالثی کو قبل حکم توڑ سکتا ہے۔

درمختار جلد ۴ باب التحکیم ص ۳۶۳ میں ہے:" وینفرد احدهما بنقضه ای التحکیم بعد وقوعه۔" بعد نقض ورجوع ثالث جو کچھ فیصلہ کرے گا محض باطل ونامقبول ہوگا۔

جامع الرموز ص ۵۹۱ میں ہے:" (ولکل منهما) ای الخصمین (ان یرجع) عن التحکیم (قبل حکمه علیهما فالعزل غیر محتاج الی الاتفاق بخلاف التحکیم ولذا لو حکم بعده لم ینفذ"۔

جیسا کہ ذی علم مجوز سے بھی پوشیدہ نہ ہوگا باوجود اس کے جب ۲۸ مئی روز سہ شنبہ کو وقت ملاحظہ رفتار وگفتار، اقوال وافعال سے مدعا علیہ کو شبہ ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب فیصلہ بروئے انصاف ناممکن ہے اور وہی ہوا جو اس نے خیال کیا تھا تو اس وقت اس نے اپنے چچا کو بھیج کر منع کر دیا کہ آپ تکلیف فیصلہ نہ فرمائیں، یہ مقدمہ کچہری جا کر فیصل ہوگا۔ جس پر ان کے مشیر ووزیر باتدبیر نے بھی کہا کہ مولانا اٹھایئے پھینکئے، آپ کہاں اس بلا میں پڑتے ہیں؟۔ پھر اس خیال سے کہ شاید ایک آدمی کا بیان کافی نہ ہو بعد مغرب تکمیل عدد کر کے بھیجا مگر مجوز صاحب نے دردسر کا عذر فرمایا، ملاقات نہ کی اور صبح کے وقت بلایا۔ صبح کو جب یہ دونوں پہونچے تو قبل اطلاع ایک لڑکے سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کیا کر رہے ہیں؟۔ معلوم ہوا کہ چند کتابیں ان کے سامنے ہیں، کچھ لکھ رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اطلاع کرائی تو پھر وہی رات والا جواب آیا کہ غایت دردسر کی وجہ سے پریشان ہیں، باہر نہیں آسکتے۔ کہا گیا کہ ذرا پردہ کرا دیا جائے کہ خود ہم دونوں حاضر ہو کر ایک بات کہہ دیں مگر یہ بھی مقبول نہ ہوا۔ مانا کہ ایک دو شخص کی زبانی ممانعت کچہری کے ذریعہ ثالثی کے مقابل با وقعت نہ ہو مگر ایک مسلمان خصوصاً عالم کے لئے اتباع احکام شرعیہ مقدم ہے۔ وہ بھی ایسی صورت میں کہ کچہری سے قبول ثالثی پر جبر نہیں اور شرعاً بعد فسخ تحکیم حکم ناجائز۔

(۳) بجز چند مسائل کے جن میں مسئلہ دائرہ نہیں، بالعموم ثالث مثل قاضی ہے۔

ردالمحتار جلد۴ص ۳۶۲ میں ہے: ''الحکم کالقاضی۔''
اور قاضی یا ثالث کے پاس مسل اسی لئے بھیجی جاتی ہے کہ عرضی دعویٰ و بیان تحریری و دیگر ضروری مفید باتیں اس سے اخذ کر سکے جس بنا پر اسے فیصلہ دینا ہوگا۔ اسی لئے قاضی کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا ناجائز ہے۔
الاشباہ والنظائر ص ۳۱۷ میں ہے: ''الفتوی علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین''۔
علماء کرام نے مفتی اور قاضی میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ اپنے علم و دیانت کے مطابق فتویٰ دے اور قاضی پر واجب ہے کہ روداد مقدمہ کی بنا پر فیصلہ فرمائے۔
بزازیہ پھر درمختار جلد۴ص ۳۱۸ میں ہے: '' المفتی یفتی بالدیانة والقاضی یقضی بالظاهر۔''
مگر اس فیصلہ ثالثی میں شروع سے آخر تک کسی جگہ بھی مسل سے کام نہ لیا گیا۔ ہاں ایک جگہ بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ کا تذکرہ اس لئے آیا ہے کہ اس سے مدعا علیہ کے اقوال میں تعارض ثابت کیا جائے مگر وہ بھی بےلوث رہا کہ تناقض کے لئے ہشت وحدات کی ضرورت ہے جس کا بیان عنقریب آتا ہے۔
(۴) تحکیم کے الفاظ اگرچہ ظاہراً عام ہوتے ہیں کہ یہ جو کچھ فیصلہ دیں گے، قبول ہے۔ مگر اہل عقل پر پوشیدہ نہیں کہ ثالث شرعاً شتر بے مہار نہیں کہ قلم اٹھا کر آم املی جو کچھ چاہے لکھ دے۔ بلکہ اس کو حجت و دلیل کے موافق فیصلہ دینا چاہئے ورنہ وہ نافذ نہ ہوگا۔
درمختار جلد۴ص ۳۶۳ میں ہے: ''حکما رجلا فحکم بینهما ببینة او اقرار او نکول ورضیا بحکمه صح لو فی غیر حد وقود ودیة علی عاقله''۔
بحرالرائق جلد۷ص ۲۸ میں ہے: ''وشرط ان یکون حکمه بحجة من الثلاث لیوافق حکم الشرع والا یقع باطلا وظاهره انه لا یحکم بعلمه ولم اره صریحا''۔
الاشباہ والنظائر ص ۳۶۰ میں ہے: ''الحجة بینة عادلة او اقرار او نکول عن یمین او یمین او قسامة او علم القاضی بعد تولیته او قرینة قاطعة وقد اوضحنا ه فی الشرح من الدعوی الا ان الفتوی علی قول محمد المرجوع الیه انه لا اعتبار بعلم القاضی وفی جامع الفصولین وعلیه الفتوی وعلیه مشایخنا کما فی البزازیة من المسائل المخمسة من الدعوی۔''
علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ ارکان قضا چھ ہیں یعنی اگر ان میں ایک بھی ساقط ہوگا تو وہ قضا، قضا نہ کہی جائے گی۔
درمختار جلد۴ص ۳۰۹ میں ہے: ''وارکانه ستة علی ما نظمه ابن الفرس بقوله ؎

اطراف کل قضیة حکمیة — ست یلوح بعدها التحقیق
حکم ومحکوم به وله و — محکوم علیه وحاکم وطریق

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:"قوله وطريق، طريق القاضي الى الحكم يختلف بحسب اختلاف المحكوم به والطريق فيما يرجع الى حقوق العباد المحضة عبارة عن الدعوىٰ والحجة وهي اما البينة او الاقرار او اليمين عنه الخ"

اور ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ محض بے حجت ہے تو اسے فیصلہ کہنا اور سمجھنا ایک فرضی بات ہے ورنہ ایک ردی کاغذ ہے جو مدعی کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔

(۵) یہ سب اس صورت میں ہے کہ تحکیم صحیح ہو اور ثالث شرعاً بھی ثالث ٹھہرے، ورنہ یہاں تو سرے سے فیصلہ کنندہ شرعاً ثالث ہی نہیں۔ اس لئے کہ ثالثی کے لئے قبول ثالث ضروری ہے ورنہ اس کا حکم دینا جائز نہ ہوگا۔

بحرالرائق جلد۷ص ۲۷ میں ہے: "وركنه اللفظ الدال عليه مع قبول الأخر فلو حكما رجلا فلم يقبل لا يجوز حكمه الا بتجديد التحكيم كذا في المحيط"۔

ردالمحتار جلد۴ص ۳۶۲ میں ہے: "(قوله وركنه) اى ركن التحكيم لفظه الدال عليه اى اللفظ الدال على التحكيم كاحكم بيننا او جعلناك حكما او حكمناك في كذا فليس المراد خصوص لفظ التحكيم (قوله مع قبول الاخر) اى المحكم بالفتح فلولم يقبل لا يجوز حكمه الا بتجديد التحكيم بحر عن المحيط"۔

ثالث صاحب کا دستخطی خط جو شیخپورہ ضلع مونگیر سے ۲ شعبان ۱۳۳۶ھ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"آپ لوگوں کے تعمیل امر میں مجھے عذر نہیں ہے لیکن بعد یاد دلانے اس امر کے کہ جامع مسجد میں آپ اور جناب اچھے میاں صاحب نے میری ثالثی کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، اولاً میں نے تامل و عذر کیا تھا۔ من بعد اس شرط پر منظور کرنے کے متعلق سکوت کیا تھا کہ کوئی اور ایک صاحب واقف کار جو اندرونی حالات اختلاف دوجوہ نزاع سے آگاہ ہوں، میرے شامل کئے جائیں"۔

اس سے صاف ظاہر کہ ثالث صاحب نے قبول اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ ایک واقف کار شامل کئے جائیں اور ظاہر ہے کہ کوئی واقف کار شامل نہ کیا گیا تو بحکم اذا فات الشرط فات المشروط قبول تحکیم فوت ہوا، جس سے عدم ثبوت تحکیم و ثالثی بھی واضح ہے۔

(۶) بفرض ثبوت تحکیم اگر روداد مقدمہ سے منھ موڑ کر صرف اسی وقت کی باتوں پر فیصلہ کا ارادہ تھا تو نظر بحال زمانہ لوگوں کے بیانات قلمبند کرنا ثالث صاحب کا فرض منصبی تھا تاکہ وقت فیصلہ ان لوگوں کے واقعی بیانات پیش نظر رہتے۔ مگر ایسا نہ ہوا بلکہ مجوز صاحب نے بیانات سن کر صرف اپنی یاد پر بھروسہ کیا اور تین دن کے بعد فیصلہ دیا، جس کا لازمی نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا کہ بہت سی باتیں خیال سے جاتی رہیں، بعض باتیں الٹ پلٹ فیصلہ میں درج ہیں، بعض باتیں مع حواشی وزوائد ہیں۔

فتاوی فقیہ النفس قاضی خان جلد۳ص ۴۷ میں ہے:" واذا ادعى المدعي شيئا على المدعىٰ عليه يكتب القاضي على بياض صورة الدعوىٰ ثم يقول للمدعىٰ عليه ماذا تقول فان اقر بما ادعاه المدعي اثبت

اقرارہ فی کتابہ ویامر المدعیٰ علیہ بایفاء الحق وان انکر یکتب انکارہ فی ذلک ثم یامر المدعی باقامة البینة وھذا کان فی عرفھم اما فی عرفنا المدعی یجیء الی کاتب القاضی فیخبرہ بکیفیة دعواہ ویصور عندہ صورة الدعویٰ فیکتب الکاتب ذلک ثم یجیء الی القاضی مع خصمہ ویدعی علیہ فان اقر خصمہ اثبت القاضی اقرارہ فی الکتاب ویامرہ بقضاء الحق وان انکر امر المدعی باقامة البینة فان جاء المدعی بشہود فشہدوا عندہ علی الترتیب یکتب القاضی شہادة کل شاھد ویکتب اسمہ واسم ابیہ وجدہ"۔

''یعنی زمانہ سلف میں قضا کا یہ دستور تھا کہ جب مدعی کسی امر کا مدعا علیہ پر دعویٰ کرتا، قاضی ایک سادہ کاغذ پر اس دعویٰ کو لکھتا پھر مدعا علیہ سے پوچھتا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اگر وہ دعویٰ کا اقرار کرتا، اس کے اقرار کو اپنی کتاب میں لکھ لیتا اور مدعی کو ڈگری دیتا اور مدعا علیہ کو ایفاء حق کا حکم کرتا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا تو قاضی اس کے انکار کو بھی لکھ لیتا پھر مدعی کو گواہ لانے کے لئے کہتا اور ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ ہے کہ مدعی پیشکار کے پاس جا کر اپنا دعویٰ بیان کرتا، پیشکار اسے لکھتا پھر مدعی مع مدعا علیہ قاضی کے پاس آتا اور اس پر دعویٰ کرتا تو اگر مدعا علیہ اقرار کرتا، قاضی اس کے اقرار کو درج کتاب کر کے قضاء حق کا حکم دیتا اور اگر مدعا علیہ مدعی کے دعوی کا انکار کرتا تو قاضی مدعی کو حکم دیتا کہ گواہ پیش کرے۔ اگر مدعی گواہوں کو لاتا جو ترتیب وار گواہی دیتے۔ قاضی ہر شخص کی گواہی لکھتا اور ہر گواہ کا نام مع اس کے باپ اور دادا کے لکھتا۔''

تو صورت واقعہ میں جب کہ ذی علم ثالث نے مسل سے کام نہ لیا یا اس کے انگریزی اور ہندی ہونے کے سبب اس کے سمجھ سے قاصر تھے اور ترجمہ کرانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور ان سب تحریرات کو کان لم تکن جانا تو اب اپنے اسلامی قاعدہ پر روداد مقدمہ کو بنانا چاہئے تھا۔ یعنی پہلے مدعی کا دعویٰ دریافت کر کے اس کو قلمبند کرنا تھا بعد از اں مدعا علیہ سے دریافت کرنا تھا۔ اگر وہ اقرار کرتا اس بنا پر فیصلہ دیتے اور جب اسے انکار تھا تو مدعی سے اصل دعویٰ پر گواہان طلب کرنا تھا اور ان لوگوں کی گواہی مع نام ہر گواہ وابنیت وغیرہ لکھنا تھا تا کہ فیصلہ مطابق اصول شریعت مطہرہ ہوتا۔

(۷) مدعی کا دعویٰ دفع ضرر بے پردگی ہے۔ اس ضرر کے تین سبب اس نے بیان کئے۔ ایک جدید کھڑکی، دوسرے کھڑکی کے اوپر سوراخ، تیسرے اس دیوار کا جس میں یہ کھڑکی لگائی گئی ہے، پست ہونا۔ ہمارے ائمہ کرام کے اصل مذہب میں تو یہ دعویٰ سرے سے نامسموع ہے اور استحسان متاخرین پر اس وقت قابل سماعت ہے کہ ضرر من کل الوجوہ جانب مدعا علیہ سے ہو کہ اس کے دفع کی تدبیر مدعی کے ہاتھ میں نہ ہو ورنہ خود اپنا ضرر دفع کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے دوسرے کی گلو گیری باطل ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اس قول اخیر پر کہ دعویٰ سننے کے قابل تھا قواعد شرع وعقل کے مطابق مدعا علیہ سے اس کے متعلق دریافت کرنا تھا۔ مدعا علیہ اگر اقرار کرتا کہ واقعی ضرر بے پردگی ہے، جس کا چارہ مدعی کے پاس کوئی نہیں، تو اسے اس سے منع کرنا تھا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا مدعی سے گواہان طلب کرنا تھا۔ مگر اس کے بالکل خلاف مسائل شرعیہ سے ذہول یا تجاہل کی وجہ سے پاؤں کی جگہ سر سے چلنا پڑا کہ اصل کو باعث ومنشا سمجھا اور باعث ومنشا کو اصل قرار دے کر تجویز میں لکھا:

''فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ایک جدید کھڑکی کا، دوسری کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کی دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے اس کے پست ہونے کا، اور تینوں عذر کا منشا و باعث خیال بے پردگی زنانہ مکان مدعی ہے''۔

اس اصل فاسد کی وجہ سے جتنی کارروائیاں ہوئیں اور جس قدر زورآزمائیاں کی گئیں، سب بناء فاسد علی الفاسد ہیں۔

(۸) ''مدعی نے علاوہ ان تین عذروں کے یہ بھی بیان کیا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو''۔ضرورت مند آدمی اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔عربی میں ضرب المثل ہے احمل الغرض مجنون مدعی نے اگر ایسی بے علاقہ فضول بات کہی تو کیا الزام کہ وہ نہ مسائل شرعیہ کا عالم ہے، نہ مطابق شرع دعویٰ کرنے بیٹھا ہے۔اس کا نصب العین حصول مقصد ہے۔جس جس طرح ممکن ہو، ادنیٰ ادنیٰ بات جسے اپنے لئے مفید خیال کرے، پیش کرنے پر جبلۃً مجبور ہے کہ الغریق یتشبث بکل حشیش مگر تعجب اور بسا تعجب ذی علم مجوز سے ہے کہ انھوں نے اس بے تعلق بات کو نہ صرف مفید ہی سمجھا بلکہ فیصلہ کا مدار اسی کو قرار دیا کہ فرماتے ہیں:

''بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ بکو میاں میرے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ان کے یہاں کی عورتوں کے آمد ورفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔''

اس جگہ ذی علم مجوز کا کام تھا کہ مدعی کو روکتے اور کہتے کہ یہ عذر سرے سے لغو ہے۔

اولاً اس لئے کہ کسی شخص پر ضرور نہیں کہ صرف بقدر ضرورت وحاجت اپنی ملک سے انتفاع کرے اور دوسروں کی نفسانیت وخودغرضی کو مقدم رکھے اور مدعی کو سمجھانا تھا کہ شرعاً اشیا سے انتفاع کے پانچ مرتبے ہیں۔ضرورت حاجت منفعت زینت فضول۔مثلاً ضرورت وہ ہے کہ بغیر اس کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ قوی ہو۔یہ وہ صورت ہے جس میں مردار تک کھانا جائز رکھا گیا ہے۔حاجت وہ کہ بغیر اس کے ہلاک تو نہ ہوگا مگر معتد بہ مشقت وتکلیف ہوگی۔یہ وہ صورت ہے کہ اس میں روزہ قضا کرنا درست ہے۔منفعت وہ کہ بغیر اس کے نہ ہلاک ہوگا، نہ مشقت مگر تحصیل نفع ہے مثلاً گیہوں کی روٹی، بکری کا گوشت۔زینت کہ محض لذت وتجمل مقصود ہو جیسے باقرخانی، پراٹھا، خصی کا قورمہ کھانا، عمدہ دریوں، نفیس چاندنیوں، بہترین قالینوں، اچھے گاؤتکیوں، شیشہ وآلات سے مکان کو سجانا وغیرہ۔فضول مال حرام یا مشتبہ سے وسعت کرنا۔

حموی شرح اشباہ صفحہ ۱۰۸ میں ہے:'' فی الفتح ھھنا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول فالضرورة بلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك اوقارب وهذا يبيح تنا ول الحرام والحاجة كالجائع الذی لو لم يجد ما ياكله لم يهلك غير انه يكون فی جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر فی الصوم والمنفعة كالذی يشتهی خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم والزينة كالمشتهی بحلوی والسكر والفضول التوسع باكل الحرام والشبهة''

تو جب شرعاً یا عقلاً کسی شخص پر ہرگز ضرر نہیں کہ دوسرے کی خاطر صرف ضرورت یا حاجت پر اکتفا کرے اور اپنی

منفعت وزینت کوترک کرنے پر مجبور کیا جائے۔ احکم الحاکمین عز جلالہ فرماتا ہے: ”قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِیٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ“ (الاعراف: ۳۲) ”تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت اوراس کی پاکیزہ دی ہوئی چیزیں“ (ساحل) تو ایسی بات کو درمیان میں لانا محض فضول ہی فضول تھا۔

ثانیاً خصوصاً جب کہ مدعی کو خود اقرار ہے کہ اس کی مدعا علیہ کو حاجت ہے مگر میرے ضرر کے مقابل کم ہے۔ اگر چہ مرتبۂ ایثار اعلیٰ مرتبہ ہے مگر وہ مقدمہ دائر کر کے نہیں حاصل کیا جاتا۔ اگر اس پر فیصلہ یا فتویٰ دیا جائے تو جملہ اہل نعم کو قدر ضرورت وحاجت کے سوا بقیہ نعمتوں سے دست برداری دینی ہوگی۔ اس لئے کہ اگر چہ ایک شخص کو ادب نماز اور اپنی وضع وہیات کے استحفاظ کو کرتے کے اوپر انگرکھے یا چادر اور ٹوپی پر عمامے کی حاجت ہے، مگر ایک غریب آدمی کا ضرر سردی وبے ستری کے مقابل کم ہے۔ یا کسی کھاتے پیتے شخص کو اگر چہ بارش وغیرہ سے تحفظ کے لئے پختہ مکان کی حاجت ہے مگر اس مسکین کی ضرورت سے کم ہے جس کے چھپر پر پھونس نہیں۔ تو کوئی بیوقوف ضرورت منداس قسم کا دعویٰ دائر کرسکتا ہے اور کیا کوئی عقل سے دور مجوز اس دعویٰ کو سن کر اس متنعم سے انگرکھے اور چادر اور عمامے اور پختہ مکان کی ضرورت کا سوال کر سکتا ہے۔؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔

ثالثاً وہ تین باتیں جس کے متعلق مدعی کا بیان ہے کہ اس کی کوئی حاجت وضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو، دیوار میں کھڑکی لگانا، کھڑکی کے اوپر دیوار میں سوراخ رہنے دینا، دیوار کا پست ہونا ہے۔ انھیں تینوں کے ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کو مدعی نے بیان کیا اور ذی علم مجوز نے تسلیم کیا۔ حالانکہ امر سوم یعنی دیوار پست ہونے کے متعلق یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس دیوار اٹھانے کا سبب خود مدعی نے بیان کیا کہ چونکہ میرے مکان سے مدعا علیہ کا مکان بے پردہ ہوتا تھا، اس بے پردگی کو دفع کرنے کو مدعا علیہ نے یہ دیوار اٹھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ بے پردگی محاذات سے ہوتی ہے اور اس کا دفع اس کے انسداد سے اور محاذات جانبین سے ہے تو اس کا انسداد بھی اگر ہوگا، جانبین سے ہو جائے گا۔ زید وعمرو کے مکانوں میں باہم بے پردگی تھی کہ ایک دوسرے کے محاذی تھے۔ ایک دیوار بنائی گئی جس نے مکان عمرو کو محاذی مکان زید نہ رکھا۔ لیکن مکان زید اب بھی محاذی مکان عمرو ہے۔ یہ ایک ہاتھ کی تالی کیسی؟۔

فصول عمادی سے آتا ہے: ”انه ان كان يقع بصره عليهم فى السطح يقع بصرهم عليه ايضا فى السطح۔“ تو ظاہر ہوا کہ دعویٰ باقرار مدعی باطل ومدفوع اور الزام محض ہباء منثور۔ یوں ہی امر دوم یعنی اس دیوار میں کھڑکی سے اوپر سوراخوں کا ہونا اور اس کی ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کا ادعا اور اس کی وجہ سے بے پردگی کا الزام، اس نے بھی اسی طرح صاف کھول دیا کہ اصل منشاء مقدمہ، محض نفسانیت ہے اور بے پردگی کا دعویٰ محض لفظ جس کے نیچے معنی نہیں۔ اس لئے کہ دیوار کے سوراخوں کی تین شکلیں ہوتی ہیں اول وہ سوراخ کہ اندرونی وبیرونی دونوں جانب سے ایک سطح میں ہو جیسے یہ سب سوراخ ہیں۔ دوم وہ کہ بیرونی جانب اندرونی سے بلند ہو جیسے اکثر شعاع دانوں میں ہوتا ہے۔ سوم بیرونی سطح

اندرونی سے پست ہو جیسے قلعے کے روزن، تو پہلی صورت میں جب کہ سوراخ چھوٹے چھوٹے ہوں نگاہ سیدھی بخط مستقیم جائے گی۔ یعنی جتنی بلندی رائی (دیکھنے والے) کی آنکھ کی ہوگی، خطوط شعاعی بھی اتنی ہی بلند اپنے نہایت مسافت تک جائیں گے۔ اور شکل دوم میں جس قدر خط شعاعی دور جائے گا، سطح بصر سے بلند و بالا ہوتا جائے گا اور شکل سوم میں اس کے برعکس، جس قدر دور ہوگا اسی قدر پست ہوتا ہوا زمین تک پہونچ جائے گا۔ اور دیوار اس کے سوراخوں کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ وہ سب سوراخ مربع ہیں جن کے اضلاع ڈھائی انچ سے زیادہ نہیں اور وہ دیوار کے اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے ایک ہی سطح میں ہیں، تو ان سوراخوں سے کسی طرح بے پردگی ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان سوراخوں سے مدعی کے مکان کے اوپر کی ہوا جو اس سہ منزلہ کے محاذات میں ہے البتہ دکھائی دے گی۔ اس کے سوا کوئی حصہ مکان کا پار بنے والا ہرگز نہیں معلوم ہوسکتا تو اس کو بھی معرض عذر قرار دینا، سوا نفسانیت اور تعدی کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ غرض امر دوم و سوم محض لغو بے معنی ہیں۔ ہاں امر اول ایک ایسا امر ہے کہ بادی النظر میں اعتراض کا منشاء اور بے پردگی کا سبب ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

(۹) ذی علم مجوز کا مدعا علیہ سے کھڑکی کی ضرورت کا سوال بھی اسی مسئلہ فقہیہ سے غفلت کی وجہ سے ہوا۔ اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کب حکم دیا کہ جس چیز کی ضرورت ہو، اس کا کرنا جائز ورنہ ناروا؟۔ یہاں تو مدعا علیہ نے ایک دو وجہ بیان بھی کیں ورنہ اس کے لئے سب وجہوں سے بڑی وجہ یہی کافی ہے کہ ہم نے اپنے خالص ملک میں تصرف کیا ہے۔ دوسرے کو اس کی ضرورت جبراً دریافت کرنے کا کیا اختیار؟۔

الاشباہ والنظائر ص ۴۳۹ میں ہے: "له التصرف فی ملکه وان تاذی جاره فی ظاهر الروایة"

علامہ ابن الشحنہ شرح وہبانیہ میں فرماتے ہیں: "وفی حفظی عن ائمتنا الخمسة ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد وزفر والحسن بن زیاد انه لا یمنع من التصرف فی ملکه وان اضر بجاره وفی الفتاوی عن استاذنا انه یفتی بقول الامام وهو الذی امیل الیه واعتمده وافتی به تبعا لوالدی شیخ الاسلام اه ذکره الحموی فی شرح الاشباه ص ۴۳۹ والعلامة زین بن نجیم فی البحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ وارتضاه بالقبول وقال ورجح فی الفتح ایضا جواب الروایة وقال انه ظاهر المذهب"

"یعنی مالک کو اپنے ملک میں کامل تصرف کا اختیار ہے اگرچہ پڑوسی کو اس سے تکلیف پہنچے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور علامہ ابن الشحنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہمارے پانچوں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مالک اپنے ملک میں تصرف کرنے سے منع نہ کیا جائے گا اگرچہ اس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف پہونچے۔ اور فتاویٰ میں ہمارے استاد سے ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہی وہ قول ہے جس کی طرف میں مائل ہوں اور اس پر اعتماد کرتا ہوں اور اپنے والد شیخ الاسلام کی تبعیت میں اسی پر فتویٰ دیتا ہوں"۔

تو جب حسب تصریح علماء مجھے اپنے ملک میں تصرف کا پورا پورا حق ہے اور یہ مسئلہ ہمارے ائمہ ثلثہ کیا ائمہ خمسہ کا متفق علیہا ہے تو اس کے متعلق مجھ سے ضرورت کا سوال کس قدر بے معنی اور عقل و شرع سے بعید ہے؟۔ اگر اس سے کسی کی

بے پردگی ہوتی ہو تو وہ اپنے پردہ کا انتظام کرے۔ علماء کرام نے تو خاص اس کا جزئیہ لکھا ہے پھر اس قدر طوالت کیا معنی رکھتی ہے؟۔

فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۰۵ میں ہے: ''لو فتح صاحب البناء فی علو بنائه با با او کوة لا یلی صاحب الساحة منعه بل له أن یبنی ما یستر جهته۔''

''یعنی اگر مکان والے نے اپنے مکان کے حصہ بالائی میں دروازہ یا روشن دان کھولا تو اس کے پڑوسی کو جس کی زمین اس کے متصل ہے، اپنی بے پردگی کی وجہ سے منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو یہ پہنچتا ہے کہ کوئی دیوار بنالے جو اس کی جانب کا پردہ کرے۔''

کتب فن میں اس قدر وضاحت کے ساتھ تصریح جزئیہ ہونے پر ثالث صاحب کا مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کرنا اور اس بنا پر اصل قضیہ کا وخرد کردینا کس درجہ فقاہت سے بعید ہے۔

(۱۰) ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ ''اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا'' اس کا منشاء مسل سے منھ موڑنا اور بیانات واظہارات کو قلم بند نہ کرنا ہے۔ مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا کہ ۲۷ مئی کو مدعی نے اپنے دو گواہ پیش کئے۔ گواہ نمبر ا نے کہا کہ میں نے اوپر جا کر نہیں دیکھا کہ اس کھڑکی سے بے پردگی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس پر مدعی نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے اس پر کبھی غور کیا کہ اس کھڑکی سے سوائے میری بے پردگی کے کیا فائدہ ہے، کیوں بنوائی گئی ہے؟ گواہ نے کہا کہ ہاں میں نے اس پر غور کیا ہے مگر میرے نزدیک اس کے بنوانے کی غرض آپ کی بے پردگی درست نہیں۔ اس لئے کہ مالک مکان کو بے پردگی مقصود ہوتی تو اسے پچھم طرف دیوار بنوانے اور اس میں کھڑکی لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ سرے سے دیوار ہی نہ بناتا۔ صرف منڈیر رہنے دینے سے یہ مقصد بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتا۔ اس پر مدعی نے کہا کہ اس دیوار بنوانے کی وجہ میں بتاتا ہوں۔ جب مدعا علیہ نے دومنزلہ پر کوٹھری تعمیر کی تو وہ میرے مکان کے سامنے ہونے کی وجہ سے میرے مکان سے بے پردہ تھی۔ یہاں تک کہ میرے مکان سے اس کوٹھری کی چارپائی تک معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے مدعا علیہ کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ دوسرے دن ۲۸ مئی کو وقت معاینہ جس طرح بخت واتفاق سے ایک انجینیر یا کم از کم اورسیر صاحب موجود تھے۔ جن کے متعلق ذی علم ثالث نے لکھا: ''اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے''۔ اسی طرح حسب اتفاق دوسرے دن وہ گواہ صاحب بھی موجود تھے جن کو مدعی نے کھڑکی کے قریب کھڑا کر کے اپنے یہاں کی بے پردگی دکھائی اور کل کے تقریر کی تفہیم میں یوں لب کشائی کی کہ دیکھئے یہ کوٹھری میرے اس مکان سے بے پردہ ہوتی تھی۔ اس لئے ان کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس پر اس گواہ نے کہا کہ واقعی یہ دونوں مکان اس طرح آمنے سامنے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے مکان سے آپ کا مکان بے پردہ ہوتا ہے اور آپ کے مکان سے ان کا۔ تو جس طرح بقول آپ کے، آپ کے مکان سے اپنے مکان کی بے پردگی دفع کرنے کو مدعا علیہ نے اپنی غربی دیوار اس قدر بلند کر دی ہے جس سے وہ بے پردگی جاتی رہی۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی اپنے مکان کی ان کے مکان سے بے پردگی دفع کرنے کو اپنی مشرقی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ گواہ نمبر ۲ سے

جب کھڑکی کی ضرورت وفائدہ کا سوال ہوا، اس کے جواب میں کہا کہ سہ منزلہ کی چھت چاروں دیواروں سے گھری ہونے کی وجہ سے وہاں ہوا کی آمد بہت کم ہوگئی تھی۔ اس لئے ہوا آنے کے لئے وہ کھڑکی کھولی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ آمد ورفت ہوا کی ہو اور وہ مکان رہنے کے قابل ہو۔ ذی علم مجوز کے متعلق یہ خیال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ اظہار و بیان انہیں یاد تھا اور یہ ضرورت ان کے پیش نظر تھی پھر بھی جان بوجھ کر دوسری ضرورت سے انکار کیا بلکہ یہ ساری خرابی مسل ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمانے اور بیانات کو قلم بند نہ کرنے کی ہے۔ ہاں یہ امر ضرور تعجب خیز وحیرت انگیز ہے کہ باوجودیکہ مدعی نے دو گواہ پیش کئے اور ثالث صاحب نے ان کی گواہیاں سنیں مگر مسل میں اس کا کسی جگہ تذکرہ تک نہیں۔ حالانکہ شرعی حیثیت میں ان لغویات سے، جن سے کئی صفحے سیاہ کئے گئے ہیں، کہیں زیادہ قیمتی وہ بیانات تھے کہ یہ رکن مقدمہ ہیں۔ بخلاف ان مہمل تجاویز ومنشورات لایعنی کے کہ ''بجوے نمی ارزند'' سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے۔

(۱۱) ذی علم ثالث کا مدعی کے ایک سوال کے جواب میں مدعا علیہ کا جواب نقل فرمانا کہ ''مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا ابھی زنانہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد ورفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو'' پھر مدعی کا اعتراض ذکر کرنا کہ ''اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے، مسل سے نکال کر سنایا وہ یہ ہے: نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت وکوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست واحباب آیا کرتے ہیں''۔ مقصود اس سے مدعا علیہ کے دونوں باتوں میں تعارض وتناقض ثابت کرنا ہے مگر

اولاً بیان حلفی نمبر ۵ میں خاص ایک حالت کا تذکرہ ہے کہ مدعا علیہ کی لڑکی بوجہ بیماری ہوا صاف لینے کے لئے چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے اور عیادت کرنے والے حضرات اس کی عیادت کو آتے ہیں۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ علالت کی حالت، عام حالتوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ بہت سی باتیں جسے کوئی شریف آدمی کیا گنوار تک ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کر سکتا، علالت کی حالت میں ان سے بدرجہا زائد مجبوراً روا رکھی جاتی ہیں۔ کیا کوئی شریف آدمی اپنے متعلقین کو کسی میدان کے کھلے ہوئے مکان میں رکھنا پسند کرسکتا ہے جہاں نہ پردے کی دیوار ہو، نہ کسی شخص کے آنے کی ممانعت۔ دوست دشمن، موافق مخالف، شریف گنوار، معزز بے عزت، چوہڑا چمار، جو شخص چاہے وہاں جاسکے، کسی کی ممانعت نہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے مدعیان شرافت کو پہاڑوں پر قیام کی حاجت اور علالت کی وجہ سے متعلقین کو ایسے میدان میں رکھنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ تو کیا کسی عقلمند کو زیبا ہے کہ اس ضرورت کی حالت سے استناد کرے اور کہے کہ فلاں شخص کے یہاں پردہ کا رواج نہیں، میں نے اس کے متعلقین کو پہاڑ پر رہتے دیکھا ہے، جہاں بے روک ٹوک ہر شخص جاسکتا ہے۔

ثانیاً مدعا علیہ نے یہ کب کہا کہ اس مکان میں مردوں کا آنا کسی حال، کسی وقت میں ممکن ہی نہیں کہ بیان حلفی نمبر ۵ سے متناقض ہو، ''کوئی مرد نہیں آتا اور مردوں کی آمد ورفت نہیں ہوتی'' میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ دنیا میں وہ کون سا زنانہ مکان ہے جس میں کبھی کسی عذر وحاجت کے سبب مرد نہیں آتے جاتے۔

ثالثاً مسل سے جس طرح نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سن کر فیصلہ میں اس سے کام لیا ہے۔ کاش عرضی دعویٰ وبیان

تحریری بھی سن لیتے تو معلوم ہوتا کہ مدعی کا دعویٰ کیا ہے؟ اور اس کی کیا کیا دلیلیں ہیں اور مدعا علیہ نے کیا جواب دیا ہے؟ اور کیا فائدہ اس کھڑکی کا بیان کیا ہے؟ اس وقت اس بات کے لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کی۔ اگر انصاف نصب العین ہوتا تو جس قدر بیانات حلفی فریقین کی طرف سے داخل کئے گئے تھے ان سب کو مع عرضی دعویٰ و بیان تحریری کسی ناطرفدار، دیانتدار شخص سے ترجمہ کرا کر سننا تھا پھر مدعی و مدعا علیہ سے اس کی تصدیق کرا کے اس سے فیصلہ پر پہونچنا۔

(۱۲) مدعی کا یہ کہنا کہ ”ان مردوں اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہوسکیں۔“ محض عذر بارد ہے اور ذی علم ثالث کا اسے برقرار رکھنا تعجب خیز۔

اولاً کتنے مرد ہیں جن سے شرعاً رشتہ سامنے ہونے کا نہیں ہوتا پھر بھی عورتیں ان کے سامنے ہوا کرتی ہیں۔

ثانیاً یہ کس نے کہا کہ جب کوئی شخص مدعا علیہ کی لڑکی کو دیکھنے آئے تو مدعی کی عورتیں اس کے سامنے آئیں۔ مریضہ کو دیکھنے کے لئے جب کوئی آئے گا، اطلاع کرے گا۔ جب مدعا علیہ کی عورتیں پردہ ہوں، مدعی کی عورتیں بھی اتنی دیر تک پردہ میں رہنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس لئے کہ مدعا علیہ کے مکان میں اس کے رشتہ کی کئی عورتیں رہتی ہیں۔ اور ایک یا دو آدمی بھی ایسا نہ نکلے گا کہ وہ سب عورتیں اس کے سامنے ہوتی ہوں۔ تو ضرور ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک نہ ایک عورت کو پردہ کے لئے اطلاع کی جائے۔

ثالثاً میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ ضرورتمند اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔ جو رشتہ دار لوگ اس لڑکی کی علالت سے متاثر ہوکر اس کو دیکھنے کے لئے آئیں گے، انھیں لڑکی کی علالت کا خیال دامن گیر ہوگا یا اس وقت انھیں ادھر ادھر تاکنے جھانکنے کا خیال پیش نظر ہوگا؟ خصوصاً جانے کی حالت میں تو ان لوگوں کی پیٹھ مدعی کے مکان کی طرف ہوگی اور رخ مریضہ کی کوٹھری کی طرف، جو مکان مدعی اور سیڑھی دونوں سے پورب اتر واقع ہے اور آتے وقت عورتیں پردہ میں ہوں گی۔ تو ان عیادت کرنے والوں سے بے پردگی کا دعویٰ محض تصنع ہے۔

رابعاً مدعا علیہ کے سہ منزلہ مکان یا اس کھڑکی سے اگر بے پردگی ہوسکتی ہے تو مدعی کے چھت کی، نہ مکان کی، اور چھت شریف عورتوں کے رہنے سہنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے: ”لا تسکنوھن العلالی“ عورتوں کو بالا خانہ پر نہ رکھو۔ اسی لئے علماء کرام نے مکان کی بے پردگی اور چھت کی بے پردگی میں فرق کیا ہے اور مکان کی بے پردگی کا خیال کیا کہ وہ عورتوں کے بود و باش کی جگہ ہوتی ہے۔

فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ میں ہے: ”رجل اشتری حجرۃ سطحھا و سطح جارہ یستویان فاخذ جارہ یتخذ سترۃ بین السطحین لا یجبر علیٰ ذلك لان الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکہ۔ ولو اراد ان یمنعہ من صعود السطح حتی یتخذ سترۃ قالو ان کان فی صعودہ یقع بصرہ فی دار الجار کان لہ ان یمنع لان فیہ ضررا زائدا و ان کان لا یقع بصرہ فی دارہ ولکن یقع بصرہ علیھم اذا کانوا علیٰ السطح لا یمنعہ لانھما استویا فی

ضرر لانه ان کان یقع بصره علیهم فی السطح یقع بصرهم علیه ایضا فی السطح ذکر المسئلة علی هذا الوجه فی فتاوئ ابی اللیث وعلی قیاس المسئلة التی تقدم ذکرها وهی ما اذا فتح صاحب البناء فی جدار علوه کوة لیس لصاحب الساحة ان یمنعه عنه ینبغی ان یقال فی هذه المسئلة لیس للجار حق انمع عن الصعود وان کان یقع بصره فی دار جاره الا یریٰ ان محمدا رحمه الله لم یجعل لصاحب الساحة حق منع صاحب البناء من فتح الکوة فی علوه مع ان بصره یقع فی الساحة "

''یعنی کسی شخص نے ایک کوٹھری خریدی جس کی سطح اور اس کے پڑوسی (کے مکان) کی سطح برابر ہے۔ پڑوسی نے چاہا کہ وہ دونوں چھتوں کے درمیان میں دیوار بنائے (تاکہ اس کی بے پردگی نہ ہو) تو وہ شخص اس پر مجبور نہ کیا جائے گا اس لئے کہ کسی شخص کو اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ اور اگر پڑوسی نے چاہا کہ جب تک یہ پردہ کی دیوار نہ بنالے اس کو چھت پر چڑھنے سے منع کرے۔ علماء نے فرمایا کہ اگر اس کی نگاہ چڑھنے میں پڑوسی کے مکان میں پڑتی ہے تو اس کو منع کرنے کا حق ہے کیونکہ اس میں سخت ضرر ہے۔ اور اگر اس کی نگاہ گھر میں نہیں پڑتی، لیکن جب وہ لوگ چھت پر ہوں تو اس کی نگاہ ان لوگوں پر پڑتی ہے، تو اس کو نہیں روکے گا۔ اس لئے کہ وہ دونوں ضرر میں برابر ہیں۔ اس لئے کہ اگر اس کی نگاہ چھت پر ان لوگوں پر واقع ہوتی ہے تو ان لوگوں کی نگاہ بھی اس پر واقع ہوگی، جب وہ شخص چھت پر ہوگا۔ اس مسئلہ کو اس تفصیل کے ساتھ فتاویٰ فقیہ ابواللیث میں بیان کیا ہے اور مسئلہ سابقہ (یعنی جب کہ عمارت والا اپنے بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولے تو صحن والے پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے) پر قیاس کر کے لائق ہے کہ اس مسئلہ میں یوں کہا جائے کہ پڑوسی کو چڑھنے سے منع کرنے کا حق نہیں اگر چہ اس شخص کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں پڑتی ہو۔ کیونکہ امام محمد رضی اللہ عنہ نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ مکان والے کو کھڑکی کھولنے سے منع کرے باوجودیکہ اس کی نگاہ صحن میں پڑے گی۔'' موافق ظاہر الروایہ تو اس کو مطلقاً حق ممانعت ہی نہیں اور جن علماء نے استحساناً اس کو حق بھی دیا ہے، انھوں نے بھی چھت کی بے پردگی کا عام طور پر بود و باش نہ ہونے کی وجہ سے خیال نہیں کیا اور پڑوسی کو اجازت نہ دی کہ چھت پر چڑھنے سے اس شخص کو منع کرے۔ تو صورت واقعہ میں کب قابل لحاظ ہے۔

خامساً یہ سب صورتیں تو اس وقت تھیں اب تو ع وہ سر ہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہو ساماں کا، مضمون ہے۔ خداوند عالم نے اس مکان کو منہدم فرما کر یہ قصہ ہی پاک کر دیا۔ اب مدعی کا مکان نئے سرے سے بن رہا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت اتفاق وقت سے آ جائیں اور مدعی ان کے مشورہ سے ایسے طرز پر مکان بنائے جس سے بے پردگی ناممکن ہو۔ ہاں نفسانیت اور ہٹ کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔

(تنبیہ) فصول عمادی کی اس جامع عبارت نے نہ صرف چھت اور مکان کی بے پردگی کا فرق ہی ظاہر کیا بلکہ اس مقدمہ کے اکثر حصہ کا فیصلہ بھی کر دیا۔ اس لئے کہ اس عبارت سے اتنے مسئلے معلوم ہوئے:

(۱) کوئی شخص اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) کسی شخص کے چھت پر چڑھنے سے اگر مکان کی بے پردگی ہوگی تو دیوار بنائے جانے تک اس شخص کو اگر منع بھی کر سکتے ہیں تو چھت پر چڑھنے سے اور اگر دوسرے کی چھت کی بے پردگی ہوتی ہے تو اصلاً حق منع نہیں۔
(۳) بے پردگی دفع کرنے کو دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو۔
(۴) قابل لحاظ پڑوسی، کا سخت نقصان ہے۔ جس کو بعض کتابوں میں ضرر بیّن، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے، نہ معمولی ضرر جس کا دفع اسے آسان ہو۔
(۵) ضرر مشترک قابل لحاظ نہیں ہے۔ اگر زید کے مکان سے عمرو کا مکان بے پردہ ہو اور عمرو کے مکان سے زید کا تو دونوں اپنا اپنا انتظام کرلیں۔
(۶) مسئلہ متقدمہ جس کے قیاس پر اصلاح حق منع نہ دیا، وہ مسئلہ ہے جسے اسی صفحہ میں اس مسئلہ سے متصل ذکر کیا ہے:''
وفی کتاب القسمة اذا وقع لرجل بالقسمة بناء وللآخر ساحة لا بناء فیها ففتح صاحب البناء فی جدار علوه کوة وطالبه صاحب الساحة بسدها فلیس له هذه المطالبة ولا یجب علی صاحب البناء سد الکوة لانه بفتح الکوة تصرف فی ملکه من غیر ان اتلف علی صاحب الساحة شیئا من ملکه او منفعة ملکه الا یری انه لو رفع جمیع جدار علوه کان له ذلك فاذا فتح کوة کان اولی۔''
''یعنی اور نوازل کی کتاب القسمۃ میں ہے کہ جب تقسیم سے ایک شخص کے حصہ میں مکان پڑا اور دوسرے کے حصہ میں صحن آیا۔ مکان والے نے اپنے بالا خانے کی دیوار میں روشندان کھولا اور صحن والے نے اس کے بند کرنے کا مطالبہ کیا تو اس شخص کو اس مطالبہ کا حق نہیں۔ اور مکان والے پر اس روشندان کو بند کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ روشندان کھولنے سے اس نے اپنے ملک میں تصرف کیا بغیر اس بات کے کہ صحن والے کی ملک یا منفعت میں کچھ نقصان کرے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے بالا خانے کی کل دیوار ہٹا دیتا تو اس کو یہ جائز تھا۔ تو روشندان کھولنا بدرجہ اولیٰ۔ اس عبارت نے کس قدر وضاحت سے بتا دیا کہ وہ دو شخص کہ ایک وقت میں شریک تھے اور بعد تقسیم جار ملاصق ہیں۔ جب ایک شخص کو بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولنے سے دوسری کی وجہ سے منع کرنا جائز نہیں تو اس مقدمہ میں کہ مدعی نہ مدعا علیہ کا جار ہے، نہ اسے حق جوار، دونوں کے درمیان مدعا علیہ کا سسرالی وسیع مکان حائل ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے مدعا کی کھڑکی بند کرانا کس درجہ ظلم صریح ہے۔
(۱۳) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ'' مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنانہ کے صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھائی الخ''
اولاً اس کا منشاء وہی حقوق ضرورت وحاجت ومنفعت وزینت سے تغافل یا ذہول ہے۔ اگر یہ امر پیش نظر رہتا کہ کسی شخص کو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حق ضرورت وحاجت پر مجبور ومقصور نہ کیا بلکہ منفعت اور زینت کی بھی اجازت دی ہے تو ہرگز اس قسم کی دوراز کار باتیں لکھنے کی نوبت نہ آتی۔ مدعی نے جس وقت اس کھڑکی کے

دکھانے کا قصد کیا تھا، ثالث صاحب کو کہنا تھا کہ شاید آپ اپنا اور میرا منصب بھول گئے۔ آپ اس مقدمہ میں مدعی ہیں اور میں ثالث۔ آپ کا کام اپنا دعویٰ پیش کر کے مدلل کرنا ہے اور میرا کام فیصلہ دینا۔ آپ یا ہم مدعا علیہ کے مشیر نہیں کہ ان کو اپنے سسرال آنے جانے کے راستہ کی بابت مشورہ دیں کہ یہ راستہ آسان ہے یا وہ، اور اس میں بنانا اور کچھ خرچ کرنا پڑے گا اور اس میں نہیں، یوں تو بیسیوں رائیں آپ کو میں ایسی بتا سکتا ہوں جس میں آپ کی بے پردگی جاتی رہے اور اس کھڑکی کے بند کرنے کی نوبت نہ آئے مگر اس وقت ہمارا یہ فرض منصبی نہیں۔

ثانیاً نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سے اس قدر فقرہ کہ ''اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں ''جو موافق مدعی تھا، خیال رہا اور اسی کے متصل کی عبارت کہ ''بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے'' جسے فیصلہ میں نقل بھی کیا ہے، یک دم دل سے بھلا دیا۔ ورنہ ذی علم ثالث کے نزدیک اگر وہ لڑکی ہمیشہ کوٹھری اور چھت پر رہتی ہے، جس کلیت اور عموم سے تناقض ثابت کرنا چاہا تو یہ بات ادنیٰ تامل سے بآسانی سمجھ میں آجانے کی ہے کہ اس سہ منزلہ پر رہنے والی کے لئے پانچ قدم اتر کر اپنے ننہال جانا آسان ہے یا وہاں سے ایک منزل نیچے اترے پھر دس پندرہ قدم چل کر دادی کا مکان کھلوائے، اس کے بعد پھر کچھ چل کر دوسری کھڑکی ننہال کی طرف کی کھلوائے، پھر ایک مسافت طے کر کے اسی چھت کے سامنے واپس آئے، یہ تو مغل سرائے ہو کہ شہسرام سے گیا جانا ہوا۔ زیادہ مناسب ہونے کی وجہ کا زیادہ تر تعلق فن انجینیر ی سے ہے۔ اسے تو شاید کوئی انجینیر صاحب سمجھیں گے یا شائد اتفاق وقت سے آجانے والے وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت۔ ورنہ ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ جہاں جہت ایسی قریب ہو اور آنے جانے کی بکثرت حاجت پڑتی ہو، وہاں ایک مرتبہ کچھ صرف کر کے چند سیڑھی بنوا لینا آسان ہے، جس کے بعد آنے جانے میں صرف چند قدم کی مسافت رہے۔ یا ایک روپیہ کی پیٹا کا تو خیال کیا جائے اور برابر آمد و رفت میں ایک مسافت طے کی جائے وہ بھی دو دو جگہ قیام کر کے کہ وہ دونوں کھڑکیاں ہمیشہ بند رہتی ہیں، ورنہ وہ مکان بالکل غیر محفوظ ہو جائے۔

(۱۴) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ''اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے بزرگان مدعا علیہ الخ'' عجیب منطق اور نئی شریعت ہے۔

اولاً آج تک تو یہ معلوم تھا کہ انت و مالك لابيك۔ اب شاید نئی حدیث نکلی ہے: ''انت و مالك لابنك'' اگر وہ مکان مدعا علیہ کے بیٹے کا ہوتا جب بھی شرعاً باپ اس کے اذن کے اسے اس میں تصرف ناجائز ہوتا۔ اور اگر وہ خاطر یا لحاظ سے اذن دے دیتا جب بھی دیتا ناجائز ہوتا کہ املاک متمایز ہیں ورنہ توریث باطل ہو، نہ کہ وہ مکان جس میں نہ صرف مدعا علیہ کی والدہ بلکہ اس کے اور بھائی بھی مع متعلقین کے رہتے ہیں۔ اس مکان کو مدعا علیہ کا اپنا مکان بتانا عجب دانشمندی ہے۔

ثانیاً اولاد کے ساتھ والدین کے جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں، ان کے مقابل کسی ایک قطعہ مکان کی کوئی ہستی نہیں۔ مگر جب جدائی ہو جاتی ہے تو ہر شخص اپنی چیز کو خالص اپنی ملک سمجھتا ہے۔ جیسا کہ باپ بیٹوں میں مخالفت کی حالت پیش نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں اگر مدعا علیہ اپنی والدہ کے ساتھ رہتا تو یہ بات قدرے معقول تھی۔ ذی علم ثالث

کا خیال کہ ''بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کے آمدورفت کے لئے ہے'' میرے نزدیک بھی صحیح معلوم ہوتا ہے مگر محلہ داری یا معمولی رشتہ داری کی آمدورفت شاذ ونادر ہوا کرتی ہے اور مدعا علیہ کے سسرالی تعلق کی وجہ سے اس کے علاوہ ایک اور خاص جدید رشتہ قائم ہوگیا، جس نے اس امر کی ضرورت ظاہر کی کہ والدہ مدعا علیہ سے وہی قدیم رشتہ داری کی وجہ قدیم راستہ آمدورفت کا برقرار رہے اور مدعا علیہ سے جدید تعلق کی وجہ سے آنے جانے کی ضرورت حسب عادت زمانہ بہت زیادہ ہوگئی۔ خصوصا مدعا علیہ کی اولاد کے لئے تو گویا دونوں مکان ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اگر یہ والد کا مکان ہے تو وہ والدہ کا۔ تو ایسی حالت میں آمدورفت کے لئے قریب تر راستہ اختیار کرنا مناسب ہے یا دوسرے مکان ہوکر انسب۔ اور نزاع جاتی رہنے کی از روے مصالحت یہ تجویز بتانا کہ کھڑکی بند کردیجئے اور قدیمی راہ سے آمدورفت جاری رکھئے، عجب دانائی ہے۔؟ ذی علم ثالث کو خیال کرنا تھا کہ مخالفت کا اصل منشاء تو یہی ہے کہ مدعی اپنی ضد اور نفسانیت سے خواہش کرتا ہے کہ یہ کھڑکی بند ہوجائے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ میں کون سے حکم شرعی سے اس بات پر مجبور کیا جاتا ہوں۔ اگر آپ کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنی شرقی دیوار بلند کرلیجئے، جس طرح میں نے اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار اونچی کرلی ہے۔ جب اس مصالحت میں بھی مدعی اپنی ناجائز ہٹ پر باقی رکھا گیا اور مدعا علیہ خلاف شرع وعقل اپنے ایک جائز حق سے مجبوراً محروم کیا گیا تو یہ محض تحکماً مدعی کو ڈگری دینا ہوا یا برضامندی وصلح باہمی تصفیہ کرنا؟۔

(۱۵) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ''یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو (الیٰ قولہ) غیر کا مکان کیوں قرار دیا''۔ از روئے انصاف ارشاد ہو کہ اور کون سی بات آپ کی سمجھ میں آئی ہے جو ایک اس کے سمجھ میں نہ آنے کے شاکی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر منصفانہ حیثیت سے آپ اپنے اس فیصلہ پر ایک نگاہ فرمائیں گے تو خود اقرار کرلیں گے کہ میں نے نہ دعویٰ سمجھا ہے نہ جواب دعویٰ سمجھا، نہ اظہار سمجھا نہ بیان حلفی سمجھا، نہ اصل منشاء مقدمہ سمجھا نہ مدعی کی ہٹ دھرمیوں کو سمجھا، نہ مدعا علیہ کے معقول عذروں کو سمجھا نہ مسالک فقہاء کو سمجھا، نہ کتب فقہیہ کی عبارتوں کو سمجھا نہ اپنی پیش کردہ عبارتوں کو سمجھا، جب اتنی باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو ''این ہم برسر علم'' ایک یہ بھی نہیں سمجھا کہ مدعا علیہ نے اپنی والدہ کے مکان کو غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ ورنہ وجہ ظاہر ہے کہ والدہ مدعا علیہ، نہ عین مدعا علیہ ہیں نہ جزء مدعا علیہ، تو اگر مدعا علیہ نے غیر کہا تو کیا جرم کیا؟ علاوہ بریں اپنا مکان دو ہی طرح کہا جاسکتا ہے۔ یا وہ مکان اس کا مملوک ہو یا اسے شرعاً حق سکونت ومنفعت ہو۔ اور جب وہ مکان مدعا علیہ کی والدہ کا ہے جس میں وہ مع اپنے بیٹوں کے رہتی ہیں۔ تو مدعا علیہ اس کو اپنا مکان کس طرح کہہ سکتا تھا؟ وقد صرح فی الاشباہ ص ۵۳۲: "ان اجتماع الملکین فی محل واحد محال۔"

(۱۶) ذی علم ثالث کی یہ انوکھی تجویز کہ ''الماری توڑ کر کھڑکی بنائی جائے اور اس کو بطور صلح باہمی کہنا'' نیا تفقہ ہے۔

اولاً صلح وہ عقد ہے جو بتراضی فریقین رفع منازعت کے لئے موضوع ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد۴ ص ۳۱۳ میں ہے: "اما تفسیرہ شرعا فھو انہ عقد وضع لرفع المنازعۃ بالتراضی کما فی النہایۃ۔"

اور یہاں ذی علم ثالث کی تجویز ہے پھر وہ بطور صلح کیونکر ہوسکتا ہے؟ یہ تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر مدعا علیہ کو ایک مشورہ دینا اور زبان حال سے کہنا ہے کہ میں آپ کا ایسا خیر خواہ ہوں کہ آپ کو ایک جائز حق سے مجبوراً صرف روکتا ہی نہیں ہوں بلکہ آپ کی بنی بنائی الماری بگاڑنے کی بھی راہ بتاتا ہوں اور طرفہ احسان کہ اس کا نام صلح باہمی رکھ کر تمہیں بد دل ہونے سے بچاتا ہوں۔

ثانیاً شرائط صلح سے ہے کہ مصالح علیہ یعنی جس چیز پر صلح کی جائے، مال ہو۔ اگر اس کے قبضہ کی ضرورت ہے تو مال معلوم ہونا چاہئے اور اگر قبضہ کی حاجت نہیں تو معلوم ومجہول دونوں ہوسکتا ہے۔ بہر حال مصالح علیہ کا مال ہونا ضرور۔

عالمگیری ج۴ ص ۳۱۳ میں ہے: " واما شرائطه فانواع (الی ان قال) ومنها ان يكون المتصالح عليه مالا معلوما ان كان يحتاج الىٰ قبضه وان كان لا يحتاج الى قبضه فشرطه ان يكون المصالح عليه مالا سواء كان معلوما او مجهولا هكذا فی المحيط"

اور یہاں سرے سے مصالح علیہ ہی مفقود پھر بھی صلح موجود۔

ثالثاً صلح کا خلاصہ، مطلب مدعی کا کچھ لے کر اپنے کل یا جزء دعویٰ سے باز آ جانا ہے اگر کل دعویٰ پر قائم رہے تو صلح کس بات سے ہوئی؟ یہاں دعویٰ رفع بے پردگی تھا۔ اس کے کون سے جزء سے مدعی باز آیا؟ کیا تمام وکمال بے پردگی جائز رکھی یا آدھی، پھر صلح یعنی چہ؟۔

رابعاً صلح کا حکم مدعی کے لئے مصالح علیہ کا مالک ہوجانا ہے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۷۸ میں ہے: " وحكمه فی جانب المصالح عليه وقوع الملك فيه للمدعى سواء كان المدعى عليه مقرا او منكرا وفی المصالح عنه وقوع الملك فيه للمدعى عليه ان كان مما يحتمل التمليك كالمال وكان المدعى عليه مقرا به وان كان مما لا يحتمل التمليك كالقصاص وقوع البرائة"۔

الماری کو کھڑکی بنا لینے میں مصالح علیہ میں کون سی ملک مدعی کو ثابت ہوئی؟ اور شی جب اپنے حکم سے خالی ہو، باطل ہے۔ لہذا اسے صلح کہنا محض لاحاصل ہے۔

خامساً علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ایک قطعہ مکان کا دعویٰ کیا پھر اس میں سے ایک گھر یا کسی ایک حصہ پر صلح واقع ہوئی تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جس چیز پر اس نے قبضہ کیا وہ اس کے حق کا ایک جز ہے تو باقی میں اپنے دعویٰ پر قائم ہے۔

ہدایہ جلد ۳ ص ۲۴۵ میں ہے: ولو ادعىٰ دارا فصالح على بيت او قطعة منها لم يصح الصلح لان ما قبضه من عين دعواه فی الباقی۔ مکان کے دعوی میں اسی مکان کے ایک گھر پر صلح کرنے کو صلح نہیں قرار دیا تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر پھر اس کا صلح نام رکھنا ذی علم ثالث کی کمال فقہ دانی ہے۔

سادساً جس مسئلہ کا جزئیہ کتب فقہ میں مصرح نہ ہو مثلاً تار، بیمہ، منی آرڈر، نوٹ، سیونگ بینک وغیرہ، عالم سے

اس میں غلطی ہو جائے تو چنداں جائے تعجب نہیں۔ حد سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے کہ مدعی علم باوجود روشن تصریحات علماء کے کسی کی حمایت میں ایجاد بندہ سے کام لیتا ہے۔ اس وقت کی غلطی، غلطی نہیں کہی جاتی بلکہ خود اسی کے الفاظ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ کچھ اور ہے۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا نہ تھا کہ کتب فقہیہ میں کہیں مصرح نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد۴ ص ۳۵۱ میں فتاوی ظہیریہ سے اور فتاوی فقیہ النفس قاضیخان جلد سوم ص ۱۹۰ میں ہے:"

واللفظ للخانية "رجل له باب في غرفة او كوة فخاصمه جاره فصالحه على دراهم معلومة يدفعها الجار ليترك الكوة ولا يسدها كان ذلك باطلا لان الجار ظالم في منع صاحب الكوة عن الانتفاع بمال نفسه فانما ياخذ المال فكيف عن الظلم والكف عن الظلم واجب وكذا لو كان الصلح بينهما علىٰ ان ياخذ صاحب الكوة دراهم معلومة ليسد الكوة والباب كان باطلا لان الجار انما دفع المال ليمتنع صاحب الكوة عن التصرف في ملكه والانتفاع بمال نفسه لا على وجه الازالة والتمليك من الغير وذلك باطل "

کسی شخص کے بالا خانہ میں دروازہ یا روشندان ہے۔ اس کے پڑوسی نے اس سے جھگڑا کیا۔ اس نے کچھ روپیہ دے کر پڑوسی سے صلح کی کہ اس روشندان کو رہنے دے اور بند نہ کرے۔ تو یہ صلح باطل ہے اس لئے کہ وہ پڑوسی ظالم ہے کہ روشندان والے کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے روکتا ہے۔ تو یہ روپیہ اس لئے لیتا ہے تا کہ ظلم سے رکے اور ظلم سے رکنا تو اسے یونہی واجب ہے۔ اسی طرح اگر ان میں صلح اس طرح ہو کہ روشندان والا کچھ روپیہ لے کر اس روشندان یا دروازہ کو بند کر دے جب بھی باطل ہے۔ کیونکہ پڑوسی اس لئے روپیہ دیتا ہے کہ روشندان والا اپنے مال میں تصرف کرنے اور اپنے مال سے نفع اٹھانے سے بغیر ازالہ وتملیک غیر روکا جائے اور یہ باطل ہے۔ غرض کھڑکی کی صورت میں کسی طرح صلح صحیح نہیں۔ اگر بغیر مال صلح کیا جب باطل اور اگر مدعی مال لے کر کھڑکی کو رہنے دیتا ہے جب باطل اور اگر مدعا علیہ مال لے کر کھڑکی بند کرتا ہے جب باطل۔ تو ذی علم ثالث کا صلح تجویز فرمانا، مدعی مدعا علیہ دونوں کا نقصان کرنا، خلاف شرع راہ دکھانا ہے، جس کے باطل ہونے کی فقہائے کرام تصریح فرما چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے کرام پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ ساڑھے سات سو برس پہلے کیسا جزئیہ تحریر فرمایا جس نے نہ صرف صلح ہی کا خاتمہ کیا بلکہ سرے سے مقدمہ کا بھی فیصلہ کر دیا کہ ایسا شخص ظالم ہے کہ کھڑکی کے مالک کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے منع کرتا ہے۔ وفات امام قاضیخان کی ۵۹۲ ہجری میں ہے۔

سابعاً یہ ساری خرابیاں اس کی ہیں کہ ذی علم مجوز جیسا کہ نمبرے میں گزرا شروع ہی سے الٹی چال چلے ہیں۔ اب جس طرف جاتے ہیں مقاصد شرع وقوانین عقل سے اور دوری ہوتی جاتی ہے۔ ورنہ اگر ٹھیک راہ چلتے اور حق بقدار پہونچانا مطمح نظر ہوتا تو مدعی سے دریافت کرنا تھا کہ آپ کا مقصد اصلی کیا ہے؟ بے پردگی سے بچنا یا پردہ؟ بے پردگی سے بحث نہیں۔ مدعا علیہ نے جو اپنی دیوار میں کھڑکی لگائی ہے، اس کو بند کرانا۔ بر تقدیر اول رائے صائب اور بے مثل فیصلہ تھا کہ جس طرح مدعا علیہ نے خود آپ کے اقرار کے بموجب اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار بلند کر لی ہے، آپ بھی اپنی بے پردگی

دفع کرنے کو اپنی شرقی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ بر تقدیر دوم صاف معلوم ہو جاتا کہ مدعی متعنت ہے، دعویٰ خارج کیا جاتا۔ اس صورت میں ذی علم ثالث کو اس قسم کی دوراز کار باتوں کا سامنا نہ ہوتا کہ اس فیصلہ کا دیکھنے والا تعجب سے کہتا ہے: ''یہ ثالث صاحب ہیں یا مدعی کے وکیل یا مدعا علیہ کے مشیر''۔ ورنہ جس طرح مدعا علیہ کو مشورہ دیا تھا کہ اس کھڑکی کو بند کر دیجئے، والدہ کے مکان ہو کر جو قدیم راہ ہے اسی کو برقرار رکھئے یا الماری توڑ کر کھڑکی بنا لیجئے اور اس کھڑکی کو بند کر دیجئے۔ اسی طرح دو ایک صورتیں بطور صلح باہمی مدعی کے لئے بھی تجویز کرتے کہ یہ قصہ تو اس مکان کا تھا۔ اب نئے سرے سے مکان بنا رہے ہیں، اس وضع سے بنائیے کہ بے پردگی نہ ہو یا اگر مدعا علیہ نہیں مانتے تو آپ ہی اپنی شرقی دیوار اونچی کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی یا یہ بھی نہ سہی تو اپنے قدیم رفیق جن کو رائے دے کر مقدمہ دائر کرایا تھا انھیں کو کہئے کہ وہ اپنی دوستی کی دیوار اونچی کر ڈالیں۔ ان کا بھی پردہ ہو جائے گا اور آپ کی بھی بے پردگی جاتی رہے گی۔ تب معلوم ہو جاتا کہ مدعی صاحب ان رایوں کو مانتے ہیں یا نامنظوری کی کیا وجہ بتاتے ہیں؟۔

(۱۷) ذی علم ثالث کا فرمانا ''اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازعہ فیہ ہے الخ'' رفع نزاع کی بے مثل صورت اور مقبول عام فیصلہ دینے کی راہ جیسی یہ تھی، شاید دوسری نہ ہو۔ مدعا علیہ کا مطلب یہ ہے کہ بے پردگی کا الزام اگر میرے کسی فعل سے ہے تو وہ ثابت نہیں اور اگر محض کھڑکی کی وجہ سے اس کا خیال کیا جاتا ہے تو ایک ایسی ہی کھڑکی ان دونوں مکانوں میں بھی ہے۔ تو یہ دونوں کھڑکیاں بند کر دی جائیں کہ یہ قصہ ہی پاک ہو جائے اور ایک فتنہ کہ آئندہ کسی وقت اٹھنے والا ہو، ابھی سے اس کی جڑ کٹ جائے۔ مگر افسوس کہ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ کرنے کی وجہ سے باتیں بہت بدل کر لکھی گئیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا، معقول عذر ہونے کی وجہ سے مدعی کو صاف لفظوں میں انکار کی گنجائش نہ تھی۔ مگر کمال طلاقت لسانی سے کہا کہ اگر ... حلفاً کہہ دیں کہ مجھے بھی اس کھڑکی سے بے پردگی وتکلیف کا اندیشہ ہے تو میں ابھی بند کر دیتا ہوں جب ... نے حلفاً اس امر کو بیان کیا تو اب بموجب اقرار کھڑکی بند کرنا چاہئے تھا۔ مگر نفسانیت کا خدا برا کرے کہ اس نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا... کے انداز اور رخ کو دیکھا کہ وہ لفظ بلفظ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فوراً پلٹے اور کہا کہ... آپ کیا کہتے ہیں اس پر انھوں نے انکار کیا اور چھوٹے بھائی ... نے بھی انہیں کا ساتھ دیا کہ نہ مجھے اس کھڑکی سے اس وقت تک تکلیف پہونچی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔ یہ دونوں روشندان جو آپ نے کھولے ہیں ان کو بند کر دیجئے۔ اس سے میری بے پردگی ہوتی ہے۔ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ ہونے کی وجہ سے ذی علم ثالث نے اسے تینوں بھائیوں کے اقرار حلفی پر مشروط کرنا لکھا ہے۔ حالانکہ مدعی نے شرط کرنے میں منجھلے اور چھوٹے کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔

ثانیاً یہ کون سی شریعت کا حکم ہے کہ جب تک تین شخص کی بے پردگی نہ ہو یا تین آدمی بے پردگی کے دعویدار نہ ہوں، عذر نا مسموع ہوگا۔ کیا ایک شخص کی بے پردگی قابل لحاظ نہیں؟ مانا کہ مدعی نے یہی کہا تھا تو ذی علم ثالث کا فرض تھا کہ مدعی کو سمجھاتے کہ یہ مجھے تسلیم ہے کہ یہ دونوں بھائی اس کھڑکی کی وجہ سے بے پردگی کے شاکی نہیں اور آئندہ کے لئے بھی

دستاویز دے رہے ہیں، مگر یہ مدعی نہیں کہ ان کا اقرار کافی ہو۔ مدعی تیسرا شخص ہے، ان کے اقرار کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔ معہذا بے پردگی مختلف ہے۔ ممکن کہ ایک بھائی کے متعلقین کی جن لوگوں سے بے پردگی ہو، دوسری کی نہ ہو یا ایک بھائی روا نہ رکھے دوسرا اسے گوارا کرتا ہو، تو آپ کو ان کے اقرار سے کیا فائدہ تو جب ایک شخص خصوصا وہ کہ ان سب سے بڑا اور اہل علم ہے اور اہل علم ہی کو پردہ کا خیال زائد ہوتا ہے، وہ بے پردگی کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو بے شک آپ کو بند کردینا چاہئے کہ کسی ایک کی بھی بے پردگی شرعا جائز نہیں۔

ثالثاً بیان حلفی کے الفاظ بھی جو ذی علم ثالث نے بنائے ہیں ضحکۂ اطفال ہیں ''کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف و اندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہونچتی ہو یا اب تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہو تو باوجود ان تمام تفرقوں کے ہم کو بند کردینے میں عذر نہ ہوگا'' یعنی نفس بے پردگی قابل لحاظ نہیں، جس کی وجہ سے مدعی کی کھڑکی بند ہوسکے بلکہ جس قسم کی تکلیف مدعی کو پہونچتی ہے اور آئندہ پہونچنے کا اندیشہ ہے، اسی قسم کی تکلیف پہونچتی ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو تو البتہ یہ کھڑکی بند کی جاسکے گی۔ شائد اسی وجہ سے مدعی کے مکان کے وہ دونوں روشندان جن کے بند کرنے لئے ...نے کہا تھا بند نہیں کئے گئے کہ اس سے اگرچہ تکلیف پہونچتی ہے مگر اس قسم کی تکلیف نہیں پہونچتی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔

رابعاً قدیم و جدید، مسلم و مقبول، نامسلم و نامنظور کا تفرقہ ہرگز مدعی نے نہیں دکھایا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ تفرقے پیش کئے بھی ہوتے تو ذی علم ثالث کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے قلم زد کرنا تھا۔ جیسے بہت سی باتیں کہ حسب تحریر ذی علم ثالث اس جلسہ میں ہوئیں اور لغو جان کر ذی علم ثالث نے نہ لکھیں۔

ردالمحتار جلد۴ ص ۳۷۶ میں ہے: "قال الخیر الرملی و اقول لا فرق بین القدیم و الحدیث حیث کانت العلة الضرر البین لوجودها فیهما"۔

اسی ردالمحتار ص ۲۳۰ میں جہاں سے تھوڑی سی عبارت ذی علم ثالث نے نقل بھی کی ہے: وانظر ما لو کانت دار قدیمة بهذا الوصف هل للجیران الحادثین ان یغیروا القدیم عما کان علیه۔ قلت الضرر البین یزال و لو قدیما کما افتی به العلامة المهمنداری و مثله فی حاشیة البحر للخیر الرملی من کتاب القضاء کما فی کتاب الحیطان من الحامدیة۔

غرض اگر یہ ضرر بین ہے تو اس کے مقابل یہ تفرقے محض لغو ہیں اور اگر بیّن نہیں تو دعویٰ ہی راساً بالاتفاق باطل و مدفوع ہے۔ جس طرح ظاہر الروایۃ و مذہب ائمہ مذہب میں مطلقا نامسموع ہے۔

(۱۸) حاکم اور حکم کو چاہئے کہ فریقین کے ساتھ بالکل یکساں برتاؤ کرے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کسی شخص سے کچھ خلاف ہوگیا۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں یہ قصہ پیش ہوا۔ آپ نے یا علی کے بدلے یا ابالحسن کہہ کر خطاب کیا، جس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناخوش ہوئے کہ آپ کو نام لے کر پکارنا تھا، آپ نے مجھے کنیت سے کیوں یاد فرمایا؟

مستطرف جلد اول ص ۱۳۷ میں ہے: "ادعیٰ رجل علی علیّ عند عمر رضی الله عنهما و علیّ جالس فالتفت عمر الیه و قال یا ابا الحسن قم فاجلس مع خصمك فقام فجلس مع خصمه فتناظرا و انصرف الرجل و رجع علی الیٰ مجلسه فتبین لعمر التغیر فی وجه علی فقال یا ابا الحسن مالی اراك متغیرا؟ اکرهت ما کان؟ قال نعم قال و ما ذاك قال کنیتی بحضرة خصمی هلا قلت یا علی قم فاجلس مع خصمك فاخذ عمر براس علی رضی الله عنهما فقبله ثم قال بانّی انتم بکم هدانا الله و بکم اخرجنا من الظلمٰت الی النور۔

اور یہاں ذی علم ثالث کا یک طرفہ انداز شروع تحریر سے ظاہر۔ خصوصاً اس موقع پر تو حد کر دی۔ بالفرض مدعی نے تینوں بھائیوں کے بیان حلفی پر معلق کیا تھا مگر وہ لوگ آپس میں مختلف ہو گئے۔ کسی نے اقرار کیا، کسی نے انکار۔ تو از روئے انصاف اس کو اس طرح لکھنا تھا کہ اس پر تینوں بھائیوں میں اختلاف ہوا...نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی کا کیا مگر ان کے دونوں بھائیوں نے کہا کہ ہمیں اس کا اندیشہ نہیں۔ مگر بجائے اس کے فیصلہ میں اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ ''اس پر بکو میاں نے اظہار تکلیف واندیشہ بے پردگی دختران مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی یحییٰ میاں اور معین میاں نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔'' ایک بھائی کے بیان کو کہ خلاف مدعی تھا، ایسے مرے گرے لفظوں سے تعبیر کیا اور ان دونوں کا بیان موافق مدعی ہونے کی وجہ سے بکمال کشادہ پیشانی اور حلفاً کے زیوروں سے مزین کر کے لکھا۔ حالانکہ اگر مدعی نے تینوں سے حلفاً بیان کرنے کو کہا تھا تو...کا بیان بھی حلفاً ہی ہوا ہوگا اور ضرور حلفاً ہوا، جب تو مدعی وثالث نے اسے تسلیم کیا۔ تعجب ہے کہ...اور...نے کس طرح ایسی لغو بات حلفاً بیان کی۔ مگر اس سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ ذی علم ثالث نے اس خلاف شرع وعقل بات کو کس کمال کشادہ پیشانی سے قبول کیا اور اس کا کیسا پر جوش استقبال کیا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ جو امر ممکن ہو یعنی اسے وجود وعدم دونوں سے یکساں نسبت ہو تو چاہے وہ کیسا ہی مستبعد ہو مگر کوئی شخص از پیش خویش اس کے عدم وقوع پر جزم نہیں کر سکتا، نہ کہ جو کلام مثلاً زید کی قدرت میں ہو، اس پر عمرو کو اس جزم کی کیا سبیل کہ وہ کبھی اس کام کو نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ زید اگر بقسم بھی کہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا پھر بھی عمرو اگر چہ اس کے صدق کا کیسا ہی معتقد ہو، قسم کھا کر نہیں کہہ سکتا کہ زید اس کام کو کبھی نہیں کرے گا، مجھے اس کا اندیشہ بھی نہیں۔ اور اگر قسم کھالے تو سخت جری اور نگاہ عقلاء میں ہلکا ٹھہرے گا۔ تو اس جگہ کہ بے پردگی مدعی کا فعل ہے، نہ مدعی اس کا بقسم عہد کرتا ہے، نہ صاف سیدھے سادے لفظوں میں اس کا وعدہ ہی کرتا ہے، مگر...ہیں کہ بکمال کشادہ پیشانی حلفاً بیان کرتے ہیں کہ آئندہ کو بے پردگی ہونا درکنار، اندیشہ بھی نہیں اور جناب ثالث صاحب بکمال کشادہ پیشانی اسے قبول کرتے ہیں۔

ثانیاً حلف شرعاً وہ عقد ہے جس کے سبب حالف کا ارادہ فعل یا ترک کا قوی ہو جائے۔

درمختار جلد ۳ میں ہے: "الیمین شرعا عبارة عن عقد قوی عزم الحالف علی الفعل او الترك"

اور جب ان دونوں کے بحلف کہنے سے بے پردگی کا فعل قوی ہوا نہ ترک۔ اس لئے کہ جس کے فعل وترک سے اس کا وجود وعدم ہوسکتا ہے، وہ ان دونوں کے قبضہ ہی میں نہیں تو پھر اسے حلف سمجھنا کمال خوش فہمی ہے۔

(۱۹) دیوار اونچی کرنے کے متعلق مدعا علیہ سے عذر دریافت کرنا بھی اسی الٹی چال چلنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مقتضائے عقل وشرع تو یہ ہے کہ جس کی بے پردگی ہو، وہ اپنے لئے دیوار کھینچے۔ كما صرح الفقهاء بل له ان يبني ما يستر جهته۔ یہ نئی فقاہت ہے کہ زید کے مکان سے عمرو کی بے پردگی ہوتی ہو، عمرو تو ہاتھ پاؤں توڑے بیٹھا رہے اور زید ہی اپنی دیوار اونچی کرے یا اس کے متعلق عذر بیان کرے۔

میرے نزدیک مناسب ہے کہ تمام دنیا یا ہندوستان بھر یا صوبہ بہار یا کمشنری پٹنہ یا ضلع آرہ میں نہ ہوسکے تو کم از کم اس قضیہ میں عام نوٹس دے دیا جائے کہ جس جس شخص کو خداوند عالم نے ذی مقدور بنایا ہے اور اس کا مکان دومنزلہ سہ منزلہ ہو اس کو چاہئے کہ اوپر کی چھت میں صرف منڈیر پر اکتفا نہ کرے۔ اس کو ہر چہار جانب ورنہ جس جانب کسی شخص کا مکان بھی معلوم ہوتا ہو، وہ اتنی اونچی دیوار بنائے کہ چھت پر چڑھنے سے کسی شخص کا مکان نہ معلوم ہوسکے ورنہ اس کی وجہ دکھا دے اور جو کچھ عذرات ہوں، پیش کرے۔ اور دیوار کمزور ہونے کا عذر قابل قبول نہیں جب تک واقف کار قواعد تعمیر عمارت کا سارٹیفکیٹ نہ پیش کرے۔ ہاں اگر وہ دونوں جانب سے ملاحظہ کر کے لکھ دے کہ اس میں نقصان ہے تو البتہ قابل قبول ہوگا۔ اور ایک جانب کی دیوار بلند کرنے سے اور جانب کی دیوار کی بلندی کا مسئلہ اہل دول یا انھیں واقف کار حال وقواعد تعمیر عمارت سے دریافت کرنا تھا۔ اور چھ ہاتھ چوڑے صحن کو وسیع صحن بنانا خلیفہ مامون رشید کے سامنے اعرابی کا گڑھے کے پانی کو آب جنت سمجھ کر پیش کرنا یاد دلاتا ہے۔ ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

(۲۰) ''مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاوسع اپنی بہت کوشش کی کہ صلح ورضامندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں الخ'' شاید ایسا ہی ہو ورنہ فیصلہ کا ملاحظہ تو بتا رہا ہے کہ اس عبارت کو یوں ہونا چاہئے تھا۔ ''مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاوسع اپنے اس بات کی کوشش کی کہ مدعی کو پوری ڈگری دی جائے، اس کے دعویٰ میں ذرہ بھر کمی نہ ہونے پائے اور پھر براہ ابلہ فریبی صلح ومصالحت کا سبز باغ دکھا کر مدعا علیہ کو بھی خوش رکھا جائے'' ع۔ ہم لعل بدست آید وہم یار نہ رنجد۔

مگر اس طرح کون اپنی عقل کو پس پشت ڈالے ہوئے ہے کہ اپنے مفید اور مضر میں تمیز نہ کرسکے، اس لئے مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار بحق مدعی فیصلہ دے کر اس کو بھاری بھرکم بنانے کے لئے عبارات کتب فقہیہ کی ضرورت پڑی۔ غرض اس فیصلہ پر فقہ حنفی کی چار کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن میں اول محض بے علاقہ، دوم ناقص، سوم غیر مفید، چہارم مضر۔ اسی وجہ سے ہوشیار مجوز نے ان عبارتوں کا اردو ترجمہ نہیں کیا ورنہ اصل حقیقت عالم آشکار ہوجاتی۔ پہلی عبارت درمختار چھاپہ کلکتہ ص ۴۹۹ کی ہے:

" اشترى دارا ودبغ و تاذى جيرانه على الدوام يمنع وعلى الندرة يتحمل"

یہ عبارت محض بے علاقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مکان خریدا اور اس میں چمڑا پکانے کا کام کیا، جس

سے پڑوسیوں کو اذیت ہوتی ہے۔ تو اگر یہ ہمیشہ ہوتا ہے منع کیا جائے گا اور اگر شاذ و نادر ہے، تو تکلیف برداشت کی جائے گی۔

اولاً چمڑا پکانے کی اذیت ایسی ہے کہ اس کو روکنے کی ترکیب پڑوسیوں کے اختیار سے باہر ہے۔ سوا اس کے کہ اس کو منع کر دیا جائے اور کوئی صورت اس کے ضرر سے بچنے کی نہیں۔ اس لئے کہ ہوا کی آمد و رفت ہو اور دماغ صحیح میں بدبو نہ آئے، یہ عادۃً ناممکن ہے۔ اور ہوا ہر طرف سے بند کر کے رہنا بھی سخت دشوار بلکہ محال عادی ہے۔ اور یہاں مدعی اپنی شرقی دیوار بلند کر کے اپنی بے پردگی کو روک سکتا ہے۔ علماء نے ضرر فاحش، ضرر بیّن کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور اگر دیوار کھینچ کر تکلیف سے بچ سکتا ہے تو اس صورت میں مالک مکان کو منع نہیں کریں گے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ میں ہے: "وذكر الرازي في كتاب الاستحسان ان الدار اذا كانت مجاورة للدور فاراد صاحبها ان يبني فيها تنورا للخبز الدائم كما يكون في الدكاكين او رحى للطحين او مدقات للقصارين لم يجز لان ذلك يضر بجيرانه ضررا فاحشا لا يمكن التحرز عنه فانه ياتي منه الدخان الكثير الشديد ورحى الطحن ودق القصارين يوهن البناء بخلاف الحمام لانه لا يضر الا بالنداوة ويمكن التحرز عنه بان يبني حائطا بينه وبين جاره"۔

دیکھئے حمام بنانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کی تری سے پڑوسی کا نقصان ہے۔ اس لئے کہ اپنے اور پڑوسی کے درمیان دیوار کھینچ کر اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ تو اسی طرح صورت واقعہ میں اگرچہ مدعی کو اپنی بے پردگی کا اندیشہ ہے مگر اپنی شرقی دیوار بلند کر کے اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ پھر کیوں مدعا علیہ کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا۔

ثانیاً اگر دونوں صورتیں یکساں بھی ہوتیں جب بھی یہ عبارت مفید نہیں۔ اس لئے کہ اس میں تصریح ہے کہ اذیت دائمہ ہے تو منع کیا جائے گا اور نادرہ ہے تو برداشت کی جائے گی۔ اور صورت واقعہ میں حسب بیان مدعا علیہ وہ کھڑکی صرف عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ہے اور حسب بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ اس کوٹھری اور اس کی چھت پر مدعا علیہ کی لڑکی رہتی ہے۔ وہاں مردوں کا آنا بضرورت عیادت تھا۔ یہ عیادت دوامی نہیں کہ اس سے منع کیا جائے گا بلکہ شاذ و نادر ہے۔ اس لئے اس کو تحمل و برداشت کرنا ہوگا۔

دوسری عبارت رد المحتار جلد چہارم ص ۳۲۰ کی ہے: "قال في جامع الفصولين القياس في جنس هذه المسائل ان من تصرف في خالص ملكه لا يمنع ولو اضر بغيره الخ"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جامع الفصولین میں لکھا ہے کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے، وہ روکا نہ جائے گا، اگرچہ اس سے غیر کو تکلیف پہونچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ چھوڑ دیا گیا ہے، جب غیر کو بیّن ضرر پہونچے۔ کہا گیا کہ اسی کو اکثر مشائخ نے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اولاً یہ ناقص ٹکڑا بے محل نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے اس پر پورے طور سے روشنی نہیں پڑتی کہ اصل مسئلہ کیا اور هذه

المسائل کا مشار الیہ کیا ہے۔اگر پوری عبارت نقل کی جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ وہ مسئلے کیسے ہیں اور کس رتبے کے ہیں۔

عبارت کی ابتدا یوں ہے:" وفی اجارات النوازل رجل اراد ان یتخذ خراسا فی بیته ویضر ذلك بدار جاره ضررا بینا بان کان یعلم ان دوران الرحی اوریح دورانه یوهن بناء الجار یمنع عن ذلك هکذا اجاب ابو القاسم رحمه الله لانه وان کان مما یتصرف فی خالص ملکه لکن یضر بجاره ضررا بینا و کثیر من مشایخ بلخ ومشایخ بخارا وافقوه فی هذا الجواب فالحاصل ان فی هذه المسائل وفی اجناسها الخ"

ملاحظہ ہوفصول عمادی جلد دوم ص ۲۱۰ یعنی اجارات نوازل میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بڑی چکی کہ گدھوں یا خچروں سے پھرائی جاتی ہے، بنائے اور اس سے پڑوسی کا سخت نقصان ہے کہ اس کے گھومنے کے صدمے یا اس کے ہوا کے تپا نچے سے پڑوسی کا مکان کمزور ہوتا ہے، تو امام ابوالقاسم نے فتویٰ دیا کہ اس شخص کو اس سے منع کریں گے۔کیونکہ وہ اگر چہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے مگر اس سے پڑوسی کا بیّن ضرر ہے اور اکثر مشائخ بلخ و بخارا نے جواب میں ان کی موافقت کی۔تو خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی ملک میں تصرف کرے، منع نہ کیا جائے گا۔کہاں اس بڑی چکی کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف کہ اس کے صدمہ سے دیوار کمزور ہو جائے اور جار کے پاس اس کا کوئی چارہ نہیں اور کہاں یہ صورت واقعہ۔

ثانیاً پڑوسی کا محض نقصان قابل لحاظ نہیں بلکہ جب اسے سخت ضرر پہونچے جس کو بعض کتابوں میں ضرر بیّن، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے۔ہاں ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ آخر ضرر بیّن کی حد کیا ہے؟ میرے نزدیک یہی ضرر، ضرر بیّن ہے۔تو جواب اس کا یہ ہے کہ علماء کرام نے اس تصفیہ کو بھی اٹھا نہیں رکھا ہے۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۶ میں فتح القدیر امام ابن الہمام سے نقل کیا: والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك ما بدا له مطلقا لانه متصرف فی خالص ملکه لکن ترك القیاس فی موضع یتعدیٰ ضرره الی غیره ضررا فاحشا وهو المراد بالبین وهو ما یکون سببا للهدم او یخرج عن الانتفاع بالکلیة وهو ما یمنع الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة واختاروا الفتویٰ علیه فاما التوسع الیٰ منع کل ضرر ما فیسد باب انتفاع الانسان بملکه کما ذکرنا قریبا اه ملخصا۔

"خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ مالک کو حق ہے کہ مطلقاً جو کچھ چاہے کرسکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے خالص ملک میں متصرف ہے۔مگر یہ قیاس اس جگہ متروک ہے۔کہ اس کی وجہ سے غیر کو سخت تکلیف پہونچے اور ضرر بین سے یہی مراد ہے کہ وہ مکان کے گرنے کا سبب ہو یا اس کی وجہ سے مکان قابل رہنے کے نہ رہے۔یعنی حوائج اصلیہ بالکل رک جائیں مثلاً روشنی بالکل بند ہو جائے۔اور لوگوں نے فتویٰ کے لئے اسی کو پسند کیا ورنہ ہر ضرر کی وجہ سے منع کرنا تو انسان کو اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ ہی بند کر دیتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔

اسی ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے، جس کی عبارت اوپر نقل ہوئی کہ ضرر فاحش وہ ہے جس سے بچنے کی کوئی

سبیل اس کے اختیار میں نہ ہو اور اگر دیوار کھینچ کر اس ضرر سے بچ سکتا ہے تو وہ ضرر، ضرر فاحش نہیں۔
رابعاً رب العزۃ جل جلالہ نے جسے نظر فقہی عطا فرمائی ہے، اس اختلاف میں فریقین کی قوت کو انداز کر سکتا ہے۔ عبارت فصول عمادی شاہد ہے کہ یہ مذہب نہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے، نہ امام ابی یوسف سے منقول، نہ امام محمد سے مروی، نہ دیگر ائمہ مذہب سے بلکہ امام ابو القاسم رحمہ اللہ کی رائے ہے جو امام یوسف کے شاگرد کے شاگرد ہیں، جسے اکثر علماء بلخ اور مشائخ بخارا نے پسند فرمایا رضی اللہ عنہم۔ اور مطلقاً تصرف کا حکم اور پڑوسی کے نقصان کے خیال سے مالک کو اپنی خالص ملک میں تصرف کرنے سے روکنے کی ممانعت ہمارے ائمہ خمسہ، امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کا مذہب ہے کما مر عن الحموی و البحر۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ ہی پر عمل ہے اور فتویٰ ہمیشہ قول امام پر واجب ہے، اگرچہ صاحبین مخالف ہوں نہ کہ امام اعظم و صاحبین و بقیہ خمسہ سب متفق ہوں تو ان کا خلاف کیونکر روا ہو سکتا ہے۔؟ استحسان متاخرین، نظر بہ تبدل حالات زمانہ نہیں کہ دفع ضرر، شریعت کے مسائل قدیمہ سے ہے۔ امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن کو معلوم نہ تھا کہ لا ضرر و لا ضرار فی الاسلام؟ قطعاً معلوم تھا مگر ضرر مالک کو کہ حجر عن التصرف فی ملکہ والحاقہ بذلک بالبھائم ہے، ضرر اجنبی پر مقدم رکھا۔ تو جمیع ائمہ مذہب کے خلاف بعض متاخرین کا استحسان کیونکر معمول بہ ہو سکتا ہے۔
بحر الرائق کتاب الزکوٰۃ باب الصرف میں ہے: ”اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایۃ والرجوع الیھا۔“
درمختار میں ہے: ”یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی ثم بقول الثالث ثم بقول زفر والحسن۔“
فتاویٰ خیریہ میں ہے: ”المقرر عندنا انہ لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم۔“
شرح عقود میں ہے: ”رایت فی بعض کتب المتاخرین نقلا عن ایضاح الاستدلال علی ابطال الاستبدال لقاضی القضاۃ شمس الدین الحریری احد شراح الھدایۃ ان صدر الدین سلیمٰن قال ان ھذہ الفتاوی ھی اختیارات المشایخ فلا تعارض کتب المذھب قال و کذا کان بقول غیرہ من مشایخنا و بہ اقول۔“
ردالمحتار جلد ۴ باب الہبۃ میں ہے: ”حیث علمت انہ ظاھر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد ورووہ عن ابی حنیفۃ ظھر انہ الذی علیہ العمل۔“
صاحب درمختار نے اس مسئلہ کو کتاب القسمۃ میں اس طرح لکھا: ”لہ التصرف فی ملکہ وان تضرر جارہ فی ظاھر الروایۃ الکل من الاشباہ وفی المجتبیٰ وبہ یفتیٰ وفی السراجیۃ الفتویٰ علی المنع قال المصنف فقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاھر الروایۃ اھ“
علماء نے تصریح فرمائی کہ جو کچھ ظاہر الروایہ سے خارج ہے، ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ وہ اگر روایت نوادر بھی

ہوتو مرجوع عنہ ہے اور قول مرجوح پر افتا وقضا جہل وخرق اجماع ہے، نہ کہ مرجوع عنہ کہ وہ قول ہی نہ رہا، نہ کہ جو سرے سے قول ہی نہ ہو، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کرنے کا حکم فرمایا۔

ردالمحتار میں ہے: ''ما خالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لاصحابنا۔''

بحرالرائق میں ہے: ''ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه والمرجوع عنه لم يبق قولا له۔''

تصحیح قدوری ودرمختار میں ہے: ''الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع۔''

تنویروشرح علائی میں ہے: ''ويأخذ القاضى كالمفتى بقول ابى حنيفة على الاطلاق ثم بقول ابى يوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زياد وهو الاصح منية وسراجية وعبارة النهر ثم بقول الحسن فتنبه وصحح فى الحاوى اعتبار قوة المدرك والاول اضبط نهر ولا يخير الا اذا كان مجتهدا بل المقلد متى خالف مذهبه لا ينفذ حكمه وينقض هو المختار للفتوى كما بسطه المصنف فى فتاواه وغيره وقدمناه اول الكتاب وسيجئ۔''

ردالمحتار میں ہے: ''القاضى مامور بالحكم باصح اقوال الامام فاذا حكم بغيره لم يصح۔''

یہ ترتیب اس وقت ہے جب ایک سے کچھ منقول نہ ہوتو دوسرے کی بات لی جائے گی اور اگر دوسرے سے بھی کچھ مروی نہ ہوتو تیسرے کی، وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ اور جب کسی امر پر ائمہ ثلاثہ متفق ہوں تو پھر عدول کی گنجائش ہی نہیں۔

محیط امام سرخسی پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ''لا بد من معرفة فصلين احدهما انه اذا اتفق اصحابنا فى شىء ابو حنيفة وابو يوسف ومحمد رضى الله تعالى عنهم لا ينبغى للقاضى ان يخالفهم برائه الخ۔''

فتاویٰ فقیہ النفس امام قاضی خان میں ہے: ''المفتى فى زماننا من اصحابنا اذا استفتىٰ فى مسئلة او سئل عن واقعة ان كانت المسئلة مروية عن اصحابنا فى الروايات الظاهرة بلا خلاف بينهم فانه يميل اليهم ويفتى بقولهم ولا يخالفهم برائه وان كان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان يكون الحق مع اصحابنا ولا يعدوهم واجتهاده لا يبلغ اجتهادهم ولا ينظر الىٰ من خالفهم ولا يقبل حجته لانهم عرفوا الادلة وميزوا بين ما صح وثبت وبين ضده الخ۔''

جب مجتہد کے لئے اپنے ائمہ کے قول سے پھرنے کی اجازت نہیں تو مقلد کی کیا مجال؟۔ اس کے بارے میں تو ملتقط ودرمختار وردالمحتار میں مصرح ہے:

''وان لم يكن مجتهدا فعليه تقليدهم واتباع رائهم فاذا قضى بخلافه لا ينفذ حكمه۔'' ''یعنی اگر مجتہد نہ ہوتو اس کو ائمہ مذہب کی تقلید اور ان کے رائے کی پیروی ضروری ہے تو اگر اس کے خلاف فیصلہ دے گا نافذ نہ ہوگا۔''

غرض مقلد کو قول امام پر فیصلہ دینا بحر وغیرہ میں مصرح ہے اور اس کی تحقیق جلیل کے لئے فتاویٰ رضویہ میں مستقل رسالہ ہے'' اجلى الاعلام بان الفتوى مطلقا على قول الامام'' تو اسی پر فیصلہ کرنا واجب ورنہ نافذ نہ ہوگا۔

خامساً خلاف ظاہر الروایۃ ہونے کی وجہ سے اس کا مرجوح ہونا ثابت ہوگیا۔ اب نہ رہی مگر اس پر فتویٰ دیئے جانے کی وجہ سے اس کی تقویت۔ مگر عبارت درمختار سے معلوم ہو چکا کہ مفتیٰ بہ دونوں قول ہیں۔ اگر بعض علماء نے اس پر

فتوی دیا ہے تو بعض علماء نے اُس پر بھی فتوی دیا ہے۔

درمختار کتاب القضاء مسائل شتیٰ ج۴ص ۳۷۵ میں ہے:''ولا یمنع الشخص من تصرفه فی ملکه الا اذا کان الضرر بجاره ضررا بینا فیمنع من ذلك وعلیه الفتویٰ بزازیه واختاره فی العمادیة وافتیٰ به قارئ الهدایة حتی یمنع الجار من فتح الطاقة وهذا جواب المشایخ استحسانا وجواب ظاهر الروایة عدم المنع مطلقا وبه افتیٰ طائفة کالامام ظهیر الدین وابن الشحنة ووالده ورجحه فی الفتح وفی قسمة المجتبیٰ وبه یفتیٰ وحمده المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاهر الروایة اه۔''

تو مفتیٰ بہ ہونے کی وجہ سے تقویت دونوں میں مشترک ہے۔اور ترجیح قول امام کو ہے، ترجیح قول ائمہ ثلاثہ کو ہے، ترجیح ظاھر الروایۃ کو ہے، ترجیح اس روایت کو ہے جو مطابق درایت ہو خصوصا ایسی حالت میں کہ ذی علم ثالث کی منقولہ عبارت میں اس قول کو اکثر مشایخ کا اختیار کرنا، اس کا مفتیٰ بہ ہونا بلفظ قیل منقول ہے جو ضعف کا مشعر ہے اور ترجیح مقابل کے لئے مشہور۔

ردالمحتار جلد اول میں ہے:'' قالوا وقیل کلاهما مشعران بالضعف۔''

اسی میں ہے:'' الحکایة بقیل ترجیح للمقابل۔''

پھر باوجود ان تمام باتوں کے ظاھر الروایۃ کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔پس ظاھر الروایۃ کو چھوڑ کر ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو چھوڑ کر مشایخ متاخرین کے قول پر فیصلہ دینا شان فقاہت وانصاف سے بعید ہے۔

تیسری عبارت فتاوی خیریہ جلد۲ص ۲۰۲ کی ہے:'' (سئل) فی الجار یرید فتح کوة علی جاره وفی ذلك اطلاع علی عوراته وحریمه او بناء غرفة او حائط علی جدار مشترك بینهما هل یمنع عن ذلك ام لا (اجاب) اما مسئلة فتح الکوة ففیها استحسان وقیاس الخ۔''

''یعنی کسی نے علامہ خیر الدین رملی سے پوچھا کہ ایک پڑوسی روشندان کھولنے کا ارادہ کرتا ہے جس سے اس کے پڑوسی کی بے پردگی ہوتی ہے یا مشترک دیوار پر دیوار یا جھروکا بنانا چاہتا ہے۔اس سے منع کیا جائے گا یا نہیں؟۔آپ نے جواب دیا کہ روشندان کھولنے میں دو قول ہیں ایک استحسان دوسرا قیاس۔استحسان منع ہے اور اسی پر فتوی ہے۔''

جیسا کہ نقل کیا اس کو فتاوی تتارخانیہ میں اور مضمرات شرح قدوری میں تہذیب سے۔اور تتارخانیہ میں روشندان کے مسئلہ سے کچھ پہلے لکھا کہ خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے، اس سے روکا نہ جائے گا اگرچہ اس سے غیر کو ضرر پہنچے۔لیکن یہ قیاس اس جگہ متروک ہے کہ اس کے تصرف کا ضرر بیّن غیر کو پہونچے۔اور ممانعت کا قول کیا گیا ہے مطلقا اور اسی کو اکثر مشایخ نے لیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔یہ اس صورت میں ہے جب کہ ضرر بیّن ہو جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔اور ظاہر ہے کہ وہ سب معانی یہاں متحقق نہیں۔شاید ذی علم ثالث کو وقیل بالمنع مطلقا سے دھوکا ہوا اور اس کو قول ثالث سمجھ کر بالکل موافق مدعا پایا مگر درحقیقت یہ قول ثالث نہیں کہ مطلقا منع کیا جائے گا، چاہے ضرر بیّن ہو یا نہ ہو۔بلکہ یہ لفظ مطلقا عبارت خیریہ میں قلم ناسخ سے زائد ہوگیا ہے اور قیل، ترک کا معطوف ہے۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد۴ص ۳۷۵ میں عبارت جامع الفصولین نقل کر کے فرماتے ہیں: ''قلت قوله وقيل بالمنع عطف تفسير على قوله ترك القياس فليس قولا ثالثا نعم وقع فى الخيرية وقيل بالمنع مطلقا الخ ومقتضاه انه قول ثالث بالمنع سواه كان الضرر بينا او لا، لكن عزا فى الخيرية ذلك الى التاترخانيه والعمادية وليس ذلك فى العمادية كما رايت فالظاهر ان لفظ مطلقا بسبق قلم۔''

چوتھی عبارت عقود الدریہ تنقیح فتاوی حامدیہ جلد ثانی ص ۲۶۵ کی ہے: ''(سئل) فيما اذا كان لكل من جارين سطح بيت فى داره مساو سطح الاخر وصار الآن احدهما يصعد الى سطحه الخ۔

''یعنی سوال ہوا کہ دو پڑوسی ہیں جن کی گھر کی چھت دوسرے کی چھت کے مساوی ہے۔ ان میں ایک شخص اپنی چھت پر چڑھتا ہے اور جب وہ اپنی چھت پر چڑھتا ہے تو اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کے عورتوں پر پڑتی ہے اور پڑوسی کہتا ہے کہ پردہ کی دیوار بنانے تک آپ چھت پر نہ چڑھیں۔ تو کیا پڑوسی کو اس کا حق ہے؟۔ جواب دیا کہ ہاں! اسے اس کا حق ہے۔''

یہ مسئلہ تو وہی ہے جس کا مفصل بیان نمبر۱۲ میں گزرا مگر ذی علم ثالث کو اصلا مفید نہیں۔ اس لئے کہ صورت واقعہ سے محض بے علاقہ۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کی عورتوں پر پڑے اور صورت واقعہ میں ایسا ہرگز نہیں۔ یہاں نگاہ صرف چھت کی فضا تک پہونچتی ہے۔ اگر کوئی شخص مدعی کی چھت پر ہو تو جو شخص مدعا علیہ کی چھت پر ہو اس سے اس کی نگاہ چار ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔ تو اس عبارت سے صورت واقعہ پر استدلال کیونکر صحیح ہوسکتا ہے بلکہ یہ عبارت ذی علم ثالث کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کی دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو اور یہی مطابق روایت ودرایت ہے۔ حدیث میں ہے: ''الغنم بالغرم۔'' مثل مشہور ہے ''جس کا ٹپکے گا، وہ چھائے گا''۔ بخلاف ذی علم ثالث کے کہ انھوں نے مدعا علیہ کو حکم دیا کہ پردہ کی دیوار اس قدر بلند بنائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا چھت پر کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہ ہو۔ غرض ان چار عبارتوں میں اول بے علاقہ، دوم ناقص، سوم بالکل غیر مفید، چہارم مضر ہے۔

(۲۱) نمبرات سابقہ سے یہ بات روشن طرح پر معلوم ہوئی کہ فیصلہ محض یک طرفہ کیا گیا ہے، جو نہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہے، نہ عقل کے موافق۔ اور عبارتیں محض بھرتی کی ہیں تاکہ نگاہ عوام میں فیصلہ مدلل معلوم ہو۔ ان عبارتوں سے جن نمبروں کا جواب اخذ کیا گیا ہے وہ ہرگز ان سے مستفاد نہیں، نہ یہ جوابات مطابق شرع ہیں۔ بلکہ ان نمبروں کے جوابات یہ ہیں:

نمبر اول: کھڑکی بند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنے پردہ کی دیوار کھینچے۔

بحر الرائق جلد۷ ص ۳۶ وفتح القدیر امام ابن ہمام جلد۳ ص ۲۸۵ میں ہے: ''لو فتح صاحب البناء فى علو بنائه بابا او كوة لا يلى صاحب الساحة منعه بل له ان يبنى ما يستر جهته۔''

نمبر دوم: سوراخ کے متعلق نمبر۸ میں مفصل بیان ہوا کہ ان سوراخوں سے ہرگز بے پردگی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اس

کے ذریعہ نگاہ سیدھی سہ منزلہ کی بلندی پر جائے گی، جس سے مدعی کا کچھ نقصان نہیں۔ پھر بھی مدعا علیہ نے اسے بند ہی کر دیا ہے تو بند کئے ہوئے کو پھر سے بند کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

نمبر سوم: مدعا علیہ نے اپنی ضرورت کے لائق دیوار تیار کرائی، اس کی ضرورت اسی قدر سے دفع ہوگئی۔ اب اگر مدعی کو پردہ کی ضرورت ہے، وہ اپنی دیوار بلند کرائے۔ مدعا علیہ کو دیوار بلند کرنے کا حکم دینا محض ظلم ہے۔

فصول عمادی جلد۲ ص۱۲۱ میں ہے: ''الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکہ۔''

نمبر چہارم: اگر متنازع فیہ کوٹھری کی چھت پر چڑھنے سے مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے اور مدعی کی گھر میں نظر پہونچتی ہے اور مدعی خواستگار ہے کہ جب تک میں پردہ کی دیوار نہ کھینچ لوں اس پر نہ چڑھا جائے تو مدعی کی اس بات کا خیال کرنا چاہئے۔ اور مدعی کو چاہئے کہ جلد دیوار کا انتظام کرے ورنہ جیسا کہ ذی علم ثالث نے گول رکھا ہے کہ تا حصول صورت پردہ اور مدعی کو پردہ کی دیوار بنانے کا حکم نہیں یا یہ تو ہمیشہ کے لئے مالک کو اپنی ایک مملوک چیز سے نفع اٹھانے سے محض مدعی کی خاطر بے وجہ روکنا ہے۔ نمبر ۱۶ میں عبارت خانیہ لزری کہ اگر کچھ دے کر مالک کو اپنی ملک سے نفع اٹھانے سے روکے، جب بھی باطل ہے تو یہ صورت اولیٰ بالبطلان ہوگی۔

نمبر پنجم: ہمیشہ کے لئے مدعی و مدعا علیہ دونوں کو خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی حرکت یا کوئی کاروائی ایسی نہ کریں جس سے دوسرے کو تکلیف وضرر پہنچے۔

(۲۲) بحمد اللہ جملہ ابحاث متعلقہ فیصلہ و جواب نمبرات سے فراغ پایا۔ اتنے مختصر الفاظ فیصلہ کے متعلق یاد ہیں کہ ☆ بوجہ عدم قبول تحکیم ومشروط بشرط کرنے اور عدم وجود شرط تحکیم، ثابت نہیں ☆ بفرض وجود وثبوت قبل فیصلہ مدعا علیہ کے نقض وفسخ کی وجہ، تحکیم کالعدم ہوگئی حکم کو حکم دینا روا نہیں۔ ☆ بر تقدیر عدم فسخ فیصلہ ہذا بے حجت شرعیہ (بینہ ویمین ونکول) ہونے کی وجہ سے فیصلہ شرعی نہیں بلکہ ایک ردی کاغذ ہے کہ مدعی کے حوالہ کر دیا گیا بلکہ اگر یہ وجوہ نقض نہ بھی ہوتے تو ازانجا کہ ثالث مقلد نے اپنے جمہور خمسہ امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف، درایت کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اس لئے محض باطل و غیر نافذ ہوگا۔ یہ فیصلہ، فیصلہ شرعی نہ ہوگا۔ واللہ یقول الحق و یھدی السبیل و ھو حسبی و نعم الوکیل واللہ سبحنہ و تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفر لہ

صدر مدرس مدرسہ عالیہ، شہسرام

☆☆☆☆☆

کتاب الاضحیۃ ۱۰

مسئلہ مرسلہ از اٹاوہ از جانب محمد روح اللہ ۱۱ رصفر ۱۳۴۲ھ

مسئلہ اولیٰ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بندوق سے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر شکار مارا اور پھر بعد گرنے شکار کے، اس کے ذبح کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے پہنچنے تک شکار مر گیا۔ اب اس کا کھانا درست ہے اور وہ حلال ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثانیہ: اس ملک میں اکثر ہندو کھٹک بکری کا گوشت فروخت کرتے ہیں اور مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے، وہی ذبح کرتا ہے۔ وہاں سے کھٹک اپنی دکان پر لے جا کر گوشت فروخت کرتے ہیں اور ان کی دوکان پر کوئی مسلمان نگراں نہیں رہتا۔ ان سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثالثہ: زید باوجود قدرت اس بات کے کہ زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بلا عذر اپنے پلنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ یہ نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) حلال نہیں کہ بندوق کا حکم تیر کے مثل نہیں۔ یہاں آلہ وہ چاہئے کہ اپنے دھار سے قتل کرے اور گولی چھرہ میں دھار نہیں ہوتی۔ بندوق کاٹ نہیں کرتی بلکہ قوت کرتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لا یخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق و الثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذ لیس لہ حد فلا یحل و بہ افتیٰ ابن نجم۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) صورت مستفسرہ میں اس گوشت کا خریدنا، کھانا اور کھلانا سب ناجائز ہے۔ حیوان جب تک زندہ تھا، حرام تھا کہ اس کا یا اس کے کسی جز کا کھانا یا کھلانا سب حرام تھا۔

حدیث میں ہے: "مایقطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ۔"

پھر ذبح شرعی سے حلال ہوگا۔ اور وہ بر بنائے قول کھٹک ثابت نہیں کہ یہ امر دیانت متعلق حلت وحرمت کے ہے اور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

درمختار میں ہے: "خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانۃ۔"

ہاں اگر مذبح سے اس کے دوکان تک کوئی مسلمان ساتھ آیا اور دوکان پر بھی کوئی مسلمان موجود رہا، غرض اگر مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اب اس مسلمان کی خبر کی بنا پر کہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا، اس کا خریدنا اور کھانا اور کھلانا سب جائز ہے کہ اب وہ خبر مسلم ہے نہ کہ خبر کافر۔ اور خبر، مسلم کی دیانت ومعاملات ہر جگہ معتبر ہے بشرطیکہ

عادل ثقہ ہو۔ ورنہ قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا۔ فی التنویر: "شرط العدالة فی الدیانات و تجری فی الفاسق المستور۔" واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اس پر مستقر ہو جائے یعنی اس کا دبنا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کرے، اس سے زائد نہ دبے، اس چیز پر نماز جائز ہے۔ خواہ وہ چارپائی ہو یا زمین پر رکھا ہوا گاری کا کھٹولہ یا کوئی شی اور۔ تو اگر چارپائی اس قدر سخت ہو، اس پر نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

غنیہ میں ہے: "ضابطه ان لا یستفل بالتسفیل فحینئذ جاز سجوده علیه۔"

ردالمحتار میں ہے: "تفسیره ان الساجد لو بالغ لا یتسفل راسه ابلغ من ذلك فصح علیٰ طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة ان کانت علی الارض اه" مختصرا من العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة وتمامه فیها۔ والله تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده احکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ طالب علم بنگالی رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر شخص مسلمان، جانورے بنام اصنام ہنود رہا کند۔ گوشت آں جانور خوردن حلال است یا نہ؟ وآں جانور در ملک وے ماند یا نہ؟ وحکم آں کس چہ؟ علیٰ ھذا اگر ہنود بنام اصنام خود جانورے رہا کند یا چیزے بدہد، استعمال وخوردن آں از روئے شرع شریف جائز است یا نہ؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

از رہائی جانور بنام اصنام ہنود حرام نمی شود۔ قال تعالیٰ: "مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ" ۝ (المائدة: ۱۰۳) "اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔ ہاں! کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں"۔ (کنزالایمان)

قال فی المدارك: "یفترون علی الله الکذب فی نسبتهم هذا التحریم الیه واکثرهم لا یعقلون ان الله تعالیٰ لم یحرم ذلك۔"

در ملک او بلاشبہ باقی میماند کہ وقت رہا کردنش نمی گوید: ہر کہ بگیرد ملک اوست ونہ ایں را در ملک غیر دارند۔

در فتاویٰ عالمگیری است: "من له دابة وقال "لا حاجة لی الیها" ولم یقل "هی لمن اخذها" فاخذها انسان لا تکون له۔"

بدیں وجہ گرفتن وذبح کردن غیر آں جانورے درست نیست۔ لانه ملك الغیر فان اجازه جاز بلا شبهة۔

واما رہا کردن مسلم بنام صنم پس اگر بنیت تعظیم وتقریب بآں بت باشد، البتہ کفر است۔ وآنکہ آں جانور ملک از

املاک مرتد باشد۔ اگر آں کس براند، او خود برد مال ارتداد او، بسائے مسلمین می شود۔ اگر اسلام آرد، خود ملک اوست۔
کما فی الدر المختار: "ویزول ملك المرتد عن ماله و الّا موقوفا فان اسلم عاد ملکه وان مات او قتل علیٰ ردته ورث کسب اسلامه وارثه المسلم بعد قضاء دین اسلامه و کسب ردته فئ بعد قضاء دین ردته۔"
واگر نیت تعظیم وتقرب نداشت، خود کم نہ از آں کہ گناہ کبیرہ است۔ فاما از ملک او بیروں نرود۔ وحکم ہمانست کہ بالا گذشت۔
درفتاویٰ عالمگیریہ است: "فمن اعتق عبده للشیطان او للصنم عتق الا انه یکفر هکذا فی السراج الوهاج۔ اقول: لکن الارفق بحال المسلم والحذر عن الاجتراء علیٰ تکفیر المسلم، التفصیل الذی قد بیناه کما فی الاشباه والنظائر" فان اعتق للصنم او الشیطان صح واثم" اما المسلم اذا اعتق له قاصدا تعظیمه کفر کذا فی الطحطاوی والکلام علیٰ التوزیع فان اعتق لهما من غیر قصد تعظیم ثبت الحرمة من غیر کفر وصرح فی مقام اخر لقوله اما اذا لم یقصده فلا یکفر۔"
ودردرمختار است: "ویصح ایضا بتحریر (لوجه الله والشیطان والصنم وان) اثم و (کفربه) ای بالاعتاق للصنم (المسلم عند قصد التعظیم) لان تعظیم الصنم کفر۔" (کتاب العتق ۳/۶۵۰) والا فلا کما قدمنا عن الاشباه والطحطاوی والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ از کلکتہ ڈاکخانہ بیل گچھا اولا استھان مرسلہ عبدل میانجی باڑی والے یکم محرم ۱۳۲۵ھ

جناب قبلہ وکعبہ مولانا مولوی محمد احمد رضا خانصاحب دام فیوضکم۔

آداب نیاز کے بعد گزارش ہے کہ چند سوالات بطور استفتا ارسال خدمت اقدس ہے۔ امید کہ جواب اس کا واسطے درستی خیال وعقیدت ناواقف لوگوں کے محرر فرما کر بصیغۂ بیرنگ روانہ فرمایئے۔

(امر اول) اکثر اس نواح میں اقوام ہندو بکرا ومینڈھا وغیرہ بطریق چڑھانے کے، بت کے سامنے لے جاتے ہیں اور محض ایک کان اس کا کاٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کو لوگ پکڑ کر فروخت کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان خرید کر کھائے یا قربانی کرے تو جائز ہے یا ناجائز؟

(امر دوم) اگر کسی مسلمان نے کوئی راس مویشی خواہ گائے یا بکری ومینڈھا وغیرہ کسی مسلمان کو یہ لفظ کہہ کر دیا کہ تم اس کی قربانی لے جا کر کروا اپنے نام سے، تو اس کا ثواب قربانی کرنے والے کو پورا ملے گا یا کچھ مویشی دینے والے کو بھی ملے گا؟

(امر سوم) خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، عقیقہ کرنے کی مدت کس عمر تک ہے؟ دوم یہ بھی ضروری ہے کہ وقت عقیقہ کے سر کے بال اتارے جاتے ہیں یا اگر جوانی میں عقیقہ کیا جائے تو بھی لڑکا خواہ لڑکی کے سر کے بال اتارے جائیں گے؟ فقط

الجواب

(جواب اول) نہ لوگوں کو اسے پکڑ کر بیچنا جائز، نہ خریدنا روا، نہ اسے کھانا حلال۔ نہ اس کی قربانی کافی۔ لانہ باع مالا یملکہ۔ ہنود جو چیز اپنے بت گنگا جمنا خاک بلا کے نام سے اس پر چڑھا کر چھوڑ دیتے ہیں، اس سے ان کی ملک نہیں زائل ہوتی۔ وہ بدستور ان کی ملک پر باقی رہتی ہے۔ ہاں صراحۃ یا دلالۃ جب معلوم ہو جائے کہ اس غرض سے چھوڑا ہے، جو پکڑ لے اس کی ملک ہے، تو البتہ اسے پکڑنا اور بیچنا جائز ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:" لو سیب دابته وقال لا حاجة لی الیها ولم یقل هی لمن اخذها فاخذها انسان لا تکون له۔"

ردالمحتار میں ہے:" القیٰ شیئا وقال من اخذه فهو له فمن سمعه او بلغه ذلك القول ان یاخذه والا لم یملکه۔"

اور دلالت حال یہ کہ عرف عام اس طور پر ہو کہ یہ چھوڑنا اور پھینکنا اس غرض سے ہو کہ جو پالے اس کی ملک ہے۔ جیسے لوگ شادیوں میں روپیے پیسے یا محرم میں روٹیاں بسکٹ لٹاتے، پھینکتے ہیں۔ اب خریدنے والے کو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور جب یہ مالک ہو گیا تو قربانی بھی حلال ہے اگر تہائی یا زیادہ کان کاٹ کر جدا نہ کر دیا ہو ورنہ قربانی نہ ہو سکے گی۔

تنویر الابصار میں ہے:" ولا یضحی بمقطوع اکثر الاذن مختصرا والثلث فصاعدا وهو ظاهر الروایة وصححه فی الخانیة وعلیه الفتویٰ ومشی علیها فی مختصر الوقایة والاصلاح۔"

مگر ان چھوڑنے والوں کا یہ تقصیر ہرگز نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ان کے ملک سے خارج نہیں ہوتا اور ان کا کھانا قربانی کرنا کچھ روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دوم) دونوں کو ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے:" والدال علیٰ الخیر کفاعله۔" رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والامام احمد فی مسنده وابو یعلیٰ والضیاء عن بریدة وابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج عن انس رضی الله تعالیٰ عنهم۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(سوم) ولادت سے بلوغ تک عقیقہ کا وقت ہے۔ جب چاہے کرے۔ مگر بہتر ساتواں دن ہے۔

شرح عباب علامہ ابن حجر پھر عقود الدریہ علامہ ابن عابدین شامی میں ہے:" وقتها بعد تمام الولادة الیٰ البلوغ فلا یجزیٔ قبلها وذبحها فی الیوم السابع۔"

سراج الوہاج میں ہے: ولو قدم یوم الذبح قبل یوم السابع او اخر عنه جاز الا ان یوم السابع افضل۔

بلکہ تابقائے جان، عقیقہ ممکن۔ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ظہور نبوت خود اپنا عقیقہ فرمایا۔ عقیقہ کے ساتھ وہ بال جدا کئے جاتے ہیں جو پیٹ سے پیدا ہوئے اور جب وہ ایک بار جدا ہو گئے تو اب عقیقہ کے ساتھ بال تراشنا کوئی ضروری نہیں۔ احادیث میں " واسیطوا عنه الاذیٰ " فرمایا ہے یعنی پیٹ سے جو بال لے کر پیدا ہوا، وہ دور کر دے

جاتے ہیں۔ اس واسطے اس کو عقیقہ کہتے ہیں کہ اصل عقیقہ کے معنی وہ بال ہیں جو لڑکے کے سر پر وقت پیدائش کے ہوتا ہے۔ کما فی الکرمانی شرح البخاری عن الاصمعی۔ خصوصاً اگر لڑکی کا عقیقہ جوانی میں کیا جائے کہ عورت کو سر کا بال مونڈانا حرام ہے، مثل داڑھی کے، واسطے مردوں کی۔

درمختار میں ہے:'' قطعت شعر راسها اثمت ولعنت زاد فی البزازية وان ياذن الزوج، لانه لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق ولذا يحرم علی الرجل قطع لحيته۔'' والله تعالیٰ اعلم۔　　　　کتبہ ظفر الدین البہاری

☆☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ منشی کلیم الدین، پورنیہ ڈاکخانہ بیسی ہاٹ موضع چوپڑا۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

سوال اول: یہ کہ نمازی، پرہیزگار وصوفی شخص اگر بے نمازی، گناہگار کے ساتھ شریک ہو کر قربانی کرے تو ایسی قربانی کی فضیلت وثواب پرہیزگار کو ملے گا یا نہیں اور اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے اس صوفی کے ثواب میں کمی تو نہ ہوگی۔؟

سوال دوم: حدیث فعلی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خصی ابلق سنگدار اپنی طرف سے قربانی کئے اور دوسرا ایک خصی بصفتِ مذکورہ ساری امت کی طرف سے قربانی کئے۔ پس ہم لوگ امتان محمدی کو دو چار آدمی شریک ہو کر نا جائز ہونے کی کون سی قولی حدیث ودلیل ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمایا جائے۔

سوال سوم: اس ملک میں رواج ہے کہ لڑکوں کے ختنے میں طعام داری، طویل خواہ قلیل کرتے ہیں و برادروں و یگانوں کو دعوت کرتے ہیں۔ ایسی دعوت کھانا اور اس مولود شریف میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال چہارم: ملا نکاح باندھ دینے والے مالدار، اہل نصاب، صاحب زکوٰۃ کو دولہا کی طرف سے عقد خوانی میں کچھ روپیہ پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال پنجم: جن شخصوں نے کبھی دلہن کو نہ دیکھا ہے، نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، ایسے شخصوں کی شہادت سے نکاح جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ بجائے اس دلہن کے بوجہ شرارت و دشمنی کے دوسری کسی رذیل قوم کی لڑکی سے ایجاب کرا دے اور گواہان کو تمیز نہ ہو کہ یہ منسوب شدہ لڑکی ہے یا دوسری ہے؟

سوال ششم: کسی شخص نے اپنی جورو سے جھگڑا و مار پیٹ کر کے یوں کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا، تم میرے گھر سے نکل جاؤ۔ اتنا کہنے پر وہ عورت اپنے شوہر کے گھر سے نکل گئی۔ بعد گذرنے تین چار ماہ کے اس کا شوہر چاہتا ہے کہ اس بی بی کو لے آوے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چھوڑنے کا لفظ کہنے کے سبب اس پر طلاق پڑ گئی ہے۔ یہ سن کر وہ عورت چاہتی ہے، دوسرا شوہر کروں۔ پس وہ عورت دوسرا شوہر کر سکتی ہے یا نہیں؟

سوال ہفتم: ایک شخص زنا میں پکڑا گیا۔ بستی کے سردار و پنچایتان نے مل کر اس زانی سے مثلاً سو روپیہ لے کر اس

روپیہ سے شامیانہ یا فرش ومصلاّ خرید کیا۔ اس شامیانہ کے نیچے، فرش اور مصلا کے اوپر بیٹھنا، نماز ومولود شریف پڑھنا، مستحق ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجـــــــــــواب

(۱) نمازی وپرہیزگار اگر بے نمازی اور گناہگار کے ساتھ قربانی میں شریک ہو تو اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے ثواب میں کمی نہ آئے گی۔ ہاں مشرک کے شریک ہونے سے قربانی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ شرکت بنیت قربت ہونی چاہئے اور مشرک قربت کا اہل نہیں۔

ردالمحتار جلد پنجم ص ۲۰۷ میں ہے: "والمراد انها تجزی بنية القربة من كل منهم ولو اختلف جهات القربة۔" والله تعالىٰ اعلم۔

(۲) حدیث قولی وفعلی سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، بیشک اس پر عمل کرنا چاہئے اور سنت جان کر عمل کرنے والوں کو بہت ثواب ملے گا۔ یعنی ہر شخص ایک خصی بصفات قربانی اپنی طرف سے کرے اور دوسرا خصی اپنے تمام بھائی مسلمانوں کی طرف سے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ حضور نے یہ تو نہیں کہا کہ چند اشخاص جن پر قربانی واجب ہے، ان سب کو فرمایا ہو کہ تم کو الگ الگ خصی کرنے کی ضرورت نہیں، ایک ہی میں شریک ہو جاؤ۔ ایک کسی کار خیر میں لوگوں کو شریک کر لینا اور ایک اس پر سے سقوط واجب جاننا، ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ وهذا ظاهر لمن له عقل كامل وفهم سالم۔ والله تعالى اعلم۔

(۳) ایسی طعام داری کی شرکت میں کوئی مضائقہ نہیں، نہ مولود شریف ناجائز بلکہ بہر اور باعث ثواب ہے۔ قال تعالیٰ: "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" (الضحیٰ: ۱۱) اور خوشی ومسرت کے موقع پر عزیز واقارب، دوست واحباب کی دعوت بھی مسنون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ تمام کیا تو اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اگر دولہا، نکاح کرنے والے قاضی کو کچھ بطور ہدیہ پیش کرے، اگرچہ وہ شخص مالدار، صاحب ثروت ہو، لینے میں مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ زکوۃ کا پیسہ نہیں کہ اغنیاء کو لینا حرام ہو بلکہ ہدیہ وتحفہ ہے۔ اس کے لینے میں مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مسئلہ نکاح میں عام طور پر ایک غلط فہمی ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ عورت سے توکیل کے لئے جاتے ہیں، جن کے سامنے عورت توکیل کا اقرار کرتی ہے، انہیں کو نکاح کا گواہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ دو شخص جو زنانے میں جا کر عورت سے اجازت لیتے ہیں، وہ صرف توکیل کے گواہ ہیں۔ یعنی ان دونوں کے سامنے عورت نے فلاں شخص کو نکاح پڑھانے کی اجازت دی۔ نکاح کے گواہ وہ سب مجمع والے ہیں اور وہ لوگ جن کے کہنے سے شوہر نے اقرار وقبول کیا۔ غرض جن جن لوگوں نے اقرار وقبول کے الفاظ سنے، وہ سب کے سب نکاح کے گواہ ہیں۔ اب اگر کسی رذیل قوم کی لڑکی سے کسی نے

اقرار نکاح کیا تو اس نکاح کے گواہ سب مجمع والے ہوں گے۔ پھر اس عورت نے اگر واقعی اس کو وکیل نہ کیا تو پھر یہ نکاح، نکاح فضولی ہوگا، عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر اجازت دے گی جائز ہوگا ورنہ باطل۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ خود عورت جوان، عاقلہ، بالغہ ہو ورنہ اگر کمسن لڑکی ہے تو اس کے ولی کی توکیل کافی ہے۔ وھذا کلہ ظاھر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اس کہنے سے بیشک وہ عورت مطلقہ ہوگئی۔ شوہر اول نکاح کے بعد البتہ اس کو رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ ایک ہی مرتبہ کہا ہو، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ اور اگر تین مرتبہ کہا تو حرمت غلیظہ ہوگی، صرف نکاح کافی نہیں، بغیر حلالہ جائز، درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) اس طرح سے جرمانہ کرنا شرعاً درست نہیں۔

ردالمحتار جلد ۳ ص ۱۸۴ میں ہے: ''قولہ لا یاخذ المال فی المذھب قال فی الفتح وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال وعندھما وباقی الائمۃ لا یجوز اہ مثلہ فی المعراج وظاھرہ ان ذلک روایۃ ضعیفۃ عن ابی یوسف قال ولا یفتیٰ بھذا لما فیہ من تسلیط الظلمۃ علیٰ اخذ مال الناس فیاکلونہ ومثلہ فی شرح الوھبانیۃ عن ابن وھبان۔''

تو جب مفتیٰ بہ مذہب پر جائز نہیں ہے تو یہ مال لینا غصب کے حکم میں ہوگا۔ اس سے ان چیزوں کا بنانا جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ شخص بخوشی اجازت دے کہ میں نے شامیانہ، فرش، مصلّٰی کے لئے یہ رقم بخوشی دی تو اس پر نماز پڑھنے، مولود شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ورنہ اگرچہ نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی کبیر الدین صاحب از بین ضلع پٹنہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تعمیر مسجد از سرنو باحرمت اس کے قربانی کی کھال بلکہ اس کے گوشت کی قیمت سے بھی بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ''ویتصدق بجلدھا او بجزء منھا وکان لہ التصدق والانتفاع بہ لا بیعہ بالدراھم لینفق علی نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لینفق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق اہ۔''

''اور مستحب ہے کہ صدقہ کرے اضحیہ کے چمڑے کو کہ چمڑہ اس کا جزء ہے اور اس کا حق تصدق اور نفع اٹھانا ہے۔ نہیں جائز ہے بیچنا کھال کا داموں سے تاکہ اپنے اور گھر والوں کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت کھال کے مرتبے میں ہے اور اگر کار خیر میں صرف کرنے کے لئے بیچا تو جائز ہے''۔ ھکذا فی الکافی والھدایۃ والتبیین

والبحر والحلیة وخزانة المفتیین وفتح الله المعین۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کلوا وادخروا وتصدقوا" کھاؤ اور جمع رکھو اور صدقہ کرو۔ رواہ مسلم والبخاری واحمد عن عائشة ولابی داؤد عن نبشة الهذلی: "کلوا واشربوا وادخروا والتجروا۔" کھاؤ اور پیو اور جمع کر رکھو اور وہ کام کرو جس میں ثواب ہو۔

اور شک نہیں کہ تعمیر مسجد، کارثواب ہے بلکہ اس کا ثواب اتنا نہیں کہ کوئی بتا سکے کہ وہ مـالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما یلحق المومن من عمله بعد مماته مسجدا بناه" بیشک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا ہے، مسجد ہے، جو اس نے بنائی۔ اخرجه ابنا خزیمة وماجة والبیهقی عن ابی هریرة رضی الله عنه۔

دوسری حدیث میں ہے: "من یبنی لله مسجدا" جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے "وفی روایة ولو کمفحص قطاة" اگر چہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی "وفی روایة او اصغر" یا اس سے بھی چھوٹی "وفی روایة یذکر الله عز وجل فیه" تا کہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین وتقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) "بنی الله له بیتا فی الجنة" اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی روایة "من درر ویاقوت" موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجه وابن حبان وسیدنا ابو حنیفة وابن خزیمة والبزار فی مسنده والطبرانی فی الصغیر والترمذی وهو فی الکبیر والاوسط وابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان وعمرو جابر بن عبد الله وابی ذر وانس بن مالك وابی امامة وابی هریرة واسماء بنت الصدیق وعمرو بن عبسة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو بے کم وکاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ "لاینقص عن اجورهم من شئ۔"

بالجملۃ تعمیر مسجد قیمت جلود اضحیہ سے بلاشبہ درست ہے۔ چاہئے کہ کھال مہتمم تعمیر کے حوالہ کریں کہ وہ اُسے بیچ کر تعمیر میں لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

"اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیة فی المساجد" (۱۳۲۵ھ)

مسئلہ مسئولہ جناب شیخ محی الدین اشرف رئیس بین ضلع پٹنہ اواخر ذی الحجۃ الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو کس کس کام میں لا سکتے ہیں۔؟ فقہائے کرام جو "یتصدق بجلدها" فرماتے ہیں، اس سے مراد صدقۂ واجب ہے یا نافلہ؟۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب

بلاشبہ پوست اضحیہ کو تعمیر مسجد کے لئے دینا، اس سے مسجد کی تعمیر، مرمت، قلعی کرنا، اس کے لئے جانماز، بوریا، چٹائی ،لوٹے، رسّی، ڈول، جھاڑو، چراغ، میٹھا تیل خریدنا جائز ہے۔ (مٹی کا تیل مسجد کے لئے نہ خریدیں کہ اس کا مسجد میں جلانا یا کسی اور بدبودار چیز کا مسجد میں لے جانا، دیا سلائی کھینچنا سب مکروہ تحریمی ہے۔ احکام وآداب مسجد میں ہے کہ وہ ہر بدبودار چیز سے بچائی جائے جس سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہو۔ اسی لئے احادیث میں کچا لہسن، کچی پیاز کھانے والے کو مسجد کے قریب آنے سے بھی ممانعت آئی ہے۔ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں جس شخص کے منہ سے لہسن، پیاز کی بو آتی، بقیع شریف تک نکال دیا جاتا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے: ''ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطب یوم الجمعۃ فذکر:" انکم ایھا الناس تاکلون شجرتین لا اریھما الا خبیثتین ھذا البصل والثوم ولقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد ریحھما من الرجل فی المسجد امر بہ فاخرج الیٰ البقیع "رواہ عن معدان بن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔''

اسی بنا پر علماء کرام نے، جس شخص کے آنے سے نمازیوں کو نفرت ہوتی ہو، انہیں ایذا پہنچتی ہو، اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دی اور تصریح فرمائی کہ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ مثل قصاب، ماہی فروش، جذامی، مبروص، گندہ دہن، گندہ بغل، وغیرہ وغیرہ۔

درمختار والاشباہ والنظائر میں ہے: ''یکرہ دخولہ لمن اکل ذا ریح کریھۃ ویمنع عنہ و کذا کل موذ ولو بلسانہ اہ وفی الطحطاویۃ کمغتاب ونمام اہ''

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار شرح تنویرالابصار میں ہے: "یلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رایحۃ کریھۃ ماکولا او غیرہ والقصاب والسماک والمجذوم والابرص اولیٰ بالا لحاق۔"

نووی شرح صحیح مسلم میں ہے: '' قال العلماء ویلحق بالثوم والبصل والکراث کل مالہ رایحۃ کریھۃ من الماکولات وغیرھا۔ قال القاضی ویلحق بہ من اکل فحلا و کان یتحشی قال وقال ابن المرابط ویلحق بہ من بہ بخر فی فیہ او بہ جرح لہ رایحۃ۔ وفیہ تحت قولہ "فاخرج الیٰ البقیع "فیہ اخراج من وجد منہ ریح الثوم والبصل ونحوھما من المسجد وازالۃ المنکر بالید لمن امکنہ اہ)۔ "

مسجد کے لئے حسب حاجت جھاڑ وفانوس، ہانڈی، موی بتی وغیرہ خریدنا، مسجد کے لئے حدود حرم سے باہر کنواں، غسل خانہ، استنجا خانہ، پاخانہ بنوانا، امام موذن جاروب کش مسجد کی تنخواہیں دینا، سب کچھ جائز ودرست ہے۔ ظاہر ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود قربانی سے ہرگز ہرگز گوشت وپوست، شعر ووبر، صوف وشحم نہیں، نہ ان کا نام قربانی ہے۔ بلکہ وہ ایام مخصوصہ میں اراقت دم مخصوص تقربا الیٰ اللہ ہے۔ اس واسطے ایام نحر میں اس جانور کے زندہ صدقہ کرنے سے

قربانی ادا نہیں ہوتی بلکہ غنی پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے۔

ردالمحتار جلد پنجم میں جوہرہ نیرہ شرح قدوری سے ہے: "والدلیل علیٰ انھا الاراقۃ لو تصدق بعین الحیوان لم یجز والتصدق بلحمھا بعد الذبح مستحب ولیس بواجب۔"

اسی میں ہے: "فان تصدق بعینھا فی ایامھا فعلیہ مثلھا مکانھا لان الواجب علیہ الاراقۃ۔"

نہ قبل از ذبح یا مذبوحہ قبل از وقت کے دودھ، اون، گوشت یا کسی جز سے انتفاع درست اور اگر دودھ دوہ لیا یا اون کاٹ لی تو اسے اپنے مصرف میں نہیں لاسکتا۔ بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور بعد قربانی کرنے کے اس میں ہر قسم کے تصرف کا، سوا تمول کے، مجاز مختار ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ جلد پنجم میں ہے: "ولو اشتریٰ شاۃ للاضحیۃ یکرہ ان یحلبھا او یجز صوفھا فینتفع بہ لانہ عینھا للقربۃ فلا یحل لہ الانتفاع بجزء من اجزائھا قبل اقامۃ القربۃ بھا کما لا یحل لہ الانتفاع بلحمھا اذا ذبحھا قبل وقتھا بدائع۔ ولو حلب اللبن من الاضحیۃ قبل الذبح او جز صوفھا یتصدق بہ ولا ینتفع بہ کذا فی الظھیریۃ واذا ذبحھا فی وقتھا جاز لہ ان یحلب لبنھا ویجز صوفھا وینتفع بہ لان القربۃ اقیمت بالذبح والانتفاع بعد اقامۃ القربۃ مطلق کالاکل کذا فی المحیط اھ" مختصرا۔

یعنی اقامت قربت اضحیہ سے انتفاع جائز نہیں۔ اور بعد قربانی کرنے کے اس کے دودھ، گوشت، صوف سب سے انتفاع روا کہ قربت تو ذبح ہی سے حاصل ہوگئی اور بعد اقامت قربت انتفاع مطلقا جائز ہے۔ جس طرح اور جس وجہ سے ہو، نفع اٹھا سکتا ہے۔ دینی ہو یا دنیاوی۔ گوشت کو انہیں دنوں میں کھائے یا بعد کے لئے اٹھا رکھے۔ پوست کی کوئی چیز استعمال مثل ڈول، مشک، چھلنی، پوستین، توشہ دان، فرش، تکیہ، ترازو، چھاگل، دسترخوان، بستر بند، جلد کتاب، بیگ، جوتہ موزہ، تسمہ، جانماز، زین، ساز، لگام، پرتلہ، کپی، دھونکنی، وغیرہا بنائے یا اس سے کوئی ایسی چیز بدل لے جو بعینہ استعمال میں آتی ہو جیسے برتن، کپڑا، کتاب، قلمدان، الماری، بکس، فانوس، لیمپ، میز، کرسی، تخت، تپائی، ٹیبل، کواڑ، سماوار، چائدان، پرچ، پیالیاں، ٹفن بکس، کیش بکس، پٹی، صندوق، لالٹین، جھینکا، دیوار گیر، کھونٹی، کھڑاون، وغیرھا۔ ہاں وہ چیزیں نہ بدلے جن سے انتفاع بعد استہلاک ہوتا ہو۔ جیسے گوشت، ترکاری، غلہ، نمک، مسالا، مٹھائی، حلوا، ربڑی، برف، مکھن، دودھ، دہی، گھی، چاول، دال وغیرھا کہ اس قسم کی چیزیں بدلنا نہ گوشت پوست سے جائز، نہ اس کی چربی، سرا، پائے، اون، بال، دودھ وغیرہا سے روا۔

عالمگیریہ جلد ۵ میں بدائع شرح تحفۃ الفقہاء سے ہے: "ولا یحل شحمھا واطرافھا وراسھا وصوفھا ووبرھا وشعرھا ولبنھا الذی یحلبہ منھا بعد ذبحھا بشیء لا یمکن الانتفاع بہ الا باستھلاک عینہ من الدراھم والدنانیر والماکولات والمشروبات۔"

مگر یہ یاد رہے کہ اپنے لئے برتن وغیرہ سے اشیاء مستعملہ بعینھا کو چمڑے سے بدلنا جائز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھال یا

گوشت یا اس کے کسی جزء کو روپوں سے بیچیں پھران روپوں سے یہ سب چیزیں خریدیں کہ یہ درست نہیں۔

ردالمحتار جلد۵ میں طحطاویہ حاشیہ درمختار سے ہے: ''قولہ (بما ینتفع بعینه) ظاھر انه لا یجوز بیعه بدراھم ثم یشتری بھا ما ذکرہ ویفیدہ ما تذکرہ عن البدائع۔''

کہ اپنے لئے کھال یا گوشت، روپوں سے بیچنا مطلقا ممنوع ہے۔ بیچ لیا تو اس میں روپوں کو اپنے صرف میں لانا جائز نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب۔ لانه حصل بوجه خبیث لحدیث التمول المنھی عنه و کل مال صفته ھکذا یجب تصدقه۔ قال فی الھدایة: ''ولو باع الجلد او اللحم بالدراھم او بمالا ینتفع به الا بعد استھلاکه تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الیٰ بدله اه'' وسبیلھا التصدق اه عنایة قلت کذا علله فی الکافی حیث قال تصدق بثمنه لان معنی التمول سقطه عن الاضحیة فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربة الیٰ بدله فوجب التصدق۔

چاہے پھران روپوں کو اپنے پاس رکھے یا ان سے کوئی چیز خریدے کہ ہر طرح تمول ہے اور اضحیہ سے تمول مطلقا ناجائز۔ اس واسطے اگر کسی نے پوست یا گوشت قربانی فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دیا، زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ اور اگر اس نے کسی امیر کو ہدیہ دیا اور اس نے بہ نیت زکوٰۃ فقیر کو دے دیا، اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اس لئے کہ صورت اولیٰ میں تمول پایا گیا کہ اس پر جتنا روپیہ پوست میں منہا ہوا، اتنا اسے بچ رہا۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس نے غنی کو ہدیہ دیا اور ہدیہ دینا اغنیا کو درست ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے: ''ولا باس بان یھدی الاغنیاء۔''

عالمگیریہ میں فتاویٰ غیاثیہ سے ہے: "ویھب منھا (ای من الاضحیة) ماشاء للغنی و الفقیر۔''

اور بعد قبول ہبہ وہ پوست اس کے تمامی املاک کی طرح اس کی ملک ہے۔ جس طرح اپنے مال کو زکوٰۃ میں دے سکتا ہے اس کا دینا بھی درست اور صحیح ہے۔

ردالمحتار جلد۵ میں قہستانی سے ہے: ''اذا دفع بنیة الزکوٰۃ لا یحسب عنھا فی ظاھر الروایة لکن اذا دفع لغنی ثم دفع الغنی بنیتھا (الزکوٰۃ) یحسب۔''

دینی فائدہ یہ کہ گوشت اپنے عزیز واقارب، احباب واصحاب کو کھلائے یا ان کے گھر بھیج دے۔ پوست کسی فقیر یا غنی کو بعینہ یا اس کی چیز موزہ، پوستین، تکیہ، وغیرہ بنوا کر ہدیہ دے یا اس سے کوئی چیز مستہلک یا غیر مستہلک بدل کر یا روپوں سے بیچ کر صدقہ کرے یا کسی نیک کام میں صرف کرے یعنی نفع عام کی کوئی چیز مدرسہ، حوض، پل، نہر، سرائے، کنواں، مسجد، شفاخانہ، قبرستان کی حفاظت وغیرہ کی تعمیر کرائے۔ غرض ہر اس کام میں جس میں ثواب ہو، صرف کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیریہ میں تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق سے ہے: "ویتصدق بجلدھا او یعمل منه نحو غربال وجراب ولا باس بان یشتری به ما ینتفع بعینه مع بقائه استحسانا وذلك مثل ما ذکرنا ولا یشتری به

مالا ینتفع الا بعد استهلاکه نحو اللحم و الطعام و لا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علیٰ نفسه و عیاله و اللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح حتیٰ لا یبیعه بما لا ینتفع به الا بعد الاستهلاك و لو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین۔ وهکذا فی الهدایة و الکافی۔"

"یعنی اور مستحب ہے کہ کار خیر میں لگائے پوست اضحیہ کو یا اس سے چلنی اور موزہ یا کوئی اور چیز اس کے مثل بنائے۔ اور نہیں مضائقہ کہ خریدے اس سے وہ چیز کہ بعینہ اس چیز سے نفع اٹھایا جاتا ہو مثل اول چیزوں کے کہ ذکر کیا ہم نے اور نہ خریدے اس سے وہ چیز جس سے قبل از استہلاک نفع غیر متصور ہو جیسے گوشت غلہ اور پوست کو روپیوں سے تاکہ اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت پوست کے حکم میں ہے۔ اسی لئے نہیں بیچ سکتے اس چیز سے جس سے قبل استہلاک نفع نہ اٹھایا جاتا ہو۔ اور اگر بیچے اس کو روپیوں سے تاکہ صدقہ کرے ان روپیوں کو تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی قربت ہے مثل صدقہ کرنے کھال کے (اور ہر قربت جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے) یہ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے اور ایسا ہی علامہ برہان الدین مرغینانی کی ہدایہ شرح بدایہ اور علامہ عبد اللہ ابو البرکات نسفی کی کافی شرح وافی میں ہے۔"

عبارت ہذا تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ وقاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذۂ کرام ومشائخ عظام خصّهم الله العلام باللطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمامی جزئیات بآسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا بالله وهو حسبی ونعم الوکیل

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا کما قدمنا عن الهندیة عن المحیط اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہوگا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے، عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قوله ویتصدق بجلدها وقوله ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے، لما فی غرر الاحکام: " او یجعله آلة کجراب وخف وفرو اه وفی الخانیة ولا باس بان یتخذ من جلد الاضحیة فروا او بساطا او متکئا یجلس علیه اه وفی الکافی والهدایة او یعمل منه الة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوها اه" کالدلو والسفرة والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول ناجائز ہے۔ تکملہ بحر الرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے:" ولا یبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علیٰ نفسه وعیاله"۔

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول ناجائز ہے۔

لما فی الهداية والتبيين والكافی والطحاوی وخزانة المفتيين:" ولا يشتری به مالا ينتفع به الا بعد استهلاکه کالخل والابازير اعتبارا بالبيع بالدراهم والمعنی فيه انه تصرف علیٰ قصد التمول۔"

ثانی جائز ہے لما فی الهداية وشرح الكنز لملا مسكين والكافی والتبيين والطحاوی وخزانة المفتيين:" ولا باس بان يشتری به ما ينتفع بعينه فی البيت مع بقائه استحسانا۔"

یا یوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں دو جائز، دونا جائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو ناجائز وممنوع۔ وقد مضت الادلة آنفاً۔

پوست اضحیہ کا صدقہ، واجب نہیں بلکہ نافلہ ہے۔

اولا اگر واجب ہوتا تو مثل زکوٰۃ وصدقہ فطر اپنے نفس وعیال پر اس کا صرف کرنا یا کسی غنی یا ذمی کو ہدیہ دینا یا گھر رکھ کر چھوڑ نا ہرگز جائز نہ ہوتا۔

عالمگیری جلد ۵ میں ہے:" وليس للمتصدق ان ياكل صدقته ولا ان يعطی غيره من الاغنياء۔"

ہدایہ میں ہے:" ولا يجوز ان يدفع الزكوٰة الیٰ ذمی۔"

اورنہیں جائز ہے کہ صدقہ کرنے والا اپنے صدقے سے کھائے اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی غنی کو کھلائے اور نہ یہ جائز کہ کسی ذمی کو دے۔ حالانکہ اس کا کھانا اور غنی کو کھلانا یعنی اپنے صرف میں لانا، اپنے گھر رکھ چھوڑنا، غنی اور ذمی کو دینا، سب کچھ جائز ہے۔

کنز الدقائق، بحر الرائق، تبیین الحقائق، درر الحکام، غرر الاحکام، برجندی۔

ردالمحتار جلد ۵ میں ہے:" وياكل من لحم الاضحية ويوكل غنيا ويدخر "اور کھائے گوشت اضحیہ سے اور کھلائے غنی کو اور جمع کر رکھے بعد کو کہ صرف میں لائے۔"

فتاویٰ غیاثیہ پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے:" ويهب منها ای من الاضحية ماشاء للغنی والفقير والمسلم والذمی۔"

بلکہ اہل وعیال والے کے لئے یہی مستحب ہے کہ صدقہ نہ کرے بلکہ اپنے بچوں کے لئے جمع کر رکھے تا کہ خوب فراغ کے ساتھ کھائیں۔

درمختار، ہندیہ، بدائع، شرح شرعۃ الاسلام، شرح وقایہ، درر غرر، شرنبلالیہ، ذخیرہ، منقی، برجندی، شرح مختصر وقایہ وخزانۃ المفتیین میں ہے: واللفظ للاول "ويندب تركه ای التصدق لذی عيال وسعة عليهم۔"

"اور مستحب ہے عیال والے کے لئے نہ صدقہ کرنا تا کہ وسعت ہوان پر"۔

ثانیاً شریعت مطہرہ نے یہاں مخیّر بنایا کہ چاہے کل کو صدقہ کریں یا کل اپنے صرف میں لائیں یا اغنیا کو ہدیہ دیں۔

قال فی البدائع: "والافضل ان یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافة لاقربائه واصدقائه ویدخر الثلث ویستحب ان یاکل منها ولو حبس الکل لنفسه جاز لان القربة فی الاراقة والتصدق باللحم تطوع۔"

اور تخییر منافی وجوب ہے۔ کما فی الهدایة قبیل فصل القرانة۔

ثالثاً خود علماء نے تصریح فرمادی کہ تصدق مستحب ہے، واجب نہیں۔

شرح لباب ومنسک متوسط ومسلک متقسط میں ہے: ''لا یجب التصدق بکله ولا ببعضه۔'' ''اور نہیں واجب ہے صدقہ کرنا گوشت اضحیہ کا، نہ کل کا، نہ بعض کا''

جوہرۂ نیرہ شرح قدوری پھر ردالمحتار میں ہے: ''والتصدق بعد الذبح مستحب ولیس بواجب۔'' ''اور ذبح کرنے کے بعد صدقہ کرنا مستحب ہے واجب نہیں''۔ اس واسطے اگر کل صدقہ کردیا یا کل کھالیا یا دوسرے دن کے لئے اٹھا رکھا تو کچھ حرج نہیں، جائز ودرست ہے۔

بدائع پھر عالمگیریہ میں ہے: "ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الکل لنفسه جاز وله ان یدخر الکل فوق ثلاثة ایام۔" "اور اگر کل کسی کو دے دیا یا کل اپنے لئے رکھ لیا یا تین دن سے زیادہ روک لیا تو یہ سب جائز ہے''۔ لقوله علیه الصلوٰة والسلام بعد النهی عن الادخار" کنت نهیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلاث لیتسع ذو الطول علیٰ من لا طول له فکلوا ما بدالکم واطعموا وادخروا'' رواه الترمذی عن بریدة رضی الله تعالیٰ عنه وقال فی الباب عن ابن مسعود وعائشة ونبشة وابی سعید وقتادة بن النعمان وانس وام سلمة وحدیث بریدة حسن صحیح والعمل علیٰ هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وغیرهم اه رضی الله تعالیٰ عنهم والامام احمد عن ابی هریرة والبخاری عن سلمة بن الاکوع ومسلم عن بریدة وابوداؤد وابن ماجه عن نبیشة الهذلی والنسائی عن عائشة والحاکم وابن حبان عن ابی سعید الخدری وابن ابی شیبة شیخ الشیخین والبیهقی وعبد بن حمید عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین بالفاظ متقاربة عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

بعض حضرات کا وتصدق بجلدها سے صدقہ واجبہ سمجھنا اور صرف تملیک یا اباحت فقیر پر اقتصار کرنا، معانی تصدق سے قصور پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ تصدق کے تین معنی ہیں۔ ایک اخص کہ فقط تملیک فقیر ہے کما صرح به فی الخانیة وغیرہ۔ زکوٰۃ وصدقۂ فطر میں یہی معنی مراد ہے۔ اس میں فقیر کے لئے اباحۃ بھی نہیں آسکتی والہذا اپنے دسترخوان پر جو کچھ فقیروں کو اباحت سے کھلا دیا۔ زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوسکتا۔ فی الدر فلو اطعم یتیما ناویا للزکوٰۃ لا یجزیه۔ دوسرے خاص جس میں اباحت فقیر بھی داخل ہے جیسے کفارات۔ تیسرے عام جس میں اباحۃ بلکہ صلۂ رحم ومواسات احباب اغنیا بھی داخل، جس کا حاصل وہی مطلق تقرب ہوگا۔

بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے: "الصدقة تکون علیٰ الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الهبة عند

بعضهم وصرح في الذخيرة بان في التصدق على الغني نوع قربة دون قربة الفقير "۔
ولہذا نفع عام کے لئے تصرف مال بغیر تملیک واباحۃ کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث شریف میں کنواں کھود کر وقف کردینے کو صدقہ فرمایا۔ بلکہ کبھی قطع نظر غیر سے اپنے اہل وعیال پر صرف کرنے کو بھی صدقہ کہتے ہیں جبکہ نیت صالحہ ہو۔ وہ بھی قربت ہے۔
طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:" ما انفق الرجل في بيته واهله وخدمه فهو صدقة۔" "جو کچھ خرچ کرے آدمی اپنے گھر میں اپنی بی بی، اپنے بچوں، اپنے خادم پر، وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ بلکہ بہ نیت محمودہ اپنے نفس پر صرف کرنے اور خود اپنے خرچ میں لانے کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔
حدیث میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:" ما اطعمت زوجتك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقة وما اطعمت خادمك فهو لك صدقة وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة۔" "یعنی تو اپنے نفس کو کھلاوے وہ بھی تیرے لئے صدقہ ہے۔ رواه الامام احمد في مسنده والطبراني في الكبير عن مقدام بن معدی کرب رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم وحسنها السيوطي۔"
جب صدقہ اور تصدق اتنے معنوں میں مستعمل ہے، تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہاں کون کون سے معنی مراد ہوسکتے ہیں ظاہر ہے کہ اول وثانی یعنی خاص تملیک واباحۃ فقیر ہرگز ہرگز مراد نہیں ہوسکتے کہ وہ صرف صدقہ واجبہ زکوۃ وصدقۂ فطر اور کفارہ میں ہوتا ہے اور یہ صدقہ واجب نہیں ہے بلکہ نافلہ ہے۔ کما قدمنا اور خود تستعمل في البيت سے اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لانا اور یؤکل غنیا سے اغنیا کو دینا، سب کا جواز ثابت ہو چکا ہے۔ لاجرم معنی ثالث یعنی تقرب مراد ہے۔ اور يعمل منه نحو غربال وغیرہ کا اس پر عطف بایں معنی کہ اپنے صرف میں لانا بے کسی خاص نیت محمودہ کے ہو، جو اسے حد صدقہ میں داخل کردے اور جب مطلق تقرب کا ارادہ لازم اور تصریح امام زیلعی لانه قربة كالتصدق اس پر جازم۔ تو اضحیہ کے چمڑے سے کوئی کام رفاہ عام کا کرنا جس سے ثواب حاصل ہو بلاشبہ جائز ہوا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ مسجد بنانے میں وہ ثواب عظیم ہے کہ لا عين رات ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر "جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر خطرہ گزرا"۔

حدیث میں ہے:

(۱) "من بنى لله مسجدا ولو كمفحص قطاة بنى الله له بيتا في الجنة" رواه امام الائمة، سراج الامة سيدنا ابو حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه قال سمعت عبد الله بن ابي اوفىٰ يقول سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول من بنى الحديث۔ قلت فيه تصريح بتابعية الامام والحمد لله الملك المنعام

(۲) ورواه الامام احمد فی مسنده عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنها وزاد لبیضها بعد تولہ قطاة۔

(۳) واخرج الامام احمد فی مسنده والشیخان فی صحیحیهما والترمذی وابن ماجه فی سننهما عن عثمان بن عفان یقول" سمعت رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یقول من بنیٰ مسجدا قال بکیر حسبت انه قال یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة"۔

(۴) ورواه ابو موسی المدینی فی کتاب الصحابة عن عمر بن مالك وزاد "لله" و"بیتا"۔

(۵) واخرج الترمذی عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " من بنیٰ لله مسجدا صغیرا کان او کبیرا بنی الله له بیتا فی الجنة۔"

(۶) واخرج النسائی عن عمرو بن عبسة ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال" من بنیٰ مسجدا یذکر الله عز وجل فیه بنی الله له بیتا فی الجنة"۔

(۷) واخرج ابن ماجه وابن حبان فی صحیحه عن عمر بن الخطاب قال" سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من بنیٰ مسجدا یذکر فیه اسم الله بنیٰ الله له بیتا فی الجنة"۔

(۸) واخرج الطبرانی فی الکبیر عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم "من بنیٰ مسجدا یصلی فیه بنی الله له بیتا فی الجنة افضل منه"۔

(۹) واخرج هو والضیاء فی المختارة عن ابی قرصافة انه سمع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول "ابنوا المساجد واخرجوا القمامة منها فمن بنیٰ لله بیتا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة قال یا رسول الله وهذه المساجد التی تبنی فی الطریق قال نعم واخراج القمامة منها مهور حور العین"۔

(۱۰) واخرج هو فی الکبیر عن ابی امامة قال:" من بنیٰ لله مسجدا بنیٰ الله له فی الجنة اوسع منه"۔

(۱۱) ورواه ابو نعیم عن اسماء بنت یزید وزاد "بیتا" وابوالفرج فی کتاب العلل وزاد و"من علق فیه قندیلا صلی علیه سبعون الف ملك حتی یطفی ذلك القندیل ومن بسط فیه حصیرا صلی علیه سبعون الف ملك حتی ینقطع ذلك الحصیر ومن اخرج منه قذاء ة کان له کفلان من الآجر"۔

(۱۲) واخرج هو فی اوسطه والبیهقی فی شعب الایمان عن ابی هریرة قال من بنیٰ بیتا یعبد الله فیه حلالا بنیٰ الله له بیتا فی الجنة من الدر والیاقوت"۔

(۱۳) واخرج ابو نعیم عن انس رضی الله تعالیٰ عنه "من بنیٰ مسجدا لله فی الدنیا یرید به وجه الله بنیٰ الله له بیتا فی الجنة قالوا اذا نکثر یا رسول الله قال کل بناء وبال علیٰ صاحبه یوم القیمة الا مسجدا فان له به قصرا فی الجنة من لؤ لؤ"۔

(۱۴) وعن ابی امامة :"لا بنیٰ احد مسجدا لله الا بنیٰ الله له بیتا اوسع منه۔"

"یعنی جو شخص مال حلال سے اللہ کے واسطے مسجد بنائے جس میں ذکر الٰہی ہوتا ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے برابر یا اس سے بھی چھوٹی، (قطاۃ ایک چھوٹی سی چڑیا کا نام ہے) اللہ اس کے لئے جنت میں مثل اس کے یا اس سے وسیع تر اور افضل گھر موتی اور یاقوت سے بنائے۔ پھر یہ کچھ ضروری نہیں کہ ساری ہی مسجد اپنی طرف سے بنائے بلکہ ہر ایک شرکت کرنے والے کو اسی قدر ثواب ہے۔ فدفع ما یتوھم ان ھذا الاجر لمن بنیٰ مسجدا ولما یمکن ان یبنی رجل مسجدا ولو اصغر من اصغر من جلد الاضحیة لا سیما جلود الغنم۔

بایں ہمہ اگر وساوس کسی پر غلبہ کریں تو اس کا سہل علاج یہ ہے کہ کسی متدین مسلمان کو کھال ہبہ کردے کہ وہ اسے بیچ کر تعمیر مسجد وغیرہ میں لگائے۔ وہ شخص اگر فقیر ہے جب تو اظہر ہے۔ اور اگر غنی ہے تو اسے بھی ہدیہ دینا صحیح ہے، لانه لما جاز التصرف لنفسه فجواز الهدية اولیٰ کما استدل فی الهداية لجواز اطعام الغنی بقوله متیٰ جاز اكله وهو غنی جاز ان یؤکل غنیا۔

اور بعد قبول ہدیہ، شے اس کی ملک ہے جہاں چاہے صرف کرے، کسی مسکین کو دے یا کسی سید صاحب کو نذر کرے یا مردے کو کفن دے یا مسجد تعمیر کرائے یا سرائے، حوض، مدرسہ، شفا خانہ بنائے۔ رہا یہ شبہ کہ مسجد اپنی ملک سے تعمیر کرنا چاہئے اور پوست اضحیہ اس شخص کی ملک نہیں۔ اس لئے اس کو اپنے لئے روپیوں سے بیچنا یا کوئی چیز مستہلک خریدنا صحیح نہیں، حالانکہ اپنی ملک میں آدمی کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلا شبہ ایک تعمیر مسجد کیا، تمامی میراث وخیرات اپنی ملک سے ہی چاہئے کہ حدیث میں ہے: "لا يقبل الله صدقة من غلول ولا صلوٰة بغير طهور" رواه ابو داؤد وابن ماجه عن اسامة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما بُنِيَا للمفعول والبخاری مرسلا۔

مگر یہ دعویٰ کہ پوست اضحیہ مضحی کی ملک نہیں۔ محض باطل وجہالت وخلاف درایت وروایت ہے۔ اگر وہ اس کی ملک نہیں تو "ويتصدق بجلدها" کے کیا معنی؟ کیا شریعت مطہرہ اس کا حکم دیتی ہے کہ پرائے مال پر یاحسین کرو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ حسب تصریحات فقہاء جو مال حرام کو صدقہ کرکے اس پر ثواب کی نیت رکھے، وہ کافر ہے۔

خلاصہ، عالمگیریہ، خزانۃ میں ہے: واللفظ للاول "رجل تصدق من الحرام ويرجوا الثواب يكفر۔"

علاوہ بریں خود فقہاء نے تصریح فرمادی کہ پوست اضحیہ مضحی کی ملک میں رہتا ہے۔ اس کی ملک سے نکل نہیں جاتا ہے۔ اسی واسطے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بیچنا درست اور جائز ہے۔

ہدایہ، تبیین الحقائق، بحر الرائق، کافی، رد المحتار میں ہے: "اما البيع فجائز لقيام الملك والقدرة علیٰ التسليم۔" اگرچہ بسبب حدوث تمول منہی عنہ مکروہ ہے۔ اور ایسی حالت میں اس ثمن کا صدقہ کرنا واجب۔ اور ہر ایک اس کام میں، جس میں تمول پایا جاتا ہو، لگانا ناجائز۔ اس لئے اجرت قصاب یا ذابح میں دینا درست نہیں۔

بدائع، عالمگیریہ، خانیہ، سراجیہ میں ہے: واللفظ للاول: "ولا (يحل) ان يعطى اجرة الجزار والذابح منها۔"

اسی لئے اگر کسی غنی یا فقیر نے نذر کرلی کہ میں اللہ کے واسطے قربانی کروں گا تو اس میں سے نہ کھا سکتا ہے، نہ کسی غنی کو کھلا سکتا ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے۔ اب اس سے مسجد نہیں تعمیر کرسکتا۔

فتاویٰ عالمگیریہ وردالمحتار میں تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق سے ہے: ''ان وجبت بالنذر فليس لصاحبها ان ياكل منها شيئا ولا ان يعطى غيره من الاغنياء كان الناذر غنيا او فقيرا لان سبيلها التصدق وليس للمتصدق ان ياكل صدقته ولا ان يعطى الاغنياء كذا فى التبيين وهكذا فى النهاية۔''

اسی طرح اگر گوشت یا پوست اضحیہ سے اپنے لئے کوئی مستہلک چیز خرید لی یا روپیوں سے بیچا تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ ان روپیوں کو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لانه حصل بوجه خبيث والله طيب لا يقبل الا الطيب۔

اسی طرح اگر کسی فقیر نے قربانی کے لئے جانور خرید لیا تو اسے مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لان شرائه لها يجرى مجرى الايجاب وهو النذر بالتضحية وقد سبق انه ان وجبت بالنذر الخ۔ اسی طرح اگر کسی نے میت کی طرف سے اس کے حکم سے قربانی کی تو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے: "من ضحىٰ عن الميت يصنع كما يصنع فى اضحية من التصدق والاكل والاجر للميت والملك للذابح قال الصدر والمختار انه ان يامر الميت لا ياكل منها والا ياكل۔"

درمختار میں وہبانیہ سے ہے: ''وعن ميت بالامر الزم تصدقا والا فكل منها وهذا المخير اى المختار كما قدمنا عن البزازية سابقا اه شامى۔''

اسی طرح اگر قربانی کا جانور خرید کر کے چھوڑ دیا۔ ذابح پر اس کی قیمت لازم ہے۔ اس نے دوسرا جانور خرید کر ایام نحر میں قربانی کرے۔ اس کا قربانی کرنا واجب ہے۔ نہ اس میں سے خود کھا سکتا، نہ کسی دوسرے کو کھلا سکتا، نہ مسجد میں صرف کرسکتا ہے۔ اور اگر ایام نحر نکل گئے تو اس کی قیمت فقرا پر تصدق کرے۔

درمختار میں خانیہ سے ہے: ''شرىٰ اضحية وامر رجلا بذبحها فقال تركت التسمية عمداً لزمه قيمتها ليشترى الآمر بها اخرىٰ ويضحى ويتصدق ولا ياكل لو ايام النحر باقية والا تصدق بقيمتها علىٰ الفقراء۔'' خانية افاد العلامة الشامى فى حاشيته عليه وكذا فى الذخيرة و الخلاصة وغيرهما ونظمها ابن وهبان وابن الشحنة اه۔''

بالجملہ سوا بعض صورتوں کے، جہاں خود اپنے صرف میں لانا یا غنی کو دینا جائز نہیں، عام طور پر مطلقا بلاشبہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے۔ لانه قربة من القربات ويجوز صرفه الىٰ سائر التقربات والله تعالىٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وانما اطنبنا الكلام لان المقام من مزال الاقدام وتراكم الشكوك والاوهام فقد زل قدم بعض الاعلام والحمد لله العلى العلام الذى هدانا لهذا وما كنا لنهتدى لو لا ان هدانا الله والصلاة والسلام علىٰ رسوله سيد الانام وعلىٰ آله وصحبه وحزبه واولياء امته وعلماء ملته اجمعين ما تقاربت الصفوف والاقدام۔

مسئلہ از میرٹھ صدر بازار مرسلہ حافظ عزیز الدین صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) یہ کہ چرم قربانی یا اس کی قیمت مدارس میں دینا جائز ہے یا نہیں اور قیمت اور چرم کے احکام میں متولی مدرسہ کو کچھ فرق کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ درصورت جواز متولی کو ضروریات مدرسہ کے واسطے چرم قربانی بیچ کر کتابیں یا فرش وغیرہ بلا تملیک خریدنا جائز ہے یا نہیں اور قیمت کا یہی حکم ہے یا نہیں؟

(۳) درصورت عدم جواز اگر متولی نے بباعث عدم علمی ایک رقم کثیر کی کتابیں حسب دستور دیگر مدارس اسلامیہ خریدی ہیں، تو اس کے لئے اپنے مواخذۂ اخروی سے بچنے کی کیا سبیل ہے؟

(۴) یہ کہ مدرسہ میں تین قسم کا چندہ آتا ہے۔ مد قربانی وزکوٰۃ ودوامی اور متولی کو یہ امر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے زر چندہ کو علیحدہ علیحدہ تھیلی میں رکھے۔ بلکہ وہ تفصیل اس قسم کی کہ آمد وخرچ کے کاغذات حساب میں کمی بیشی دکھاتا ہے۔لیکن روپیہ سب ایک تھیلی میں رکھتا ہے یا خازن مدرسہ بطریق قرض دے دیتا ہے کہ مدرسہ کے حساب میں سے روپیہ مارا نہ جائے اور مسروق ہوجانے پر خازن سے وصول کرلیا جائے۔اس کے جواز کی کوئی سبیل ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جو مدارس تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوں، اس میں قربانی کی کھال، خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین وخوراک طلبہ وخرید کتب وغیرہ میں صرف کی جائے، بلا شبہ جائز ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:'' کلوا وادخروا وائتجروا'' ''کھاؤ اور جمع کررکھو جس سے ثواب حاصل ہو۔اور شک نہیں کہ اس سے مدارس دینیہ کی اعانت، قربات سے ہے اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت وپوست قربانی بیچنے کی بھی مطلقاً اجازت ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:''لا یبیعہ بالدراھم لینفق علیٰ نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لینفق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق اہ ھکذا فی الکافی والھدایۃ والبحر والخلاصہ والسراجیۃ والخانیۃ وفتح اللہ المعین۔''

متولی بلا تملیک اس سے کتابیں خرید سکتا ہے کہ اس میں مثل زکوٰۃ، تملیک فقیر شرط نہیں۔

منسک متوسط میں ہے:'' یجب التصدق بہ''۔اس کی شرح میں ہے: ''لا بکلہ ولا ببعضہ۔'' اسی وجہ سے اس کے کھانے کی بھی اجازت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:'' کلوا واطعموا وادخروا '' کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع رکھو۔ اخرجہ احمد والشیخان عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ والتفصیل بما لا مزید علیہ فی الرسالۃ المبارکۃ "المحاکمۃ الملیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ" لعالم اھل السنۃ مد ظلھم الاقدس واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر چہ جب چند اشخاص اپنے اموال زکوٰۃ ایک شخص مثلاً زید کو بغرض ادا و تقسیم فقرا دیں اور وہ انھیں ملائے اور فقرا نے اسے اپنے لئے زکوٰۃ لینے کا وکیل نہ کیا ہو تو ان صورتوں میں زید اِن اموال کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور اصل مالکوں نے اگر بعد خلط اسے از سرِ نو اجازت ادا بفقرا نہ دی ہو تو ان کے اموال کا تاوان دینا، زید پر لازم آتا ہے۔ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ جو کچھ دیا زید کی طرف سے صدقہ نافلہ ہوتا ہے۔

بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے: ''فی الفتاوىٰ رجلان دفع کل واحد منهما زكوٰة ماله الىٰ رجل ليودى عنه فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوكيل وكذا لو كان فى يد رجل اوقاف مختلفة فخلط اموال الاوقاف فاذا ضمن لا تسقط الزكوٰة عن اربابها فاذا ادىٰ صار موديا مال نفسه كذا فى التجنيس وهكذا فى حاشية العلامة الشلبى علىٰ التبيين وكذا فى الهندية وخزانة المفتيين والخانية وفتح الله المعين۔''

مگر مالکوں نے اگر اسے ملا لینے کی اجازت صراحۃً دے دی ہو، خواہ بوجہ جریان عرف ... ہو تو اس صورت میں خلط بھی روا اور زکوٰۃ بھی ادا۔

ردالمحتار میں ہے: "ضمن وكان متبرعا لانه ملكه بالخلط وصار موديا مال نفسه فى التتار خانيه الا اذا وجد الاذن او اجاز المالكان او وجد الاذن بالخلط كما جرت العادة بالاذن بخلط ثمن الغلات وكذلك المتولى اذا كان فى يده اوقاف مختلفة وخلط غلاته ضمن الخ۔"

اور شک نہیں کہ مدارس کا عرف عام جاری ہے کہ اموال زکوٰۃ خلط بھی کر لیتے ہیں۔ سخت معسر ہے کہ وہ چند شخص کے زکوٰۃ کا روپیہ جدا تھیلی میں رکھیں اور ایک کی زکوٰۃ دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ پس اگر اصحاب زکوٰۃ بھی اس عرف سے آگاہ ہیں تو ان کی جانب سے اذن دلالت پایا گیا اور اب خلط کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسلم یہ ہے کہ جو لوگ مد زکوٰۃ میں دیں، متولی اسی وقت ان سے خلط کرنے کا اذن لے لیا کرے کہ پھر اصلاً دقت نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:'' يتصل بهذا العالم اذا سال للفقراء شيئا وخلط يضمن قلت ومقتضاه لو وجد العرف ليكون اذنا منه دلالة۔''

رہا خازن کو قرض دینا، اس کی اجازت ہرگز نہیں۔ اگر چہ وہ بزعم خود آئندہ کے لئے احتیاط کرتا ہے۔ مگر قرض ابتداء تبرع ہے اور اسے مال غیر میں بے اذن، تبرع حرام ہے اور یہاں اذن صریح ہرگز نہیں۔ نہ اصلاً شیوع صرف ہے کہ اذن دلالۃ پایا جائے اور آئندہ میں بھی دونوں پہلو ہیں۔ جب خازن کو قرض دیا گیا، وہ مالک ہو گیا۔ اپنے جس صرف میں چاہے لا سکتا ہے اور بعد صرف ممکن ہے کہ نکلنا دشوار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا روپیہ براہ راست مدرسہ میں صرف کیا جا سکتا ہے؟ یعنی مدرس کی تنخواہ میں؟ یا کتب خانہ و مدرسہ کی کتابوں میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ایک عالم نے اپنی کتاب ''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ ''قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف نہیں کرنا چاہئے''۔ بکر اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے عالم حضرت مولانا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا فتویٰ اخبار ''روز افزوں بریلی'' میں سالہا سال ہوئے، چھپ چکا ہے کہ ''کھال قربانی کی قیمت، مسجد میں صرف ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں زید و بکر میں کس کا قول حق و صواب ہے؟ بکر کا قول حق ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

(۳) مثلاً ہندہ کا تعلق ناجائز زید سے ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں ہندہ کے حمل بھی زید ہی سے قرار پا گیا۔ بعد دریافت ہونے اس بات کے یعنی حمل کے، زید کا اسی ہندہ سے نکاح کر دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا یہ نکاح جو اسی حالت میں کر دیا گیا ہے، جائز ہوا یا نہیں؟ بعض لوگ برادری و پنچایت والے اس نکاح کو ناجائز خیال کرتے ہیں اور ہندہ و زید کا حقہ و پانی بند کئے ہوئے ہیں اور برادری ترک کرنے پر مصر ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ جبکہ دونوں نے توبہ کر لی اور نکاح بھی ہو گیا، پھر اس سے میل جول میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بلا تاویل فتویٰ دے کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ المستفتی محمد عبد اللہ، از مین پوری۔

الجواب

(۱) زکوٰۃ و صدقۃ الفطر، صدقہ واجبہ ہے۔ اس کے لئے تملیک ضروری ہے۔ اس لئے براہ راست مدرسہ میں صرف کرنا یعنی مدرسین کی تنخواہ میں دینا یا قیمت کتاب ادا کرنا یا دوسری ضروریات یا کتب خانہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید اور بکر دونوں کا قول مجمل ہے۔ ضرورت تفصیل کی ہے۔ مسئلہ حق یہ ہے کہ قربانی کی کھال اگر اپنے صرف میں لانے کے لئے بیچا ہے تو اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہے۔ ایسے دام کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اپنے لئے نہیں بیچا بلکہ مسجد ہی کے لئے بیچا تو اس دام کو مسجد میں صرف کرنا، ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے۔ مثلاً کسی جگہ مسجد بن رہی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس میں مسجد کی کھال دیں تو عین کھال دور دراز جگہ بھیجنے سے رہے۔ اس لئے متولی یا منتظم مسجد کی نیابت میں کھال بیچ کر دی تا کہ روپیہ مسجد کے لئے بھیجنے میں آسانی ہو۔ تو ایسے مال کو مسجد میں صرف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور میں نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام 'اعلام الساجد لصرف جلود الاضحیۃ الیٰ المساجد'' رکھا۔ اس میں پوست قربانی کے مصرف کو بہت ہی واضح طریقہ پر بہت ہی تفصیل سے لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) یہ نکاح زید کا ہندہ سے جائز ہے۔ برادری و پنچایت کے لوگوں کا اس نکاح کو ناجائز خیال کرنا، غلط و خلاف شرع ہے۔ اور زید و ہندہ کا حقہ پانی بند کرنا، ان پر ظلم صریح ہے۔ وہ دونوں زن و شو ہیں۔ ان کو اس سے باز رکھنا اور اس فعل کو ناجائز قرار دینا، افتراء علی الشرع ہے۔

ھدایہ میں ہے: "وان تزوج حبلیٰ من زناء جاز النکاح" یعنی اگر کسی شخص نے اس عورت سے نکاح کیا جو زنا سے حاملہ ہے تو یہ نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الحظر والاباحۃ

مسئلہ مرسلہ شیخ رحیم بخش از راولپنڈی بازار لال کرتی ۱۵ رجب ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حدیث ''لولاك لما خلقت الافلاك'' کس کتاب کی حدیث ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ ایجادِ خلق ہیں یا نہیں؟ اور اس حدیث کی موید اور کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ اور اگر اس حدیث کے ضمن میں کوئی رسالہ ہو تو روانہ فرمائیں۔

الجواب

بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ تخلیق آدم علیہ السلام وعالم ہیں۔ اگر حضور نہ ہوتے تو عرش وفرش، لوح وقلم، آسمان وزمین، جنت ودوزخ، شجر وحجر، برگ وثمر، ماہ ومدر کچھ نہ بنائے جاتے۔ احادیث عدیدہ متعددہ اس مضمون میں وارد ہیں۔

(حدیث اول) حاکم مستدرک اور بیہقی دلائل النبوۃ اور طبرانی کبیر میں اور ابونعیم حلیہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ''قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارك وسلم:" لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب! اسئلك بحق محمدلماغفرت لی فقال الله تعالیٰ یا آدم! وکیف عرفت محمدًا ولم اخلقه بعد؟ قال یا رب!الانك ونفخت فیه من روحك،رفعت راسی فرأيت علیٰ قوائم العرش مكتوباً " لا اله الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه" فعلمت انك لم تضف لما خلقتنی بيدك الیٰ اسمك الا احب الخلق اليك فقال اللّٰه تعالیٰ صدقت یا آدم انه لاحب الخلق الیّ واذا سالتنی بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك۔''

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے لغزش واقع ہوئی، عرض کی: الٰہی! میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ ارشاد ہوا: اے آدم تو نے محمد کو کیونکر پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الٰہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی، میں نے سر اٹھا کر تو عرش کر پایوں پر لکھا دیکھا۔ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو میں نے جانا کہ تو نے اس کے ہی نام کو اپنے نام پاک کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے پیارا ہوگا۔ رب تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا، بیشک محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے تمام مخلوق سے پیارا ہے اور جب تو نے اس کا واسطہ دے کر سوال کیا تو میں نے تیرے لئے مغفرت فرمائی۔ اگر محمد نہ ہوتا، تو میں تجھے نہ بناتا۔'' صححه الحاكم وقرره فی الحلية وقال السبكی فی شفاء السقام تبين لنا صحته والشهاب فی النسيم هو حديث صحيح۔

(حدیث دوم) حاکم صحیح مستدرک اور ابوالشیخ طبقات الاصفہانیین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:" اوحی اللہ الیٰ عیسیٰ ان امن محمدا و أمر امتك ان یومنوا به فلولا محمد ما خلقت ادم ولا الجنة ولا النار۔"

"یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی: اے عیسیٰ! تم محمد پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم دو کہ ان پر ایمان لاویں۔ اگر محمد نہ ہوتے، تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا، نہ جنت و دوزخ کو بناتا"۔ صححه الحاکم والشیخ تقی الدین السبکی فی شفاء السقام وشیخ الاسلام البلقینی فی فتاواہ وابن حجر فی افضل القرآن۔

(حدیث ثالث) دیلمی مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:"قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اتانی جبرئیل فقال یا محمدا ان اللہ تعالیٰ یقول:" لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار۔"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر تم نہ ہوتے میں جنت نہ بناتا اور اگر تم نہ ہوتے تو میں دوزخ نہ بناتا" اشار الیٰ صحته القاری فی تذکرة الموضوعات۔

(حدیث رابع) ابن عساکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: "هبط جبریل علیٰ النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال ان ربك یقول:" لقد خلقت الدنیا واهلها لاعرفهم کرامتك ومنزلتك عندی ولولاك ما خلقت الدنیا۔"

"یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہوکر عرض کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنی بارگاہ میں تم سے زیادہ عزت والا کسی کو پیدا نہیں کیا۔ دنیا اور اہل دنیا کو، سب کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہاری جو قدر وعزت میرے حضور میں ہے، ان پر آشکارا کروں۔ اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔ افادها کلها العلامة سیدنا الاستاذ فی فتاواہ۔

(حدیث خامس) علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:" وفی روایات اخر لولاہ ما خلقت السماء والارض والطول ولا العرض ولا وضعت فیها ثواب ولا عقاب ولا خلقت الجنة ولا نارا ولا شمسا ولا قمرا"

"یعنی ان روایتوں میں آیا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں پیدا نہ کرتا آسمان اور نہ زمین اور نہ طول، نہ عرض کو اور نہ رکھا جاتا اس میں ثواب وعذاب۔ اور نہ بناتا جنت اور نہ دوزخ نہ آفتاب، نہ مہتاب کو اور اس کے سوا اس کی مؤید اس مضمون کی اور بہتیری حدیثیں ہیں، جنہیں اعلیٰ حضرت قبلہ وکعبہ مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب میں یعنی "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" میں ذکر فرمایا ہے اور شک نہیں کہ ائمہ دین وعلمائے شرع متین شرقاً غرباً، عجماً عرباً، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سبب تخلیق آدم وعالم لکھتے اور کہتے چلے آئے۔ اگر ان کے اقوال جمع کئے جائیں، ایک مبسوط

کتاب ہو۔ لکن مالا یدرک کله لا یترک کله فاقول و بالله التوفیق

(قول اول) علامہ سیف الدین ابوجعفر بن عمر الحمیری الحنفی ۔" الدر التنظیم فی مولد النبی الکریم" میں فرماتے ہیں۔" ویروی انه لما خلق الله تعالیٰ ادم الهمه ان قال یا رب لم کنیتنی ابا محمد؟ قال الله تعالیٰ یا ادم ارفع راسك فرفع راسه فرأی نور محمد فی سرادق العرش فقال یا رب ما هذاالنور؟ قال نبی من ذریتك، اسمه فی السماء احمد وفی الارض محمد۔ لولاه ما خلقتك ولا خلقت سماء ولا ارضا۔"

"یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، ان کو الہام کیا کہ سوال کریں کہ اے اللہ میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم اپنا سر اٹھا۔ پس سر اٹھایا تو حضور کا نور عرش کے پردوں میں دیکھا۔ عرض کی یا اللہ! یہ کس کا نور ہے؟ فرمایا تیری ذریت میں سے ایک نبی ہے۔ اس کا نام آسمان پر احمد ہے اور زمین میں محمد ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو میں نہ تجھے پیدا کرتا نہ آسمان، نہ زمین کو۔"

(قول ثانی) سیدی ابوالحسین حمدونی شاذلی اپنے قصیدہ دالیہ میں فرماتے ہیں ۔

روح الوجود حیاة من هو واجد لولاه ما تمّ الوجود لمن وجد

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ہستی عالم کی جان ہیں، حیات جملہ موجودین کے سبب ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے، کسی شی کا وجود نہ ہوتا۔"

(قول ثالث) علامہ شرف الدین ابوعبداللہ محمد بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔ ۔

وکیف ندعو الیٰ الدنیا ضرورة من لولاه لم تخرج الدنیا من العدم

"اور کیوں کر بلائے گی دنیا کی طرف ایسے کو ضرورت کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا نیستی سے نہ نکلتی یعنی پیدا نہ کی جاتی ۔"

(قول رابع) علامہ شیخ ابراہیم بیجوری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:"ای لولا وجوده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لاستمرت الدنیا علیٰ عدمها ولم توجد فوجوده صلی الله علیه وسلم علة فی وجودها والاصل ان قال الله تعالیٰ لادم ولولاه ما خلقتك فوجود آدم علیه الصلوٰة والسلام متوقف علیٰ وجوده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کانت الدنیا انما خلقت لأجله فیکون صلی الله تعالیٰ علیه وسلم هو السبب فی وجود کل شیء۔"

"یعنی اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معدوم رہتے تو دنیا کبھی موجود نہ ہوتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا: اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ آدم علیہ السلام تمامی بشر کے باپ ہیں۔ اور زمین میں جو کچھ ہے، سب بشر کے لئے بنا ہے۔ اور جب آدم علیہ السلام حضور کے سبب مخلوق ہوئے تو بلاشبہ تمامی دنیا حضور ہی کی وجہ سے بنائی گئی۔ تو حضور سبب وعلت تمامی اشیاء کے وجود کی ہیں۔

(قول خامس) علامہ خالد ازہری اس بیت کے نیچے فرماتے ہیں:"فان الدنیا ما اخرجت من العدم الیٰ

الوجود الا لاجله"۔ "یعنی دنیا حضور ہی کی وجہ سے نیستی سے ہستی کی طرف لائی گئی۔"
(قول سادس) علامہ ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:" لولا وجوده وفضله وجوده لم تظهر الدنيا من العدم الىٰ الوجود وجد في العالم غير الموجد موجود۔"
"یعنی اگر حضور کا فضل اور حضور کی عطا نہ ہوتی تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی۔ اور عالم میں سوا موجد جل جلالہ کے کوئی نہ ہوتا۔" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
(قول سابع) علامہ معقول ومنقول، بحر العلوم والفروع والاصول، مولانا ابو العیاش عبد العلی لکھنوی، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں: "لولاه لما ظهر من الله الجود بافاضة الوجود علىٰ الحقائق"۔ "یعنی اگر حضور نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا فضل، حقائق کو وجود سے سرفراز نہ فرماتا۔"
اس حدیث کی صحت معنی پر انکار نہ کرے گا مگر سفیہ جاہل یا وہابی لایعقل۔ رہا ملا علی قاری کا تذکرۃ الموضوعات میں موضوع فرمانا، وہ اس لفظ مخصوص کی نسبت ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ وارد نہیں کہ خود فرماتے ہیں:" لكن هٰهنا صحيح"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری نے خاص اسی حدیث کی بحث میں ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جا حاضر وناظر ہیں یا نہیں؟ وآنجناب کو علم غیب تھا یا نہیں؟ مفصل طور پر لکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک رب العزۃ جل وعلا نے اپنے حبیب ومحبوب، طالب ومطلوب، عالم غیوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا، اشیاء ما کان وما یکون سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا، ملکوت السمٰوٰت والارض سے ہر صغیر وکبیر، ہر رطب ویابس، سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا بلکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے ایک چھوٹا حصہ ہے۔ دریائے علم سے ایک نہر اور سطور علم سے ایک سطر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:" ان الله رفع لىَ الدنيا فانا انظر اليها والىٰ ما هو كائن فيها الىٰ يوم القيامة كانما انظر الىٰ كفي هذه"۔ "بیشک اللہ عزوجل نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا تو اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسا دیکھتا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو"۔ رواه الطبراني في الكبير ونعيم بن حماد في كتاب الفتن وابو نعيم في الحلية عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما۔
اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رب العزۃ جل جلالہ نے شرق تا غرب، تمام دنیا اور جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے، سب اپنے محبوب کے پیش نظر فرمادیا کہ آن واحد میں یکساں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اور یہی معنی حاضر

وناظر کے ہیں کہ سب کچھ ان کے پیش نظر ہے۔ ہر شی ان کے حضور حاضر ہے۔
علامہ بیضاوی شرح جامع صغیر میں ارقام فرماتے ہیں: "ان النفوس الزکیة اذا تجردت عن العلائق البدنیة عرجت واتصلت بالملأ الاعلیٰ فلم یبق لها حجاب فتریٰ الکل کالمشاهد۔" ''پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے مجرد ہوتی ہیں، عروج فرما کر عالم بالا سے متصل ہو جاتی ہیں۔ ان کے آگے کوئی حجاب نہیں رہتا۔ وہ سب کچھ ایسا دیکھتی ہیں جیسے سامنے موجود ہے۔ اسی طرح ملا علی قاری قدس سرہٗ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں امام قاضی سے نقل کیا۔
رہا امر وہابیہ کا تقویۃ الایمان مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ کے ص ۸ س ۱۵ میں اور اس کے اتباع میں سائر وہابیہ کا یوں کہنا کہ ''ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا یہ اللہ ہی کی شان ہے'' اھ ملخصاً۔ سو یہ محض جہالت وگمراہی وگمراہ گری ہے۔ حاضر و ناظر سرے سے صفات الٰہیہ سے نہیں اور نہ ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز، یہاں تک کہ اس کے اطلاق پر علماء کو حاجت ہوئی کہ اُس میں تاویل کر کے نفی کفر کریں۔
درمختار میں ہے: "ویا حاضر ویا ناظر لیس بکفر۔"
ردالمحتار میں ہے: "فان الحضور بمعنی العلم شائع والنظر بمعنی الرویة فالمعنی یا عالم یا من یریٰ۔" بزازیه
البتہ اس کی صفتیں شہید وبصیر ہیں، جو بعطاء الٰہی خود رب العزۃ نے اپنے عباد کے لئے ثابت فرمائیں۔ قال تعالیٰ: "یَکُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْداً۔" وقال تعالیٰ: "فَجَعَلْنَاهُ سَمِیْعاً بَصِیْراً۔" اور جو صفات بعطائے الٰہی مل سکتی ہیں، اس کا اثبات شرک نہیں ہو سکتا ہے۔ ورنہ لازم کہ مولیٰ تعالیٰ اپنا شریک پیدا کرنے پر قادر ہو۔ اور یہ صریح کفر ہے بلکہ علماء کرام نے خاص اسی لفظ کی تصریح فرمائی۔
ملا علی قاری شرح شفا میں ذیل "قول ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علیکم علی النبی ورحمة الله وبرکاته" لکھتے ہیں: "لان روحه علیه السلام حاضر فی بیوت اهل الاسلام۔"
شیخ محقق مولانا عبدالحق دہلوی ''جامع البرکات'' میں فرماتے ہیں: ''ونبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر احوال واعمال امت مطلع ہست وبزرگان ومقربان وخاصان درگاہ خود ممد ومستفیض وحاضر وناظر ست۔''
رہا مطلق علم غیب جو متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت بلکہ سائر مومنین کو بنص قاطع قرآن شریف حاصل، جس کا انکار نہ کرے گا مگر مجنون وجاہل۔
قال تعالیٰ: "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" (البقرة: ۲) ''بے دیکھے ایمان لائیں۔'' (کنزالایمان) ومن الظاهر ان الایمان العلم بالغیب ومعرفته ولو بوجه فان المجهول المطلق مما لا یمیل الیٰ تصدیقه واقراره وقد فصلت هذه المسئلة بعون الله یکاد ان یبلغ مائتین جزءً وصلیٰ الله علی رسوله محمد رحمة الکونین۔
والله تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ محمد طالب میلاد خواں ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب قرآن شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ آیات صریح ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک عطائی علم غیب (یعنی ان اشیاء کا علم کہ حواس ظاہری وباطنی سے پوشیدہ ہوں اور اس کے اسباب وعلامات بھی عقل میں نہ آئیں کہ عقل اسے بداہۃً یا استدلالاً جان سکے کما فی البیضاوی) نصوص قطعیہ، متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔ جن کا منکر نہ صرف گمراہ، بددین بلکہ کافر، منکر منصوص بالیقین ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک کا منقص ہے اور منقص شان سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق کافر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لھم عذابا مھینا"۔ (الأحزاب: ۵۷) "بیشک جو لوگ کہ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، پھٹکار دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان میں اور ان کے لئے رسوائی کا عذاب مہیا کر دیا۔

امام قاضی عیاض مالکی یحصبی اپنی کتاب مستطاب "الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ" قسم رابع باب اول ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں: "اعلم وفقنا اللہ وایاك ان جمیع من سبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او عابہ فھو سابّ لہ والحکم فیہ حکم السابّ بقتل وھذا اجماع من العلماء وائمۃ الفتویٰ من لدن الصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین الیّ ھلمّ جرّاً۔"

(نص اول) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ" (آل عمران: ٤٤ / یوسف: ١٠٢) "یہ غیب کا بتلانا ہے جو ہم وحی کرتے ہیں طرف آپ کے"

(نص دوم) مولیٰ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَاءُ۔" (آل عمران: ١٧٩)

"اللہ وہ نہیں ہے جو تمہیں اے عام لوگو! اپنے غیب پر مطلع کردے لیکن اللہ چنتا ہے اس کے لئے اپنے رسولوں سے جسے چاہے"۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما فی التفسیر الیمنی۔

(نص سوم) رب العزۃ جل جلالہ فرماتا ہے: "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا"۔ (النساء: ١١٣) "اللہ نے انہیں سکھایا جو کچھ غیب وشہادت کی باتیں نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے"۔

(نص چہارم) حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ"۔ (الجن: ٢٦) "غیب کا جاننے والا تو خدا ہے۔ مطلع نہیں فرماتا مگر جسے چن لے اپنی رسالت کے لئے، اسے مسلط فرما دیتا ہے۔

(نص پنجم) باری تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ''۔ (التکویر: ۲۴) ''اور نہیں ہے وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر بخیل''۔

توجب علم غیب ہے ہی نہیں تو پھر بخل وسخا کے کیا معنی ہیں۔ وغیرها من الآیات الکثیرة التی ذکرت جلها فی رسالة مستقلة فی هذا الباب۔ والله اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مرادآباد مدرسہ امدادیہ مرسلہ مولوی نعیم الدین صاحب ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ

فخر العلماء، وارث الانبیاء، ناصر دین متین، جناب مولانا صاحب ادام اللہ ظلالکم!

بعد از ادائے سلام مسنون عرض یہ ہے کہ علم نبی کریم کو ازلی و ابدی کہنا، درست ہے یا نہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، بلکہ کسی صفت کو کسی مخلوق کی ازلی کہنا ممنوع ہے۔ ابدی کہنا البتہ حق و درست ہے کہ بتصریح علمائے دین، تمامی صفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی علیٰ حالها بلکہ ترقی پذیر ہیں۔ قال تعالیٰ: ''وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَى۔'' (الضحیٰ: ۴) ''اور بے شک پچھلی تمہاری پہلی سے بہتر ہے'' (کنز الایمان) اسی طرح ازلی کہنا بھی اگرچہ ایک معنی کر درست ہے کہ ازلی زمانہ مدید ممتد فی سبیل الماضی کو بھی کہتے ہیں۔ تاہم اس سے احتراز لازم بما فیہ من ابطال التوحید۔ اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ذات الٰہی اور اس کی صفات کا ہے، جو ہر آن ترقی پر ہے، نہ اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ کو باحاطہ تامہ جان لیا، یہ محال ہے۔ کما هو المشهور وفی الکتب مسطور صرح به الاکابر الصدور۔ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

تمامی مسلمانان اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ حضرت رب العزت جل جلالہ نے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین وآخرین یعنی بدء خلق سے الیٰ یوم القیامۃ جو کچھ ہوگا، سب بتلا دیا۔ اور وہابیہ اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے دعویٰ کے لئے اسی حدیث سوال جبرئیل سے استدلال لاتے ہیں۔ اگر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ نے جس طرح اور سوالوں کا جواب دیا، اس کا بھی جواب دیدیتے اور اگرچہ آپ نے صراحۃً لا اعلم نہ فرمایا، لیکن اسے ٹال دیا اور ایک آیت شریفہ پڑھی، جس سے مطابقۃً معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔ جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا۔

الجواب

اولاً ''متیٰ الساعة'' کے جواب میں ''ما المسئول عنها اعلم من السائل'' فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں

نہیں جانتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ''لا اعلم'' فرماتے۔ پس جاننا چاہئے کہ کسی سوال کا جواب نہ دینا، اس بات کو مستلزم نہیں کہ مسئول عنہ جانتا نہیں ہے۔ دیکھو کہ جس وقت رب العزۃ جل جلالہ سے سوال اھلّۃ'' کا ہوا تو اس کا جواب ''قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ'' الآیۃ (البقرۃ: ۱۸۹) ''وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے'' (کنز الایمان) ارشاد ہوا۔ حالانکہ یہ اس سوال کا ہرگز جواب نہیں ہوسکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سوال ان کا محض بے کار تھا، اس لئے جواب وہ عنایت ہوا جس سے ان کو فائدہ پہنچے۔ علی ھذا القیاس یہاں پر بھی وہی ہے جیسا کہ بمضمون حدیث الحدیث بعضھا بیان للبعض۔ دوسرے واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اگر اس کے لئے سامان مہیا کیا ہے تو تمہیں کیا غم؟ جب چاہے، ہو اور اگر تم نے سامان نہیں مہیا کیا تو اس کے بارے میں پوچھنے کا کیا فائدہ؟ پوچھنا عبث ہے۔

ثانیاً آپ کا نہ بتانا میرے دعویٰ کو ضرر رساں نہیں۔ کیونکہ میں نے کب دعویٰ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائشی علم غیب ہے، جو کسی وقت کے عدم جواب وہی سے میرا قول ٹوٹ جائے۔ بلکہ حسب مضمون ''نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ'' (النحل: ۸۹) ''اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے'' (کنز الایمان) آپ کا علم روز بروز ترقی قبول کرتے کرتے جس وقت کہ نزول، قرآن پاک کا پورا ہوا تو آپ کا علم بھی پورا ہوگیا۔ لیکن یہ معنی نہیں کہ آپ کے علم میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ غایت کو پہنچ گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمیع مکتوبات لوح محفوظ ہر صغیر وکبیر، ہر رطب ویابس کو آپ نے ذرہ ذرہ جان لیا۔ پس اگر کوئی شخص اعتراض کرے لا یعلمھن صیغہ مضارع کا ہے، جس کے معنی حال واستقبال کے آتے ہیں۔ قد لا یعلمھن نہ کہا، جس سے صرف زمانہ حال مراد لے کر تعارض وتناقض دفع کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے زمانہ استقبال مراد لیا جائے اور معنی یہ ہوں کہ ان چیزوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، تو سخت خرابی لازم آئے گی۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو اعظم وارفع ہے، ان کے صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت منجملہ وصایا کے حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ یہ مال تمہارے دو بھائی اور دو بہنوں کے لئے ہے، وہ متحیر ہوئیں کہ دو بھائی تو البتہ ہیں، لیکن دو بہنیں کون ہیں؟ انہوں نے اپنی بیوی کا نام لے کر فرمایا کہ اس کے حمل ہے، جس سے لڑکی پیدا ہوگی۔ حالانکہ یہ خلاف تخصیص ''وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ'' (لقمان: ۳۴) اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے''۔ (کنز الایمان) کے ہے۔ دیکھئے وہ صدیق تھے، نہ جادوگر، نہ مسمریزم جاننے والے، یا لاف گو، یا نجومی تو جب حضرت ابوبکر نے جان لیا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے میں کیا استحالہ ہے؟ تو اب معنی حال ہی کے کہیں گے ورنہ کذب باری تعالیٰ لازم آئے گا۔ حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جمیع آیات کلام مجید راست وحق ہے۔ ہم کو سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی قاعدہ کلیہ کی وجہ سے اہلسنت مسئلہ حق پر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(سوال دستیاب نہ ہوسکا-۱۲ ساحل)

۱- حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن ہلکا کردیا گیا تو اپنے گھوڑے کے کسنے کے متعلق حکم فرماتے اور یہ قرآن شریف (زبور) پڑھنا شروع کرتے تھے اور قبل اس کے کہ سواری کس کر تیار ہو آپ ختم فرمالیتے۔ رواہ الامام احمد والبخاری عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم۔

۲- حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سواری کس کرآتی۔ آپ بایاں قدم رکاب میں رکھتے اور قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور صاف صاف، درستی الفاظ وفہم معنی کے ساتھ قرآن پڑھتے اور داہنا قدم رکاب تک پہنچنے بھی نہیں پاتا کہ پورا ختم فرما چکتے۔ ذكره القاری فی المرقاة۔

۳- حضرت...... امیر المومنین رضی اللہ عنہ ملتزم کے قریب سے قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور باب کعبہ تک نہ پہنچتے کہ پورا ختم فرما دیتے ذكره الشيخ المحقق الدهلوی فی اشعة اللمعات۔

۴- امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مجھے زیادہ سے زیادہ خبر اس کی ملی ہے جس نے رات دن میں آٹھ ختم کیے چار دن میں چار رات میں۔

۵- امام نووی کا یہ قول نقل کرکے امام عینی فرماتے ہیں کہ میں نے خود ایک حافظ کو دیکھا جس نے شب قدر کی وتر کی ہر رکعت میں ایک ایک ختم کر کے تین ختم کیا۔ ذكره فی عمدة القاری۔

۶- امام قسطلانی نووی کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے ۸۶۷ھ میں بیت المقدس میں ابو طاہر کو دیکھا اور ان سے سنا کہ وہ رات دن میں دس ختم سے زیادہ کرتے ہیں۔ ذكره فی ارشاد الساری۔

۷- یہی علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف رات دن میں پندرہ ختم کرتے تھے۔ ذكره عبد الغنی النابلسی فی الحديقة الندية۔

۸- ارشاد میں ہے کہ نجم الدین اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یمنی شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک ختم قرآن ایک چکر اور سات ختم سات میں کیا۔ ذكره ايضا النابلسی قدسنا بسرّه القدسی

۹- مجھے بعض ثقہ لوگوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب وعشاء کے درمیان دو ختم قرآن شریف کیا۔ ذكره ايضا فی الحديقة۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مقام پونی ضلع جھنڈارہ ممالک متوسطہ مرسلہ حافظ عبد الحکیم وغیرہ محرم ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب سلمہ تعالیٰ!
بعد آداب قدمبوسی کے واضح ہو کہ عرض خدمت میں یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت پیر مولانا عبد اللہ مسولی کے مرید ہوئے ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ تین مرتبہ فرض نماز کے بعد بتلایا ہے۔ ہم لوگ ضرب لگایا کرتے تھے اور ہیں۔ تو یہاں پر الٰہی

بخش صاحب مولوی تشریف لائے۔ تو انہوں نے بھی اپنے مرید کئے اور فرماتے ہیں کہ ضرب مارنا منع ہے۔ اور ہم لوگوں کو نصیحت کر کے مسجد میں ذکر بند کرا دیئے ہیں اور اپنے مریدوں کو سکھا دیئے ہیں کہ یہ لوگ وہابی ہیں۔ فقط ضرب مارنے کے سبب سے ہم لوگ وہابی کہلاتے ہیں۔ ہم اگر ذرا بولیں تو وہ لوگ مارتے ہیں۔ ہم لوگوں کا بازار وغیرہ جانا مشکل ہے۔ اس لئے ہم لوگ آپ کو وسیلہ جان کر برائے خدا ہم لوگوں پر رحم کریئے اور اس آفت سے بچایئے۔ آپ حضرات عالم دین ہو، حق ناحق جانتے ہو، سچ جان کر لا الہ الا اللہ ضرب مارنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم لوگوں کو لکھئے اور بڑی بڑی آفتوں میں ہم لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم لوگ آپ کے بھروسہ پر ہیں۔ ہم لوگوں کو بتایئے ضرب لگانا بعد نماز فرض کے تین مرتبہ قرآن شریف وحدیث شریف میں کوئی آیت ہے کہ نہیں۔ اس کو تار سمجھ کر بہت جلد ہم کو فتویٰ روانہ فرمائیں اور قرآن شریف میں کون سی آیت ہے، وہ بھی ہم کو لکھئے۔ لوگ بولتے ہیں کہ ذکر جلی کے واسطے قرآن شریف میں کوئی آیت نہیں ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں؟

الجواب

ذکر رب العزۃ جل جلالہ ہر حال وہر وقت، موجب نزول رحمت رب العلمین وباعث اطمینان قلوب مسلمین ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے: ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔'' (الرعد: ۲۸) ''سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے''۔

رہا ذکر خفی یا جلی۔ احادیث کثیرہ دونوں کی موید اور فقہا کا ذکر جلی کو مکروہ لکھنا خلاف مصلحت ہے یا لزوم مضرت کے ساتھ مقید اور یہی وجہ تطبیق، تبیین الاحادیث ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے:

''جاء فی الحدیث ما اقتضیٰ طلب الجهر وهناك احادیث اقتضت طلب الاسرار والجمع بینهما ان ذلك یختلف باختلاف الاقوال والاشخاص كما جمع بین الاحادیث الدالة علیٰ طلب الجهر بالقراة والدالة علیٰ الاسرار فحیث خیف الریاء او تاذی المصلین او النیام فالاخفاء افضل وعلیه یحمل خیر الذكر الخفی والجهر افضل حیث خلا عما ذكر لانه اكثر عملا وتتادی فائدته للسامعین ویوخذ قلب الذاكر۔''

علاوہ احادیث قولیہ ذکر جلی، خود فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت۔ صحیح مسلم شریف میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی: ''قال كان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سلم من صلاته یقول بصوته الاعلیٰ :''لا اله الا الله وحدهٗ لا شریك له، له الملك وله الحمد وهو علیٰ كل شیء قدیر'' ذكره فی المشكوٰة۔

شیخ محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ''ایں حدیث صریح است در جہر بذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند می خواند۔ اما بعضے گفتہ اند کہ بلند خواندن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے تعلیم اصحاب بود، اما افضل اخفا است۔ (الیٰ قولہ) حق آنست کہ اوقات مختلف است۔ گاہے ذوق حضور در اخفاء دست دہد وگاہے در جہر شوق افزاید۔ اما جہر بذکر مشروع است بلاشبہ۔

فاضل نامی علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: فی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی "اجمع لعلماء سلفا وخلفا استحباب الجهر جماعة فی المساجد وغيرها من غير نكير الا ان يشوش جهرهم علیٰ نائم او مصل او قاری كما هو مقرر فی الكتب الفقهية اه۔"

پس جب معلوم ہوا ذکر بالجہر مثل ذکر خفی مشروع اور سلفا وخلفا اس کے استحباب پر اجماع منقول۔ تو اس سے منع کرنا ہرگز نا جائز ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ وہ جبروتی حکم وہابیت لگانا، مسائل اختلافیہ میں حکم بحرمت قطعیہ کا بھی محل نہیں، چہ جائے کہ ضلالت ووہابیت بفرض باطل، اگر ذکر جلی مکروہ ہی ہوتا، تاہم ایسے احکام باطلہ کی شناعت اس سے ہزار درجہ سخت وبدتر ہے۔ یہ دقائق تدلیس وتلبیس ابلیس لعین سے ہے کہ آدمی کو نہی عن المنکر کے پردہ میں اشعر وانکر کا مرتکب کر دیتا ہے۔
ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ والله تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جالندھرا مستفتی محمد احمد خاں محلہ راستہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شوہر نے اپنی عاقبت کی بہبودی، حصول محبت الٰہیہ، تزکیہ نفس اور منازل سلوک کے طے کرنے کے واسطے ایک شیخ کامل ومکمل عامل شریعت وواقف طریقت سے بیعت کر لی ہے اور اسی بیعت پر اسے کچھ عرصہ گزر گیا ہے۔ یہ شخص دن بھر اپنے معاش کا کام کرتا ہے اور رات کے وقت صرف دو گھنٹے حسب طریق نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقے میں شامل ہوتا ہے اور فیضان باطنی حاصل کرتا ہے۔ یہ شخص نہایت پرہیز گار و تہجد خواں وغیرہ بنسبت سابقہ ہو گیا ہے، نیز اس عرصہ میں اس کے دو مقام بھی ذکر سے جاری ہو گئے ہیں۔ مگر اس کا باپ جس پر حرص دنیاوی، جہالت اور ضد غالب ہے، اس لڑکے کو اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ اس شخص کے باپ نے اس کو کئی دفعہ زدوکوب بھی کیا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔ چونکہ اس شخص پر محبت الٰہیہ کا اثر جو دامن گیر ہو رہا تھا اور مرشد کی تعلیم ظاہری وباطنی گھر کر گئی تھی، اس نے باپ کے سامنے کبھی اف تک نہیں کی۔ بڑے استقلال اور بردباری سے مار کھا رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا، اس لئے کہ وہاں جانے سے محبت الٰہیہ بڑھتی ہے۔ اگر نہیں جاتا تو محبت الٰہیہ کمی پر ہوتی نظر آتی ہے۔ صوم وصلوٰۃ ودیگر احکامات شرعیہ میں سستی وارد ہوتی ہے۔

(۱) اس حدیث سے محبت الٰہیہ کا حاصل کرنا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر فرض ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ حدیث یہ ہے: "عن انس ابن مالك رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ: "لا يؤمن احدكم حتی اكون احب اليه من ولده ووالده والناس اجمعين"

(۲) حقوق اللہ، حقوق عباد پر غالب ہیں یا نہیں؟

(۳) یہ شخص جو باپ کو ناراض کر کے واسطے حصول محبت الٰہیہ اور طے کرنے منازل سلوک کے، مرشد کے پاس

جاتا ہے۔ آیا یہ شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

(۴) اس طرح عبادت کرنے سے اس کی عبادت قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

(۵) محبت الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے اس طرح باپ کی ناراضگی میں مرشد کے پاس جانا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر ہے یا نہیں؟

(۶) اس کا باپ اس طرف سے روکنے میں خطا پر ہے یا نہیں؟ اور ایک نقل مکتوب مقدس حضرت مجدد علیہ الرحمہ اس مسئلے کے متعلق استفتاء کے ساتھ علیحدہ شامل کی جاتی ہے۔ آپ ملاحظہ فرمالیویں۔ اس کا جواب مدلل طور پر بحوالہ کتب معتبرہ مع عبارت ارقام فرما کر بہت جلد ارسال فرماویں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ پندرہ روز کو ایک علمائے کرام کے جلسہ میں پیش ہونا ہے اور اس میں جس قدر علمائے کرام کے دستخط ومواہیر ثبت ہوں گی، بندہ آپ کا تہ دل سے شکر گذار ہوگا۔ فقط

الجواب

(۱) اللہ ورسول جل وجلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد پر ابوین کے اس قدر حقوق رکھے ہیں کہ حد تحریر واحاطۂ تقریر سے باہر ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا (الاحقاف: ۱۵) ”اور ہم نے تقیید کی آدمی کو ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی“ وقال تعالیٰ: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ۔ (لقمان: ۱۴) ”تاکید کی ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے حق میں، پیٹ میں رکھا اسے اس کی ماں نے سختی پر سختی اٹھا کر اور اس کا دودھ چھٹنا دو برس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ وقال تعالی: ”وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (الاسراء: ۲۳) حکم فرمایا تیرے رب نے سوا اس کے کسی کو نہ پوجو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

وقال تعالی: ”فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ (الاسراء: ۲۳، ۲۴) ”اور والدین کو ’ہوں‘ نہ کہو اور نہ ان کو جھڑک اور ان سے عزت کی بات کہہ اور ان کے لئے نرم دلی سے ذلت کا بازو بچھا اور یوں عرض کر کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھٹپن میں پالا“

آیہ شریفہ میں اگرچہ اف کرنے کی ممانعت ہے۔ مگر دلالۃ النص سے ان تمام باتوں سے، جو ان کو ناگوار اور ان کے مزاج کے خلاف ہوں، ممانعت ثابت ہے۔ فقد اخرج ابن ابی حاتم عن السدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الآیۃ قال: ”لاتقل لهما اف مما سواه“ واخرج الديلمي عن انس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنهما مرفوعا: ”لو علم اللہ شيأمن الحقوق ادنىٰ من اف لحرمه۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے: ”وبهذا النهي يفهم النهي عن سائر مايوذيهما بدلالة النص۔“

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "افضل الاعمال الصلوٰۃ لوقتها و بر الوالدین"۔ ''حقوق اللہ میں سب سے بہتر وقت پر نماز پڑھنا اور حقوق العباد میں سب سے افضل والدین کی ساتھ نیک برتاؤ کرنا ہے'' رواہ مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والخطیب فی التاریخ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزاد الجهاد فی سبیل اللہ ۔

دوسری حدیث میں ہے: ''بر الوالدین افضل من الصلوٰۃ والصدقة والصوم والحج والعمرة والجهاد فی سبیل الله"۔ ''والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا، نماز، زکوۃ اور روزہ اور حج اور عمرہ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، سب سے بہتر ہے۔ ذکرہ الامام حجة الاسلام محمد محمد محمد الغزالی قدس سرہ العالی فی احیاء علوم الدین ۔

تیسری حدیث میں ہے: ''رضا الرب فی رضا الوالد و سخط الرب فی سخط الوالد"۔ ''اللہ کی خوشنودی، باپ کی رضامندی اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناخوشی میں ہے۔ رواہ الترمذی والحاکم عن ابن عمرو بن العاص والبزار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنهم والبخاری فی ادب المفرد عن ابنہ رضی اللہ تعالیٰ عنهما ولفظه "رضاء الله" واخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ "رضا الرب فی رضا الوالدین و سخطه فی سخطهما" والحاکم وصححه والبیهقی عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظهما "رضا الله فی رضا الوالدین"

چوتھی حدیث میں ہے: ''ایک شخص نے عرض کی، یا رسول اللہ! حق والدین کا اولاد پر کیا ہے؟ فرمایا: "جنتك و نارك" وہ دونوں تیری جنت و دوزخ ہیں۔ یعنی اگر تو ان کی فرمانبرداری کرے تو وہ تیرے لئے جنت ہیں اور انہیں ناراض رکھے تو وہی تیرے لئے دوزخ ہیں۔ رواہ ابن ماجة عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پانچویں حدیث میں ہے: ''الجنة تحت اقدام الامهات"۔ "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے"۔ رواہ مسلم عن نعمان ابن بشیر والخطیب فی الجامع عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنهم۔ ولقد احسن واجاد من قال و افاد ؎

جنت کہ رضائے مادر آنست — اندر تہ پائے مادر آنست

روزی بکن ای خدائے مارا — چیزیکہ رضائے مادر آنست

وغیرها من الاحادیث الکثیرہ الصحیحة الشهیرۃ۔

پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد کی اجازت مانگی، ارشاد فرمایا؟ تیرے ابوین زندہ ہیں؟ عرض کی ہاں! ارشاد ہوا'' فیهما فجاهدا"۔ تو تو انہیں میں جہاد کر یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک کر کہ تیرے لئے جہاد کے قائم مقام ہے۔ رواہ الامام احمد فی مسندہ والشیخان فی صحیحهما وابوداؤد والترمذی والنسائی وعبد الرزاق

وابن ابی شیبة عن ابن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه ۔
دوسری حدیث میں ہے: ''ایک صحابی یمنی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب جہاد کا ارادہ کیا۔ ارشاد ہوا، تیرے ماں باپ نے اجازت دی؟ عرض کی نہیں! فرمایا: ''فارجع الیٰ ابویك فاستأذنهما فان فعلا فجاهد والا خبرهما فان ذالك افضل مماتلقیٰ الله به بعد التوحید''۔ ''لوٹ اپنے ماں باپ کی طرف اور ان سے اجازت مانگ۔ اگر اجازت دیں تو جہاد کر ورنہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر۔ یہ بعد توحید وایمان سب اعمال سے افضل ہے۔ رواہ الامام احمد و ابن حبان عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه۔
تیسری حدیث میں ہے: ''ایک صاحب حاضر خدمت اقدس ہوئے اور ہجرت پر بیعت چاہی اور کہا کہ ماں باپ کو رولا کر آیا ہوں۔ فقال: '' ارجع واضحکهما کما ابکیتمها''۔ ''لوٹ جا ان کے پاس اور انہیں ہنسادے جیسا کہ رولایا ہے''۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجة وعبد الرزاق فی المصنف والبخاری فی الادب المفرد والبیهقی فی شعب الایمان والحاکم عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما وقال صحیح الاسناد۔
چوتھی حدیث میں ہے: ''حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد میں جانے کے بارے میں رائے اقدس دریافت کرنے کو حاضر ہوئے۔ فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ عرض کی ہاں! فرمایا: ''فالزمها فان الجنة عند رجلیها''۔ اسی کی خدمت میں لگا رہ کہ یقینی جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ رواہ النسائی وابن ماجة والحاکم من حدیث معاویة بن جاهمه وقال صحیح الاسناد ۔
پانچویں حدیث میں: '' بر الوالدین یجزی عن الجهاد'' ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا جہاد سے کفایت کرتا ہے۔ رواہ ابن ابی شیبه رضی الله تعالیٰ عنهما
پس جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْراً عَظِیْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً''۔ ''اور بزرگی دی اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے اپنے پاس کے درجوں اور بخشش اور مہربانی میں۔
حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''لغزوة فی سبیل الله احب الیّ من اربعین حجة''۔ ''البتہ ایک مرتبہ جہاد کرنا مجھے محبوب ہے چالیس حج سے'' رواہ عبد الجبار الخولانی فی تاریخ راویا عن مکحول مرسلا۔
باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیونکر اجازت دیجائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔ حدیث میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: "من اصبح مرضیا لابویه اصبح له بابان مفتوحان الیٰ الجنة وکذلك من امسیٰ مثل ذلك وان کان واحدا فواحدا وان ظلماوان ظلما وان ظلما۔''

"جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ اپنے ماں باپ کی رضا چاہتا ہے، اس کے واسطے دو دروازے جنت کے کھلے ہوئے ہیں۔ اور ایسا ہی جو شخص شام کرے اور اگر ماں باپ میں سے ایک ہے تو ایک دروازہ جنت کا کھلا ہے۔ اگرچہ ماں باپ ظلم کریں، اگرچہ ظلم کریں، اگرچہ ظلم کریں۔ اور جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ ماں باپ کو ناراض کرنے والا ہے، اس کے لئے دروازے جہنم کے کھلے ہیں۔ اور اگر ایک ناراض کیا تو ایک اور ایسا ہی جو شام کرے۔ اگرچہ ماں باپ ظلم کریں، اگرچہ ظلم کریں، اگرچہ ظلم کریں۔" رواہ ابن شیبہ والبیھقی فی شعب الایمان وابن عساکر فی التاریخ والدیلمی فی الافراد ونحوہ للبخاری فی الادب المفرد وابن النجار عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وللدار قطنی من حدیث زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: "لا یدخل الجنۃ منان ولا عاق ولا مدمن خمر"۔ "جنت میں نہ جائے گا احسان جتانے والا اور ماں باپ کو ایذا دینے والا اور شرابی۔ رواہ النسائی والدارمی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعا۔

تیسری حدیث میں ہے: "لا یدخل عاق ولا ولد زنا ولا مدمن خمر ولا منان"۔ "جنت میں والدین کو ستانے والا نہ جائے گا اور نہ حرامی اور نہ شرابی، نہ دے کر احسان جتانیوالا"۔ رواہ ابن ابی شیبہ والبخاری والحاکم والبیھقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً۔

چوتھی حدیث میں ہے: "لا یدخل الجنۃ عاق والدیہ ولا منان ولا ولد زنیۃ ولا مد من خمر ولا قاطع رحم ولا من اتیٰ ذات رحم"۔ "جنت میں نہ جائیگا ماں باپ کو ایذا پہونچانے والا، نہ احسان جتانے والا، نہ ولد الحرام، نہ شراب نوش، نہ تفرقہ ڈالنے والا اور نہ خاندانی محرمات سے زنا کرنے والا۔ رواہ ابن ابی شیبہ وعبد الرزاق والنسائی والبیھقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔

پانچویں حدیث میں ہے: "ان الجنۃ یوجد ریحھا من مسیرۃ خمس مائۃ عام ولا یجد ریحھا عاق"۔ "یعنی جنت کی ہوا پانچ سو برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی بو نہ پائے گا والدین کو ناراض کرنے والا۔ رواہ الطبرانی فی الصغیر من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفی الاوسط من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفیہ من مسیرۃ الف"۔

"یعنی جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔"

اور محرومی کو یہی کیا کم ہے، پانچ سو برس کی راہ جنت سے دور ہے۔ سوا معصیت کے تمامی باتوں میں والدین کی فرمانبرداری فرض ہے۔ جس بات سے ایذا ہو اس کا کرنا حرام۔

امام خاتمۃ المجتہدین علامہ تقی الدین سبکی پھر علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں: "عقوق، والدین کی ایذا رسانی ہے، جس قسم سے ہو تھوڑی ہو یا بہت، وہ منع کریں یا نہ، اور ان کے اوامر و نواہی کی مخالفت ہے

بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو"۔العقوق ایذائهما بای نوع کان من انواع الاذیٰ قل او کثر نهیا عنه او لم ینهیا او یخالفها فیما یامران او ینهیان بشرط انتفاء المعصیة فی الکل"۔ بلکہ انہیں علامہ نے امام ابوبکر طوسی مالکی سے نقل فرمایا کہ ایک یا دو مرتبہ سنت مؤکدہ کے ترک کا حکم کریں تو ان کی فرمانبرداری چاہئے۔واخرج عبد الرزاق فی المصنف عن انس رضی الله تعالیٰ عنه انه سئل مابر الوالدین؟ قال:" تبذل لهما ما ملکت وان تطیعهما فیما امراك به الاان یکون معصیة۔" "حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، بروالدین کیا ہے؟ فرمایا: اپنی سب ملک کا انہیں مالک جان اور سوا معصیت جس کام کے لئے حکم کریں، بجالا۔

بیہقی کی روایت میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے:"وان امراك ان تخرج من کل شیٔ فاخرج"۔ "اور اگر وہ تجھے حکم کریں کہ اپنی سب چیزیں چھوڑ کر نکل جا تو تو نکل جا۔"

صرف استقلال و بردباری سے مار کھالینا اور زبان سے اف تک نہ کرنا، اسے بارّ (فرمانبردار) نہیں کرسکتا۔ جب صاف صاف باپ کے قول کے خلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ باپ کہتا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔اور یہ شخص کہتا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔روزانہ دو گھنٹے کے لئے چل دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:" مابرّ اباه من حدّ الیه الطرف"۔ "جو شخص اپنے باپ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے، اس نے بر نہیں کیا" رواه ابن مردویه والبیهقی فی شعب الایمان عن ام المؤمنین الصدیقه رضی الله تعالیٰ عنها۔

یہ حدیث قدسی نہیں بلکہ حدیث میں محبت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے کہ محبت محمدی جب تک سب سے غالب نہ ہو ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا۔ چاہے باپ ہو یا اولاد یا کوئی، جس سے محبت الٰہیہ کا حاصل کرنا والدین کی رضا سے ثابت ہو۔ اگرچہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کی فرضیت، رسول اللہ وحبیب اللہ ہونے کی وجہ سے ہے ﷺ ۔مگر جس محبت کا حدیث میں ذکر ہے، وہ باپ کو ناراض کر کے رات کو دو گھنٹے حسب طریقہ نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقے میں شامل ہونے سے نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک نور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے مسلمان کے قلب میں ڈال دیتا ہے، جس کی وجہ تمامی کائنات ایک پلہ میں اور دامن اقدس ایک پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو یہی پلہ غالب ہو۔ اس کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ والدین کو ہرگز ناراض نہ کرے کہ وہ اس محبت جلیلہ کی کمی پر دال ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں اور عباد محتاج ہیں۔اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ حق اللہ اور حق العباد میں حق العباد مقدم ہے۔ در منتقیٰ پھر درمختار میں ہے:"دین العباد یقدم لو اجتمع مع دین الله لانه تعالیٰ هو الغنی و نحن الفقراء"۔ "اگر جمع ہوں حق اللہ اور حق العباد تو بوجہ فقر عباد کے بندوں کا حق مقدم ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:"اذااجتمع الحقان قدم حق العبد لا حتیاجه علیٰ حق الله تعالیٰ لغنائه"۔

غمز العیون والبصائر میں ہے فتاوی ولوالجیہ اور اس میں فتاوی صدر الشہید سے ہے: "اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد وذلك كما لو وجد صيدا ومال انسان يذبح الصيد ولا ياخذ مال المسلم لانهما استويا في الحرمة الا ان الصيد حرام حقاللّٰه تعالىٰ ومال المسلم حرام حقا للعبد فكان الترجيح لحق العبد لحاجة اليه ـ"

(۳-۴) یہ شخص ضرور گنہ گار ہے۔ اسے ہرگز روا نہیں کہ رضائے والد واجب کو چھوڑ کر شغل واشغال ایک مستحب کام میں مشغول ہو۔

(۵) کسی کی عبادت قبول کرنا یا اس کے منہ پر مار دینا، اللہ کی مرضی ہے۔ اس کا ہمارے پاس ٹھیکہ نہیں کہ قبولیت یا مردودیت عبادت کا پروانہ دیا جائے۔ مجھے اپنا ہی حال معلوم نہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا معاذ اللہ نہیں۔ ہاں اس کے فضل سے امید کی جاتی ہے کہ جو اس کی مرضی کے موافق ہو، اپنی رحمت سے قبول فرمائے۔ مگر والدین کی ناراضی میں ہرگز اس کی رضا نہیں۔

(۶) محبت الٰہی فرض اہم ایمان بلکہ رکن ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ بغیر ایمان کے نہ رضائے والدین کام دے، نہ کوئی دوسرا عمل۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَ قَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان: ۲۳)۔ "اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے، ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا"۔ (کنز الایمان)

وقال تعالیٰ: "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔" (آل عمران: ۲۲) "یہ ہیں وہ جن کے اعمال اکارت گئے"۔ (کنز الایمان)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لا يقبل عمل بلا ايمان"۔ "اللہ تعالیٰ کوئی عمل بے ایمان کے قبول نہیں فرماتا" رواه الطبراني عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه باسناد حسن اس لئے اس شخص کو سلوک کی تحصیل کے لئے باپ کو ایذا دے کر مرشد کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ کما قدمنا

(۷) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنی ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر وفکر، شغل واذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے۔ کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو۔ حضرت مجدد کے مکتوب کا بھی خلاصہ یہی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ آیات واحادیث اس سے پہلے ذکر ہو چکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ محمد بخش صاحب جنوب گنج پیر بھی ۲۲ صفر ۱۳۲۳ھ

علمائے دین کیا ارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص ہندو بظاہر ہے مگر عقائد بہت اچھے ہیں۔ یعنی نماز مثل مسلمانوں کے

ادا کرتا ہے۔اب اس کو قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ ہوا ہے۔اس حالت میں روزہ اس کا کیسا ہے؟ اور نیت اس کی مسلمان ہو نے کے لئے ہے مگر ابھی مسلمان نہیں ہوا ہے اور کلام مجید پڑھانے والے کے لئے باعث ثواب ہے یا معصیت یا کیا؟ ہندوؤں کی جتنی بدعت ہوتی ہیں، وہ سب ترک ہے۔محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کرانا اور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دینا اور کلام مجید میں ہاتھ لگانا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

ہندو کہ بلا اکراہ مذہب اسلام ظاہر نہ کرے، اسی کفر پر بمارہے، اگرچہ ہندوؤں کی بدعتیں چھوڑ دے، فاتحہ امام حسین وغوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کرے، قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ رکھے بلکہ پڑھے، لیکن جب تک علی الاعلان اپنا اسلام ظاہر نہ کرے، ہرگز مسلمان نہیں۔لیکن اگر کسی سخت مجبوری واکراہ شرعی کے سبب ظاہر نہ کرے اور دل اس کا ایمان پر مستقیم ہو تو مضائقہ نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ:" اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ ۔" (النحل: ۱۰۶) "سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو"۔ (کنز الایمان)

مگر مال کا جانا یا باپ، ماں، عورت، اولاد کا چھوٹنا، اپنی قوم سے، برادری سے نکالا جانا، کوئی وجہ شرعی نہیں۔اسے قرآن مجید پڑھانا گناہ نہیں بلکہ امید ثواب ہے۔شاید اللہ تعالیٰ اسے اس کے طفیل میں ہدایت عطا فرمائے۔

قاضی خان میں ہے:" الحربی او الذمی اذا طلب تعلیم القرآن یعلم و کذا اذا طلب تعلیم الفقه رجاء ان یهتدی الیٰ الحق لکنه یمنع عن المصحف مالم یغتسل هکذا فی الصغیری ۔"

خزانۃ المفتیین میں ہے: "و اذا قال الکافر لمسلم علّمنی القران فلا باس بان یعلّمه لکن لا یمسّ المصحف و ان اغتسل او مسّه لا باس به ۔"

"یعنی اگر کوئی کافر حربی یا ذمی مسلمان سے قرآن شریف یا فقہ سیکھنا چاہے تو سکھانے میں حرج نہیں۔شاید کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کردے لیکن بغیر غسل قرآن شریف کو ہاتھ نہ لگائے اور اگر نہایت پاک صاف ہو کر مصحف شریف کو چھوئے تو کوئی حرج نہیں"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔اصاب من اجاب کتبہ فقیر غلام محمد بہاری۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، بیتھو شریف ضلع گیا ڈاک خانہ چاکند ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

علَم میں لفظ محمد اور احمد دونوں شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً ظہور احمد، محمد عنایت احمد کیسا ہے؟

الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے نام پر نام رکھا اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ محمد بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فان لی ذمة منه بتسمیتی محمدا وھو اوفی الخلق بالذمم

اور محمد اور احمد دونوں نام پاک ہیں اور دونوں کا جمع بھی جائز ہے کہ مجموعہ حسن اور حسین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از بیتھو شریف ضلع گیا ڈاکخانہ کند ۶ رصفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عالم رویاء میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

جائز وصحیح ومقبول ہے۔ حضرت شاہ ابو بکر بن ہوار رضی اللہ عنہ کا سلسلہ منامیہ صدیقیہ عالم رویاء ہی میں بیعت سے ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! خرقہ عنایت ہو؟ فرمایا: ''اے ابن ہوار! میں تیرا نبی ہوں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ تیرے شیخ ہیں''۔ پھر فرمایا: ''اے ابو بکر! اپنے ہمنام ابو بکر بن ہوار کو خرقہ عنایت کرو''۔ صدیق اکبر نے خرقہ وکلاہ عنایت فرمایا۔ جب بیدار ہوئے کلاہ مبارک سر پر رکھی دیکھی اور خرقہ پہنے پایا۔

شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی شافعی اپنی کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں ارقام فرماتے ہیں: "اخبرنا قاضی القضاة، شیخ الشیوخ، شمس الدین، ابو محمد عبد الله محمد المقدسی قال سمعت الاشیاخ الثلثة الشیخ العارف ابا الحسن علی بن سلیمان البغدادی المعروف بالخباز و الشیخ الصالح ابا زکریا یحییٰ بن یوسف ابن یحییٰ الصرصری و الشیخ العالم کمال الدین ابالحسن علی بن محمد بن محمد بن وضاح الشهر بانی قالوا سمعنا الشیخ الجلیل ابا محمد علی بن ادریس الیعقوبی یقول سمعت شیخنا الشیخ علی ابن الهیتی رضی الله عنه یقول سمعت شیخنا تاج العارفین ابا الوفا رضی الله عنه یقول سمعت شیخنا الشیخ ابا محمد الشنبکی یقول شیخنا کان الشیخ ابو بکر بن هوار رضی الله عنه شاطرا یقطع الطریق بالبطائح ومعه رفقاء و کان مقدمهم و کانوا یجلسون علیٰ تلك المعابر یقتسمون اموال الناس فسمع لیلة امرء ة تقول لزوجها:" انزل ههنا لئلا یاخذنا ابن هوار واصحابه" فاتعظ وبکیٰ وقال:" الناس یخافوننی وانا لا اخاف الله تعالیٰ" وتاب فی وقته ذلك وتاب معه اصحابه وانقطع مکانه متوجها الیٰ ربه عزوجل علیٰ قدم الصدق والاخلاص فی ارادته ووقع عنده ان یسلم نفسه الیٰ من یوصله الیٰ ربه تعالیٰ ولم یکن بالعراق یومئذ شیخ مشهور من اهل الطریق فرأی فی منامه رسول الله صلی الله علیه وسلم وابا بکر الصدیق رضی الله عنه فقال له یا رسول الله البسنی خرقة فقال له یا ابن هوار! انا نبیك وهذا شیخك واشار الیٰ الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه ثم قال یا ابا بکر البس سمیك ابن هوار کما امرت فالبسه الصدیق رضی الله عنه ثوبا وطاقیة ومرّ بیده علیٰ راسه ومسح علیٰ ناصیته وقال

بارك الله فيك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابابكر! بك تحيىٰ سنن اهل الطريق من امتى بالعراق بعد موتها ويقوم مناد ارباب الحقائق مع احباب الله تعالىٰ بعد دروسها وفيك تكون المشيخة بالعراق الىٰ يوم القيامة وقد هبت نسمات الله بظهورك وارسلت نفحات الله بقيامك ثم استيقظ فوجد الثوب والطاقية بعينهما عليه وكانت علىٰ راسه ثواليل فلم يرها اه (بهجة الاسرار ومعدن الانوار ص ۱۳۳ مطبوعه مصر)

وعلیٰ ھذا انجملہ سائر سلاسل رضویہ عزیزیہ علویہ منامیہ بھی اسم بامسمیٰ ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مشرف بزیارت خاتم الخلفاء امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ ہوئے۔ عرض کیا: بیعت لیجئے۔ امیر المومنین نے دست اقدس بڑھا کر بیعت سے مشرف فرمایا۔ ولله الحمد والله تعالىٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از بنگال ضلع نواکھالی ڈاکخانہ راج گنج محلہ رگورام پور مدرسہ انوار العلوم از مولوی عبدالجبار۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) پیر ومرشد سے توجہ لینا جائز ہے یا نہیں: اور بعض مولوی وہابیہ کہتا ہے کہ حرام ہے اور توجہ لینے والا اور دینے والا کافر ہیں۔

(۲) اولیاء اللہ کو مکاشفہ ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ شخص اس کا بھی منکر ہے اور کہتا ہے جو شخص مکاشفہ کا قائل ہو، وہ کافر ہے۔

(۳) پیر بزرگ کے ہاتھ یا قدم چومنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص کہتا ہے کہ حرام ہے اور قدم بوسی کرنے والا مشرک ہوگا۔

(۴) اجرت پر وعظ کہنا مثلاً ۴۰ روپے دینا ہوگا، نہیں تو میں وعظ نہیں کہوں گا۔

(۵) مولود شریف وقیام جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص قیام مولود شریف کو حرام اور اس کے کرنے والا کو بدعتی کہتا ہے۔ جواب مسئلہ کا بحوالہ کتب مع صفحہ ارشاد فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر پاویں۔

الجواب

توجہ لینا اپنے پیر ومرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔

کتاب الترغیب والترہیب حافظ ذکی الدین عبدالعظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۱۳۰۱ س ۹ پر ہے: ”وعن يعلىٰ ابن شداد قال حدثنى ابى شداد ابن اويس وعبادة بن الصامت حاضر يصدّقه قال كنا عند النبى صلى الله عليه وسلم فقط فقال هل فيكم غريب يعنى اهل الكتاب قلنا لا يا رسول الله! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ايديكم وقولوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ايدينا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انك بعثتنى بهذه

الکلمۃ ووعدتنی علیھا الجنۃ وانت لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان اللہ قد غفر لکم۔"
"یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے، بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ الٰہی! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا"۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرھما۔

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لاالہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ ھل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ وللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اولیائے کرام کا مکاشفہ بلاشبہ حق ہے۔ کتب تصوف اس سے مملو ومشحون ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ"۔ "تم مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے" رواہ البخاری فی التاریخ والترمذی عن ابی سعید الحکیم والطبرانی فی الکبیر وابن عدی فی الکامل عن ابی امامۃ وابن جریر عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھم ذکرہ الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الجامع الصغیر ص۷

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نظرتُ الیٰ بلاد اللہ جمعا　　کخردلۃ علیٰ حکم اتصال

"میں نے خدا کے تمام شہروں کو بحکم اتصال رائی کے دانہ کی طرح دیکھا۔"

نیز فرماتے ہیں: "وان بؤ بؤ عینی فی اللوح المحفوظ"۔ "اور یقیناً میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں لگی ہوئی ہے۔ یعنی میں تمامی مکتوبات لوح محفوظ کو مشاہدہ کر رہا ہوں۔" (بہجۃ الاسرار شریف)

"نفحات الانس فی حضرات القدس" کے ص ۴۹ میں عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں:"
حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ می فرمود کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والرضوان می گفتہ اند کہ زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرۂ ایست کہ ما می گوئیم کہ چوں روی ناخن است۔ ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست۔"

یعنی سب چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے سوا اور مکاشفہ نام کس کا ہے؟ ذلک من فضل اللہ علیٰ الناس ولکن الوھابیۃ قوم لا یفقھون۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) بیشک بزرگان دین، مرشدان عظام واساتذہ کرام وآبائے کرام وپادشاہان اسلام ودیگر معززان واجب الاحترام کے دست وپا کا بنظر محبت اسلامی وتکریم میں چومنا جائز ودرست ہے۔

مشکوٰۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع باب المصافحۃ والمعانقۃ ص۴۰۳ میں ہے: "وعن زارع وکان فی وفد عبد القیس قال:" لما قدمنا المدینۃ فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورجلہ۔" "یعنی مروی ہے زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اور تھے وہ عبد القیس کی جماعت میں) کہا جب ہم حاضر ہوئے مدینہ میں۔ جلدی کی اپنی سواریوں سے اترنے میں پس چوما دست وپا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا"۔

شیخ محقق محدث دہلوی لمعات میں فرماتے ہیں: "وفی الحدیث دلیل علیٰ جواز تقبیل الرجل وجاء فی غیر ھذا الحدیث ایضا"۔

اشعۃ اللمعات ترجمہ فارسی مشکوٰۃ جلد رابع مطبع نولکشور ص ۲۷ س ۱۱: "دریں جا تجویز پائے بوس معلوم شد۔ چنانچہ سابقہ برآں اشارت کردیم۔"

ردالمحتار جلد ۵ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۳۷۸ س ۵ میں رسالہ علامہ شرنبلالی سے حدیث نقل کی: "قال ثم اذن لہ فقبل راسہ ورجلیہ۔ طحطاوی جلد ٤: قال الشرنبلالی فعلم مجموع ما ذکرنا اباحۃ تقبیل الید والرجل والراس والکشح کما علم من الاحادیث المتقدمۃ اباحتھا علیٰ الجبھۃ وبین العینین وعلیٰ الشفتین اذا کان علیٰ المبرۃ والاکرام۔"

رہا حضرات وہابیہ کا ان سب باتوں کو کفر یا شرک کہنا، ان سے ان کی کیا شکایت؟ مثل مشہور ہے الاناء یترشح بما فیہ ان بزرگوں کو آبائی ترکہ مسلسلا عن الکنگوہی عن الدہلوی عن النجدی عن مجتہد الفلک السادس، اسی شرک وکفر کا ملا ہے۔ اب اس کے سوا لوگوں کو کیا دیں اور کہاں سے دیں؟ بات بات میں شرک وکفر نہ ہو تو پھر مولویت کیسی؟ جس کو ان کے کفریات کی بہار دیکھنا ہو، ان کی ایمانی کتاب تقویۃ الایمان اٹھا کر دیکھے۔ ہر ورق کیا، ہر صفحہ میں کفریات بھری ہیں اور وہ کسی ایک دو کی تکفیر نہیں، عامہ تامہ شاملہ کاملہ جس سے کوئی انسان کیا کوئی مخلوق بلکہ خالق تک مبرا نہیں۔

اعلیحضرت ختام المحققین، مجدد مائۃ حاضرہ، سیدی وسندی، جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب مد ظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب "الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا" میں ساٹھ آیتوں اور تین سو حدیثوں سے ثابت فرمایا کہ مذہب وہابیہ حق ہے تو آدمیوں سے لے کر فرشتوں اور امتوں سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر خدا تک کوئی شرک سے محفوظ نہیں۔ سب مشرک ومشرک گر ہیں۔ وہ قرآن شریف جو شرک کو بیخ برکندہ کرنے کے لئے آیا، معاذ اللہ ان کے طور پر شرک سے مملو ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ توحید سکھانے کو مبعوث فرمائے گئے، عیاذاً باللہ ان کے

مذہب پر سب خود مشرک و مشرک گر تھے۔ نعوذ باللہ من شرور الشیطان و الابالسة و الدجاجلة اجمعین۔

اشراک نجد بیین کہ ناحق برسد مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

"قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ" و اللہ تعالیٰ اعلم۔ (التوبة: ۳۰/ المنافقون: ٤) ''اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں''۔ (کنز الایمان)

(۴) اجرت پر وعظ کہنے کی نسبت درمختار میں تصریح فرمائی کہ ضلالت و گمراہی و سنت یہود و نصاریٰ ہے۔

درمختار نولکشوری ص۴۳۳ س۱۴ پر ہے: ''التذکیر علی المنابر للوعظ و الاتعاظ سنة الانبیاء و المرسلین ولریاسة ومال وقبول عامة من ضلالة الیهود و النصاری۔''

یہاں اس سے قطع نظر کر کے حضرات وہابیہ اگر بغیر کسی اجرت کے مفت ہی وعظ کہیں بلکہ سامعین کے لئے اپنے پاس سے اجرت مقرر کر کے وعظ سنائیں تو بھی ان کا وعظ سننا حرام ہے کہ وہ عقائد باطلہ زائغہ کو بیان کریں گے۔ اوران کا ضرر کفار کے ضرر سے اشد ہے۔ اور بالفرض کوئی وہابی صاحب خالی نماز، روزے ہی کا وعظ کریں جب بھی انہیں وعظ کے لئے بیٹھانا حرام ہے کہ منبر پر بٹھانا اور واعظ مسلماناں بنانے میں ان کی تعظیم ہے اور ہم کو ان کی توہین کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ ان کو امام بنانا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، گناہ اور جو نماز ان کے پیچھے پڑھی گئی واجب الاعادہ ہے۔ رد المحتار ج۱ باب الامامة ص۵۸۵ س۱٤ المبتدع تکره امامته بکل حال۔ طحطاوی ج۱ ص٢٤٤ س۱۱: الکراهة فیه تحریمیة علی ما سبق صغیری۔ ص۲۷۰ س۱: ویکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم۔ غنیه مطبوعه قسطنطنیه ص۵۱۳: لو قدموا فاسقا یاثمون۔ مبتدع اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اگر امام بنائیں گے، گنہگار ہوں گے۔ درمختار و کل صلوٰة ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها۔ ان کی تعظیم کو دین کا ڈھانا فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف ص۳۱: "وعن ابراهیم بن میسرة قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ هدم الاسلام"۔ جس نے کسی بدمذہب کی تعظیم کی، اس نے دین کے ڈھانے میں مدد دی۔

شرح مقاصد ج۲ ص۲۷۰ س۸: "حکم المبتدع البغض و العداوة و الاعراض عنه و الاهانة و الطعن و اللعن۔"

رہا ان کا فاسق اور مبتدع ہونا، وہ کوئی چھپی بات نہیں، عالم آشکارو کالشمس فی رابعة النہار ہے۔ علمائے عرب وعجم نے بے شمار رسائل اور فتاویٰ ان کی تضلیل وتفسیق میں تحریر فرمائے اور وہ چھپے اور شائع ہوئے۔ اور یہ تضلیل وتفسیق بھی اسی حالت تک ہے کہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور اگر منکر ضروریات دین ہیں، معاذ اللہ! رب العزت اصدق الصادقین جل وعلا کو کاذب بالفعل کہیں یا ختم نبوت کا انکار کریں، اعلم الخلق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے ابلیس لعین کے علم کو زیادہ بتائیں یا حضور جیسا علم غیب ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کو جانیں جیسا کہ ان کے کبراء

میاں رشید احمد گنگوہی وقاسم نانوتوی وخلیل انبیٹھی واشرف علی تھانوی وغیرہم خذلھم اللہ نے اپنے فتاویٰ ورسائل میں لکھے یا ان کے اقوال پر مطلع ہوکران کو علمائے دینی یا اقل درجہ ان کو مسلمان ہی جانیں یا لا اقل ان کے کفر میں شک کریں تو کافر مرتد ہیں۔ ان کا وعظ سننا تو درکنار، ان کے پاس جانا، ان سے کسی طرح کا معاملہ کرنا، سب سخت حرام واشد کبیرہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق وبہ الھدایۃ فی البدایۃ والنھایۃ۔ اللھم طھر عنھم حوزۃ الدین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آمین! واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مجلس میلاد، فیض بنیاد، حضور پرنور سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگرچہ خیر القرون میں بہیئت کذائی نہ تھا، بعد کو حادث ہوا۔ مگر بلاشبہ مستحسن ومندوب ہے۔ روز حدوث مولود سے آج تک اس عمل مقدس کا عرب وعجم، روم وشام ودیگر بلاد اسلام خصوصاً حرمین محترمین میں شیوع عام ورواج تام پانا اور قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً ہزار ہا اکابرین متین وسواد اعظم مسلمین وجماہیر ائمہ ملت ومشاہیر اجلہ امت کا بکمال عقیدت ورسوخ ارادت اس کا کرنا، اس میں شریک ہونا، اس کے استحباب واستحسان پر شاہد عدل ہیں۔

"اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام" طبع بریلی ص ۸۱ س ۱۱ میں حافظ الدین عماد الدین کثیر سے ناقل: "قد اثنیٰ علیہ الائمۃ منھم الحافظ ابو شامہ شیخ النووی فی کتاب" الباعث علی انکار البدع والحوادث" وقال ومثل ھذا الحسن یندب الیہ ویشکر فاعلہ ویثنی علیہ۔"

اسی کے ص ۸۳ س ۵ پر ہے: امام علامہ صدر الدین بن عمر شافعی رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ویثاب الانسان بحسب قصدہ فی اظھار السرور والفرح بمولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ "انسان اپنی نیت کے موافق اظہار سرور وفرحت مولد میں ثواب دیا جاتا ہے۔"

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "یستحب لنا ایضا اظھار الشکر بمولدہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع واطعام الطعام ونحو ذلك من وجوہ القربات واظھار المسرات"۔ یہ بھی ہمارے حق میں مستحب ہے کہ ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر مجمع کر کے کھانا کھلانے اور اس کے مثل اور اعمال قربت واظہار سرور وفرحت سے بجالائیں۔

الکوکب الانور علیٰ عقل المجوھر ص ۹۰ س ۱۸: "(قد استحسن القیام) ای عدّہ حسنا وحکم باستحبابہ وندبہ شرعا (عند) ای لدی وصول القاری للمولد ای (ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذوو روایۃ) بکسر الرای ای نقل من یقتدی بہ کالصحابۃ والتابعین والمجتھدین" (وذوو روایۃ)۔

"القول المنجی علیٰ مولد البرزنجی" المطبوع علیٰ ھامش الکوکب ص ۹۰ س ۵: "فی مولد المدابغی جرت العادۃ بقیام الناس اذا انتھیٰ المداح الیٰ ذکر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیھا من اظھار الفرح والسرور والتعظیم" الیٰ غیر ذلك من نصوص العلماء وان اردت تفصیل

المقام و تنقیح المرام وازاحة الشکوک والاوهام فعلیك" باذاقة الآثام" لتاج العلماء المحققین راس الکملاء المدققین مولانا المولوی محمد نقی علی خاں امطر الله علیه شآبیب الرضوان وآخر دعوینا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰة علی رسوله محمد وآله اجمعین۔

☆☆☆☆☆

۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے: حضرت سیدنا بدیع الدین، قطب المدار، مکن پور شریف کا سلسلہ بیعت سوخت ہے یعنی سلسلہ مداریہ میں پیری مریدی ناجائز ہے اور عمرو کہتا ہے کہ جائز ہے اور آپ کا سلسلہ سوخت نہیں ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ آپ کا سلسلہ تو سوخت ہے مگر تبرکاً بیعت جائز ہے۔ ان میں سے کون حق پر ہے؟

۲- سلاسل مشہورہ چشتی قادری سہروردی نقشبندی کو برا کہنے والا کافر ہے یا نہیں؟

۳- مکن پور کا ہر شخص پیری مریدی سلسلہ مداریہ میں کرتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

۴- حضرت سیدنا بدیع الدین مدار کی نسل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس جگہ؟ آپ کس قوم سے تھے؟

۵- آپ سے قبل وبعد بیعت کا سلسلہ متصل ہے یا نہیں؟

۶- منقطع سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں۔

۷- جس میں تعین اوساط مشائخ کا یقین نہ ہو، بلکہ مختلف ہو ایسے سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۸- پیری مریدی کا سلسلہ، خلافت پر منحصر ہے یا نہیں؟ مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا یا نہیں؟

۹- سلسلہ مداریہ میں ابتدائی بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۱۰- جو لوگ سلسلہ مداریہ میں بیعت کر چکے ہیں، وہ اسی پر قائم رہیں یا نہیں؟

۱۱- اگر قائم نہ رہیں تو کون سے خاندان میں بیعت ہوں؟

۱۲- بیعت مروجہ کے لئے کیا شرائط ضروری ہیں۔ جاہل سے بیعت جائز ہے یا نہیں؟ سید سے بیعت ہونا بمقابلہ غیر سید افضل ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد ارشاد حسین شیش گڈھ ضلع بریلی یوپی

(نوٹ) چند مقامات سے استفتاء کا جواب طلب کیا مگر کہیں نہ ملا، یہاں تک کہ ٹکٹ بھی ہضم کر لئے گئے۔ یہاں یہ مسئلہ معرکہ آرا بنا ہوا ہے۔ اب جو فتویٰ کا جواب آپ عنایت فرمائیں گے، طرفین اُسی پر عمل کریں گے۔ مفصل واقعہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔ جواب جلد از جلد مرحمت ہو، مدلل ہو، جواباً لفافہ حاضر ہے۔

الجواب

زید کا خیال صحیح ہے۔ واقعی طریقۂ بیعت حضرت سیدنا بدیع الدین مدار قدس سرہ العزیز کا سوخت ہے۔ حضرت نے چند آدمیوں کے سوا کسی کو بیعت نہ کیا اور جن لوگوں کو مرید کیا ان میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔

سبع سنابل شریف میں ص ۸۶ پر ہے: ''شیخ مدار گفتند: من چند کس را مرید کردہ ام۔ بعد ازیں تاریخ ہیچ کس را مرید نخواہم گرفت وخلافت بکسے ندادہ ام۔''

اخیر وقت میں حضرت نے اپنے دست مبارک سے بہت سے خطوط لکھ کر اطراف وجوانب میں بھیج دیا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا ہے۔

اسی میں ہے ص ۸۷: ''چون حضرت شاہ مدار وقت رحلت قریب رسید، بفراست باطن دانستند کہ مریدان من گمراہ کردہ عالمے ہستند۔ از ایشان البتہ بے فرمانی وبے دیانتی صادر خواہد شد۔ رقعات فراواں بخط خود نبشتہ در اطراف وجوانب فرستادند کہ ما کسے را خلافت ندادہ ام''۔

ان کاغذات وخطوط سے ایک خط حضرت شیخ مخدوم سعد قدس سرہ کو بھی ملا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اسی میں ہے ص ۸۷: ''چنانچہ کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود وشاہ مدار نبشتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- سلاسل مشہورہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی کو برا کہنے والا برا ہے۔ البتہ جو بیعت کو کفر کہے، وہ کافر ہوگا۔ کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ''فقد باء بہ احدھما'' اور ظاہر ہے کہ ان سلاسل میں سیکڑوں کیا، ہزاروں، لاکھوں اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ تو ان کو کافر کہنے والا ضرور کافر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳- بغیر شرائط پیری بیعت لینا جائز نہیں۔

''سبع سنابل شریف ص ۸۳ میں ہے: ''اے برادر! از پیری ومریدی رسمے واسمے پیش نماندہ است وآن رسم واسم نیز مبنی بر چند شرائط میداں کہ بے آن شرائط اصلا پیری ومریدی درست نیست'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴- حضرت شاہ بدیع الدین مدار کے والد ماجد کا نام ابواسحاق اور بقولے علی، والدہ ماجدہ کا نام بی بی ہاجرہ ہے۔ اصل وطن آپ کا حلب ملک شام ہے اور آپ اولاد امجاد سے حضرت ہارون علیہ السلام کے تھے۔ آپ ۱۲ برس تک عالم صمدیت میں رہے، کچھ کھایا پیا نہیں۔ اس عرصہ میں جو آپ نے ایک بار کپڑا پہنا، نہ کبھی میلا ہوا، نہ پھٹا۔ کتابوں میں آپ کے غرائب احوال اور عجائب انوار لکھے ہیں۔ مگر کسی جگہ آپ کے اولاد کا تذکرہ نظر سے نہ گذرا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ آپ عالم تجرید وتفرید میں تھے۔ آپ نے نہ شادی کی، نہ کوئی اولاد ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵- آپ سے قبل سلسلہ متصل ومسلسل ہے اور آپ کے بعد وہ اتصال وتسلسل باقی نہ رہا کہ خود حضور نے اس سلسلہ کو ختم کر دیا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا۔ واللہ اعلم

۶- منقطع سلسلہ میں بیعت جائز نہیں۔ اس لئے کہ اصل مبدء فیض حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور یہ مشائخ کرام کی ذات بمنزلہ جداول نہر ہے۔ تو اگر نہر سے نالیاں ملی ہوں گی، پانی پہنچتا رہے گا۔ اور جو جدول نہر سے منقطع ہو، اس سے سیرابی ممکن نہیں۔

کتاب جامع الاصول فی الاولیاء میں ہے: "والتعلیم من شیخ ماذون اجازۃ صحیحۃ مستندۃ الیٰ شیخ صاحب طریق وھو الیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔ "یعنی تعلیم ایسے شیخ ماذون سے چاہئے جس کی اجازت مستند ہو شیخ صاحب طریق تک اوران کا طریقہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو۔"

سبع سنابل شریف میں ہے: "اے پسر! شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف است"۔ اسی میں ہے: "اما نخست از شرائط پیری یکے آنست کہ پیر مسلک صحیح داشتہ باشد۔ دوم از شرائط پیری آنست کہ پیر در اداء حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد۔ سوم از شرائط پیری آنست کہ پیر را عقائد درست بود موافق مذہب سنت وجماعت"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷- نہیں کما مرّ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸- خلافت پر منحصر ہے۔ حضرت شاہ بدیع الدین صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹- نہیں واللہ اعلم

۱۰- اس بیعت پر قائم رہنا جائز نہیں۔ وہ بیعت بیکار ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ پھر سے کسی طریقہ میں بیعت کریں۔

"کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود وشاہ مدار نبشتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام۔"

سبع سنابل میں ہے: "بدان سبب شیخ مخدوم سعد مریدان شاہ مدار را باز می گردانیدند از روئے دیانت، نہ از روئے اہانت۔ وخلفاء حضرت مخدوم سعد نیز مردم را ازیں بیعت رجوع میفرمودند۔ چنانکہ مخدوم شیخ صفی را این بچشم خود دیدہ است ومخدوم شیخ محمد مسکین کہ در مقام ملاوہ آسودہ اند وبندگی شیخ نظام الدین کہ در مقام انبٹی آسودہ اند نیز مردم را ازیں بیعت وانابت باز میگردانیدہ اند"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱- ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جس سلسلہ میں چاہیں مرید ہوں۔ مگر بہتر ہے کہ سلسلہ علیہ عالیہ قادریہ شریفہ میں داخل ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲- بیعت مروجہ کے شرائط جواب نمبر ۶ میں گذرے کہ پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلیٰ ھذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدۂ اہل سنت وجماعت ہو، بدمذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ ع

بے علم نتواں خدارا شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچنوائے گا ع

او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے "جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے"

ابریز میں ہے:" اذا لم یکن علم لدیه بظاهر ولا باطن فاضرب به لجج البحرقال الشیخ رضی الله عنه مراده بعلم الظاهر علم الفقه والتوحید ای القدر الواجب منهما علیٰ المکلف ومراده بعلم الباطن معرفة الله تعالیٰ۔"

مگراس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستارفضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اورعلم باحکام اللہ ہو۔مسائل اعتقادیہ وعملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ وبے علم نہ ہو۔حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سراورآنکھوں پر ہے۔مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہوکہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے،ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:"لا تقدمن قبل اعتقادك انه مربّ ولا اولی بها منه فی العصر (ای) ولا تقدمن علیٰ شیخ بقصد الدخول فی صحبته حتیٰ تعتقد انه من اهل التربیة وانه لا احق منه بها فی زمنه۔"

"یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرواوراس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو۔ جب تک یہ اعتقاد نہ کرلوکہ یہ شخص تربیت کا اہل ہےاوراس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں"۔

تواگر کسی غیرسید کے ساتھ اس کواس طرح وابستگی ہےتواسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے۔اورسید صاحب کے ساتھ ہےتواس کے ہاتھ پر ہو۔غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟جوجواب اس کا ہے،وہی جواب اس کا سمجھئے۔

همہ شہر پر زخوباں،منم وخیال ماہے　　چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بکس نگاہے

احب الصالحین ولست منهم　　لعل الله یرزقنی صلاحا

آمین آمین اله الحق آمین! وصلی الله علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین۔

☆☆☆☆☆

نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب(۱۳۵۴ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیه وسلما

مسئلہ مرسلہ مولوی سیدمحی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواروی بتوسط پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔علمائے ملت اسلامیہ مندرجہ ذیل سوالات کے مفصل جوابات مرحمت فرمائیں۔

۱- مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے نہیں؟ اگر بتایا گیا ہے تو وہ کیا ہے؟ مع نقل آیات، جواب مرحمت ہو۔

۲- رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کا کوئی معمول بہ دستور تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو وہ کیا تھا؟ مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعین صفحہ و نام جواب ارشاد ہو۔

۳- رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اہل بیت واصحاب میں سے جولوگ وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجہ الکبریٰ زوج النبی ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ ورضی اللہ عنہا و حضرت خبیب وحضرت حمزہ وحضرت جعفر طیار ودیگر شہدائے جنگ بدر وخیبر واحد وحنین وتبوک وغیر ہا رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ اور ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خاص آنحضرت ﷺ کے لئے یا پہلے یا اپنے وقت کے اموات وشہدا کے لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی ایصال ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے کیا؟ اور ایک بار یا برابر کرتے تھے؟ جواب با صواب مع نقل روایات وحوالہ کتب وتعیین صفحہ و نام مطبع مرحمت ہو۔

۴- فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصال ثواب کا لکھا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا تو وہ کیا ہے اور خود حضرت امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت اس کی منقول ہے یا نہیں معہ حوالہ کتاب وعدد صفحہ پوری عبارت لکھئے۔

امید ہے کہ ان سوالوں کے مفصل جوابات جلد سے جلد مرحمت ہوں گے۔ اخی الاعظم مولانا عبید اللہ صاحب المجیبی مدظلہ، جی الاکرم مولانا ظفر الدین صاحب، جی الاکرم مولانا اصغر حسین صاحب، جی الاکرم مولانا عبد السبحان صاحب، جی الاکرم مولانا دیانت حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خصوصیت کے ساتھ ان سوالوں کی طرف توجہ فرمائیں اور ان کے علاوہ ہر ہر مدرس مدرسہ سے بادب استدعا ہے۔ بینوا توجروا واجرکم علیٰ من بیدہ ازمۃ التوفیق و ہو نعم المولیٰ و نعم الرفیق

المستدعی تمنا العمادی المجیبی الفلواروی پھلواری شریف ضلع پٹنہ۔ ۲۰/اگست ۱۹۳۵ء

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مکرمی! اکرمکم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سوالات پہنچے، دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جناب کو نفس مسئلہ ایصال ثواب میں کلام نہیں۔ ہاں اس کے طریقے کے متعلق سوال ہے کہ کس طریقے سے ہونا چاہئے۔ قرآن و

حدیث سے کیا ثابت ہے، حضور اقدس ﷺ وصحابہ کرام کا معمول بہ دستور کیا تھا؟ بعض بلند پایہ حضرات تو نفس ایصال ثواب ہی میں کلام کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔ میرے ملنے والوں میں ایک صاحب اسی خیال کے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ لوگ جو قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں۔ اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا کہ جناب کو یہ کس نے کہد یا یا خود جا کر عالمِ برزخ میں دیکھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کا کیا دھرا اکارت جاتا ہے۔ جن کو بھیجا جاتا ہے، انہیں نہیں پہونچتا۔ کیا راستہ میں رہزن رہتے ہیں کہ راہ ہی میں لوٹ لیتے ہیں، وہاں نہیں پہونچنے دیتے؟ بولے کیا آپ کے پاس پہونچنے کا کوئی ثبوت ہے؟ میں نے کہا بلا شبہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، علمائے کرام کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ، جن کے لئے بھیجا گیا ان کی تصدیق۔

''عن انس ان رجلا سال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللّٰہ انا نتصدق عن موتانا و نحج عنہم و ندعولہم فھل یصل الیھم ذالك فقال نعم انه یصل الیھم و یفرحون کما یفرح احد کم بالطبق اذا اھدی الیه''۔ رواہ ابو حفص الکبیر۔ ''امام ابو حفص کبیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم میت کی طرف سے صدقہ دیتے، حج کرتے، دعا کرتے ہیں تو کیا یہ سب چیزیں ان کو پہونچتی ہیں؟ فرمایا ہاں۔ وہ ان کو ضرور پہنچتی ہیں اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے ایک آدمی خوش ہوتا ہے، جب اس کے پاس طباق ہدیہ دیا جاتا ہے۔'' (عینی شرح ہدایہ ج ۲ کشوری ص ۶۱۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ مصری ص ۲۸۶ میں فرماتے ہیں:

''اخرج القاضی ابو بکر بن عبدالباقی الانصاری رحمہ اللّٰہ فی مشیخته عن سلمة بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلة الیٰ مقابر مکة فوضعت راسی علیٰ قبر فنمت فرایت اھل المقابر حلقة حلقة فقلت قامت القیامة ؟قالو الاولکن رجل من اخواننا قرء قل ھو اللّٰہ احد و جعل ثوابھا لنا فنحن نقسمه منذ سنة''۔ ''قاضی ابو بکر بن عبد الباقی انصاری رحمہ اللہ اپنے مشائخ میں سلمہ بن عبید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: حماد مکی نے فرمایا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا۔ ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو قبرستان والوں کو دیکھا کہ حلقہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا قیامت قائم ہوگئی؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں، لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو اس کو ایک سال سے ہم لوگ بانٹ رہے ہیں''۔ اگر ثواب پہونچا ہی نہیں تو کس چیز کو تقسیم کرتے تھے؟

اسی میں ہے ص ۲۸۱: ''قال النووی فی الاذکار'' قال محمد بن احمد المروزی سمعت

احمد بن حنبل یقول اذا دخلتم المقابر فاقرؤا فاتحة الکتاب والمعوذتین و قل ھواللہ احد و اجعلو ثواب ذلك لاھل المقابرفانه یصل الیھم"۔" امام نووی شافعی کتاب الاذکار میں تحریرفرماتے ہیں: محمد بن احمد مروزی تلمیذ فربری متوفی ۳۷۱ھ نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا، فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ توسورۂ فاتحہ اور قل اعوذبرب الفلق و قل اعوذبرب الناس، قل ھو اللہ احد پڑھواوراس کا ثواب اس قبرستان والوں کوبخشوکہ وہ ان کو پہنچتا ہے''۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی مکتوبات جلد دوم ص ۵۹ مکتوب ۳۶ میں ہے: ''پیش ازیں بچند سال داب فقیرآں بودہ کہ اگر طعام می پخت، مخصوص بہ روحانیت مطہرہ آل عبا می ساخت و بآں سرور، حضرت امیر و حضرت فاطمہ وحضرات امامین راضم می کرد علیہم الصلوات والتسلیمات۔ شبے درخواب می بیند کہ آں سرور حاضرست علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر برایشاں عرض سلام می کند، متوجہ فقیرنمی شوندورو بجانب دیگردارند۔ دریں اثنابفقیرفرمودند کہ من طعام درخانہ عائشہ می خورم ہرکہ مراطعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد۔ ایں زماں فقیردریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آں بودہ کہ فقیرحضرت صدیقہ رادرآں طعام شریک نمی ساخت۔ بعدازاں حضرت صدیقہ را بلکہ سائرازواج مطہرات راکہ ہمہ اہلبیت اند، شریک می ساخت وبجمیع اہلبیت توسل می نمود''۔

''اس سے چندسال پہلے فقیرکا طریقہ یہ تھا کہ اگرکھانا پکاتا تھا تو ارواح مطہرہ آل عبا کے ساتھ مخصوص کرتا تھا اورآں حضور کے ساتھ، حضرت امیر المومنین علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات امامین کو شامل کرتا تھا علیھم الصلوت والتسلیمات۔ ایک رات بندہ خواب میں دیکھتا ہے کہ آن سرورتشریف فرماہیں علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام ۔ فقیران پرسلام عرض کرتا ہے۔ متوجہ فقیرکی طرف نہیں ہوتے ہیں اور چہرہ اقدس دوسری طرف پھیرے ہوئے ہیں۔ اسی درمیان میں فقیر سے فرماتے ہیں (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ جو مجھے کھانا بھیجے عائشہ کے گھر میں بھیجے۔ اسی وقت فقیر نے سمجھا کہ حضور کے عدم توجہ کا سبب یہ تھا کہ فقیرحضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کواس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت صدیقہ کو بلکہ تمامی ازواج مطہرات کورضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کہ سب کی سب اہل بیت ہیں، شریک کرتا تھا اورتمامی اہلبیت کے ساتھ توسل کرتا تھا''۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جن کی جلالت شان ہرکہ ومہ پرظاہر ہے الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ص ۸ میں تحریرفرماتے ہیں: ''الحدیث الثانی والعشرون اخبرنی السیدالوالد قال کنت اصنع طعاما صلة بالنبی ﷺ فلم یفتح لی سنة من السنین شیء اصنع به طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمته بین الناس فراء یته ﷺ و بین ید یه ھذاالحمص متبھجاً بشاشاً''۔ ''بائیسویں حدیث

مجھے میرے سردار والد ماجد نے خبر دی کہ میں ہر سال نبی ﷺ کی ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوایا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ فتوح نہ ہوا جس سے میں کھانا پکوا سکوں تو میں نے بھنا چنا منگوایا اور اسی کو لوگوں میں تقسیم کیا تو میں زیارت حضور اقدس ﷺ سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ حضور کے سامنے وہ بھنا ہوا چنا رکھا ہے اور آپ بہت خوش اور بشاش ہیں''

معلوم ہوا کہ ثواب بدنی ہو جیسا کہ پہلے دو واقعہ میں یا مالی ہو جیسا کہ حضرت شیخ مجدد اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے واقعہ میں یا دونوں کا مجموعہ جیسا کہ حدیث شریف کی مثال سے واضح، سب مردہ کو پہنچتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز ایصال ثواب کے لئے پکائی جاتی اور تقسیم کی جاتی ہے وہ بعینہ پہونچتی ہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قبل تحریر جواب اگر لفظ ثواب اور ایصال کی تحقیق کر لی جائے تو بہتر ہے۔ ثواب وہ عمل نہیں جس کی مقدار معین ہو اور ہر کام کرنے والے کو ملے۔ بہتیرے کام کرنے والے ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَقَدِمْنَا اِلیٰ مَاعَمِلُوْ اِمنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا۔ وقال تعالیٰ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلی نَاراً حَامِيَةً۔ ''اور قصد کیا ہم نے طرف اس کے جو انہوں نے عمل کیا تو اس کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا''۔ ''عمل کرنے والی مشقت اٹھانے والی داخل ہوں گی بھڑکتی آگ میں۔''

بلکہ وہ اجر اس عمل مقبول کا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے، اسی لئے اس کے لئے کوئی حد نہیں۔ حسن نیت اور اخلاص عمل پر دس سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کے لئے خدا چاہے، ملتا ہے۔

قال تعالی: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَا بِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَّاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ۔ ''ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو صرف کرتے ہیں مثل اس ایک دانہ کے ہے جس سے سات بالیں اگیں۔ ہر بال میں سو دانے ہیں (تو مجموعہ سات سو ہوا) اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اور زیادہ فرمائے''

آیت کریمہ اگر چہ مال کے متعلق وارد ہے مگر یہ مخصوص اسی کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس عمل پر جس کو چاہے اجر عطا فرمائے۔ کسی کو کسی عمل پر اجر بے پایاں دے تو خدا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اب رہا ایصال، یہ خدا کو وکیل کرنا نہیں کہ اس امر کا ثواب میرے نامۂ اعمال میں نہ لکھا جائے بلکہ فلاں شخص کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے، اس کو دیا جائے۔ اس لئے کہ توکیل اس میں صحیح ہے جو کام انسان خود کر سکتا ہے۔

ہدایہ جلد ۳ ص ۱۷۶ میں ہے: ''کل عقد جازان یعقده الا نسان بنفسه جازان یو کل غیره''۔ ''جس کام کو انسان خود کر سکتا ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ثواب یہ شخص نہ خود لے سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تو اس میں کسی دوسرے کو وکیل بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایصال ثواب خداوند عالم سے دعا ہے کہ خداوندا میں نے جو یہ نیک کام تیرے لئے کیا ہے، اس کا ثواب مجھ کو اور میرے ساتھ فلاں فلاں اشخاص کو بھی اپنے فضل وکرم سے عطا فرما۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم ص ۵۵ میں لکھتے ہیں: ''ہر عبادت کہ از مسلمان ادا شود، ثواب آں بروح کسے از گزشتگان رساند۔ طریق رسائیدن آن دعائے خیر بجناب الٰہی ست پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن ست و اگر آن کس کہ ثواب بروحش می رساند از اہل حقوق است، بہ مقدار حق وے خوبی رسانیدن ایں ثواب زیادہ تر خواہد شد۔ پس در خوبی ایں قدر امر از امور مروسومہ فاتحہ و اعراس و نذر و نیاز کہ اموات شک وشبہ نیست''۔ ''جو عبادت مسلمان سے ادا ہو، اس کا ثواب اپنے گزرے ہوؤں میں سے کسی کی روح کو پہونچائے اور اس دعائے خیر کے پہونچانے کا طریقہ جناب الٰہی کے ذریعہ ہے تو یہ خود البتہ بہتر اور مستحسن ہے۔ اور اگر وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہونچاتا ہے، اس کے اہل حقوق سے ہے تو اس کے حق کے مقدار کے موافق اس ثواب کے پہونچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس وہ امور جو میت کے لئے مروج ہیں مثلاً فاتحہ اور اعراس اور نذر و نیاز کے، ان سب کی خوبی میں شک وشبہ نہیں''۔

اسی کے ص ۶۴ میں ہے: ''ہرگاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد، موقوف بر اطعام نہ گذارد۔ اگر میسر باشد بہتر ست والا صرف ثواب سورۂ فاتحہ واخلاص بہترین ثواب است''۔ ''جس وقت کسی کو میت کو نفع پہونچانا منظور ہو تو چاہئے کہ وہ اس نفع کو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے۔ اگر بروقت کھانا میسر ہو جائے تو بہتر ورنہ صرف سورہ فاتحہ، اخلاص کا ثواب ہی بہترین ثواب ہے''۔

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایک آیت یا ایک سورہ پڑھ کر مثلاً دس آدمی کو اس کا ثواب بخشے تو دسوں کو پورا پورا ثواب اس آیت یا سورہ کا ملے گا۔

علامہ شامی جلد اول رد المحتار ص ۸۴۵ میں فرماتے ہیں: ''سئل ابن حجر المکی عما لو قراء لاھل المقبرۃ الفاتحہ، ھل تقسم الثواب بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذلک کاملا؟ فاجاب بانہ افتیٰ جمع بالثانی و ھو اللائق بسعۃ الفضل''۔ ''علامہ ابن حجر سے سوال ہوا کہ کوئی شخص مقبرہ والوں کو فاتحہ پڑھ کر بخشے تو کیا سورہ فاتحہ کا ثواب انہیں بٹ کر ملے گا یا سب کو پورا پورا ثواب سورہ فاتحہ کا پہونچے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور یہی اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل کے لائق ہے''۔

مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب بست وہشم ص ۵۴ میں ہے: ''اگر بروحانیت یکے تصدق کردہ سائر

مومناں راشریک سازد، ہمہ برسد واز آں شخص کہ بنیت او دادہ بود ہیچ نقصان نہ کند ان ربک واسع المغفرۃ"۔ "اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے سارے مومنین کو شریک کر لے تو سب کو (ثواب برابر) پہونچے گا اور جس کی نیت سے (صدقہ) دیا گیا، اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ بے شک تیرا رب (تبارک وتعالیٰ) وسیع مغفرت والا ہے"۔

نیز یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ایصال ثواب جس طرح مردوں کے لئے ہوتا ہے۔ زندوں کے لئے بھی ہوسکتا ہے ثواب پہنچانے کے لئے مردہ ہونا کچھ ضروری نہیں، ۔ یہ محض عامیانہ خیال ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ثواب مردہ ہی کو بخشا جاسکتا ہے۔ زندوں کے لئے ایصال ثواب سن کران کو سخت حیرت ہوتی ہے۔

شامی جلد۲ص۲۴۲ میں ہے: "قولہ بغیرہ ای الا حیاء والا موات بحرعن البدائع"۔ "ان کا کہنا ہے کہ اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشا تو جائز ہے۔ یعنی ماتن نے جو کہا کہ "الا صل ان کل من اتی بعبادۃ مالہ جعل ثوابہا لخبرہ" یعنی اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے اس کو حق ہے کہ اوس کا ثواب غیر کو دے۔ چاہے وہ غیر زندہ ہو یا مردہ دونوں کو ثواب پہونچا سکتا ہے"۔

شامی جلد اول ص۸۴۴ میں ہے: "وفی البحر من صام او صلیٰ او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جازو یصل ثوابہا الیھم عنداھل السنۃ و الجماعۃ کذافی البدائع ثم قال و بھذ اعلم انہ لافرق بین ان یکون المجعول لہ میتا او حیا والظاھر انہ لا فرق بین ان ینوی بہ عندالفعل للغیراو یفعلہ لنفسہ ثم بعد ذلک یجعل ثوابہ لغیرہ لاطلاق کلامھم وانہ لا فرق بین الفرض والنفل اہ"۔ "بحرالرائق میں ہے کسی نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ دیا اور اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشا تو جائز ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس کا ثواب ان لوگوں کو پہونچے گا۔ اسی طرح بدائع میں ہے۔ پھر کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس کو ثواب بخشیں وہ مردہ ہو یا زندہ اور نہ فرق اس میں ہے کہ کام کرتے وقت اس غیر کی نیت سے کیا جائے یا اپنے لئے کریں اور اس کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو بخشیں۔ اس لئے کہ کلام ان کا مطلق ہے اور اس بارے میں فرض اور نفل میں بھی کوئی فرق نہیں"

بالجملہ ایصال ثواب کسی عمل خیر فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح ومجاز شرعی، بدنی یا مالی یا دونوں کے مجموعہ کا کسی کے نفع اخروی کی نیت سے کرنا یا بغیر نیت کسی دوسرے کے خود اپنے لئے کرے، اس وقت یا کچھ بعد زبان سے یا فقط دل سے خداوند عالم سے دعا کرنا ہے کہ اس کا ثواب فلاں شخص یا اشخاص مردہ یا زندہ کو پہونچے۔ اب ان تمام تمہیدات کے بعد اصل سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ فاقول و باللہ التوفیق۔

قرآن شریف میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے بتائے گئے ہیں۔ ان میں جس طریقہ کو انجام کرے گا، مردے کو ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص سب طریقے بجالائے تو اور بہتر ہے۔

(اوّل) مغفرت کی دعا کرنا

"قَالَ تَعَالیٰ: وَالَّذِیْنَ جَاءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ" . (سورہ حشر) "اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں، خداوندا! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں"۔

تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۱۷۹ میں اس آیۃ کریمہ کے تحت میں ہے: "اعلم ان قوله والذين جاؤامن بعد هم عطف ايضا على المهاجرين وهم الذين هاجروامن بعد و قيل التابعون باحسان و هم الذين يحبيئون بعد المهاجرين و الانصار الى يوم القيمة و ذكر تعالى انهم يد عون لانفسهم و لمن سبقهم بالايمان وهوقوله يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الاية واعلم ان هذه الايات قداستوعبت جميع المومنين لانهم اماالمهاجرون او الانصارا و الذين جاء وامن بعد هم و بين ان شان من جاء بعد المهاجرين والانصار ان يذكر السابقين وهم المهاجرون والانصار بالدعاء والرحمة فمن لم يكن كذالك بل ذكرهم بسوء كان خارجامن جملة اقسام المومنين بحسب نص هذه الآيه"۔

اللہ تعالیٰ کا قول والذین جاؤ امن بعد هم عطف ہے المهاجرین پر اور وہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعد کو ہجرت کی اور بعضوں نے کہا کہ جو لوگ بھلائی کے ساتھ ان کے تابع ہوئے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے میں ان سے سابق ہوئے اور وہ باری تعالیٰ کا ارشاد یقولون ربنا اغفرلنا الایہ ہے۔ اور جان لو کہ ان آیات نے مسلمانوں کی تمام قسموں کا استیعاب کرلیا۔ اس لئے کہ مومنین یا مہاجرین ہیں یا انصار یا جو لوگ کہ ان کے بعد ہوئے اور بیان فرمایا کہ مہاجرین وانصار کے بعد جو لوگ ہوئے، ان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اگلے لوگوں یعنی مہاجرین وانصار کو دعائے خیر اور رحمت کے ساتھ یاد کریں اور جو شخص ایسا نہیں بلکہ انہیں برائی کے ساتھ یاد کرے تو وہ بحکم آیۃ کریمہ مسلمانوں کے تمام اقسام سے خارج ہے"۔

جمل حاشیہ تفسیر جلالین مصری ج ۴ ص ۳۱۷ میں ہے: "قوله الذين سبقونا بالايمان كل واحد من القائلين لهذاالقول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من غير فاضل و ينتهى الى عصرالنبى ﷺ فيدخل فى اخوانه الذين سبقوه بالايمان جميع من تقدمه من المسلمين و لايقصد بالذين سبقوه

خصوص المهاجرين والانصار لقصوره وان كان اصل سبب النزول اه شيخنا يعنى الذين سبقونا بالايمان۔" "الذین سبقونا بالایمان سے مراد یہ ہے کہ ہر کہنے والا اس قول کا من سبقه سے ان کو مراد لے جو لوگ اس زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک انتقال کر چکے ہیں تو اس صورت میں اس کے اخوان سابقین بالایمان میں تمامی وہ سب مسلمان داخل ہوں گے جو اس سے پہلے انتقال کر چکے ہیں اور اس سے فقط مہاجرین وانصار مراد نہ لے کہ اس میں تنگی اور کمی ہے اگر چہ وہی لوگ اس آیت کے اصل سبب نزول ہیں"۔

اسی طرح صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج۴ص ۱۹۶ میں ہے: وعبارته هكذا الذين سبقونا بالايمان اى بالموت عليه فينبغى لكل واحد من القائلين لهذا القول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من زمنه الىٰ عصر النبى ﷺ فيدخل جميع من تقدمه من المسلمين "۔" جب مسلمان دعا کرے اور اس میں اغفرلنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان' کہے تو اس سے یہ قصد کرے کہ جو لوگ ہم سے پہلے سابق بالایمان ہوئے ہیں یعنی جو لوگ اس کے زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک تک انتقال کر چکے ہیں تو اس میں تمامی گزشتہ مسلمان داخل ہو جائیں گے"۔

قنویٰ حاشیہ تفسیر بیضاوی مصری جلد ۷ص ۱۵۶ میں ہے:"قوله يقولون الاية وفيه ترغيب للخلف للدعا للسلف لا سيما العلما الاقدمين فانهم اباء تعليم الدين و ان الدعاء بالمغفرة اهم"۔ "اس آیۂ کریمہ میں خلف کو رغبت دینا ہے سلف کے لئے دعا کرنے کی خصوصا اگلے علما کے لئے کہ وہ دینی تعلیم کے باپ ہیں اور یہ مغفرت کی دعا سب سے اہم ہے"۔

حاشیہ شہاب خفاجی علی البیضاوی مصری جلد ۸ص ۱۸۰ ہے:"وجملة يقولون حالية والمراد بدعاء اللاحق للسابق و الخلف للسلف انهم متبعون لهم اوهو تعليم لهم بان يدعولمن قبلهم ويذكروهم بالخير"۔"اس آیۂ کریمہ میں جملہ یقولون الایۃ جملہ حالیہ ہے اور سابق کے لئے لاحق اور سلف کے لئے خلف کی دعا کا یا تو یہ مطلب ہے کہ وہ ان کے متبع ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں یا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تعلیم ہے کہ خلف کو چاہئے کہ سلف کے لئے دعا کیا کریں اور ان کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا کریں"۔

تفسیر روح البیان مصری جلد ۵ص ۲۱۰ میں ہے:"وفى الاية دليل علىٰ ان الترحم و الاستغفار واجب علىٰ المومنين الاخرين للسابقين منهم لا سيما لابائهم و معلميهم امور الدين "" آیۂ کریمہ ربنا اغفرلنا میں اس امر پر دلیل ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کے لئے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا پچھلے مسلمانوں پر واجب ہے۔خصوصا اپنے آبا واجداد اور دینی علوم کے اساتذہ کرام کے لئے"۔

قوت القلوب حضرت ابو طالب مکی جلد۲ ص ۲۴۸ میں ہے: ''قال بعض العلما لولم یکن فی اتخاذ الاخوان الا ان احد هم یبلغه موت اخیه فیترحم علیه و یدعو له فلعله یغفر له بحسن نیته و یقال من بلغه موت اخیه فترحم علیه و استغفر له کان شهد جنازة و صلی علیه و قد روینا عن رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل المیت فی قبره مثل الغریق یتعلق بکل شیء ینتظر دعوة من ولد او والد واخ وانه لید خل علیٰ قبور الا موات من دعاء الاحیاء من الانوار امثال الجبال ویقال الدعاء للاموات بمنزلة الهدایا للاحیاء فی الدنیا قال فیدخل الملك علیٰ المیت معه طبق من نور علیه مندیل من نور فیقول هذه هدیة من عند اخیك فلان من عند قریبك فلان قال یفرح بذلك کما یفرح الحی بالهدیة''۔

''بعض علما کہتے ہیں کہ اگر اخوان بنانے میں اور کوئی فائدہ نہ ہوتو یہ کیا کم ہے کہ کسی شخص کو اس کے دینی بھائی کے مرنے کی خبر پہونچتی ہے، وہ اس پر ترحم کرتا، اس کے لئے دعا کرتا ہے تو شاید دعا کرنے والے کی نیک نیتی سے اس میت کی مغفرت کردی جائے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس شخص کو اس کے بھائی کے مرنے کی خبر پہونچی پس اس نے اس پر ترحم کیا اور مغفرت کی دعا کی تو گویا اس کے جنازہ میں حاضر ہوا اور جنازہ کی نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ ﷺ سے روایت پہونچی ہے کہ میت کی مثال قبر میں ایسی ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہر چیز کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ وہ دعا کے انتظار میں ہے کہ لڑکا دعا کرے یا باپ یا بھائی اور بیشک زندوں کی دعا کی برکت سے مردوں کی قبور میں پہاڑ ایسے انوار داخل ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ مردوں کے لئے دعا کرنا ایسا ہے جیسے دنیا میں زندوں کو ہدیہ دینا۔ کہا کہ فرشتہ میت کے پاس جاتا ہے۔ اس کے ساتھ نور کا طباق ہوتا ہے جو نور کے رومال سے چھپا ہے اور کہتا ہے: یہ تحفہ تیرے فلاں بھائی کا ہے جو فلاں جگہ کا رہنے والا ہے تو وہ مردہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے جس طرح زندہ ہدیہ پاکر خوش رہتا ہے''۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم مصری جلد۱۰ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: ''عن ابن عباس عن النبی ﷺ ما المیت فی قبره الا شبه الغریق المتغوث تنتظر دعوة من اب او ام او صدیق ثقة فاذ الحقته کان احب الیه من الدنیا وما فیها لان الله عزوجل لید خل علیٰ اهل القبور من دعاء اهل الدنیا امثال الجبال و ان هدیة الاحیاء للاموات الاستغفار لهم والصدقة عنهم'' (رواه الدیلمی فی مسند الفردوس ورواه البیهقی فی شعب الایمان)

''دیلمی مسند الفردوس اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً راوی کہ نہیں ہے مردہ اپنی قبر میں مگر مثل ڈوبتے ہوئے کے، طالب، فریادرس ہے انتظار کررہا ہے باپ یا ماں یا معتمد دوست

کی دعا کا، تو جب دعا اسے پہونچتی ہے اس کی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑ جیسے خیر و برکات وانوار داخل کرتا ہے اور بیشک مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ ان کی مغفرت چاہنا اور ان کی طرف سے صدقہ دینا ہے''۔

حضرت شیخ مجدد اکثر تعزیتی خطوط میں اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے دعا و صدقہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔

مکتوبات جلد اول ص ۱۱۰ مکتوب ہشتاد و نہم میں ہے: ''مرحومہ شما دریں اوان بسے مغتنم بودند۔ الحال بر شمایاں لازم است کہ مکافات احسان باحسان بکنید و بدعا و صدقہ ساعت بساعت مدد نمائند فان المیت کالغریق ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق''۔ ''تمہارے (میت) مرحومہ بڑے احسان کرنے والے تھے۔ اب تم پر یہ لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا اور صدقہ سے ہر وقت ان کی مدد کرو۔ اس لئے کہ میت مثل غریق کے ہے۔ انتظار کرتا ہے اپنے رشتہ داروں باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعاؤں کا جو اسے پہونچتی ہے''۔

نیز مکتوب جلد اول ص ۱۲۱ مکتوبات صد و چہارم میں ہے: ''مصیبت بر رفتن نیست بر حال رونده الی الحبیب ست تا با وچہ معاملہ کنند۔ بدعا و استغفار و تصدق امداد باید نمود قال رسول اللہ ﷺ ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او صدیق الی قولہ وان ہدیتہ الاحیاء الیٰ الاموات الاستغفار لھم''۔ ''مصیبت جانے پر نہیں ہے (بلکہ) دوست کی طرف جانے والے کے حال پر ہے یہاں تک کہ مردہ منتظر رہتا ہے کہ دیکھیں لوگ کس طرح (میرے دوست) معاملہ کرتے ہیں (لہذا) دعا اور استغفار اور تصدق کے ذریعہ مدد کرنی چاہئے۔ (جیسا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت قبر میں مثل ڈوبنے والے، فریاد کرنے والے کے ہے۔ انتظار کرتا ہے ان دعاؤں کا جو پہونچتی ہیں اس کو باپ یا ماں یا دوست کی طرف سے۔ الیٰ قولہ۔ بیشک زندوں کے تحفے مردوں کے لئے ان کے (مردوں) لئے استغفار کرنا ہے''۔

قرآن شریف کی آیت، تفاسیر کی عبارت، علمائے کرام کی صراحت، احادیث کی دلالت نے مردوں کے لئے ایصال ثواب کے طریقہ کو بہت صاف طور پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں پر نہ صرف مستحب بلکہ بقول علامہ حقی واجب ہے کہ گزشتہ مسلمانوں خصوصاً اپنے آباؤ اجداد و علمائے کرام و مشائخ عظام کے ایصال ثواب کے لئے ان کی مغفرت کی دعا کیا کریں ورنہ حسب تصریح امام رازی مسلمانوں کی تیسری قسم بھی شامل ہونا معلوم۔

(دوم) ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا

قال تعالیٰ: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيْرًا (بنی اسرائیل رکوع ۳) ''ماں باپ کے لئے دعا کرو اور کہو کہ خداوندا ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپنے میں مجھے پالا''۔

تفسیر روح المعانی مصری جلد۳ص ۵۰۸ میں ہے:"والظاهر ان الامر للوجوب فيجب على الولدان يدعو لوالديه بالرحمه" ۔"اس آیت سے ظاہر یہ بات ہے کہ اولاد پر واجب ہے کہ والدینکے لئے رحمت کی دعا کیا کریں"۔اس لئے کہ امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

حمل مصری حاشیہ تفسیر جلالین جلد۲ص ۶۲۲ میں ہے:"قوله وقل رب ارحمهما ای ادع لهما ولو خمس مرات فی اليوم والليلة "(كذا فی الصاوی جلد ۲ ص ۲۷۱) "آیۃ کریمہ و قل رب ارحمهما کے یہ معنی ہیں کہ ماں باپ کے لئے رحمت کی دعا کیا کرے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم دن رات میں صرف پانچ ہی دفعہ سہی"۔

تفسیر روح البیان جلد۵ص ۱۴۸ میں ہے:"وقل رب ارحمهما و ادع الله ان يرحمهما برحمته الباقية ولاتكتف برحمتك الفانيه"۔ "اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اپنی رحمت باقی کے ساتھ ان پر رحم کرے۔تم فقط اپنی رحمت فانی پر اکتفانہ کرو کہ جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ سلوک کرو"۔

اسی میں ہے:"سئل ابن عيينه عن الصدقة عن الميت فقال كل ذلك واصل اليه ولا شئ انفع له من الاستغفار ولو كان شئى افضل منه لامرت به فی الابوين و يعضده قوله عليه السلام ان الله ليرفع درجة العبدفی الجنة فيقول باستغفار ولدك وفی الحديث من سار قبر ابويه او احد هما فی كل جمعة كان باراً۔ "ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا کیسا ہے اور یہ پہونچتا ہے کہ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ اس کے لئے کیا جائے گا،سب اس کو پہونچے گا اور کوئی چیز استغفار سے بڑھ کر نہیں۔اس لئے کہ اگر کوئی چیز استغفار سے افضل ہوتی تو والدین کے حق میں اسی کا حکم ہوتا اور اس کی تائید حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندہ کا درجہ بلند فرمائے گا۔وہ بندہ کہے گا میرے مولیٰ یہ رتبہ مجھ کو کس طرح ملا؟ ارشاد ہوگا کہ تیرے لڑکے کے استغفار کی وجہ سے اور حدیث شریف میں کہ جو شخص جمعہ کے دن ماں باپ یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کیا کرے،وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں باریعنی نیکو کار گنا جائے گا"۔

تفسیر ابی مسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد۵ص ۵۷۲ میں ہے:"ولا تكتف برحمتك الفانية بل ادع اللهلهما برحمته الواسعة الباقية وقل رب ارحمهما برحمتك الدنيوية والاخروية التی من جملتها الهداية الى الاسلام فلاينافی ذلك كفرهما"۔ "والدین کے حق میں فقط اپنی فانی رحمت پر اکتفانہ کر بلکہ ان دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کی وسیع باقی رحمت کے لئے دعا کر اور یوں کہہ کہ خداوندا! ان دونوں پر اپنی دنیوی و اخروی رحمت کے ساتھ رحم فرما اور منجملہ اخروی رحمت کے اسلام کی طرف رہبری بھی ہے تو اگر کسی کے ماں باپ کافر

ہوں، جب بھی اس دعا میں مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ کفر اس دعا کے منافی نہیں''۔

(سوم) میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا:

قال تعالیٰ: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (سورہ براۃ رکوع ۱۳)

''اور ان کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھئے اس لئے کہ آپ کا ان پر نماز جنازہ پڑھنا ان کے لئے سکون و وقار ہے''۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دونوں ہیں۔ اول دعا مغفرت کرنا۔ اس معنی کر یہ پہلے طریقہ کی دلیل ہوگی اور بعض علما نے اس آیت کی تفسیر نماز جنازہ سے کی ہے۔ تب یہ آیت تیسری صورت کی دلیل ہوگی۔

تفسیر البحر المحیط جلد۵ ص ۹۵ میں ہے: ''قال في الكافي الصلوٰة علىٰ الميت مشروعة لقوله تعالىٰ وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم''۔ ''کافی میں ہے کہ جنازہ کی نماز مشروع ہے اور اس کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ ارشاد وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم ہے''۔

تفسیر روح المعانی جلد۳ ص ۳۲۵ میں ہے: ''والحمل علىٰ صلاة الميت بعيد و ان روى عن ابن عباس رضي الله عنهما''۔ ''آیۃ کریمہ وصل عليهم سے نماز جنازہ مراد لینا بعید ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے''۔

اس عبارت نے اتنا پتہ دیا کہ صل عليهم سے نماز جنازہ مراد لینا نہ صرف صاحب البحر المحیط اور صاحب کافی کی ذاتی رائے ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی و منقول ہے۔ رہا علامہ آلوسی بغدادی مولف روح المعانی کا باوجود روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کو بعید بتانا، عقل و علم سے بعید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جلالتِ شان علمی اور وہ بھی خاص فن تفسیر میں اس سے ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء اللهم علمه الكتاب فرمائی۔ وہ اس آیت کی یہ تفسیر فرماتے ہیں اور الفاظ قرآن اس کو مقتضی۔ علمائے کرام نماز جنازہ کے ثبوت و استدلال میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ روح البیان والے اس کو نقل کر کے مقرر رکھتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے علامہ آلوسی اس کو بعید کہتے ہیں۔ ثابت بالحدیث اور صحابی کے قول کو تفسیر قرآن میں بعید بتانا، سخت جرأت اور شان علم و عقل سے بہت ہی بعید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تفسیر الدر المنثور جلد۳ ص ۲۷۵ میں اس آیت کی تفسیر میں منجملہ اور احادیث کے ایک یہ حدیث لکھتے ہیں: ''واخرج ابن ابی شيبه عن خارجة بن زيد عن عمه يزيد بن ثابت و كان اكبر من زيد قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما وردنا البقيع اذا هو بقبر جديد فسأل عنه

فقالوا افلانة فعرفها قال افلا اذ نتمونی بها فقالو اکنت قائلا فکرهنا ان نوذیك فقال لا تفعلو امامات منکم میت مادمت بین اظهرکم الا اذنتمونی فان صلاتی علیه رحمة"۔"ابن ابی شیبہ نے حضرت یزید بن ثابت سے روایت کیا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔جب جنت البقیع پہونچے تو حضور نے ایک نئی قبر ملاحظہ فرمائی۔آپ نے پوچھا۔لوگوں نے کہا کہ فلاں عورت کی قبر ہے تو آپ نے اس کو پہچان لیا۔ارشاد ہوا کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ خبر دی؟ لوگوں نے کہا حضور قیلولہ فرمارہے تھے،اس لئے ہم نے ناپسند کیا کہ حضور کو تکلیف دیں۔ارشاد ہوا کہ ایسا نہ کیا کرو۔جب تک میں تم میں ہوں تو نہ انتقال کرے تم میں کوئی شخص مگر مجھے ضرور خبر دیا کرو۔اس لئے کہ میرا نماز پڑھنا میت کے لئے رحمت ہے"۔"والحدیث رواہ بن ماجة فی سننه و ابن حبان فی صحیحه والحاکم فی المستدرك فی الفضائل و سکت عنه و روی نحوه البخاری ومسلم ص ۳۱۰ و ابوداؤد الطیالسی ص ۳۲۱۔

اس مسئلہ کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا:لاتصل علیٰ احد منهم مات ابدا (سورہ براءۃ) یعنی منافقین میں جو شخص مرجائے اس کی جنازہ کی نماز آپ نہ پڑھیں۔

تفسیر بیضاوی شریف میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ہے:"والمراد من الصلاۃ الدعاء للمیت والاستعفار له وهو ممنوع فی حق الکافر"۔"صلاۃ سے مراد میت کے لئے دعا اور اس کے لئے مغفرت چاہنا ہے اور کافر کے لئے یہ منع ہے"۔

حاشیہ خفاجی علی البیضاوی جلد۴ ص ۳۵۲ میں ہے:"ان المراد بالصلاۃ علیه صلاۃ المیت المعروفة وانما منع منها علیه لان صلاۃ المیت دعاء واستغفار و استشفاع له و قد منع من الدعاء لمیتهم فیما تقدم فی هذه السورة لقوله تعالیٰ سواء علیهم استغفرت لهم اولم تستغفر لهم لن یغفرالله لهم و قوله تعالیٰ ان تستغفر لهم سبعین مرة فلن یغفر الله لهم"۔"اس آیت میں صلاۃ سے مراد نماز جنازہ معروفہ ہے اور منافقین کے لئے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنا،دعا و استغفار اور شفاعت کرنا ہے اور منافق مردوں کے لئے دعا کرنا پہلے غیر مفید و ممنوع ہو چکا ہے۔ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں بخشے گا"۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب منافقین کے لئے استغفار،دعا،نماز جنازہ ممنوع ہے تو ضروری ہے کہ سلمانوں کے لئے یہ سب باتیں نہ فقط جائز بلکہ مامور و مشروع ہوں ورنہ ان کی تبکیت و تذلیل کیا ہوگی؟

امام رازی تفسیر کبیر جلد۴ص ۷۰۹ میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں: "اعلم انه تعالیٰ امر رسوله بان یسعیٰ فی تخذ یلهم و اهانتهم واذلا لهم فالذی سبق ذکره فی الآیة الاولی وهو منعهم من الخروج معه الیٰ الغزوات سبب قوی من اسباب اذلالهم واهانتهم وهذاالذی ذکره فی هذه الایة وهو منع الرسول من ان یصلی علیٰ من مات منهم سبب اخر قوی فی اذلالهم و تخذیلهم" ۔"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ منافقین کے رسوا کرنے ،اہانت کرنے ،ذلیل کرنے کی کوشش کریں تو آیت گزشتہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جانے کی ممانعت کرنا ،ایک قوی سبب ان کے ذلت وا ہانت کا ہے اور جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی نبی ﷺ کو ان کی نماز جنازہ سے روک دینا ،ان کی تذلیل ورسوائی کا دوسرا قوی سبب ہے"۔

(چہارم) مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور اس جگہ ٹھہرنا

قال تعالیٰ: وَ لَا تَقُمْ عَلیٰ قَبْرِہٖ (سورہ براءہ رکوع ۱۱)

تفسیر بیضاوی میں ہے: "ولا تقف عند قبره للدفن اوللزیارة"۔

حاشیہ قنوی علی البیضاوی جلد۴ص ۷۱ میں ہے: "ای النهی عن القیام نهی عن الوقوف مطلقا کنایة او مجاز او کان ﷺ یقوم علیٰ قبورا لمنافقین ویدعولهم ثم نهی عن ذلك حین مات رئیس المنافقین" ۔"قیام سے ممانعت مطلقاً ٹھہرنے سے کنایتاً یا مجازاً ممانعت ہے اور حضور اقدس ﷺ پہلے منافقین کی قبروں پر بھی ٹھہرتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرا تو اس سے ممانعت ہوگئی"۔

تفسیر کبیر جلد۴ص ۷۱۰ میں ہے: "ثم قال و لا تقم علیٰ قبره وفیه و جهان۔ الاول قال الزجاج کان رسول الله ﷺ اذادفن المیت وقف علیٰ قبره و دعاله فمنع ههنا منه الثانی قال الکلبی لا تقم باصلاح مهمات قبره" ۔"آیت کریمہ ولا تقم علیٰ قبره کی دو تفسیریں ہیں۔اول زجاج نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب کسی میت کو دفن کرتے ،اس کی قبر پر ٹھہرتے اس کے لئے دعا کرتے تو اس سے منع کر دیئے گئے کہ مہمات قبر کی اصلاح کے لئے آپ منافقوں کی قبر پر نہ ٹھہریں"۔

تفسیر ابوسعود جلد۴ص ۷۰۲ میں ہے: "ای لا تقف علیه للدفن اوللزیارة اوللدعاء" ۔"منافق کی قبر پر آپ کھڑے نہ ہوں ،نہ دفن کے لئے ،نہ زیارت کے لئے ،نہ دعا کے واسطے"۔

تفسیر روح البیان جلد۲ص ۵۵۹ میں ہے: "ولا تقم علیٰ قبره ای لاتقف عند قبره للدفن اوللزیارة والدعاء و کان النبی ﷺ اذادفن المیت و قف علیٰ قبره و دعا له انهم کفروابالله و رسوله تعلیل

للنهی علیٰ ان الا ستغفار للمیت والو قوف علیٰ قبره انما یکون لا ستصلا حه و ذلك مستحیل فی حقهم لا نهم استمر واعلیٰ الکفر بالله و برسوله مدة حیاتهم قال الحافظ۔

بہ آب کوثر وزمزم سفید نتواں کرد گلیم بخت کسے راکہ بافتند سیاہ

آیت کریمہ ولا تقم علی قبرہ کے یہ معنی ہیں کہ آپ منافق کی قبر پر نہ ٹھہریں دفن یا زیارت اور دعا کے لئے اور حضور اقدس ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب مردہ دفن کیا جاتا تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور اس کے لئے دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انہم کفروا باللہ و رسولہ اس نہی کی علت ہے۔ اس لئے کہ میت کے لئے استغفار اور اس کی قبر پر ٹھہرنا، اس کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے اور یہ منافقوں کے حق میں محال ہے، چونکہ وہ مدۃ العمر اللہ ورسول کے ساتھ کفر پر مستمر رہے، جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی فرمایا۔

''جس کے نصیبے کے گلیم کی بنت ہی سیاہ ہو، اسے کوثر وزمزم کا پانی بھی سفید نہیں کرسکتا۔ ۱۲ ساحل''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ان سیہ بختان قسمت کے حق میں ان کے کفر کے سبب غیر مفید ہونے کی وجہ سے جب قبر پر ٹھہرنا منع کردیا گیا تو مسلمانوں کے لئے وہ حکم بدستور باقی رہا چونکہ ان کے لئے مفید ہے۔

بالجملہ قرآن شریف کی ان آیات کریمہ سے ایصال ثواب کے چار طریقے ثابت ہوئے۔ اول دعائے مغفرت، دوم دعائے رحمت، سوم نماز جنازہ چہارم قبر پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔ ان میں نماز جنازہ کی ترکیب تو مفصل طریقے پر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ رہا دعائے مغفرت و دعائے رحمت کرنا اور قبر پر ٹھہرنا تو قرآن شریف میں اس کا مفصل بیان مذکور نہیں کہ کس طرح دعا کرنی چاہئے اور اس کے آداب وشرائط کیا ہیں؟ لیکن اہل علم وفہم پر مخفی نہیں کہ جب یہ دعا ہے تو جو آداب وشرائط دعا کے اپنی جگہ مرقوم ومکتوب ہیں، اس دعا کے لئے بھی ان کا لحاظ ضروری ہے۔ وہ بہت امور ہیں جن کا مفصل بیان اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مستقل تصنیف ''احسن الوعاء لآداب الدعاء'' اور اعلی حضرت امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین (۱۳۴۰ھ) سیدی مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی کے حاشیہ مسمی بہ ''ذیل المدعا لاحسن الوعا'' میں مذکور ہے۔ اگر ان سب امور کا لحاظ نہ کرسکیں تو کم از کم دو تین بات کا خیال کرنا ضروری ہے تا کہ جو دعا کریں، امید قبولیت قوی ہو۔

اوّل: کچھ سورتیں یا آیتیں قرآن شریف کی پڑھیں کہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

کنز العمال جلد اص ۱۲۹ ہے: ''عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان لقاری القرآن دعوة مستجا بة فان شاء صاحبها عجلها فی الدنیا و ان شاء اخرها الی الآخرة ''(رواه بن

امردویہ)''قرآن شریف پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے تو اگر چاہے دنیا میں جلد لے لے اور اگر چاہے آخرت کے لئے موخر کرے''۔

اسی میں ہے ص۱۳۲:''عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر کم من قرء القران و اقراہٗ لحامل القرآن دعوۃ مستجابۃ یدعو بھا فیستجاب لہ''(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)''تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف پڑھے اور قرآن شریف پڑھائے اور حافظ قرآن کی دعا مستجاب ہوتی ہے جو دعا کرتا ہے قبول کی جاتی ہے''۔

اسی میں ہے ص۱۳۳:''عن عمران ابن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ من قرء القرآن فلیسا ل اللہ بہ فانہ سیاتی اقوام یقرؤن القرآن ویسألون بہ الناس''(رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی شعب الایمان) ''جو شخص قرآن شریف پڑھے، اسے چاہئے کہ خداوند عالم سے اس کے وسیلے سے سوال کرے اس لئے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن پڑھے گی اور لوگوں سے اس کے ذریعے سوال کرے گی''۔

اب رہی یہ بات کہ کون کون سورہ پڑھے۔کون کون آیتیں پڑھے؟ اس میں اختیار ہے۔کوئی خاص سورہ ضروری نہیں۔ہاں! جن جن سورتوں کا ثواب خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے، جیسے سورۂ فاتحہ یا اول و آخر بقرہ، آیۃ الکرسی، سورہ یٰسین، انا اعطینا، قل یایہا الکفرون، قل ہواللہ، معوذتین وغیرہ ان کا پڑھنا افضل واعلیٰ ہے۔

کنز العمال جلد۱ص۱۳۹ میں ہے:''عن ابی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ماانزل اللہ فی التوریۃ والا نجیل مثل ام القران وھی السبع المثانی'' (روداہ الترمذی والنسائی)''توریت و انجیل میں کوئی سورہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے مثل نہیں نازل کی اور یہ سبع مثانی ہے''۔

اسی میں ہے ص۱۳۹:''عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ فاتحۃ الکتاب تجزی مالا تجزی شیء من القرآن ولوان فاتحۃ الکتاب جعلت فی کفۃ المیزان و جعل القرآن فی الکفۃ الا خری لفضلت فاتحۃ الکتاب علیٰ القران سبع مرات''(رواہ الدیلمی مسند الفردوس)''سورہ فاتحہ اس کام میں کفایت کرتی ہے کہ کوئی چیز قرآن سے کفایت نہیں کرتی اور اگر سورہ فاتحہ ایک پلہ میں رکھی جائے اور بقیہ قرآن دوسرے پلہ میں تو سورۂ فاتحہ اس سے سات گنا زیادہ ہو۔اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے''۔''وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ افضل القرآن الحمد اللہ رب الغلمین'' (رواہ الحا کم والبیھقی فی شعب الایمان) سورۂ فاتحہ قرآن شریف میں سب سے افضل ہے''۔

اسی میں ہے:''عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اربع انزلت من کنز

تحت العرش ام الکتاب وایة الکرسی و خواتیم البقرة والکوثر"(رواه الطبرانی فی الکبیر وابوالشیخ والضیاء)" چار سورتیں ہیں جو اس خزانہ سے نازل کی گئیں جو عرش کے نیچے ہے سورۂ فاتحہ آیۃ الکرسی خواتیم سورۂ بقرہ اور سورۂ کوثر"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۰:"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لكل شیء سنام وان سنام القرآن سورة البقرة وفيها اية هی سيده ای القرآن آية الكرسی"(رواه الترمذی) "ہر چیز کے لئے چوٹی ہے اور قرآن شریف کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے یعنی آیۃ الکرسی"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۱:"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ سورة البقرة فيها اية سيده ای القران لا تقرء فی بيت وفيه شيطان الاخرج منه اية الكرسی"۔"سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کے تمام آیتوں کی سردار ہے۔نہیں پڑھی جائے گی یہ آیت کسی ایسے گھر میں جس میں شیطان ہو مگر اس کی برکت سے شیطان دفع ہو جائے گا، وہ آیت الکرسی ہے"۔

اسی میں ہے ص ۱۴۴:"عن انس قال قال رسول الله ﷺ ان لكل شیء قلب وقلب القرآن يٰس۔ من قراء يٰس كتب له بقرآء ته قرآء ة القران عشر مرات"۔"ہر چیز کے لئے دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورہ یٰس ہے جو شخص سورہ یٰس پڑھے۔اس کے لئے اس کے پڑھنے کا اجر و ثواب دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کے برابر لکھا جائے گا"۔

اسی میں ص ۱۴۴ پر ہے:"من قرء يٰس ابتغاء وجه الله غفرالله له ماتقدم من ذنبه فاقرء وها عند موتاكم (رواه البيهقی فی شعب الايمان عن معقل بن يسار)"۔"جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کو لئے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے گناہ بخش دے گا تو اس سورہ کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو"۔

اسی میں ہے:"عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال قال رسول الله ﷺ قل يايها الكفرون تعدل ربع القرآن" (رواه الطبرانی فی الكبير والحاكم)۔"قل یایہا الکفرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے"۔

اور قل ھو اللہ احد کا تو کیا کہنا کے اس کے فضائل اظہر من الشمس ہیں۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۴۵ میں ہے:"عن ابی سعيد الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ قل هو الله احد تعدل ثلث القران۔ (رواه الامام مالك والامام احمد والبخاری وابو داؤد الترمذی ورواه مسلم عن ابی الدرداء و رواه الترمذی وا بن ماجة عن ابی هريرة و رواه النسائی

عن ابی ایوب ورواہ الامام احمد وابن ماجۃ عن ابی مسعود الانصاری و رواہ الطبرانی عن ابن مسعود ورواہ البزار عن جابروابی عبیدۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین"۔

"ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قل ہواللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔اس کو امام مالک اور امام احمد اور بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ابودرداء سے روایت کیا اور روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور روایت کیا اس کو نسائی نے ابوایوب سے اور روایت کیا اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے ابومسعود انصاری سے اور روایت کیا اس کو طبرانی نے ابن مسعود سے اور روایت کیا اس کو بزار نے جابر اور ابوعبیدہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین"۔

اسی میں ہے:"عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ انزل علی ایات لم یر مثلهن قط قل اعوذبرب الفلق و قل اعوذبرب الناس (رواہ الامام احمد و الترمذی والنسائی) و فی روایۃ اقرء المعوذتین فانك لن تقرء مثلها"۔ (رواہ الطبرانی عنه) و فی روایۃ یا عقبۃ الاعلمك خیر سورتین قرء تاقل اعوذبرب الفلق و قل اعوذبرب الناس یا عقبۃ اقرء بهما کلما نمت و قمت ما سئال سائل ولا استعاذ مستعیذ بمثلهما" (رواہ الامام احمد والنسائی والحاکم عن عقبت بن عامر)۔"مجھ پر چند آیتیں نازل ہوئیں کہ ان کے مثل کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔وہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔معوذتین پڑھا کرو،اس لئے کہ تم ہرگز ان کے مثل نہ پڑھو گے۔مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں بے مثل ہیں"۔ایک روایت میں ہے:اے عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین صورتیں نہ بتاؤں قل اعوذ برب الفلق ،قل اعوذ برب الناس۔اے عقبہ،ان دونوں سورتوں کو پڑھو جب سوؤ اور جب کھڑے ہو۔نہیں سوال کیا کسی کرنے والے نے اور نہ پناہ پکڑا کسی پناہ پکڑنیوالے نے کسی چیز کے ساتھ جو مثل ان دوسورتوں کے ہو یعنی یہ دونوں ہر چیز سے بہتر ہیں"۔

دوم: اول و آخر درود شریف پڑھیں کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھی جائے۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۲۳ میں ہے:"عن علی کرم اللہ وجهه کل دعاء محجوب حتیٰ یصلی علی النبی ﷺ"۔ (رواہ البیهقی فی شعب الایمان ورواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه)۔"بیہقی شعب الایمان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی۔ہر دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہونے سے رکی ہوئی ہوتی ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے"۔

اسی میں ص ۲۱۳ ہے:"عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنهما قال ان

الدعاء موقوف بین السماء والا رض ولا یصعد منہ شیء حتیٰ تصلی علیٰ نبیك صلی اللہ علیہ و سلم۔ رواہ الترمذی قال الحافظ العراقی فی شرحہ وھوان کان موقوفا علیہ فمثلہ لا یقال من قبل الرائی وانما ھوامر توقیفی فحکمہ حکم المرفوع کماصرح بہ جماعۃ من الائمۃ اھل الحدیث والاصول"۔ ''حضرت سعید بن میتب، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دعا آسمان وزمین میں رکی ہوئی رہتی ہے، وہ اوپر بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود شریف نہ بھیجا جائے ۔اسے ترمذی نے روایت کیا، حافظ عراقی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگر چہ موقوف ہے مگر ایسی بات اپنی عقل سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا ہے۔ یہ تو شارع ہی کی طرف سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث و علمائے اصول نے تصریح فرمائی۔

"عن عمر قال ذکرلی ان الدعاء یکون بین السماء والا رض لا یصعد منہ شیء حتی یصلی علیٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابن راھویہ بسند صحیح"۔ ''محدث ابن راہویہ نے صحیح سند سے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان رہتی ہے، بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ بھیجا جائے''۔

"عن عمر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذادعا الداعی فان الدعاء موقوف بین السماء والارض فاذاصلیٰ علیٰ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم رفع رواہ الدیلمی وعبد القادر الرھاوی فی الاربعین وقال وروی عن عمر موقوفا من قولہ وھوا صح من المرفوع"۔ ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو اس کی دعا آسمان وزمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے۔ جب نبی صلی اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تب وہ بلند ہوتی ہے۔ اس حدیث کو دیلمی اور عبد القادر رہاوی نے اربعین میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حضرت عمر سے موقوفا بھی مروی ہے اور وہ باعتبار سند، مرفوع سے اصح ہے''۔

اسی میں ص ۲۱۴ ہے: ''عن علی رضی اللہ عنہ قال کل دعا محجوب عن السماء حتیٰ یصلی علیٰ محمد و علیٰ ال محمد رواہ عبید اللہ بن ابی حفص العیشی فی حدیثہ و عبدالقادر الرھاوی فی الاربعین والطبرانی فی الکبیر و البیھقی فی شعب الایمان" ۔''کوئی دعا آسمان تک نہیں جاتی، جب تک محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے''۔ ۱۲ ساحل۔

اس حدیث میں علی محمد کے بعد وعلیٰ آل محمد زائد ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ درود شریف کامل پڑھے جس

میں آل واصحاب سب کا ذکر ہو۔

سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل صالح کرے کہ خداوند عالم کی رحمت اسکی طرف متوجہ ہو

خصوصاً صدقہ کہ اس باب میں اثر تمام رکھتا ہے:"قال تعالیٰ: یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰیکُمْ صَدَقَۃً (سورہ مجادلہ رکوع ۲)"

"مسلمانو جب تم رسول خدا سے مناجات کرنا چاہو تو قبل مناجات صدقہ دے لو"۔

تفسیر خازن جلد۴ص ۲۴۱ میں ہے:"یعنی اذا اردتم مناجاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الانسان اذاوجد الشئی بمشقۃ استعظمہ وان وجدہ بسھولۃ استحقرہ ونفع کثیر من الفقراء بتلک الصدقۃ المقدمۃ قبل المناجاۃ و مثلہ فی التفسیر الکبیر جلد ۸ ص ۱۶۶"۔"یعنی اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات کا ارادہ کرو تو قبل سرگوشی کرنے کے صدقہ دو اور اس صدقہ دینے کا فائدہ رسول سے مناجات کی تعظیم ہے۔اس لئے کہ آدمی جب کسی چیز کو مشقت اٹھا کر حاصل کرتا ہے تو اس کی قدر ہوتی ہے اور جو چیز بے دردسر حاصل ہوتی ہے وہ بے قدر ہوتی ہے۔دوسرا فائدہ اس صدقہ کا بہتیرے فقرا کو نفع پہنچانا ہے"۔

مقام غور ہے کہ جب رسول سے مناجات کی یہ قدر ہے تو خدا سے مناجات وعرض حاجات کی اہمیت کا مقتضیٰ اسی سے ظاہر ہے۔یہ مانا کہ اب یہ حکم ماموروں مفروض نہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ استحباب ومندوبیت میں کلام نہیں اور فقراء کو اس سے نفع پہونچنا تو ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے: یہی آیت مسلمانوں کے اس دستور اور معمول بہ کی اصل اصیل ہے کہ جب بزرگوں کے مزار پر فاتحہ وزیارت کے لئے جاتے ہیں تو شیرینی وغیرہ کوئی چیز فقراء پر تصدق کرنے کے لئے لے جایا کرتے ہیں۔اب ان سب آیتوں اور حدیثوں کو عملاً جمع کرنے کے بعد ایصال ثواب کی بہترین صورت یہ ثابت ہوئی کہ جب کسی میت بزرگ یا خرد، استاد یا مشائخ کے لئے ایصال ثواب چاہیں تو قبر پر اس کے جائیں اور شیرینی وغیرہ صدقہ کے لئے لائیں پھر قرآن شریف کی سورتیں یا آیتیں پڑھیں پھر اول آخر درود شریف پڑھ کر اس میت کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید قبولیت کی ہے اور یہی طریقہ ہے جو سلفاً خلفاً مسلمانوں میں ایصال ثواب کا شائع ومروج ہے واللہ تعالیٰ علم۔

(جواب سوال دوم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے تھے، جن میں سے غور وتامل کے بعد اس وقت فقیر

کے خیال میں پچیس طریقے احادیث قولی وفعلی واقوال علمائے کرام سے صراحۃً ثابت ہوتے ہیں نیز اس وقت تک علما ومشائخ کے تعامل وتوارث سے ان کی تائید وتقویت ہوتی ہے۔فاقول وباللہ التوفیق و به الوصول الیٰ ذری التحقیق۔

پہلا طریقہ: سورہ یٰسین شریف پڑھنا ہے جس کا کرنا وقت احتضار ہی سے ثابت ہے

سنن ابی داؤد جلد۲ص ۸۹ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:''اقرء وایس علیٰ موتا کم'' (ورواه ابن ماجة والنسائی واعله ابن القطان و صححه ابن حبان)''۔''اپنے مردوں پر سورہ یٰس پڑھو''۔

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۲ص ۲۸۲ میں ہے:''قال القرطبی حدیث اقرء وا علیٰ موتا کم یٰس هذا یحتمل ان تکون عند قبره کذاذ کره السیوطی فی شرح الصدور''۔''علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اقراء و اعلی موتا کم یس اس حدیث کا دو مطلب ہے۔اول یہ کہ مرنے والے کے پاس اس کی حیات میں پڑھی جائے اور دوسرا یہ کہ اس کی قبر پڑھی جائے۔اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں ذکر کیا ہے''۔

''وعن معقل بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من قرء یٰس ابتغاء وجه اللہ غفر اللہ له ماتقدم من ذنبه فاقرؤ ها عند موتا کم''۔

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سورہ یٰس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کردے تو تم اسے مردوں کے پاس پڑھا کرو''۔(ورواه البیهقی فی شعب الایمان ،کنز العمال جلد اول ص ۱٤٤)

مرقات شرح مشکوہ جلد۲ص ۲۰۶ میں تحریر فرماتے ہیں:''(فاقرؤ ها عند موتاکم) ای مشرفی الموت او عند قبور امواتکم فانهم احوج الیٰ المغفرة''۔''موتیٰ سے مراد وہ ہیں جو قریب مرگ ہیں یا یہ مطلب ہے کہ مردوں کی قبور کے پاس سورہ یٰس پڑھو۔اس لئے کہ وہ لوگ مغفرت کے زیادہ تر محتاج ہیں''۔

دوسرا طریقہ: میت کو چومنا اور بوسہ دینا

''عن ام المومنین الصدیقة رضی اللہ عنها قالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قبل عثمان بن مظعون وهو میت وهو یبکی حتی سال دموع النبی صلی اللہ علیه وسلم علیٰ وجه عثمان'' (رواه ابو داؤدا لترمذی وا بن ماجة ورواه ابوداؤد الطیالس ی الیٰ ص ۲۰۱ قوله وهو میت)۔''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ وہ مردہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے، یہاں تک کہ حضور کے آنسو حضرت عثمان کے چہرے پر بہے''۔

''وعنها قالت اقبل ابو بکر رضی اللّٰہ عنه علیٰ فرسه من مسکنه بالسخ حتی نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علیٰ عائشه رضی اللّٰہ عنها فتیمم النبی صلی الله علیه وسلم وهو مسجی ببرد جرة فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله فبکی الحدیث'' ۔(رواه البخاری وروی الترمذی وابن ماجة وابو دائود الطیالسی ص ۲۳۷ و مثله مختصر اولفظ ابی دائود فقبل جبهته و عنها ان ابابکر قبل بین عینی النبی صلی الله علیه وسلم وهو میت (رواه النسائی فی باب تقبیل المیت واین یقبل منه)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر اپنے مکان سے جو سخ میں واقع تھا آئے ، یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے ، مسجد میں داخل ہوئے تو کسی سے کلام نہ کیا، یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد فرمایا اور آپ بردیمانی اوڑھا دیئے گئے تھے ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی طرف جھکے پس آپ کو بوسہ دیا اور روئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اس حال میں کہ آپ وصال فرما چکے تھے ۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد۴ ص ۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ''فیه جواز تقبیل ا لمیت بفعل ا بی بکررضی الله عنه و کان ابو بکر فی تقبیله النبی ﷺ لم یفعله الا قدوة به علیه الصلوة والسلام لما روی الترمذی مصححا ان رسول الله ﷺ دخل علیٰ عثمان بن مظعون وهو میت فاکب علیه وقبله ثم بکی حتی رایت الدموع تسیل علیٰ وجنتیه''۔ ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو بوسہ دینا جائز ہے بوجہ فعل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتدا سے ، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا اور اس حدیث کو صحیح بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کے پاس ان کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے اور ان پر جھکے اور بوسہ دیا ، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ حضور کے آنسو دونوں رخساروں پر بہہ رہے ہیں ۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے ۔ شاید مسلمانوں میں بوسہ قبر کا رواج اسی حدیث کی بنا پر ہوا ہو کہ زائر کی خواہش دلی تو یہ ہوتی ہے کہ صاحب مزار کو بوسہ دے لیکن جب وہ متعذر ہے تو اوپر ہی سے بوسہ دے لینا کافی خیال کرتا ہے اور جس طرح قبر کی مٹی مردے کے دیکھنے اور زائر کا کلام سننے میں حارج نہیں ، اسی طرح بوسہ دینے میں بھی مانع نہیں ۔ اس لئے کہ قبر کی مٹی ان لوگوں کے لئے بمنزلہ شیشہ کے ہے ۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: ''قال الحافظ ابن رجب انبانی علی بن عبدالصمد بن احمد البغدادی عن ابیه قال اخبرنی قسطنطین بن عبدالله الرومی سمعت اسد بن موسیٰ یقول کان لی صدیق فمات فرائیته فی المنام وهو یقول سبحان الله جئت الیٰ قبر فلان صدیقك قرأت عنده و ترحمت علیه و انا ماجئت الی ولا قربتنی قلت له و مایدریك قال لماجئت الیٰ قبر صدیقك فلان رایتك قلت کیف رائیتنی والتراب علیك قال مارایت الماء اذاکان فی الزجاج مایبین قلت بلیٰ قال فکذالك نحن نریٰ من یزورنا'' ۔ ''حافظ ابن رجب اپنی سند کے ساتھ اسد بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ میرے ایک دوست کا انتقال ہوگیا۔ اس کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے سبحان اللہ! تم فلاں دوست کی قبر کے پاس اس کی زیارت کو آئے اور قرآن شریف پڑھا اور رحمت کی دعا کی اور نہ میرے پاس آئے اور نہ نزدیک ہوئے؟ میں نے ان سے پوچھا، تمہیں کیا معلوم؟ اس نے کہا کہ جب اپنے فلاں دوست کے پاس آئے تو میں نے تم کو دیکھا۔ میں نے کہا، تم نے مجھ کو کیسے دیکھا تم پر تو مٹی کا انبار تھا؟ کہا کہ تم نے نہیں دیکھا، پانی جب شیشہ میں ہوتا ہے کیا نہیں ظاہر ہوتا؟ میں نے کہا کیوں نہیں کہا کہ اسی طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آئے''۔

اس بوسہ قبر کی مثال ویسی ہی ہے کہ عام طور پر مسلمان قرآن شریف کو غلاف و جزودان کے ساتھ بوسہ دیتے ہیں۔ یہ بوسہ غلاف و جزدان کے کپڑے کو کوئی نہیں سمجھتا بلکہ قرآن شریف کو بوسہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر کے اوپر بوسہ اس بزرگ کو بوسہ دینا خیال کیا جائے ولنعم من قال ؎

اگر بوسہ برقبر مرداں زنی   بمردی کہ پیش آیدت روشنی

علاوہ ازیں افعال صحابہ کرام سے بھی بوسہ قبر کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔

ابن عساکر بسند جید ابو درداء رضی اللہ عنہ سے راوی: ''لما رحل عمر بن الخطاب رضی الله عنه من فتح بیت المقدس فصارا لی جابیة سأله بلا ل ان یقره بالشام ففعل وذکر قصة نزوله بداریا قال ثم ان بلالا رائی النبی ﷺ وهو یقول ماهذه الجفوة یابلال! اماآن لك ان تزورنی یا بلال! فانتبه حزینا وجلا خائفا فرکب راحلته وقصد المدینة واتیٰ قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عنده ویمرغ وجهه علیه فاقبل الحسن والحسین رضی الله عنهما فجعل یضمهما ویقبلهما الخ'' ۔ ''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس فتح کرکے واپس ہوئے اور جابیہ پہونچے تو حضرت بلال نے کہا کہ ان کو شام میں مقرر کریں۔ امیر المومنین نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد راوی نے ان کے وہاں پہونچنے اور داریا میں اترنے کا واقعہ بیان کیا

اور کہا کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس علیہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے بلال یہ کیا ظلم ہے؟ تیرے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کو آئے؟ اس خواب کو دیکھ کر وہ بہت پریشان، خوفزدہ ہو کر بیدار ہوئے اور راحلہ پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کا قصد کیا۔ جب مدینہ پہونچے تو روضۂ مطہرہ پر حاضر ہوئے۔ قبر شریف کے پاس پہونچ کر رونے اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے۔ اتنے میں حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹانے اور چومنے لگے"۔ (وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ جلد۲ ص ۴۰۸)۔

اگر بوسہ قبر مطلقاً ناجائز ہوتا تو حضرت بلال کے یمرغ وجهه علیه کے کیا معنی ہوں گے کہ یہ تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اسی میں ہے: "قال العزفی کتاب العلل والسوالات لعبدالله بن احمد بن حنبل عن ابیه روایة علی بن الصوف عنه قال عبدالله سألت ابی عن الرجل یمس منبر رسول الله ﷺ ویتبرك به ویقبله ویفعل بالقبر مثل ذلك رجاء ثواب الله تعالیٰ قال لا باس به"۔ "عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا اس شخص کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کے منبر کو مس کرتا اور اس کو بوسہ دیتا ہے اور قبر مبارک کے ساتھ بھی یہی کرتا یعنی بوسہ دیتا اور مس کرتا اور اسی میں خداوند عالم سے ثواب کی امید رکھتا ہے (اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟)۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔

وفاء الوفا جلد۲ ص ۴۴۳ میں ہے: ابوالحسین یحییٰ بن حسین اخبار مدینہ میں تحریر فرماتے ہیں: "اقبل مروان بن الحکم فاذار جل ملتزم القبر فاخذ مروان برقبته ثم قال هل تدری ماتصنع؟ فاقبل علیه فقاله نعم انی لم ات الحجر ولم آت اللبن انماجئت رسول الله صلی الله علیه وسلم لاتبکوا علیٰ الدین اذاولیه اهله ولکن ابکوا علیه اذاولیه غیر اهله قال الحنطب و ذلك الرجل ابوایوب الانصاری"۔ "مروان بن الحکم روضۂ اقدس پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک کو لپٹا ہوا ہے۔ مروان نے ان کی گردن پکڑی اور پوچھا تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں پتھر کے پاس نہیں آیا اور نہ اینٹ کے پاس آیا ہوں۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ مت رؤو دین پر جب اہل اس کے والی ہوں، البتہ اس وقت رؤو جب نااہل والی ہوں۔ مطلب بن عبداللہ بن حنطب راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جو قبر مبارک کو لپٹے ہوئے تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے"۔

وفاء الوفا جلد۲ ص ۴۴۳ میں ہے: حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی: "لما رمس رسول الله صلی الله علیه وسلم جاءت فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها فوقفت علیٰ قبره صلی

الله عليه وسلم واخذت قبضة من تراب القبرو وضعت علىٰ عينيها و بكت وانشاءت تقول"۔ ؎

ماذا علىٰ من شم تربة احمد ان لا يشم مدى الزمان غواليا

صبت على مصائبُ لو انها صبت علىٰ الايام صرن لياليا

"جب حضور اقدس صلی اللہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں۔ قبر مبارک کے پاس کھڑی ہوئیں اور تھوڑی سی خاک پاک قبر مبارک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور رونے لگیں اور یہ دو شعر پڑھے۔ جس شخص نے روضۂ اقدس کی خاک پاک سونگھنے کا شرف حاصل کیا ہو، اگر زمانہ تک کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھ پر ایسی مصیبتیں گزریں کہ اگر دنوں پر وہ مصیبتیں پڑتیں تو مارے غم کے دن رات ہو جاتے"۔

وفاء الوفا جلد۲ ص۱۴۴۴ ہی میں ہے:"وذكر الخطيب ابن حملة ان ابن عمر رضى الله عنهما كان يضع يده اليمنىٰ علىٰ القبر الشريف وان بلالا رضى الله عنه وضع خديه عليه ايضا"۔"خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنا دایاں ہاتھ قبر شریف پر رکھتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے اپنے دونوں رخساروں کو بھی قبر مبارک پر رکھا"۔

وفاء الوفا جلد۲ ص۱۴۴۴ میں ہے:"قال الحافظ ابن حجرا ستنبط بعضهم من مشروعية تقبيل الحجر الاسود جواز تقبيل كل من يستحق التعظيم من آدمى وغيره فاماتقبيل يدآدمى فسبق فى الادب واما غيره فنقل عن احمد انه سئل عن تقبيل منبر النبى صلى الله عليه وسلم و قبره فلم يربه باساً واستبعد بعض اتباعه صحته عنه و نقل عن ابن ابى الصيف اليمانى احد علماء مكة من الشافعية جواز تقبيل الصحف واجزاء الحديث و قبور الصالحين وانشد" ؎

امر على الديار ديار ليلىٰ اقبل ذاالجدار و ذا الجدار

وما حب الديار شغفن قلبى ولكن حب من سكن الديار

و نعم من قال ؎

چوں بگزری اے باد بصحرائے مدینہ یاد آر ازیں عاشق شیدائے مدینہ

کن عرض سلام بہ نیاز یکہ تو داری برکوچہ و بازار و مکانہائے مدینہ

"حافظ ابن حجر نے تقبیل حجر اسود کے مشروع ہونے سے ہر اس چیز کے بوسہ کا جواز ثابت کیا ہے جو مستحق تعظیم ہے، خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی لیکن آدمی کے ہاتھ کا چومنا ادب میں گذر۔ الیکن غیر انسان کا بوسہ تو امام احمد سے

منقول ہے کہ ان سے منبر نبوی وقبر مبارک کے بوسہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مضائقہ نہیں مگر بعض اتباع امام احمد نے اس کا انکار کیا۔ ابن ابی الصیف یمانی شافعی عالم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن شریف کا چومنا، اجزائے حدیث کا چومنا اور صالحین کے قبر کا بوسہ جائز رکھا اور طیب ناشری نے محب طبری سے نقل کیا کہ قبر کو بوسہ دینا اور اس کو چھونا جائز ہے اور کہا کہ اسی پر علما صالحین کا عمل ہے اور یہ شعر پڑھا: میں گذرتا ہوں گھروں پر یعنی لیلیٰ کے گھروں پر تو بوسہ دیتا ہوں اس دیوار کو اور اس دیوار کو اور ان گھروں کی محبت میرے دل میں نہیں کبھی لیکن اس کی محبت جو ان گھروں میں رہتا ہے''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد۴ ص ۶۰۷ میں فرماتے ہیں: ''واما تقبيل الا ماكن الشريفة على قصد التبرك و كذلك تقبيل ايدى الصالحين وارجلهم نهو حسن محمود باعتبار القصد والنية وقد سأل ابوهريرة رضى الله عنه ان يكشف له المكان الذى قبله رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو سرته فقبله تبركا باثاره وذريته صلى الله عليه وسلم وقد كان ثابت البنانى لايدع يدانس رضى الله عنه حتى يقبلها و يقول: يد مست يدرسول الله صلى الله عليه وسلم و قال ايضاو اخبرنى الحافظ ابو سعيد بن العلائى قال رايت فى كلام احمد بن حنبل فى جزء قديم عليه خط بن ناصر و غيره من الحفاظ ان الامام احمد سئل عن تقبيل قبر النبى صلى الله عليه وسلم و تقبيل منبره قال لا باس به قال فاريناه للشيخ تقى الدين ابن تيميه فصار يتعجب من ذلك و يقول عجبت احمد عندى جليل يقوله هذ كلامه اومعنى كلامه وقال واى عجب فى ذلك وقدروينا عن الامام احمد انه غسل قميصاللشافعى و شرب الماء الذى غسله به واذا كان هذا تعظيمه لا هل العلم فكيف بمقادير الصحابة و كيف بآثار الانبياء عليهم الصلوة والسلام"۔

''ہمارے شیخ زین الدین نے فرمایا کہ متبرک مقامات کا بقصد تبرک بوسہ دینا اور اسی طرح بزرگوں کے ہاتھ پاؤں کو چومنا بہتر اور پسندیدہ ہے باعتبار قصد اور نیت کے اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس جگہ کو کھولئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا تھا اور وہ جگہ ناف ہے۔ پس حضرت ابو ہریرہ نے اس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور ذریت کے ساتھ برکت لینے کے لئے بوسہ دیا اور ثابت بنانی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ اس پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مس کیا ہے اور فرمایا کہ مجھے حافظ ابوسعید ابن علائی نے خبر دی کہ میں امام احمد ابن حنبل کا کلام ایک پرانے جزء میں دیکھا، جس پر علامہ ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی تحریر ہے کہ امام احمد ابن حنبل سے کسی

نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر شریف کو بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھایا، وہ تعجب کرنے لگے اور کہتے کہ تعجب ہے امام احمد بن حنبل میرے نزدیک بزرگ ہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں۔ یہ کہا یا اس کے مثل کہا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہمیں امام احمد بن حنبل سے روایت پہونچی ہے کہ انہوں نے امام شافعی کا کرتا دھویا اور اس کا سالہ پیا تو جب وہ اہل علم کی اس قدر عزت وتعظیم کرتے ہیں تو صحابہ کی تعظیم کی قدر کو کون بتا سکتا ہے پھر آثار انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم کا کیا کہنا''۔

تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا

''عن ام عطیة الانصاریة رضی اللہ عنہا قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین توفیت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اکثر من ذلک ان رائیتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الآخرة کافورا او شیئا من کافور فاذا فرغتن فاذنّنی فلما فرغنا اذناه فاعطانا حقوه فقال اشعرنها ایاہ تعنی ازارہ''۔

''حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ خالص پانی یا بیر کے پتے جوش دئے ہوئے پانی سے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو اور اگر ضرورت دیکھو تو اس سے زیادہ اور آخر میں کافور لگاؤ اور جب غسل دینے سے فارغ ہو تو مجھ کو خبر دو۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم لوگ غسل دے کر فارغ ہوئے تو حضور کو خبر دی۔ حضور نے اپنا تہبند مبارک عنایت فرمایا کہ اسے متصل رکھو۔

(رواہ البخاری ج ا ص ۱۳۹ ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی)

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۴۶ میں فرماتے ہیں: ''والحکمة فیه التبرک بآثارہ الشریفة وانما اخرہ الی فراغهن من الغسل ولم یناولهن ایاہ اولا لیکون قریب العهد من جسدہ الشریف حتی لا یکون بین انتقاله من جسدہ الی جسدها فاصل وهو اصل فی التبرک بآثار الصالحین''۔ ''اس میں مصلحت برکت حاصل کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کے ساتھ ہے اور حضور نے ان عورتوں کے غسل سے فارغ ہونے تک اس کو موخر کیا اور پہلے ہی سے عطا نہ فرمادیا تاکہ قریب العہد آپ کے جسد مبارک سے ہو یہاں تک کہ حضور کے جسد مبارک سے اترنے اور حضرت کی صاحبزادی کی پہننے میں کوئی فاصل نہ رہے اور یہ حدیث آثار صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اصل اور دلیل ہے''۔

علامہ قسطلانی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۵ میں فرماتے ہیں: ''انما فعل ذلک لینالها برکة ثوبه''۔ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے کیا تاکہ آپ کے لباس مبارک کی برکتیں انہیں پہونچے''۔

امام نووی شرح مسلم ج ا ص ۲۰۵ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''والحکمة فی اشعار ھابه تبریکھا به ففیه التبرك بآثار الصالحین ولباسھم''۔ ''حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو تہبند مبارک پہنانے میں حکمت اس لباس کی سبب برکت دینا ہے''۔ تو اس حدیث میں آثار صالحین اور ان کے لباس سے برکت لینے کی دلیل ہے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۴۱ میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں ایک عورت کے چادر نذر دینے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیب تن فرمانے پھر ایک صحابی کے مانگنے پر قوم کے اعتراض کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان صحابی رضی اللہ عنہم کا جواب مذکور ہے: ''قال انی واللہ ماسئا لته لالبسه انما سئا لته لتکون کفنی قال سھل فکانت کفنه''۔ ''سائل نے کہا کہ بخدا میں نے زندگی میں پہننے کے لئے اسے نہیں مانگا بلکہ اس لئے کہ یہ متبرک کپڑا حضور کا پہنا ہوا کپڑا میرا کفن ہو''۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ واقعی وہ چادر ان کے کفن میں دی گئی۔

علامہ عینی جلد ۴ ص ۱۷۰ میں اس کی شرح میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''وفیه التبرك باثار الصالحین وفیه برکة مالبسه مما یلی جسده''۔ ''اس حدیث میں برکت لینا ہے آثار صالحین کے ساتھ اور نیز اس حدیث میں اس کپڑے کا متبرک ہونا ہے جو حضور کے جسد مبارک سے نزدیک ہوا ہے''۔

''وروی ابن عبدالبر عن ابن عباس قال لماماتت فاطمة ام علی بن ابی طالب البسھا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قمیصه واضطجع معھافی قبرھا فقالو امارائناك صنعت ما صنعت بھذه فقال انه لم یکن احد بعد ابی طالب ابرلی منھا انما البستھا قمیصی لتکسی من حلل الجنة واضطجعت معھالیھون علیھا'' وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۸۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک ان کو پہنائی اور ان کے ساتھ قبر میں لیٹے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضور نے آج وہ بات کی جو کبھی نہیں کی تھی۔ ارشاد ہوا کہ ابو طالب کے بعد میرے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ میں نے ان کو اپنا کرتہ اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کا لباس پہنیں اور میں ان کے ساتھ اس لئے لیٹا کہ ضغطۂ قبر آسان ہو''۔

دوسری روایت میں ہے: ''ثم نزع قمیصه فامران تکفن فیه ثم صلی علیھا عند قبرھا فکبر تسعاوقال ماعفی احد من ضغطة القبرالافاطمة بنت اسد قیل یا رسول اللہ ولا القاسمه قال ولا ابراھیم وکان ابراھیم اصغر ھما''۔ ''حضور نے اپنی قمیص مبارک اوتار کر حکم دیا کہ اس میں انہیں کفناؤ پھر ان کی قبر کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس میں نو تکبیر فرمائی اور ارشاد ہوا کہ ضغطۂ قبر سے کوئی نہیں بچا سوائے فاطمہ بنت

اسد کے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضور کے صاحبزادے حضرت قاسم؟ ارشاد ہوا ابراہیم بھی نہیں اور یہ حضرت قاسم سے چھوٹے تھے"۔ وفاء الوفا ج ۲ ص ۸۸۔

علامہ ابن عبدالبر استیعاب جلد اول ص ۲۶۲ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت علامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فافاق معاوية قال يا بنى انى صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج لحاجته فاتبعته باداوة فكسانى احدثوبيه الذى كان على جسده فخبأته لهذااليوم واخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم من اظفاره و شعره ذات يوم فاخذ ته وخباته لهذاليوم فاذاانا مت فاجعل ذلك القميص دون كفنى مما يلى جلدى و خذ ذلك الشعرو الاظفار فا جعله فى فمى وعلىٰ عينى و مواضع السجود منى فان نفع شئ فذاك والاّ فان الله غفور رحيم"۔

"پس افاقہ پایا حضرت امیر معاویہ نے تو کہا اے میرے بیٹے! میں رسول اللہ کی خدمت میں رہا پس حضور قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تو میں حضور کے پیچھے پانی کا برتن لے کر چلا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تو مجھ کو اپنے دو کپڑوں میں سے جو بدن مبارک پر تھا، ایک عطا فرمایا تو اس کو میں نے آج کے دن لئے چھپا رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن مبارک اور موئے مبارک ترشوایا تو اس کو بھی میں نے لے لیا اور آج کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے تو میں جب مر جاؤں تو اس قمیص کو میرے کفن کے نیچے بدن سے متصل رکھنا اور ناخن اور موئے مبارک کو میرے منھ اور میری آنکھوں اور سجدہ کی جگہوں پر رکھنا تو اگر کوئی چیز نفع بخش ہوگی تو یہ ہوگی نہیں تو خداوند غفور رحیم ہے"۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں آیۃ کریمہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ الآیۃ کی شان نزول میں تحریر فرماتے ہیں: "عن ابن عباس رضى الله عنهما انه لما اشتكى عبدالله ابن ابى ابن سلول عاده رسول الله صلى الله عليه وسلم فطلب منه ان يصلى عليه اذامات ويقوم علىٰ قبره ثم انه ارسل الىٰ الرسول عليه السلام يطلب منه قميصه ليكفن فيه فارسل اليه القميص الفوقانى فرده و طلب الذى يلى جلده ليكفن فيه"۔

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن ابن سلول بیمار پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عیادت کو تشریف لے گئے، اس نے حضور سے خواہش ظاہر کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی جنازہ کی نماز پڑھیں اور اس کی قبر پر ٹھہریں پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قمیص کے لئے آدمی بھیجا تاکہ اسی قمیص میں کفنایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی قمیص بھیج دی اس نے واپس کر دی اور جو

قیص مبارک جسد اقدس سے متصل ہے،کفن کے لئے اسے طلب کیا''۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری جلد۲ص ۲۰ لـمـا توفی کے تحت میں عبداللہ بن ابی کے شوال میں بیمار ہونے ،بیس دن بیمار رہنے، ذیقعدہ ۹ ھ میں اس کے مرنے کے ضمن میں حضور کا عیادت کے لئے تشریف لے جانا اوراس کونصیحت کرنے کے واقعہ کو بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں:''ثم قال یا رسول الله اليس هذا بحين عتاب هوالموت فان مت فاحضر غسلي واعطني قميصك الذى يلي جسدك فكفني فيه وصل عليّ واستغفر لي ففعل ذلك به رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال الحاكم كان على النبى صلى الله عليه وسلم قميصان فقال عبدالله واعطني قميصك الذى يلي جسدك فاعطاه اياه''۔

''عبداللہ بن ابی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ وقت مرنے کا ہے،عتاب کا وقت نہیں۔ جب میں مرجاؤں تو حضور میرے غسل کے وقت تشریف لائیں اور مجھ کو اپنی قیص مبارک جو جسد اطہر سے متصل ہے،عنایت فرمائیں اوراسی میں مجھے کفنائیں اور میری جنازہ کی نماز پڑھیں اور میری مغفرت کی دعا کریں تو حضور نے ایسا کیا۔حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دو قیص پہنے ہوئے تھے تو عبداللہ نے کہا کہ مجھے وہ قیص مبارک عطا فرمائیں جو جسم شریف سے متصل ہے''۔

مقام غور ہے کہ عبداللہ بن ابی جیسا منافق اور نہ صرف منافق بلکہ رئیس المنافقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قیص مبارک سے برکت چاہتا ہے اوراس میں کفنائے جانے کی آرزو کرتا،اس کو بعد موت وسیلہ اجر ومغفرت بناتا ہے۔حسرت وافسوس اس نام نہاد مسلمان پر ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت وعظمت اوران کے لباس مبارک وآثار شریفہ کی اہمیت وعزت اس منافق کے دل کے اتنی بھی نہ ہو ع

شرم دارد کفر از اسلام او

یہ مانا اس کا قیص مبارک کفن کے لئے طلب کرنا،حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا،اس میں کفنایا جانا اس کی نجات کا باعث نہ ہوا۔خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان قميصي لا يغني عنه من الله شيئا مگر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ اور قیص مبارک طلب کرنا،حضور کا قیص مبارک پہنانا بالکل بے اثر رہا۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں۔اس کی برکت سے اس کی قوم سے ہزار آدمی کامل الایمان ہو گئے۔

تفسیر کبیر جلد۴ص ۷۰۹ میں ہے:''وكان المنافقون لايفارقون عبدالله بن ابى فلما راوه يطلب هذا القميص ويرجوا ان ينفعها اسلم منهم يومئذ الف'' ۔''منافقین کبھی عبداللہ بن ابی کو نہیں چھوڑتے تھے جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ قیص مبارک طلب کرتا ہے،اس کے نفع کا امیدوار ہے تو ان لوگوں سے ہزار آدمی اسی

دن مسلمان ہو گئے''۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ فارسی جلد اص ۱۷۶ میں تحت حدیث ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: ''درینجا استحباب تبرک ست بلباس صالحین وآثار ایشاں بعد از موت درقبر چنانکہ قبل موت نیز ہم چنیں بودہ''۔

لمعات میں فرماتے ہیں: ''هذا الحديث اصل في التبرك بآثار الصالحين ولباسهم كما بفعل بعض مريدى المشائخ من ليس اقمصتهم في القبر'' ۔ ''یہ حدیث آثار صالحین اوران کی لباس سے برکت حاصل کرنے کی اصل ہے۔جس طرح بعض مریدین مشائخ کی قیصوں کو پہنا کر دفن کئے جاتے ہیں''۔

شیخ اسمٰعیل حقی تفسیر روح البیان جلد ۲ص ۵۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قال في الاسرار المحمدية لو وضع شعر رسول الله صل الله عليه وسلم او عصاه او سوطه علىٰ قبر عاص لنجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيره من العذاب وان كان في دارانسان او بلدة لايصيب سكانها بلاء ببركته وان لم يشعروا به ومن هذاالقبيل ماء زمزم والكفن المبلول به و بطبانة استار الكعبة والتكفن بها وكتابة القرآن علىٰ القراطيس والوضع في ايدى الموتىٰ''۔

''اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا عصا شریف یا حضور کا کوڑا کسی گنہگار کی قبر پر رکھا جائے تو ان تبرکات کی برکت سے وہ عاصی عذاب سے نجات پائے اوراگرکسی آدمی کے گھر یا کسی شہر میں ہوتو وہاں کے رہنے والوں کواس کی برکت سے کوئی مصیبت نہ پہونچے گی اگر چہ وہ اس کو نہ سمجھیں اوراسی قسم سے آب زمزم اوراس میں ترکیا ہوا کفن ہے اور خانہ کعبہ کا غلاف شریف اوراس میں کفن دینا ہے اور قرآن شریف کو کاغذ پر لکھنا اوراس کومردہ کے ہاتھوں پر دینا ہے''۔

چوتھا طریقہ: میت کے کفن پر کوئی آیت کلمہ طیبہ یا عہدنامہ یا کوئی دعا لکھنا

مصنف عبدالرزاق اوران کے طریق سے معجم طبرانی پھر حلیہ ابونعیم میں ہے: ''اخبر نامعمر عن عبدالله بن محمد بن عقيل ان فاطمة رضى الله عنها لما حضر تها الوفاة امرت عليا فوضع لها غسلا فاغتسلت و تطهرت ودعت بثياب اكفا نها فلبستها ومست من الحنوط ثم امرت عليا ان لاتكشف اذا هى قبضت وان تدرج كماهى فى اكفانها فقلت له هل علمت احداء فعل نحو ذلك قال نعم كثيربن عباس و كتب فى اطراف اكفانه يشهد كثيرين عباس ان لا اله الاالله۔''

''حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کے نہانے کے

لئے پانی رکھیں پس نہائیں اور کفن منگوا کر پہنا اور حنوط لگایا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم سے کہا کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن کردی جائیں۔ میں نے پوچھا کہ کسی نے بھی ایسا کیا؟ کہا ہاں! کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے لا الہ الا اللہ"۔

امام ترمذی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" من کتب ھذاالدعاء وجعله بین صدر المیت و کفنه فی رقعة لم ینله عذاب القبرو لایری منکر او نکیر او ھو ھذا"۔ جو شخص یہ دعا کسی پرچہ پرلکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھے اسے عذاب قبر نہ ہو اور نہ منکر نکیر نظر آئیں اور وہ دعا یہ ہے: لااله الاالله والله اکبر لااله الاالله وحده لاشریك له لااله الاالله له الملك وله الحمد لاالاالله ولاحول ولا قوة الابالله العلی العظیم"۔

یہی حکیم ترمذی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھے:"اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب و الشھادة الرحمٰن الرحیم انی اعھد الیك فی ھذه الحیاة الدنیا بانك انت الله لااله الا انت وحدك لاشریك لك وان محمد اعبدك ورسولك فلا تکلنی الیٰ نفسی فانك ان تکلنی الیٰ نفسی تقربنی من السوء تباعدنی من الخیر وانی لااثق الابرحمتك فاجعل رحمتك لی عھد اعندك تودیه الیٰ یوم القیمة انك لاتخلف المعیاد"۔"فرشتہ اسے لکھ کر مہر لگا کر قیامت کے لئے اوٹھا رکھے۔ جب اللہ تعالیٰ اس بندہ کو قبر سے اٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں؟ انہیں وہ عہد نامہ دیدیا جائے۔

امام نے اسے روایت کرکے فرمایا:"و عن طاؤس انه امر بھذه الکلمات فکتبت فی کفنه"۔"امام طاؤس کی وصیت سے یہ عہد نامہ ان کے کفن میں لکھا گیا"۔ امام فقیہ بن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا:"اذا کتب ھذاالدعاء وجعل مع المیت فی قبره وقاه الله فتنة القبرو عذاب"ہ۔"جب یہ دعا لکھ کر میت کی قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سوال نکیرین وعذاب قبر سے امان دیدے گا"۔

درمختار ص ۱۲۶ میں ہے:"کتب علیٰ جبھة المیت او عمامته او کفنه عھد نامه یرجی ان یغفرالله للمیت اوصی بعضھم ان یکتب فی جبھته زصدره بسم الله الرحمٰن الرحیم ففعل ثم رئیی فی المنام فسئل فقال لماوضعت فی القبر جاء تنی ملئکة العذاب فلما راؤامکتوبا علیٰ جبھتی بسم الله الرحمٰن الرحیم قالو امنت من عذاب الله"۔

"مردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے

وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھدیں، لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے۔ حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا، عذاب کے فرشتے آئے۔ جب میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا دیکھا، کہا تجھے عذاب الٰہی سے امان ہے''۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں: ''قوله كتب علىٰ جبهة الميت اخذمن ذلك جواز الكتابة ولو بالقران ولم يعتبروا كون ماله الىٰ التنجيس بما يسيل من الميت''۔ ''مصنف کے اس قول کتب سے لکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اگرچہ قرآن شریف کی آیت ہی ہو اور اس کے مال کا کوئی اعتبار نہ کیا گیا کہ اس لکھے ہوئے مردہ کے بدن سے ریم یا خون بہہ کر نجس کر دے گا''۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ بنام تاریخی ''الحرف الحسن فى الكتابة علىٰ الكفن'' تحریر فرمایا۔ یہ روایتیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیثیں اور نصوص علمائے کرام اس معمول بہ کی اصل ہیں کہ مریدوں کے قبر میں مشائخ کرام کا شجرہ رکھتے ہیں کہ الاسم عين المسمى كما صرح به فى كتب العقائد۔ اور ظاہر ہے کہ نام کی مسمیٰ پر دلالت تراشا ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسلامی سلاسل علیہ عالیہ کہ اسناد اتصال بہ محبوب ذی الجلال و بہ حضرت عزت وجلال ہیں اور اللہ اور محبوب واولیاء کے سلسلہ کرم کرامت میں منسلک ہونے کی سند تو شجرہ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے۔

اس جگہ ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ اس میں بزرگان دین کے ناموں کی اہانت ہے، اس لئے کہ مردے کے بدن سے خون پیپ وغیرہ سے تلوث کا اندیشہ ہے۔ مگر اندیشہ ووہم موجب ممانعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کے چوپایوں پر باوجود احتمال تلوث جیس فی سبیل اللہ لکھوایا تھا۔ علاوہ بریں تلوث بہ نجاست کا احتمال بھی مطرد نہیں، اس لئے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ دس شخصوں کے بدن قبر میں سلامت رہتے ہیں: انبیا، اولیا، علمائے دین، شہدا، حفاظ، موذن کہ للٰہ اذان کہا کرتا ہو، سرحد اسلام پر حفاظت بلاد اسلامیہ کے لئے قیام رکھنے والا، جو طاعون سے صابر ومحتسب مرے، ذکر الٰہی بکثرت کرنے والا، بے گناہ بندہ تو اگر وہ شخص جس کی قبر میں شجرہ رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک ہے جب تو عدم تلوث ظاہر ورنہ ممکن کہ شجرہ شریفہ کی برکت سے اللہ تعالی یہ عزت اسے عنایت فرمائے پھر بھی شجرہ کے لئے کچھ ضرور نہیں کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں قبلہ کی طرف خواہ سرہانے طاق بنا کر رکھیں۔

جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگاں ست لیکن ایں راد وطریق ست۔ اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند و ایں طریق را فقہا منع می کنند و می گویند کہ از بدن مردہ خون وریم سیلان می کند و موجب سوئے ادب باسمائے بزرگاں می شود۔ طریق دوم این ست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بگزارند و دراں کاغذ شجرہ را نہند۔''

پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت کی خوبیوں کو بیان کرنا

''عن انس قال مروا بجنازة فاثنوا عليها خيرا فقال النبی صلی الله عليه وسلم وجبت ثم مروا باخری فاثنوا عليها شرا فقال وجبت فقال عمر ما وجبت فقال هذا اثنيتم عليه خيرا فوجبت له الجنة وهذا اثنيتم عليه شرا فوجبت له النار انتم شهداء الله فی الارض'' (رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة وابو داؤد الطيالسی ص ۲۷۵)۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی: ایک جنازہ لے کر لوگ گزرے۔ صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے۔ لوگوں نے برائی بیان کی حضور نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! کیا واجب ہوگئی؟ ارشاد ہوا پہلے جنازہ والے کی تم لوگوں نے تعریف کی تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور دوسرے کی تم لوگوں نے برائی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ واجب ہوئی تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ ونعم من قال ۔

بھلا کہے جسے خلقت اسے بھلا سمجھو
زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

''وعن ابی الاسود قال قدمت المدينة فجلست الیٰ عمر بن الخطاب رضی الله عنه فمرت بهم جنازة فاثنوا علیٰ صاحبها خيرا فقال عمر رضی الله عنه وجبت ثم مروا باخریٰ فاثنوا علیٰ صاحبها خيرا فقال عمر وجبت ثم بالثالثة فاثنیٰ علیٰ صاحبها شرا فقال عمر وجبت فقال ابو الاسود فقلت وما وجبت يا امير المومنين! قال قلت كما قال النبی صلی الله عليه وسلم ايما مسلم شهد له اربعة بخير ادخله الله الجنة قلنا وثلثة قال وثلثة قلنا واثنان قال واثنان ثم لم نسئله عن واحد''۔

(رواه البخاری والنسائی)

''ابوالاسود کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں پہنچا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ گذرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ گذرا لوگوں

نے اس کی بھی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگئی پھر تیسرا جنازہ گذرا لوگوں نے برائی کی، حضرت عمر نے کہا واجب ہوگئی۔ ابوالاسود کہتے ہیں، میں نے کہا: کیا واجب ہوگئی یا امیر المومنین! فرمایا میں وہ بات کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے لئے چار مسلمان اچھے ہونے کی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ہم نے کہا اور تین شخص؟ ارشاد ہوا تین آدمی؟ پھر ہم لوگوں نے کہا کہ اور دو آدمی ارشاد ہوا کہ اور دو آدمی پھر ہم نے ایک آدمی کے بارے میں نہیں پوچھا''۔

''وعن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم يرويه عن ربه عزوجل مامن عبد مسلم يموت فيشهد له ثلاثة ابيات من جيرانه الا دنين بخير الاقال الله عزوجل قد قبلت شهادة عبادی علیٰ ماعلموا و غفرت لهم مااعلم'' ۔(رواه الامام احمد وروی ابویعلی وابن حبان فی صحيحه۔ ولفظهما اربعة اهل ابيات من جيرانه)

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہ سے کہ جب کوئی مسلمان بندہ مرے اور اس کے لئے تین قریب گھر والے پڑوسی بھلائی کی گواہی دیں تو اللہ عزوجل فرمائے گا کہ میں نے اپنے بندوں کی گواہی اس بارے میں جو ان کے علم میں ہے، قبول کی اور جو خطا قصور اس کا میں جانتا ہوں، اس کو بخش دیا۔ ابویعلی اور ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں تین گھر کی جگہ چار گھر کا لفظ ہے''۔

چھٹا طریقہ: نماز جنازہ اور کثرت مصلیان کا فائدہ

نماز جنازہ پڑھنا ہے اور تکثیر مصلیان مرغوب ومطلوب ہے۔ اس لئے کہ ہر نمازی اس میت کا سفارشی ہے اور کثرت سفارش اہمیت کی دلیل ہے۔

''عن كريب عن ابن عباس من انه مات له ابن بقديد اوبعسفان فقال يا كريب انظر ما اجتمع له من الناس قال فخرجت فاذ اناس قداجتمعوا له فاخبرته فقال تقول هم اربعون قال نعم قال اخرجوه فانی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول مامن رجل مسلم يموت فيقوم علیٰ جنازه اربعون رجلا لايشركون بالله شيئا الا شفعهم الله فيه'' (رواه الامام احمد مسلم وابو داؤد ابن ماجة)

''حضرت کریب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کا انتقال مقام قدید یا عسفان میں ہوا تو آپ نے فرمایا دیکھو کتنے آدمی جمع ہوئے ہیں؟ کریب کہتے ہیں کہ میں نکلا، دیکھا کہ لوگ جمع

ہیں۔ میں نے ان کو خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے پوچھا کہ چالیس آدمی ہوں گے؟ کریب نے کہا ہاں! ابن عباس نے کہا کہ اب میت کو باہر لاؤ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ جو مرد مسلمان انتقال کرے اور اس کی جنازہ کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ہوں تو اللہ تعالی ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول فرمائے گا''۔

''و عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه و سلم مامن ميت يصلى عليه امة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون الا شفعو افيه'' (رواه مسلم ص ٣٠٨ والترمذى) و قال حديث حسن صحيح ورواه النسائى ولفظه مائة فما فوقها)'' جس مسلمان میت کی نماز جنازہ میں ایک جماعت مسلمانوں کی پڑھے جس کی تعداد ۱۰۰ تک پہونچی ہو اور وہ سب اس کی شفاعت کریں تو ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول ہوگی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ سو یا زیادہ آدمی اس کی سفارش کریں تو اللہ تعالی ان کی شفاعت قبول فرمائے گا''۔

''و عن مالك بن هبيرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم ما من ميت يموت يصلى عليه ثلاثه صفوف من المسلمين الا اوجب قال فكان مالك اذاا ستقل اهل الجنازة جزا هم ثلثة صفوف للحديث (رواه ابو داؤد جلد ٢ ص ٩٥ ورواه الترمذى وحسنه وصححه الحاكم و فى رواية له الا غفرله)''۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مردہ کی نمازِ جنازہ مسلمانوں کی تین صفیں پڑھیں، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ جب جنازہ میں شریک ہونے والے افراد جمع ہو جاتے تو مالک ابن ہبیرہ اس حدیث کی وجہ سے انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے''۔

ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کی پڑوس میں دفن کرنا

''عن ابى هريرة قال ارسل ملك الموت الىٰ موسىٰ عليه الصلاة والسلام فلما جاء ه صكه فرجع الىٰ ربه، فقال ارسلتنى الىٰ عبد لا يريد الموت فرد الله عينه فقال ارجع فقل له يضع يده علىٰ متن ثور فله بكل ما غطت يده بكل شعرة سنة قال اى رب ثم ماذا؟قال ثم الموت قال فالان فسال الله تعالى ان يدنيه من الارض المقدسة رمية بحجر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فلو كنت ثم لا ريتكم قبره الىٰ جانب الطورعند الكثيب الاحمر'' (رواه البخارى و مسلم والنسائى)

'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بھیجے گئے تو جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ پس خدا

وند عالم کے پاس واپس گئے اور کہا کہ خداوندا تو نے مجھ کو ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ان کو واپس دی اور فرمایا کہ جاؤ اور موسیٰ سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کے پیٹھ پر رکھیں۔ ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمر ان کو اور دی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ فرمایا موت۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو پھر ابھی! پھر اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھ کو بیت المقدس کے قریب کردے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور تمہیں ان کی قبر دکھا دیتا طور کے پاس سرخ ٹیلہ کے نزدیک''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد۴ص ۱۶۵ میں فرماتے ہیں: ''اذسأل الله تعالى الد نو من بيت المقدس ليد فن فيه دنوأ لورمیٰ رامی الحجر من ذلك الموضع الذی هو الآن موضع قبره لو صل الیٰ بيت المقدس وانماسئال ذلك لفضل من دفن فی الا رض المقدسة من الانبياء والصالحين فاستجب مجاورتهم فی الممات كما فی الحيوة ولان الناس يقصدون المواضع الفاضلة ويزورون قبورها ويدعون لاهلها''۔

''خداوند عالم سے سوال کیا بیت المقدس کی نزدیکی کا تاکہ وہاں دفن ہوں اس قدر نزدیک کہ اگر کوئی پتھر پھینکنے والا اس جگہ سے، جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر کی جگہ ہے، پتھر پھینکے تو ضرور وہ پتھر بیت المقدس تک پہونچے اور یہ سوال اسی لئے کیا کہ جو لوگ انبیا و صالحین سے بیت المقدس میں دفن ہیں، ان کی بزرگی کے سبب ان کی مجاورت کو بعد موت پسند کیا، جس طرح اچھے لوگوں کی مجاورت زندگی میں پسند کرتے ہیں اور اس لئے کہ لوگ متبرک مقامات کا قصد کرتے ہیں اور وہاں کی قبور کی زیارت کرتے ہیں اور قبر والوں کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں''۔

اسی میں ہے: ''وفيه استحباب الدفن فی المواضع الفاضلة والقرب من مدافن الصالحين''۔ ''اس حدیث سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ متبرک مواضع میں دفن کرنا مستحب ہے اور مدفن صالحین کی نزدیکی بہتر ہے''۔

''عن عمر بن ميمون الازدی قال رايت عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال يا عبدالله! اذهب الیٰ ام المومنين عائشة رضی الله عنها فقل يقرء عمر بن الخطاب عليك السلام، سلها ان ادفن مع صاحبی قالت كنت اريده نفسی فلا وثرنه اليوم علیٰ نفسی فلما اقبل قال له مالديك؟ قال اذنت لك ياامير المومنين! قال ما كان شئی اهم الی من ذلك المضجع''۔

''عمر بن میمون ازدی سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو، انہوں نے اپنے

صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر کو فرمایا کہ تم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جاؤ اور سوال کرو کہ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جاؤں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کہ میں نے اس جگہ کو اپنے لئے رکھا تھا لیکن اب میں ترجیح دیتی ہوں حضرت عمر کو اپنے نفس پر۔ پس جب حضرت عبداللہ ابن عمر واپس آئے، امیر المومنین نے پوچھا کیا خبر ہے؟ عرض کی حضرت عائشہ نے اجازت دیدی۔ فرمایا کوئی چیز مجھے اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اہم نہ تھی''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد۴ ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں: ''فیہ الحرص علی مجاورۃ الصالحین فی القبور طمعافی اصابۃ الرحمۃ اذا دنزلت علیھم و فی دعاء من یزورھم من اھل الخیر''۔ ''اس حدیث میں اچھے لوگوں کے جوار میں دفن ہونے پر حرص ہے کہ جب ان پر رحمت نازل ہو تو صاحب قبر کو بھی پہونچے اور جو اہل خیر ان لوگوں کی قبر کی زیارت کریں وہ اس صاحب قبر کے لئے بھی دعا کریں''۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ ص ۳۷۵ حدیث ردوا القتلیٰ الیٰ مضا جعھم کے تحت اس بحث میں کہ مردہ کو ایک شہر سے منتقل کر کے دوسرے شہر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں، لکھتے ہیں: ''قال صاحب الھدایۃ و ذکران من مات فی بلدۃ یکرہ نقلہ الیٰ اخریٰ لانہ اشتغال بما لا یفید بما فیہ تاخیر دفنہ و کفیٰ بذلک کراھۃ قلت فاذاکان یترتب علیہ فائدۃ من نقلہ الیٰ احد الحرمین اوالی قریب احد من الانبیاء والاولیاء اولیزورہ اقاربہ من ذلک البلد وغیرہ ذلک فلاکراھۃ الامانص علیہ من شھداء احد اومن فی معناھم من مطلق الشھداء''۔

''صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہر میں انتقال کرے، اس کو دوسرے شہر میں دفن کے لئے لے جانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ غیر مفید کام میں مشغول ہونا اور اس میں تاخیر دفن بھی ہے جو کراہت کے لئے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں تو جب اس پر کوئی فائدہ مرتب ہو جیسے احدالحرمین لے جانا یا کسی نبی یا ولی کے مزار کے پاس دفن کرنا یا تاکہ اس شہر کے اس کے عزیز وقریب اس کی زیارت کیا کریں وغیرہ ذٰلک تو نقل میں کراہت نہیں۔ ہاں! جہاں ممانعت منصوص ہو جیسے شہدائے احد یا دیگر شہدائے کرام تو ان کو نقل کرنا البتہ مکروہ ہوگا''۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں تحریر فرماتے ہیں: ''واخرج ابو نعیم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادفنوا موتکم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی بجار السوء''۔ ''راوی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو اچھے لوگوں کے درمیان دفن کرو۔ اس لئے کہ مردے برے پڑوسی سے اذیت پاتے ہیں''۔

اسی میں ہے:"واخرج ابن عساکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات احد کم المیت فاحسنوا کفنہ وعجلوا انجاز وصیتہ واعمقوا لہ من قبرہ جنبوہ جار السوء قیل یا رسول اللہ وھل ینفع الجار الصالح فی الآخرۃ قال ھل نفع فی الدنیا قال نعم قال کذلک نفع فی الآخرۃ"۔

"ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی انتقال کرے تو اس کا کفن اچھا دو اور اس کی وصیت کو جاری کرنے میں جلدی کرو اور اس کی قبر گہری کھودو اور اسے برے پڑوسی سے بچاؤ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اچھا پڑوسی آخرت میں کچھ نفع پہونچاتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دنیا میں نفع پہونچاتا ہے؟ کہا ہاں! فرمایا اسی طرح آخرت میں بھی فائدہ پہونچاتا ہے۔"

"واخرج ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن نافع المزنی قال مات رجل بالمدینۃ فدفن بہا فراہ رجل کانہ من اھل النار فاغتم لذلک ثم اریہ بعد سابعۃ وثامنۃ کانہ من اھل الجنۃ فسألہ قال دفن معنا رجل من الصالحین فشفع فی اربعین من جیرانہ فکنت فیھم"۔

"ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن نافع مزنی سے روایت کیا کہ ایک آدمی مدینہ طیبہ میں مرا پس وہیں دفن کیا گیا کسی شخص نے اس کو خواب میں دیکھا کہ گویا وہ دوزخی ہے پھر سات آٹھ رات کے بعد دکھایا گیا کہ وہ اہل جنت ہے۔ پس اس شخص نے پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص صالحین سے ہمارے ساتھ دفن کیا گیا، اپنے پڑوسیوں سے چالیس آدمیوں کی شفاعت کی تو میں بھی انہیں چالیس سے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میت صالح کے جوار کی برکت سے مجھے جنتی بنایا"۔

آٹھواں طریقہ: جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں

جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں اور کوئی دعا اور قرآن شریف کی کوئی سورہ یا آیت پڑھیں اس کے بعد مردہ کو دفن کریں۔

طبرانی معجم کبیر واوسط میں اور ابن حبان وحاکم بافادہ تصحیح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی:"قال لما ماتت فاطمۃ بنت اسد دخل علیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجلس عند راسہا فقال رحمک اللہ یا امی بعد امی وذکر ثناءہ علیہا وتکفینہا ببردہ ثم قال دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ بن زید وابا ایوب الانصاری وعمر بن الخطاب وغلاما اسود یحفرون فحفروا قبرھا فلما بلغوا اللحد حفرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ واخرج ترابہ بیدہ فلما فرغ دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاضطجع فیہ ثم قال اللہ الذی یحیی ویمیت وھو حی لا یموت اغفر لامی

فاطمة بنت اسد ووسع عليها مد خلها بحق نبيك والانبياء الذين من قبلي فانك ارحم الرحمين"۔

''جب حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور سرہانے بیٹھے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اے مری والدہ کے انتقال کے بعد میری ماں! راوی حدیث حضرت انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اچھی تعریف کرنا اور اپنے چادر مبارک میں ان کو کفنانا بیان کر کے پھر کہا کہ حضور نے اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاری، حضرت عمر بن الخطاب اور ایک سیاہ غلام کو بلایا کہ یہ لوگ قبر کھودتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر کھودی۔ جب لحد تک پہونچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے قبر کھودی اور قبر کی مٹی نکالی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیٰ وسلم قبر میں لیٹے اور یہ دعا پڑھی: اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ خداوندا! میری ماں حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کشادہ کر اپنے نبی اور تمام انبیا کی برکت سے جو میرے قبل ہوئے، تو ارحم الراحمین ہے''۔

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۹ میں ہے: ''وفي رواية علي بن ابي طالب فلما فرغ منه نزل فاضطجع في اللحد وقرء فيه القرآن''۔ ''جب قبر تیار ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبر میں اترے اور اس میں قرآن شریف پڑھا''۔

"واخرج ابن شيبة عن جابر رضي الله عنه قال بيننا نحن جلوس مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذاتاه آت فقال يا رسول الله !ام علي و جعفر و عقيل قد ماتت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا الىٰ امى فقمنا و كان علىٰ رؤس من معه الطير فلما انتهينا الىٰ الباب نزع قميصه فقال اذاغسلتمو ها فا شعروها اياه تحت اكفا نها فلما خرجوابها جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم مرة يحمل و مرة يتقدم ومرة يتاخر حتى اانتهينا الىٰ القبر فتمعك في اللحدثم خرج فقال ادخلوها باسم الله وعلىٰ اسم الله فلما ان دفنو هاقام قائما فقال جزاك الله من ام و ربيبة خيرا فنعم الام ونعم الربيبة كنت لي قال فقلنا له او قيل له يا رسول الله! لقد صنعت شيئين مارأينا صنعت مثلهما قط قال وما هو قلنا نزعك قميصك و تمعكك في اللحد؟قال اماقميصي فاريد ان لايمسها النار ابدا ان شاء الله تعالىٰ واماتمعكي في اللحدفاردت ان يوسع الله عليها قبرها"۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! علی، جعفر، عقیل کی ماں نے انتقال کیا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو میری ماں کی تجہیز و

تکفین کے لئے تو ہم لوگ کھڑے ہو گئے اور جو لوگ حضور کے ساتھ چلے سب خموش با ادب تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جب ہم لوگ دروازہ پر پہونچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیض مبارک اتار کر عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ غسل دے چکو تو اس کو بدن سے متصل کفن کے نیچے رکھنا پس جنازہ لے چلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنازہ اٹھاتے، کبھی آگے آگے چلتے اور کبھی جنازہ کے پیچھے چلتے، یہاں تک کہ ہم لوگ قبر تک پہونچے پس حضور قبر میں لیٹے پھر باہر تشریف لائے پھر فرمایا خدا آپ کو بہتر جزا دے اے میری ماں اور پرورش کرنے والی! کیا اچھی آپ میری ماں اور پرورش کرنے والی تھیں! پس ہم لوگوں نے عرض کیا، حضور! آپ نے دو باتیں ایسی کیں جو کبھی نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ کون کون باتیں ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا ایک تو قمیص مبارک کا اتار کر کفن کے لئے دینا اور دوسری بات قبر میں لیٹنا۔ ارشاد ہوا کہ قمیص اتار کر اس لئے دی کہ اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ آگ ان کو کبھی نہ چھوئے گی اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر وسیع وفراخ کردے''۔ (وفا الوفا ص ۸۸ جلد۲)۔

نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا

''عن جابر قال ورش قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کان الذی رش الماء علیٰ قبرہ ھلال بن رباح بقربۃ بدأ من قبل راسہ حتی انتھیٰ الیٰ رجلیہ رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ''۔ ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جس نے قبر مبارک پر پانی چھڑکا وہ بلال بن رباح ہیں، مشک سے پانی چھڑکا۔ سرہانے کی طرف سے شروع کیا اور پائنتی کی طرف ختم کیا''۔ (مشکوۃ ص ۱۴۹)

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد دوم ص ۲۷۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قال الطیبی لعل ذلک اشارۃ الیٰ استنزال الرحمۃ الالٰھیۃ و العواطف الربانیۃ کما ورد فی الدعا اللھم اغسل خطایاہ بالماء والثلج والبرد وقالوا سقیٰ اللہ ثراہ و برد مضجعہ او الیٰ الدعا بالطراوۃ وعدم الدروس قال میرک ولعل الحکمۃ فیہ ان القبرا ذارش بالماء کان اکثر بقاء وابعد من التناثر والا ندارس قلت ھذاامر ظاھر حسی لا یحتاج الیٰ نقل وھو ماخوذ من العبارۃ اماماذکرہ الطیبی من الاشارۃ فھو فی غایۃ اللطافۃ و نھایۃ الشرافۃ ونظیرہ ان احدامن المریدین بنیٰ بیتا ثم ضیف شیخہ فقال لہ الشیخ لأیّ شئی فتحت الطاقۃ قال لدخول الھواء وشمول الضیاء فقال ھذاامر ظاھر حاصل لا محالۃ لکن کان ینبغی ان تقصدبالاصالۃ سماع الاذان ویکون الباقی تبعالہٗ''۔

''علامہ طیبی نے فرمایا کہ پانی چھڑکنا رحمت الٰہیہ وعواطف ربانیہ کے نزول کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دعا میں وارد ہے ''خداوندا! دھودے اس کے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے اور لوگ دعا کے وقت کہا کرتے ہیں

سقی الله ثراه وبرد مضجعه یا تراوٹ اور نہ مٹنے کی دعا طرف اشارہ ہے۔علامہ میرک کہتے ہیں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ قبر پر جب پانی چھڑک دیا جاتا ہے تو اس کی بقا زیادہ ہو جاتی ہے اور انتشار اور مٹنے سے دور ہو جاتی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں یہ تو ظاہر اور محسوس ہے، اس کی نقل کی ضرورت نہیں اور یہ تو عبارت ہی سے ظاہر ہے اور علامہ طیبی نے جو اشارہ ذکر کیا، وہ غایت لطیف اور بہت ہی خوب ہے۔اس کی مثال وہ واقعہ ہے کہ کسی مرید نے ایک گھر بنایا اور اپنے شیخ کی دعوت کی۔شیخ نے پوچھا اس میں روشندان کس لئے رکھا ہے، مرید نے کہا کہ ہوا اور روشنی کے لئے۔شیخ نے کہا یہ تو ظاہر ہے، یقیناً ہونا ہی ہے لیکن مناسب یہ تھا کہ اصل مقصد اذان کی آواز آنا ہوتا، باقی ہوا اور روشنی بالتبع مراد ہوتی، و نعم من قال۔

سرمہ کہ برائے نور چشم ست
زیبائش چشم اوطفیل ست

''و عن ابی رافع قال سل رسول الله علیه وسلم سعد اورش علیٰ قبره ماء ''(رواه ابن ماجة)۔''ابن ماجہ حضرت ابورافع سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی ضرورت یا بیان جواز کے لئے حضرت سعد کو سرہانے کی طرف سے قبر میں داخل کیا اور ان کے قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا''۔

''وعن جعفر بن محمد عن ابیه مرسلا ان النبی صلی الله علیه وسلم حثیٰ علیٰ المیت ثلاث حثیات بیدیه جمیعا وانه رش علیٰ قبر ابنه ابراهیم ووضع علیه حصباء (رواه فی شرح السنة وروی الشافعی من قوله رش)''۔''علامہ بغوی شرح السنہ میں امام جعفر صادق سے وہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے مرسلا راوی۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر دونوں ہاتھوں سے تین لپ مٹی ڈالی اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔اس حدیث کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا مگر صرف ورش سے''۔(مشکوۃ شریف ص ۱۴۸)

مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۳۷۷ میں ہے:''قال ابن الملك ولیسن حیث لامطر رش القبر بماء بارد طاهر مطهور تفاولا بان الله یبرد مضجعه''۔''ابن مالک نے کہا کہ جب بارش نہ ہو تو قبر پر ٹھنڈا طاہر مطہر پانی چھڑکنا مسنون ہے، اس بات کی تفاول کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خوابگاہ ٹھنڈی کرے''۔

اسی میں ہے ص ۳۷۸:''وروی البزاز انه امر بالرش فی قبر عثمان بن مظعون'' ۔''بزاز نے روایت کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا''۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات حاشیہ مشکوۃ ص ۱۴۹ میں تحت حدیث جابر رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:''وذلك لمصلحة رأ هااصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم والعلةفی رش قبر غیر

ہ صلی اللہ علیہ وسلم التفاؤل باستنزال الرحمۃ و غسل الخطایا و تطہیر الذنوب و علل ایضا بان یمسک تراب القبر عن الانتشار و یمنع عن الدروس'' ۔''صحابہ کرام نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا، وہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہوا جو ان لوگوں نے سمجھا ہو۔ رہا حضور کے سوا اوروں کی قبر پر پانی چھڑکنے کی علت تو نزول رحمت اور خطا دھلنے، گناہوں سے پاک صاف ہونے کی نیک فال ہے اور قبر کی مٹی کو منتشر ہونے سے بچانا اور قبر کو مٹنے سے محفوظ رکھنا بھی اس کی علت بیان کی گئی ہے''۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد ا ص ۸۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قول ولا باس برش الماء علیہ بل ینبغی ان یندب لا نہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلہ بقبر سعد کما رواہ ابن ماجۃ وبقبر ولدہ ابراہیم کما رواہ ابو داؤد فی مرا سیلہ وامر بہ فی قبر عثمان بن مظعون کمارواہ البزار''۔''قبر پر پانی چھڑکنا مندوب ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی قبر پر پانی چھڑکا جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر جیسا کہ مراسیل ابوداؤد میں ہے اور حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا جیسا کہ بزار کی روایت میں ہے''۔

دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا

اتحاف السادۃ المتقین جلد ۱۰ ص ۳۶۸ میں ہے: ''قال سعید بن عبداللہ الاودی شہدت ابامامۃ الباہلی وھو فی النزع فقال یا سعید! اذا مت فاصنعوا بی کما امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا مات احد کم فسر یتم علیہ التراب فلیقم احد کم علیٰ راس قبرہ ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یسمع ولا یجیب ثم لیقل یافلان بن فلانہ الثانیۃ فانہ یستوی قاعد اثم لیقل یا فلان بن فلانۃ الثالثۃ فانہ یقول ارشدنا یرحمک اللہ ولکن لا تسمعون فیقول لہ اذکرما خرجت علیہ من الدنیا شہادۃ ان لا الہ الااللہ وان محمدا رسول اللہ وانک رضیت باللہ ربا و بالا سلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاو بالقران اماما فان منکر او نکیرایتاخر کل واحد منہما فیقول انطلق بنامانقعد ناعند ھذاوقد لقن حجتہ ویکون اللہ عزوجل حجیجہ دونہما فقال رجل یا رسول اللہ !فان لم یعرف اسم امہ قال فلینبہ الیٰ حواء''۔

''سعید بن عبداللہ اودی کہتے ہیں کہ میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جس وقت وہ حالت نزع میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے سعید! میں جب مر جاؤں تو میرے ساتھ وہ کام کرو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی مرے اور تم بعد دفن اس پر مٹی برابر کر چکو تو ایک آدمی اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور

کہے اے فلاں بن فلانہ تو وہ سنے گا مگر جواب نہ دے گا پھر دوسری مرتبہ کہے اے فلاں بن فلانہ اس کو سن کر وہ بیٹھ جائے گا پھر تیسری مرتبہ کہے اے فلاں بن فلانہ تب وہ کہے گا کہو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، لیکن اس کہنے کو تم نہ سنو گے۔ تب وہ شخص کہے یاد کرو اس عقیدہ کو جس پر تم دنیا سے نکلے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور تو راضی ہے اس بات پر کہ خدا تیرا رب ہے، اسلام تیرا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور قرآن شریف تیرا پیشوا ہے۔ یہ سن کر منکر نکیر دونوں پیچھے ہٹیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا کہ چلو کیا بیٹھیں اس کے پاس جس کو حجت تلقین کی گئی اور اللہ تعالیٰ اس شخص اور ان دونوں فرشتوں کے درمیان ہوگا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، تو ارشاد ہوا تو فلاں بن حوا کہنا''۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۸ میں فرماتے ہیں: ''رواہ الطبرانی فی الکبیر و فی کتاب الدعاء وابن مندۃ فی کتاب الروح وابن عساکر والدیلمی ورواہ ابن مندۃ من وجہ اخر عن ابی امامۃ قالاذا انا متُّ فد فنتمونی فلیقم انسان عند راسی فلیقل یا صدی بن عجلان اذکر ماکنت علیہ فی الدنیا شھادۃ ان لاالہ الااللہ و ان محمد ارسول اللہ رواہ ابن عساکر من وجہ اخر عن ابی امامۃ رفعہ اذامات الرجل منکم فد فنتموہ فلیقم احد کم عند راسہ فلیقل یا فلان بن فلانۃ فانہ یسمع فلیقل یافلان بن فلانہ فانہ یستوی قاعد افلیقل یا فلان بن فلانۃ فانہ سیقول لہ ارشدنی یرحمك اللہ فلیقل اذکر ماخرجت علیہ من الدنیا شھادۃ ان لاالہ الا اللہ و ان محمد اعبدہ و رسولہ وان الساعۃ اتیۃ لاریب فیھا وان اللہ باعث من فی القبور فان منکرا و نکیرا عند ذلك یا خذ کل واحدبید صاحبہ ویقول قم ماتصنع عند رجل لقن حجتہ فکیون اللہ حجیجھما دونہ''۔

''روایت کیا اس کو طبرانی نے کبیر میں اور کتاب الدعا میں اور ابن مندہ نے کتاب الروح میں اور ابن عساکر اور دیلمی نے اور روایت کیا اس کو ابن مندہ نے دوسرے طریقہ سے ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ انہوں نے کہا کہ جب میں مرجاؤں اور تم لوگ مجھ کو دفن کر چکو تو چاہئے کہ کھڑا ہو ایک آدمی میری قبر کے سرہانے اور کہے: ''اے صدی بن عجلان! یاد کرو اس شے کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی شہادت اس بات کی کہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں'' روایت کیا اس کو ابن عساکر نے دوسرے طریقے سے ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مرفوع کیا اس کو ''جب مرجائے کوئی مرد تم لوگوں میں سے اور دفن کر چکو اس کو تو چاہئے کہ کھڑا ہو جائے کوئی تم لوگوں میں کا اس کے سرہانے اور یوں کہے اے فلاں بن فلانہ! بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلانہ! پس وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے پھر کہے اے فلاں بن

فلانہ! پس بیشک وہ اسے کہتا ہے کہ رہبری کرو میری رحم کرے گا تم پر اللہ تعالیٰ۔ اس کے بعد اسے کہنا چاہئے کہ ''یاد کرو جس چیز پر تم نکلے ہو دنیا سے (یعنی) اس بات کی شہادت کہ نہیں ہے معبود کوئی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھانے والا ہے ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں پس بیشک اس وقت منکر اور نکیر پکڑتے ہیں ہر ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ کو اور کہتے ہیں اٹھو کیا کرو گے ایسے مرد کے پاس جو تلقین کیا جا رہا ہے اپنی حجت کہ ہو جائے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی طرف سے جھگڑنے والا اس وقت''۔

اسی میں ص (۳۶۹ میں ہے:''وروی سعید بن منصور عن راشد بن سعد وضمرة بن حبیب و حکیم بن عمیر قالو اذا سوی علیٰ قبره وانصرف الناس عنه كان يستحب ان يقال للميت عند قبره يا فلان قل لااله الا الله ثلاث مرات يا فلان قل ربى الله و دینی الاسلام و نبی محمد صلی الله علیه وسلم'' ۔''سعید بن منصور، راشد بن سعد اور ضمرہ بن حبیب اور حکیم بن عمیر سے راوی۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب مردے پر مٹی برابر کر دیں اور لوگ اس سے واپس پھریں تو مستحب ہے کہ میت کی قبر کے پاس یہ کہا جاوے اے فلاں کہہ لا الہ الا اللہ۔ تین مرتبہ اس کو کہیں۔ اے فلاں کہہ رب میرا اللہ، دین میرا اسلام، نبی میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں''۔

علامی شامی رد المحتار جلد اول ص ۶۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں:''قوله ولا يلقن بعد تلحيده ذكر فى المعراج انه ظاهر الرواية ثم قال و فى الخبازية والكافى من الشيخ الزاهد الصفاران هذا قول المعتزلة لان الاحياء بعد الموت عندهم مستحيل اما عند اهل السنة فالحديث اى لقنو اموتاكم لااله الا الله محمول علىٰ حقيقته لان الله تعالى يحييه على ماجاءت به الأثار وقد روى عنه عليه الصلاة والسلام انه امر بالتلقين بعد الدفن فيقول يافلان بن فلانة اذكر دينك الذى كنت عليه من شهادة ان لااله الاالله وان محمدا رسول الله الخ''۔

''معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ان کے نزدیک محال ہے اور اہل سنت کے نزدیک لقنو اموتاکم لااله الاالله اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ کرے گا اور حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا ہے تو کہے اے فلاں بن فلانہ! یاد کرو اس دین کو جس پر تم دنیا میں تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں''۔

گیارھواں طریقہ: دعائے تثبیت کرنا

''عن عثمان بن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم واسالوا لہ بالتثبیت فانہ الان یسئال''۔(رواہ ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۰۲)۔" ابوداؤد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے قبر کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا اور سوال کرو کہ اللہ تعالی اسے قول ثابت پر ثابت وقائم رکھے اس لئے کہ اس وقت وہ سوال کیا جائے گا۔منکر نکیر اس سے پوچھنے کو آئیں گے''۔

''وعن ابن مسعود قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقف علی القبر بعد مایسوی علیہ فیقول اللھم نزل بک صاحبنا و خلف الدنیا خلف ظھرہ اللھم ثبت عند المسئلۃ منطقہ ولا تفتنہ فی قبرہ بما لا طاقۃ لہ بہ'' (رواہ سعید بن منصور)۔''سعید بن منصور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد درستی قبر پر ٹھہرتے اور دعا کرتے خداوندا میرا صحابی تیرے پاس اترا ہے اور دنیا کو اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑا۔خداوندا سوال کے وقت اس کی بولی ثابت و درست رکھ اور قبر میں اسے جانچ میں مبتلا نہ کر جس کی اسے طاقت نہ ہو''۔

''وروی ابن ماجۃ والبیھقی فی السنن عن ابن المسیب قال حضرت ابن عمر فی جنازۃ ابنۃ لہ فلما وضعھا فی اللحد قال بسم اللہ و فی سبیل اللہ فلما اخذ فی تسویۃ اللحد قال اللھم اجرھا من الشیطان و من عذاب القبر فلما سوی الکثیب علیھا قام جانب القبر ثم قال اللھم جاف الارض عن جنبیھا و صعد روحھا ولقھا منک رضوانا ثم قال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''۔

''ابن ماجہ وبیہقی سنن میں حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ میں حضرت ابن عمر کی صاحبزادی کے جنازہ میں حاضر ہوا تو جب آپ نے ان کو لحد میں رکھا تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ کہا، جب قبر برابر کرنے لگے تو اللھم اجرھا من الشیطان و من عذاب القبر کہا یعنی خداوندا اس کو شیطان اور قبر کے عذاب سے بچا اور جب مٹی برابر کر چکے تو قبر کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ قبر کو دونوں طرف سے پھیلا دے اور اس کی روح کو بلند فرما اور اس سے رضا مندی کے ساتھ ملاقات کر۔پھر کہا کہ اسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا''۔

''وروی ابن ابی شیبۃ عن قتادہ ان انسا دفن ابنا لہ فقال اللھم جاف الارض عن جنبیہ وافتح ابواب السماء لروحہ ابدلہ دارا خیرامن دارہ''۔''ابن ابی شیبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو دفن کیا پس کہا خداوندا زمین کو اس کی دونوں جانب سے کشادہ فرما اور اس کی روح

کے لئے آسمان سے دروازے کھول دے اوراس کا گھر بدل دے جو دنیوی گھر سے بہتر ہو''۔

حکیم ترمذی نوادرالاصول میں فرماتے ہیں: ''الوقوف علیٰ القبر و سوال التثبیت فی وقت الدفن مددللمیت بعد الصلاۃ لان الصلاۃ بجماعۃ المومنین کالعسکر له و قد اجتمعوا بباب الملك یشفعون له والوقوف علیٰ القبرو سوال التثبیت فی وقت الدفن مدد للعسکر و ذلك ساعۃ شغل المیت''۔(الکل من شرح الاحیاء ج ا ص ۳۶۸)۔''قبر پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا دفن کے وقت، یہ نماز جنازہ کے بعد میت کی مدد ہے۔اس لئے کہ جماعت مومنین کے ساتھ نماز پڑھنا مثل لشکر کے ہے۔بادشاہ کے دروازہ پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔اس لشکر کی مدد ہے۔کیونکہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے''۔

بارھواں طریقہ بعد دفن قبر پر اذان دینا

امام احمد وطبرانی وبیہقی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے راوی: ''قال لما دفن سعد بن معذ (زادفی روایۃ) وسوی علیه سبح النبی صلی اللہ علیه وسلم و سبح الناس معه طویلا ثم کبر و کبر الناس ثم قالو ایا رسول اللہ لم سبحت (زادفی روایۃ) ثم کبرت قال لقد تضایق علیٰ هذا الرجل الصالح قبرحتی فرجه اللہ تعالی عنه''۔''جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کردی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے۔پھر صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اس سے دور کردی اور قبر کشادہ فرمادی''۔

علامہ طیبی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں: ''ای مازلت اکبر و تکبرون واسبح و تسبحون حتی فرجه اللہ''۔''حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی''۔

اقول اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ کلمات طیبات زائد ہیں، سوان کی زیادت نہ معاذ اللہ کچھ مضر، نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زائد مفید و موئد مقصود ہے کہ رحمت الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔علاوہ بریں بالا تفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں ثابت کہ میت کے پاس حالت نزع میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اسے سن کر یاد ہو۔

حدیث میں ہے: ''لقنوا موتاکم الا الٰہ الا اللہ اپنے مردوں کو لاالٰہ الااللہ سکھا'' (رواہ الامام احمد ومسلم وابو دؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی سعید المخدری وابن ماجۃ کمسلم عن ابی ہریرۃ وکالنسائی عن ام المومنین عائشت رضی اللہ عنہم)۔

اب جونزع میں ہے وہ مجازاً مراد ہے اوراسے کلمۂ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہواور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جودفن ہو چکا حقیقۃً مردہ ہے اوراسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہ کلمہ لاالٰہ الااللہ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں۔اُن کے سوال تین ہیں من ربك تیرارب کون ہے، ما دینك تیرادین کیاہے۔ماکنت تقول فی ھذاالرجل تواس مردیعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔اب اذان کی ابتداء میں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لاالٰہ الااللہ اشھد ان لاالٰہ الااللہ اور اخیر میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الااللہ، من ربك سکھائیں گے۔ان کے سننے سے یاد آئے گا میرارب اللہ ہےاوراشھدان محمد ارسول اللہ اشھدان محمد ارسول اللہ سوال ماکنت تقول فی ھذاالرجل کا جواب تعلیم دیں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھااور حی علیٰ الصلاۃ حی علیٰ الفلاح جواب مادینك کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرادین وہ تھاجس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلاۃ عماد الدین تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جونبی صلی اللہ علیٰ وسلم نے حدیث صحیح مذکور میں فرمایا۔نیز علم والا ہر شخص جانتا ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہےاورسوال نکیرین ہوتا ہے۔شیطان رجیم (اللہ عزوجل صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ وافضل الصلاۃ والتسلیم کا ہر مسلمان مردوزن کوحیات وممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے)وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہےاورجواب میں بہکاتا ہےوالعیاذ بوجہ العزیز الکریم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

امام ترمذی محمد بن علی نوادرالاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں:''ویوئدہ من الاخبار قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند دفن المیت اللّٰھم اجرہ من الشیطان فلو لم یکن للشیطان ھناك سبیل مادعا صلی اللہ علیہ وسلم بذلك''۔''وہ حدیثیں اس کی موید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے: الٰہی اسے شیطان سے بچا۔اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے''۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں: ’’اذا اذن المؤذن ادبر الشیطان ولہ حصاص‘‘۔ ’’جب موذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھر کر گوز زناں بھاگتا ہے‘‘۔ ’’صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہوجائے گا۔ اخرجہ الامام ابو القاسم سلیمن بن احمد والطبرانی فی اوسط معاجیمہ عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ۔

ہم نے اپنے رسالہ ’’نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوبا‘‘ میں اس مطلب پر بہت احادیثیں نقل کیں اور جب ثابت ہوگیا کہ وہ وقت عیاذاً باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد واعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن وحدیث مالا مال۔ اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد ماۃ حاضرہ جناب مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ القوی نے ایک مستقل رسالہ بنام ’’ایذان الاجر فی اذان القبر‘‘ تصنیف فرمایا جس میں پندرہ دلیلوں سے اس مسئلہ کو مدلل فرمایا۔ یہ تین دلیلیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ اور علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار نے حاشیہ ’’بحر الرائق‘‘ میں ان کا یہ قول نقل فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ’’ملفوظات عزیزی‘‘ میں ہے: ’’عمل مشائخ ست کہ اذان برقبر بعد دفن می گویند‘‘۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر اذان دینا بزرگوں سے چلا آرہا ہے اور وہ سب حدیثیں اس عمل خیر کی اصل ہیں۔ واللہ الہادی۔

تیرھواں طریقہ: قبر کے اوپر کھجور کی شاخ یا کوئی لکڑی یا کوئی سبزی وغیرہ رکھنا

’’عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بحائط من حیطان المدینۃ او مکۃ فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورھما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلیٰ کان احدھم لا یستتر من بولہ و کان الآخر یمشی بالنمیمۃ ثم دعا بجریدۃ فکسرھا کسرتین فوضع علیٰ کل قبرھما کسرۃ فقیل لہ یا رسول اللہ! لم فعلت ھذا؟ قال لعلہ ان یخفف عنھما مالم تیبسا (رواہ البخاری و مسلم و ابو داؤد والترمذی والنسائی و ابن ماجۃ)

’’حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ گزرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ یا مدینہ کے باغوں سے کسی باغ میں تو دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ان پر قبر میں عذاب ہورہا ہے۔ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہورہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہورہا جس سے بچنا مشکل ہو۔ پھر فرمایا ان میں ایک آدمی تو اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا پھر کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور اس کو دو ٹکڑا کیا اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھا۔ صحابہ نے عرض کی حضور نے ایسا کس لئے کیا؟ فرمایا تاکہ ان دونوں پر عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں فرماتے ہیں: ''قوله لعله ان يخفف عنهما اى لعله يخفف ذلك من ناحية التبرك باثر النبى عليه الصلاة والسلام و دعائه بالتخفيف عنهما فكان صلى الله عليه و سلم جعل مدة بقاء النداوة فيهما حداً لماوقعت المسالة من تخفيف العذاب عنهما وليس ذلك من اجل ان فى الرطب معنى ليس فى اليابس قاله الخطا بى وقال النووى قال العلماء وهو محمول على انه صلى الله عليه وسلم سائل الشفاعة لهما فاجيبت شفاعته بالتخفيف عنهما الى ان ييبسا وقيل يتحمل انه صلى الله عليه و سلم يد عولهما تلك المد ة وقيل لكونهما يسبحان مادامتا رطبتين وليس لليابس تسبيح قالوافى قوله تعالى وان من شئى الا يسبح بحمده معناه وان شئى حى ثم حياة كل شئى بحسبه فحيا ة الخشبة مالم ييبس وحياة الحجر مالم يقطع''۔

''تخفیف عذاب کے سبب میں علما کے متعدد اقوال ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا کہ تخفیف عذاب بوجہ برکت اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ودعائے تخفیف ہے کہ حضور نے جریدہ کی تری کا باقی رہنا، تخفیف عذاب کی حد قرار دیا اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تر لکڑی میں کوئی ایسی خوبی ہے جو خشک میں نہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علمائے کرام فرماتے ہیں: یہ اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک وہ دونوں لکڑیاں خشک نہ ہوں، ان دونوں کے تخفیف عذاب کی دعا وسفارش فرمائی تو تا خشک ہونے ان کے، حضور کی شفاعت دربارہ تخفیف عذاب مقبول ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مدت تک ان دونوں کے لئے دعا کرتے ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہو کہ جب تک وہ دونوں تر ہیں، خداوند عالم کی تسبیح کرتے ہیں اور اس سے تخفیف عذاب ہوتی ہے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی۔ علمانے وان من شئى الايسبح بحمده کے معنی میں کہا کہ کوئی زندہ چیز نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو پھر ہر چیز کی حیات اس کے مطابق ہوتی ہے۔ لکڑی کی حیات اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی حیات اس وقت تک ہے کہ کاٹا نہ جائے''۔

فتح الباری شرح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: ''وقد قيل ان المعنى فيه انه يسبح مادام رطبا فيحصل التخفيف ببركة التسبيح وعلى هذا فيطرد فى كل مافيه رطوبة من الا

شجار وغيرها و كذلك فيما فيه بركة كالذكر وتلاوة القرآن من باب الاولىٰ وقد تاسى بريدة بن الخصيب الصحابي بذلك فاوصىٰ ان توضع علىٰ قبره جريد تان كما سياتى فى الجنائز من هذا الكتاب وهوا ولىٰ ان يتبع من غيره"۔

''اور کہا گیا ہے کہ تخفیف عذاب کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کی شاخ جب تک تر رہے گی، خدا کی پاکی بیان کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس بنا پر یہ برکت درخت وغیرہ ہر اس چیز کو عام ہوگی جس میں تری ہے۔اسی طرح ہر اس چیز میں جو متبرک ہے اور جیسے ذکر اور تلاوت قرآن میں بدرجہ اولیٰ یہ برکت ہوگی اور حضرت بریدہ ابن الخصیب صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کی پیروی کی۔وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو شاخ کھجور کی رکھی جائے۔اس کا بیان اسی کتاب کے ''باب الجنائز'' میں آئے گا اور حضرت بریدہ زیادہ مستحق اس امر کے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے باعتبار دوسروں کے''۔

ارشاد الساری شرح بخاری علامہ خطیب قسطلانی جلد۲ ص۳۷۱ میں ہے:"او ان المعنى فيه انه يسبح مادام رطبا فيحصل التخفيف ببركة التسبيح و حينئذ فيطر دفى كل مافيه رطوبة من الرياحين والبقول وغيرها وليس لليابس تسبيح قال تعالىٰ ان من شئى الا يسبح بحمده اى شى حى و حياة كل شئى بجنسه فالخشب مالم ييبس والحجر ماله يقطع من معدنه"۔''اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ شاخ تر رہے گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، یہ حکم عام ہوگا، خوشبو ہو یا سبزی وغیرہ اور خشک چیز تسبیح نہیں کرتی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:وان من شئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کوئی زندہ چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور زندگی ہر چیز کی اس کے مناسب ہوتی ہے تو لکڑی کی زندگی اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی اس وقت تک ہے کہ اپنے کان سے کاٹا نہ جائے''۔

امام جلال الدین سیوطی ''شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور'' میں فرماتے ہیں:'' قال الخطابى هذا عنداهل العلم محمول علىٰ ان الاشياء مادامت علىٰ اصل خلقتها و خضرتها او طراوتها فانها تسبح حتىٰ يخفف رطوبتها او تحول خضرتهاو يقطع عن اصلها وقال غير الخطابى فاذا خفف عنها تسبيح الجريد فكيف بقراءة المومن القرانٰ قال هذاا لحديث اصل فى غرس المومن الاشجار عند القبور واخرج ابن عساكر من طريق حمادبن سلمة عن قتادة ان ابابرزة الاسلمى رضى الله عنه كان يحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مرعلى قبر و صاحبه يعذب فاخذ جريدة فغرسها فى القبر و قال عسىٰ ان يرفعه عنه مادامت رطبة فكان ابو برزة يوصى اذامت

فضعوا فی قبری می جریدتین قال فمات فی مفازۃ بین کرمان و قومس فقالو ایو صینا ان نضع فی قبرہ جریدتین وھذا موضع لا نصیبھا فیہ فبینا ھم کذلک اذطلع علیھم رکب من قبل سجستان فاصابوا معھم سعفافا خذوا جریدتین فو ضعوھما معہ فی قبرہ و اخرج ابن سعد عن مسروق قال اوصیٰ بریدۃ ان یجعل فی قبرہ جرید تان"۔

"علامہ خطابی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں کی قبروں پر جریدہ رکھنا، اس بات پر محمول ہے کہ اشیا جب تک اپنی اصل خلقت اور سبزی وتری پر رہتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی رطوبت خشک ہو یا اس کی سبزی جاتی رہے یا اصل سے وہ چیز قطع کردی جائے۔ اور خطابی کے سوا دیگر علما نے فرمایا کہ جب بہ سبب تسبیح شاخ خرما ان دونوں مردوں سے عذاب میں تخفیف کی گئی تو مومن کے قرآن شریف پڑھنے کے سبب کس قدر تخفیف ہوگی اور یہ حدیث مسلمانوں کی قبروں کے پاس درخت لگانے کی اصل ہے اور ابن عساکر نے بطریق حماد بن سلمہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ حدیث شریف بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے اور قبر والے شخص پر عذاب کیا جارہا تھا تو حضور نے کھجور کی ایک شاخ لے کر اس کو اس قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی، اللہ تعالیٰ اس مردہ سے عذاب اٹھالے گا اور ابو برزہ وصیت کرتے تھے کہ جب میں مروں تو میری قبر میں کھجور کی دو شاخ تر رکھنا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اتفاق وقت کہ ان کا انتقال کرمان اور قومس کے درمیان ایک میدان میں ہوا۔ لوگوں نے کہا ان کی وصیت یہ تھی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھیں اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں کھجور کی شاخ نصیب نہیں۔ بس ہم لوگ اسی شش وپنج میں تھے کہ سجستان کی طرف سے ایک جماعت آتی ہوئی نظر آئی۔ ان کے ساتھ کھجور کی شاخیں تھیں۔ لوگوں نے ان سے دو شاخیں لے لیں اور ان کی قبر میں رکھا۔"

علامہ ابن حجر مکی فتاوی حدیثیہ ص ۲۰۰ میں اس حدیث بخاری کے متعلق سوال کے جواب میں تحقیق وتفصیل کے بعد لکھتے ہیں: "و بما قررتہ یعلم انہ یسن لکل احد اتبا عالہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الا صل فی افعالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التاسی الا مادل دلیل علیٰ الخصوصیۃ ولا دلیل ھھنا فندب التاسی بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک"۔ "اور جو کچھ میں نے تقریر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے مسنون ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے اتباع میں قبر پر شاخ تر خرما کی رکھے۔ اس لئے کہ اصل حضور کے افعال میں اقتدا کرنا ہے۔ ہاں! جب کوئی دلیل خصوصیت کی ہو تو البتہ مخصوص ہوگا اور اس جگہ کوئی دلیل تخصیص نہیں تو اس مسئلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنا مندوب و مستحسن ہوگا"

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ اس حدیث سے علمائے کرام نے تین مسئلے استنباط فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ قبر کے پاس قرآن شریف کی تلاوت مستحب ومندوب ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلد۱ ص ۲۸۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:"واستحب العلماء قراۃ القران عندالقبر لھذا الحدیث اذ تلاوۃ القران اولیٰ بالتخفیف من تسبیح الجرید و قد ذکر البخاری ان بریدۃ بن الخصیب الصحابی اوصیٰ ان یجعل فی قبرہ جریدتان فکانہ تبرك بفعل مثل فعل رسول اللہ ﷺ"۔ "علمانے اس حدیث سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی تلاوت تخفیف عذاب میں تسبیح جریدہ سے ضرور اولیٰ ہے اور بخاری نے ذکر کیا کہ بریدہ بن خصیب صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں کھجور کی رکھی جائیں تو گویا انہوں نے مثل فعل رسول سے برکت لینا چاہا"۔

عینی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں ہے:"واستحب العلماء قراءۃ القرآن عند القبر لھذا الحدیث لا نہ اذا کان یرجی التخفیف بتسبیح الجرید فتلاوۃ القرآن اولیٰ"۔"اس حدیث سے علمانے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب قرار دیا۔ اس لئے کہ جب تسبیح جریدہ سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو تلاوت قرآن سے تخفیف عذاب بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

شرح احیاء العلوم علامہ سید مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۶۹ میں ہے:" قال السیوطی فی شرح الصدور واما قراءۃ القرآن علی القبر فجزم بمشرو عیتھا اصحابنا و غیرھم قال الزعفرانی سئالت الشافعی عن القراءۃ عندالقبر فقال لاباس بہ وقال النووی فی شرح المھذب یستحب لزائر القبوران یقرء ماتیسرمن القران ویدعولھم عقبھا نص علیہ الشافعی واتفق علیہ الاصحاب زاد فی موضع آخر وان ختمواالقران علی القبر کان افضل وقد سئل الشمس محمد بن علی بن محمد بن عیسیٰ العسقلانی الکنانی السمھودی الشافعی عرف بابن القطان المتوفی ۸۱۳ وھو من مشائخ الحافظ ابن حجر عن مسائل فاجاب ومنھا و ھل یصل ثواب القراءۃ للمیت ام لا ؟فاجاب عنھا فی رسالۃ سماھا "القول بالا حسان العمیم فی انتفاع المیت بالقران العظیم" وانا اذکر منھا مایلیق بالمقام الاختصار قال رحمہ اللہ:"اختلف العلماء فی ثواب القراءۃ للمیت فذھب الاکثرون الیٰ المنع وھوالمشھور من مذھب الشافعی ومالك و نقل عن جماعۃ من الحنفیۃ وقال کثیر منھم یصل وبہ قال الامام احمد بعدان قال القراءۃ علی القبر بدعۃ بل نقل عنہ انہ یصل الی

المیت کل شیء من صدقة وصلاة و حج وصوم و اعتکاف و قرائة و ذکر وغیر ذلك و نقل ذلك عن جماعة من السلف و نقل عن الشافعی انتفاع المیت بالقراء ة علیٰ قبره واختار شیخنا شهاب الدین بن عقیل و تواتران الشافعی زار اللیث بن سعد واثنیٰ علیه خیرا وقرء عنده ختمة و قال ارجوان تدوم فکان الامر کذلك وقال القرطبی قد استدل بعض علمائنا علیٰ قراء ة القران علیٰ القبر بحدیث العسیب الرطب الذی شقه النبی ﷺ باثنین ثم غرس علیٰ قبر نصفاو علیٰ قبر نصفا و قال لعله یخفف عنهما مالم ییبسار واه الشیخان قال و یستفاد من هذاغرس الا شجار وقراء ة القران علیٰ القبور و اذالخفف عنهم بالاشجارفکیف بقراء ة الرجل المومن القرآن و قال النووی استحب العلماء قراء ة القرآن عند القبرو واستا نسو الذلك بحدیث الجریدین وقالوا اذا وصل النفع الیٰ المیت بتسبیحهم حال رطو بتهما فانتفاع المیت بقراء ة القران عند قبره اولیٰ فان قراء ة القرآن من انسان اعظم وانفع من التسبیح من عود اه"۔

"امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن شریف کا قبر پر پڑھنا تو ہمارے اصحاب اور دوسروں نے اس کے مشروع ہونے کا یقین کیا۔ امام زعفرانی نے کہا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایا: زائر قبور کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر بآسانی قرآن شریف پڑھ سکے، اتنا قرآن پڑھے، اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس پر نص فرمایا اور دوسری جگہ اس قدر اور زیادہ کیا کہ اگر ایک ختم قرآن کامل کریں تو اور بہتر ہے اور علامہ شمس محمد بن علی عسقلانی کنانی سمہودی شافعی استاذ علامہ عصر حافظ ابن حجر عسقلانی معروف بہ ابن القطان (متوفی ۸۱۳ھ) سے چند مسئلے دریافت کئے گئے تو آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا قرآن شریف پڑھ کر بخشنے سے مردہ کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نام "القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم" رکھا اور ہم اس سے تھوڑا سا حسب مناسب مقام اختصار کے ساتھ اس جگہ ذکر کرتے ہیں: "مردے کو قراءۃ قرآن شریف کا ثواب پہنچنے میں علما کا اختلاف ہے اکثر لوگ منع کی طرف گئے ہیں اور یہی مشہور مذہب امام شافعی کا ہے اور امام مالک و جمہور حنفیہ سے منقول ہے اور اکثر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ میت کو قرأت کا ثواب پہونچتا ہے۔ امام احمد بن حنبل بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ پہلے یہ کہتے تھے کہ قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔* (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

ان سے منقول ہے کہ مردے کو سب کچھ پہونچتا ہے صدقہ ہو یا نماز، حج، روزہ، اعتکاف، قرأۃ قرآن، ذکر

وغیرہ اور اسے سلف صالحین کی ایک جماعت سے نقل کیا اور قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے میت کا نفع اٹھانا، امام شافعی سے منقول ہے اور اسی کو ہمارے استاذ شہاب الدین عقیلی نے پسند فرمایا اور امام شافعی سے متواتر طریقہ پر ثابت ہے کہ انہوں نے لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کی اور ان کی تعریف بیان کی اور وہاں ایک ختم قرآن شریف پڑھا اور فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ یہ قرأت ہمیشہ جاری رہے۔ پس ویسا ہی واقع ہوا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ بعض علما نے قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے جواز پر شاخ خرما والی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے شاخ خرما کو دو نصف کیا اور ایک نصف ایک قبر پر اور دوسرا دوسرے پر نصب کیا اور فرمایا کہ جب تک یہ دونوں تر رہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں مردوں پر عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا اور کہا کہ اس حدیث سے قبر پر درخت کا نصب کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مستفاد ہوتا ہے کہ جب شاخ درخت کی وجہ سے تخفیف عذاب ہو تو قرآن مجید کے مفید ہونے کا کیا کہنا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علما نے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب جانا اور حدیث ''جریدتین'' سے استدلال کیا اور فرمایا کہ جب شاخ تر کی تسبیح سے مردہ کو فائدہ ہوتا ہے تو قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے سے نفع ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ انسان کا قرآن شریف پڑھنا لکڑی کی تسبیح کرنے سے رتبہ میں اعظم اور فائدہ میں نفع ہے''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ علامہ ابن قطان کا ''فذهب الاکثرون الی المنع'' فرمانا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ علمائے راسخین کی تحقیق وتصریح کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری مرقات شرح مشکوۃ جلد ۶ ص ۳۸۲ میں فرماتے ہیں: ''اختلف فی وصول ثواب القرآن للمیت فجمهور السلف والائمة الثلثة علی الوصول و خالف فی ذلك امامنا الشافعی مستدلا بقوله تعالیٰ ''وان لیس للانسان الا ماسعیٰ'' واجاب الاولون عن الایة بوجوه۔ احدها انها

---

*''ان کے اس قول سے رجوع کرنے کا واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے علی بن موسیٰ حداد کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ ایک جنازہ میں گیا اور محمد بن قدامہ جوہری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب مردہ کو دفن کر چکے تو ایک نابینا آیا اور قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے لگا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اے شخص! قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم لوگ قبرستان سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد بن حنبل سے کہا: اے ابوعبداللہ! مبشر بن اسمٰعیل حلبی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: وہ ثقہ ہیں۔ پوچھا کہ آپ نے ان سے کچھ لکھا ہے؟ فرمایا ہاں! بولے کہ مجھے مبشر بن اسمعیل نے عبدالرحمن بن علاء بن لجلاج سے خبر دی کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے بعد ان کے سرہانے فاتحہ بقرہ و خاتمہ بقر پڑھی جائے اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عمر سے سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جاؤ اس نابینا کو کہہ دو کہ قرآن شریف پڑھو (احیاء العلوم برحاشیہ شرح مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۷۰) منہ غفرلہٗ''

منسوخة بقوله تعالیٰ: "والذین امنوا و اتبعتهم ذر یتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم" الآیة ادخل الابناء الجنة بصلاح الآباء۔ الثانی انها خاصة بقوم ابراهیم و موسیٰ علیهما الصلاة والسلام فاما هذه الامة فلها ماسعت وماسعیٰ بها قاله عکرمة۔ الثالث المراد بالانسان ههنا الکافر فاماالمومن فله ما سعیٰ لها قاله الربیع ابن انس۔ الرابع لیس للانسان الا ماسعیٰ من طریق العدل فاما من باب الفضل فجائزان یزیده الله ماشاء قاله الحسین بن فضل۔ الخامس ان اللام فی للانسان بمعنی علیٰ ای لیس علیٰ الانسان الا ماسعیٰ واستدلوا علیٰ الوصول بالقیاس علیٰ الدعاء و الصدقة والصوم والحج والعتق لانه لافرق فی نقل الثواب بین ان یکون عن حج او صدقة اووقف اودعاء اوقراءة وبالاحادیث المذکورة وهی وان کانت ضعیفة فمجموعها یدل علیٰ ان لذلك اصلاوان المسلمین مازالوافی کل مصر و عصر یجتمعون و یقرؤن لموتاهم من غیر نکیر فکان ذلك اجماع۔ ذکر ذلك کله الحافظ شمس الدین بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی فی جزء الفه فی المسئلة ثم قال السیوطی واماالقراءة علیٰ القبر فجزم بمشر و عیتها اصحابنا وغیرهم"۔

''امام سیوطی فرماتے ہیں: مردے کو قرآن شریف کا ثواب پہونچنے میں اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور ائمہ ثلثہ کا یہ مذہب ہے کہ پہونچتا ہے اور ہمارے امام شافعی نے اس مسئلہ میں خلاف کیا اور اس آیت کے ساتھ استدلال کیا کہ لیس للانسان الاماسعی اور پہلے مذہب والوں نے اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، ناسخ اس کا ''والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم'' ہے تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کی صلاح کی وجہ سے اولاد جنت میں جائے گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حضرت ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کی امت کا ہے لیکن امت محمدیہ کے لئے دونوں ہیں۔ جو اس نے سعی کیا اور جو اس کے لئے سعی کیا گیا۔ یہ قول عکرمہ کا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ انسان سے کافر مراد ہے لیکن مومن کے لئے جو وہ سعی کرے اور جو اس کے لئے سعی کیا جائے۔ یہ قول ربیع بن انس کا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے بطریق عدل وہی ہے جو اس نے کیا، البتہ بطریق فضل واحسان جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قدر زائد دے۔ یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ لیس للانسان میں لام بہ معنی علیٰ ہے یعنی انسان پر مواخذہ نہیں مگر اسی کا جو اس نے کیا

اور پہلی جماعت اپنے مذہب پر (یعنی ثواب مردے کو پہنچتا ہے) یہ دلیلیں پیش کرتی ہے: اول دعا، صدقہ، روزہ، حج، آزاد کرنے پر قیاس ہے کہ جب ان سب چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے تو ان میں اور قرأت قرآن میں کوئی فرق نہیں کہ ان سب چیزوں کا ثواب پہنچے اور قرأت قرآن کا ثواب نہ پہونچے۔ دوم اس قیاس کے علاوہ ان احادیث سے دلیل لائے ہیں

جو مذکور ہوئیں اور یہ حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان سب کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی اصل ہے اور بلاشبہ مسلمان ہر زمانہ اور ہر شہر میں برابر بلا انکار جمع ہوتے اور اپنے مردوں کے قبر پر قرآن پڑھا کرتے تھے تو یہ اس فعل پر اجماع ہوا۔ یہ سب کچھ حافظ شمس الدین بن عبدالواحد مقدسی حنبلی نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے جو خاص اسی مسئلہ کے متعلق تصنیف کیا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے مشروع ہونے پر ہمارے اصحاب اور ان کے غیر نے جزم ویقین کیا''۔

تو ان تمام عبارات وتصریحات سے واضح ہوا کہ میت کے لئے قرآن شریف پڑھنے کا مشروع ہونا، نہ صرف ائمہ ثلثہ بلکہ چاروں اماموں کا مذہب ہے پھر علامہ ابن قطان کا فذهب الاكثرون الى المنع کہنا، کس طرح قابل قبول ہوسکتا ہے؟۔

نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں!

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث سے علمانے استنباط فرمایا وہ یہ ہے کہ نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں اور اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اس لئے قبرستان سے سبز گھانسوں کا اکھاڑنا، کاٹنا ممنوع ومکروہ ہے۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:"ويكره قطع الحشيش الرطب من المقبرة فان كان يابسا لا باس به لانه مادام رطبا يسبح فيونس الميت وعن هذاقالوا لايستحب قلع الحشيش الرطب من غير الحاجة"۔ ''قبرستان سے تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جب تک گھاس تر رہتی ہے، خدائے تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے میت کو خوشگواری کا احساس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ بلا وجہ تر گھاس کو نہیں کاٹنا چاہئے''۔

فتاویٰ بزازیہ کتاب الکراہیہ میں ہے:''قطع الحشيش من المقابر يكره لانه يسبح ويندفع به العذاب من الميت وعلى هذالايكره من مقابر الكفار وقطع اليابس وبه وردالحديث الصحيح''۔ ''قبرستان سے تر گھانس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے اور اس کی وجہ سے مردہ سے عذاب دفع ہوتا ہے اور مردہ کو انس ہوتا ہے اور اس بنا پر کفار کے مرگھٹ سے اور خشک گھانس کا کاٹنا مکروہ نہ ہوگا۔ اس بارے میں صحیح حدیث آئی ہے''۔

فتاوی عالمگیر میں فتاوی قاضی خاں سے منقول ہے:"ويكره قطع الحطب والحشيش من المقبرة فان كان يابسا لا باس به كذافي فتاوى قاضى خان"۔ ''تر گھانس کا قبر سے کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہے تو ہرج نہیں''۔

علامہ شامی ردالمحتار اول ص ۸۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں:"يكره ايضا قطع النبات الرطب و

الحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدر روشرح المنیۃ وعللہ فی الامداد یانہ مادام رطبا یسبح اللہ فیونس المیت و تتنزل بھذہ الرحمۃ اہ و نحوہ فی الخانیۃ" ۔"تر گھانس اور سبزی کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے، نہ خشک کا جیسا کہ بحرالرائق اور درر اور شرح منیہ میں ہے اور اس کی علت امداد الفتاح میں یہ بیان کی گئی ہے کہ گھانس جب تک تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ اسی کے مثل فتاوی خانیہ میں ہے"۔

مزارات پر پھول چڑھانا جائز ہے:

تیسرا مسئلہ علمائے کرام نے اس حدیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ پھول وغیرہ قبروں پر رکھنا جائز ہے۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ ص۳۸۲ میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:"وقد انکر الخطابی مایفعلہ للناس علی القبور من الاخواص ونحو ھا بھذا الحدیث و قال لا اصل لہ" ۔"لوگ قبروں پر کھجور کی شاخ جو اس حدیث کی رو سے رکھ دیتے ہیں، خطابی نے اس سے انکار کر کے کہا: اس کی کوئی اصل نہیں ہے"۔

علامہ خطابی کا یہ قول ذکر کر کے اس طرح رد کرتے ہیں:"واما انکار الخطابی و قولہ لا اصل لہ ففیہ بحث واضح اذ ھذاالحدیث یصلح ان یکون اصلا لہ ثم رایت بن حجر صرح بہ وقال قولہ لا اصل لہ ممنوع بل ھذاالحدیث اصل اصیل لہ ومن ثم افتیٰ بعض الائمۃ من متاخری اصحابنا بان مااعتید من وضع الریحان و الجرید سنۃ لھذاالحدیث" ۔"علامہ خطابی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی اصل نہیں، اس پر کھلا ہوا اعتراض ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث اس کی اصل ہوسکتی ہے۔ پھر میں نے علامہ ابن حجر کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی تصریح فرمائی اور کہا کہ خطابی کا لا اصل لہ کہنا ممنوع ہے بلکہ یہ حدیث اس کی زبردست دلیل ہے۔ اسی وجہ سے بعض متاخرین ائمہ نے فتویٰ دیا کہ لوگوں میں جو مروج ہے کہ خوشبو پھول اور کھجور کی شاخ قبر پر رکھا کرتے ہیں، وہ اسی حدیث سے سنت ہے"۔

ارشاد الساری شرح بخاری کی عبارت اوپر گذری:"او ان المعنی فیہ انہ یسبح مادام رطبا فیحصل التخفیف ببرکۃ التسبیح و حینئذ فیطرد فی کل مافیہ رطوبۃ من الریاحین و البقول وغیرھا" ۔"یا اس کی یہ وجہ ہے کہ شاخ جب تک تر رہے گی، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے مردہ پر تخفیف ہوگی پس اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، عام ہوگی، گھانس ہو یا پھول وغیرہ"۔

فتاوی عالمگیریہ میں ہے:"وضع الورد والریاحین علی القبور حسن" ۔"گلاب کا پھول یا اور خوشبو پھول کا قبر پر رکھنا بہتر ہے"۔

تصحیح المسائل ص ۲۰ میں ہے: ''فی کنز العباد و فتاوی الغرائب وضع الورد والریاحین علی القبور حسن کانہ مادام رطبا یسبح و یکون للمیت بتسبیحہ انس''۔ ''کنز العباد اور فتاویٰ غرائب میں ہے کہ گلاب کا پھول اور دوسرے پھولوں کا قبور پر رکھنا حسن ہے۔اس لئے کہ وہ جب تک تروتازہ ہے، خدا کی تسبیح کرتا ہے اور اس سے مردے کا جی بہلتا ہے''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ علمائے کرام کی انہیں تصریحات کی بنا پر مسلمانوں میں رواج ہے کہ بزرگوں کے مزار پر پھول کی چادر چڑھانے یا پھولوں کا ہار ڈالنے یا بے گوندھا پھول قبروں پر رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

اس جگہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف میں وضع جریدہ کی وجہ ان دونوں کا معذب ہونا ہے تو تخفیف عذاب کے لئے حضور اقدس ﷺ نے ایسا کیا اور اس زمانہ میں گناہگاروں کی قبر پر کوئی ہار پھول نہیں ڈالتا بلکہ برعکس بزرگوں کے مزار پر یہ چڑھاوا ہوتا ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ تخفیف عذاب بوجہ تسبیح جریدہ ہے اور یہی وجہ مذہب مختار ہے۔ اور تسبیح کا اصل فائدہ نزول رحمت وانس میت ہے اور ہر شخص کو ہر حال میں اس کی ضرورت ہے۔ کوئی کسی مرتبہ پر پہونچ جائے مگر رحمت باری سے وہ بے نیاز نہیں ہوسکتا، ہر شخص کو اس سے فائدہ پہونچتا ہے۔ گنہگار معذب کے لئے تخفیف یا دفع عذاب اور مرحوم مغفور کے لئے رفع مراتب وترقی درجات ومزید اجر وثواب ہے اور کوئی شخص اس کو مشائخ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتا۔

چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سرہانے فاتحہ اور پائتی میں خاتمہ سورہ بقرہ پڑھنا

"عن عبد الرحمان بن العلاء ابن اللجلاج عن ابیہ انہ اوصی اذا دفن ان یقرء عند راسہ فاتحۃ البقر وخاتمتھا وقال سمعت ابن عمر یوصی بذلك" (کذا اوردہ القرطبی فی التذکرۃ)۔ ''عبدالرحمٰن بن علاء اپنے والد سے راوی کہ انہوں نے وصیت کیا کہ ان کے دفن کے بعد ان کی قبر پر سورہ بقر کی ابتدائی آیتیں یعنی الم سے مفلحون تک اور خاتمہ بقرہ یعنی امن الرسول سے ختم سورہ تک پڑھا جائے اور کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے''

شرح احیاء العلوم ص ۳۷۰ میں ہے: "وعنہ قال قال لی ابی یا بنی! اذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علی ملۃ رسول اللہ ثم شن علی التراب شنا ثم اقرء عند راسی بفاتحۃ البقرۃ و خاتمتھا فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلك"۔ ''عبدالرحمٰن بن علا کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا کہ میرے بیٹے جب تم مجھے قبر میں رکھو تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علی ملۃ رسول اللہ کہہ کر رکھنا پھر آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میرے سرہانے فاتحہ بقرہ وخاتمہ بقرہ پڑھنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اس کا حکم

فرماتے تھے‘‘۔(رواہ الطبرانی)

’’وعن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذامات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الیٰ قبرہ ویقرء عند راسہ بفاتحۃ البقرۃ و عند رجلیہ بخاتمۃ سورہ البقرۃ‘‘ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)۔ ’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے ہیں: جب تم میں کوئی شخص مرے تو اسے مت روکو اور جلدی اس کو قبر تک لے جاؤ اور اس کے سرہانے فاتحہ بقرہ اور پائنتی خاتمہ سورہ بقر پڑھو‘‘۔

ملاعلیٰ قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف جلد۲ص ۳۸۱ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:’’(عند راسہ فاتحۃ البقرۃ) ای الیٰ المفلحون (و عند رجلیہ بفاتحۃ) و فی نسخۃ خاتمۃ (البقرۃ) ای من آمن الرسول الخ قال الطیبی لعل تخصیص فاتحتھا لا شتما لھا علیٰ مدح کتاب اللہ وانہ ھدی للمتقین الموصوفین بالخلال الحمیدۃ من الایمان بالغیب واقامۃ الصلاۃو ایتاء الزکاۃ وخاتمتھا لاحتو ائھا علیٰ الایمان باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ واظھارا لاسکانۃ وطلب الغفران و الرحمۃ والتولی الیٰ کنف اللہ تعالی وحمایتہ۔‘‘

’’فاتحہ البقرہ سے مراد الم سے مفلحون تک اور خاتمہ سے مراد آمن الرسول سے آخر سورہ تک ہے۔علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تخصیص فاتحہ بقرہ کی یہ وجہ ہے کہ وہ مشتمل ہے اللہ کی کتاب کی تعریف پر اور اس کا بیان ہے کہ وہ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے جو ان صفات حمیدہ سے موصوف ہیں یعنی غیب پر ایمان لانا،نماز پڑھا کرنا،زکاۃ دیتے رہنا اور خاتمہ بقرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشتمل ہے ایمان باللہ،ایمان بالملائکہ،ایمان بالکتب،ایمان بالرسل پر اور اپنی عاجزی اور طلب مغفرت ورحمت اور اللہ کی جوار اور اس کی حمایت میں آنے کا ذکر ہے۔اس لئے فاتحہ وخاتمہ بقرہ سے سب باتوں کی یاددہانی ہوجائے گی‘‘۔

پندرھواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے

’’عن عمرو بن العاص قال لابنہ و ھوفی سیاق الموت اذا نامت فلا تصاحبنی نائحۃ و لا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنّا ثم اقیموا حول قبری قد رما ینحر جزور و تقسم لحمھا حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع رسل ربی‘‘ (رواہ مسلم ص ۷۶ و مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)

’’امام مسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی رونے والی عورت نہ

جائے اور نہ آگ ہو۔ جب مجھ کو دفن کر چکو تو آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالو پھر میرے قبر کے پاس اتنے دیر تک ٹھہرو جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تا کہ تم لوگوں کے رہنے سے انس حاصل کروں اور جانوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں''۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ جلد۲ص ۳۸۱ میں فرماتے ہیں: ''(حتی استانس بکم) ای بدعائکم واذکارکم و قراء تکم واستغفارکم''۔ ''تم لوگوں سے انس کا مطلب تمہاری دعا، تمہارے اذکار اور تمہاری قرأت، تمہارے استغفار سے انس حاصل کرنا ہے''۔ یعنی چاہئے کہ اتنے دیر تک خاموش بیٹھے نہ رہیں بلکہ دعا کریں اللہ و رسول کا تذکرہ کریں قرآن شریف کی تلاوت کریں، مغفرت کی دعا کریں۔

علامہ نووی ص ۶۷ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''منہا استحباب المکث عند القبر بعد الدفن لحظۃ نحو ماذکر لما ذکر فیہ ان المیت حینئذ یسمع من حول القبر''۔ ''اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دفن کے بعد اتنی دیر تک جس کا بیان حدیث شریف میں ہے موانست میت کے لئے اور تصحیح خیال و دماغ کے لئے قبر پر ٹھہرنا مستحب ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مردہ گرد و پیش کی باتیں سنتا ہے''۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد۱۰ص ۳۶۹ میں فرماتے ہیں: ''وقال ابو بکر الآجری یستحب الوقوف بعدالدفن قلیلا و الدعاء للمیت مستقبلا وجہہ بالثبات فیقال اللھم ھذا عبدک وانت اعلم بہ منا ولا نعلم الا خیر او قد اجلستہ لتسئلہ اللھم فثبتہ بالقول الثابت فی الآخرۃ کما ثبتہ فی الدنیا اللھم ارحمہ والحقہ بنبیہ ولا تفتنا بعدہ ولا تحرمنا اجرہ''۔ ''ابوبکر آجری نے کہا کہ دفن کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور میت کے لئے اس کی طرف متوجہ ہو کر دین اسلام پر ثابت رہنے کی دعا کرنا مستحب ہے اور دعا میں یہ کہنا چاہئے کہ خداوندا یہ تیرا بندہ ہے اور تو اس کے حال کو مجھ سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ اس وقت تو نے اسے سوال کے لئے بٹھایا ہے۔ خداوندا تو اسے آخرت میں قول پر ثابت رکھ جس طرح دنیا میں ثابت رکھا ہے۔ میرے مولیٰ تو اس پر رحم کر اور اس کو اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کر اور نہ اس کے اجر سے محروم کر''۔

سولھواں طریقہ: زیارت قبور سے اہل قبر کو انس ہوتا ہے

زیارت قبور کرنا خصوصاً اپنے اعزہ و اقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو انس حاصل ہوتا ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی شفاء السقام ص ۶۵ و امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انس مایکون المیت فی قبرہ اذازارہ من کان یحبہ فی دارالدنیا'' ۔''قبر میں مردہ کا زیادہ جی بہلنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب زیارت کو وہ شخص آئے جسے دنیا میں دوست رکھتا تھا''۔

ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''مامن رجل یزور قبر اخیہ ویجلس علیہ استانس ورد علیہ حتی یقوم''۔''جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے اور اس کے پاس بیٹھے تو وہ مردہ اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ اس کا دل اس کے بیٹھنے سے بہلتا ہے اور جب تک وہ شخص اس کے پاس سے اٹھے، اس کا جواب دیتا ہے''۔

ابوالشیخ و دیلمی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں: ''ما من رجل یزور قبر اخیہ فیسلم علیہ ویقعد عندہ لردعلیہ السلام و انس بہ حتی یقوم من عندہ''۔''جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کو جائے اور اسے سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس مردہ کا اس سے جی بہلتا ہے، جب تک کہ وہ شخص اس کے پاس سے اٹھ آئے''۔

بیہقی ابوالدرداء ہاشم بن محمد سے راوی ہیں: ''قال سمعت رجلا من اھل العلم یقول انہ کان یزور قبر ابیہ فطال علیہ ذلك قال فقلت ازور التراب فاریتہ فی منامی فقال یابنی! مالك لاتفعل کما کنت تفعل فقلت انزور التراب فقال لا تقل ذلك یا بنی! فواللہ لقد کنت تشرف علیٰ فیبشرنی بك جیرانی ولقد کنت تنصرف فما ازال اراك حتی تدخل الکوفۃ۔'' (شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷) ''ہاشم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک اہل علم کو کہتے سنا کہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کو برابر جایا کرتے تھے۔ جب زمانہ دراز ہوا تو انہوں نے کہا کہ مٹی کی زیارت کو جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے! تم اب زیارت کو کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آیا کرتے تھے؟ میں نے کہا کہ کیا میں مٹی کی زیارت کے لئے آؤں؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں بیٹا ایسا نہ کہو۔ خدا کی قسم! تم جس وقت آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، اس وقت میرے پڑوسی تمہارے آنے کی مجھے بشارت وخوشخبری دیتے تھے اور جب تم واپس ہوتے تھے میں تم کو برابر دیکھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ تم کوفہ شہر میں داخل ہو جاتے تھے''۔

شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ میں ہے: ''وروی ایضا عن الفضل ابن الموفق ابن خال سفیان بن عیینہ قال لماماتت ابی جزعت جزعا شدیدا فکنت آتی قبرہ فی کل یوم ثم انی قصرت عن ذلك فرائیتہ فی النوم فقال یا بنی! ماابطا بك عنی قلت وانك تعلم بمجیئی قال ما جئت مرۃ الا علمتھا و قد کنت

تاتینی فاسریك ویسرمن حولی بد عائلك قال فکنت اتیہٗ بعد کثیرا"۔
"فضل بن موفق سفیان بن عینیہ کے ماموں زاد بھائی کہتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا، میں سخت غمگین اور پریشان ہوا۔ بہت زیادہ جزع فزع کیا تو میں ہر روز ان کے قبر کی زیارت کو جاتا تھا پھر میں نے اس میں کچھ کوتاہی کی تو ان کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے میرے بیٹے! کیوں تجھے مجھ سے دیر ہونے لگی؟ میں نے کہا کہ کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں آئے تم کبھی مگر میں نے جانا یعنی جب جب تم آئے مجھے ضرور اس کا علم ہوا اور جب تم آتے تھے تو میں تمہارے آنے کی وجہ سے خوش ہوتا تھا اور تمہاری دعا کی وجہ سے میرے گردو پیش کے لوگ مسرور ہوتے تھے۔ فضل بن موفق نے کہا کہ یہ سن کر میں بہت زیادہ جانے لگا"۔

اسی شرح احیاء العلوم میں دوسری جگہ مذکور ہے: "قال الحافظ ابو طاھر السلفی سمعت ابا البرکات عبدالوحد بن عبدالرحمٰن ابن غلاب السوسی بالاسکندریة یقول سمعت والدتی تقول رایت امی فی المنام بعد موتھاوھی تقول یا بنتی! اذا جئتنی زائرة فاقعدی عندقبری ساعة اتملی من النظر الیك ثم ترحمی علیّٰ الخ"۔ "حافظ ابو طاہر سلفی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالبرکات عبدالواحد سوسی سے اسکندریہ میں سنا، وہ کہتے تھے: میں نے اپنی والدہ سے سنا کہ میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا وہ کہتی تھیں کہ میری بیٹی! جب تو میری زیارت کے لئے میرے پاس آیا کر تو ایک گھنٹہ میری قبر کے پاس بیٹھی رہ تا کہ میں جی بھر کر تجھ کو دیکھوں پھر میرے لئے رحمت کی دعا کر"۔ واللہ الموفق۔

سترھواں طریقہ: اخیر شب قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا

"عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما کان لیلتھا من رسول اللہ صلی اللہ صلیہ اللہ علیٰ والہ وسلم یخرج من آخر اللیل الیٰ البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ماتوعدون غداموجلون وانا انشاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل البقیع الغرقد" (رواہ مسلم ص ۳۱۳)" مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری باری میں تشریف لاتے، اخیر شب مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے تم پر سلام ہو اے گھر مسلمانوں کے اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کل تمہارے پاس وہ چیز آئے گی اور انشاء اللہ ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ خداوندا بقیع الغرقد والوں کے گناہ کو تو بخشدے"۔

علامہ نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: "فیہ فضیلة الدعاء آخر اللیل و فضیلة زیارة قبور البقیع"۔ "اس حدیث سے اخیر شب میں دعا کرنے کی خوبی بقیع والوں کی قبور کی زیارت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے"۔

"و عن عائشة قالت الاحدثكم عني و عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا بلى قالت لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله عليه وسلم فيها عندي انقلب فوضع رداءه وخلع نعليه فوضعها عند رجليه و بسط طرف ازراه علىٰ فراشه فاضطجع فلم يلبث الاريث ماظن ان قدر قدت فاخذردائه رويد او انتعل رويد اوفتح الباب رويد افخرج ثم اجانه رويد افجعلت درعي في راسي واختمرت وتقنعت ازاري ثم انطلقت علىٰ اثره حتى جاء البقيع فقام القيام ثمه رفع يد يه ثلاث مرات ثم انحرف فانحرفت فا سرع فاسرعت فهرول فهرولت فاحضرفا حضرت فسبقته فد خلت فليس الا ان اضطجعت فدخل فقال يا لك ما عائشة حشبار ابيه قالت قلت لا شئى قال لتخبريني اوليخبريني اللطيف الخبير۔ قالت قلت يا رسول الله! بابي انت وامي فاخبرته قال فانت السواد الذي رائت امامي قالت نعم فلهد ني في صدري لهدة اوجعتني ثمه قال اظننت ان بحيف الله عليك ورسوله قالت مهما يكتم الناس يعلمه الله نعم قال فان جبرئيل اتاني حين رائت فنا داني فاخفاه منك فاجبته فاخفيته منك ولم يكن يد خل عليك وقد وضعت ثيا بك وظننت ان قدرقدت فكرهت ان او قظك و خشيت ان تستو حشي فقال ان ربك يا مرك ان تاتي اهل البقيع فتستغفرلهم قالت قلت كيف اقول لهم يا رسول الله! قال قولي السلام علىٰ اهل الديار من المومنين والمسلمين و يرحم الله المستقد مين مناوالمستاخرين وانا انشاء الله بكم للا حقون (رواه مسلم جلد اول ص ۳۱۳)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، انہوں نے کہا کہ کیا میں خبر نہ دوں اس بات کی جو مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ یعنی آپ ہمیں ضرور خبر دیں۔ کہا کہ جب وہ رات ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف فرماتھے تو آپ مردانہ سے یہاں آئے تو اپنی چادر رکھی اور نعلین اتاری اوران دونوں کو پائتی میں رکھا اور اپنی تہبند کا ایک حصہ اپنی بچھاون پر بچھایا اور لیٹ گئے پس نہیں ٹھہرے مگر فقط اتنی دیر کہ حضور نے خیال کیا میں سو رہی۔ پس اپنی چادر آہستہ آہستہ لی اور آہستہ آہستہ جوتا پہنا اور آہستہ دروازہ کھولا پھر باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا پس میں نے اپنی چادر سر پر رکھی اور اوڑھنی اوڑھی، تہبند باندھا اور حضور کے پیچھے پیچھے ہولی، یہاں تک کہ حضور بقیع تشریف لائے پس دیر تک وہاں ٹھہرے پھر دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دعا کے لئے اٹھایا پھر حضور راہ سے الگ ہوئے، تو میں بھی راہ سے الگ ہوئی، حضور تیز چلے تو میں بھی تیز چلی، حضور دوڑے تو میں بھی دوڑی، پس مکان تشریف لائے تو میں بھی مکان آئی، پس ذرا پہلے پہونچی اور مکان میں داخل ہوئی تو

فقط اتنی ہی دیر ہوئی کہ میں لیٹی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میرے سانس پھول رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ: کیا حال ہے؟ تمہاری سانس چڑھ رہی ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا یا تو تم مجھے خبر دو ورنہ خداوند علیم وخبیر مجھے دے گا۔ حضرت عائشہ نے کہا میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان کہہ کر میں سارا حال بیان کر دیا۔ حضور نے فرمایا تم میرے آگے آگے آرہی تھی؟ میں نے کہا ہاں! پس میرے سینہ میں ایک دوہتھر حضور نے مارا جس سے مجھے تکلیف ہوئی پھر ارشاد ہوا کیا تمہارا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا (جب تہ کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اقرار کیا اور کہا کہ انسان جس چیز کو چھپائے خدا اس کو جانتا ہے۔ ہاں میرا ایسا ہی خیال ہوا تھا کہ حضور اور کسی بی بی کے یہاں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبرئیل آئے جس وقت تم نے مجھے دیکھا تو جبرئیل نے مجھے آواز دی اور اس کو تم سے پوشیدہ کیا تو میں نے جواب دیا اور تم سے چھپایا اور جب تم سونے کے لئے لیٹی ہو، اس وقت اندر نہیں آئے، میرا خیال ہوا کہ تم سوگئی، اس لئے میں نے تمہیں جگانا ناپسند کیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تنہائی کی وجہ سے تم کو پریشانی ہوگی۔ جبرئیل نے کہا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ جنت البقیع تشریف لے جائیں اور ان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ! اگر ہم زیارت کے لئے جائیں تو کیا کہیں؟ ارشاد ہوا کہ تم اس طرح کہو السلام علیٰ اهل الديار من المومنين و المسلمين و یر حم الله المستقدمين و المستاخرين و انشاء الله بكم للاحقون''۔

علامہ نووی شرح مسلم میں اس کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں: ''فيه دليل لمن جوز للنساء زيارة القبور و فيها خلاف للعلماء'' ۔ ''جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت جائز جانتے ہیں، یہ حدیث ان کو دلیل ہے اور اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے''۔

اٹھارھواں طریقہ: جمعہ، جمعرات کے دن والدین اور بزرگوں کے قبر کی زیارت کی تخصیص

ابن ابی الدنیا اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن واسع سے راوی ہیں کہ وہ جمعہ کے دن زیارت قبور کو جایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ اگر دوشنبہ تک ملتوی کرتے تو اچھا ہوتا آپ نے کہا: ''بلغني ان الموتىٰ يعلمون بزوارهم يوم الجمعة و يوما قبله و يوما بعده'' ۔ ''مجھے حدیث پہونچی ہے کہ مردے اپنے زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں جمعہ کے دن اور ایک دن قبل اور ایک دن بعد''۔

شرح احیاء العلوم ص ۳۳۶ میں ہے: ''علمائے کرام فرماتے ہیں یوں جاننا تو ہر روز اور وقت ہوتا ہے لیکن جمعہ کی بزرگی سے ان تین دنوں میں علم وسیع وکثیر ہوتا ہے''۔

طبرانی معجم اوسط وصغیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی الدنیا کتاب القبور اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن النعمان سے مرسلا راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''من زرا قبور ابو یہ اواحد ھمافی کل جمعة غفرا له و کتب برًا''۔ ''جو شخص اپنے ماں باپ یا دو میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت جمعہ کے دن کیا کرے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور خدا کے یہاں وہ نیکوکار لکھا جائے گا''۔

اور ظاہر ہے کہ بار (فرماں بردار) ومغفور کی دعا قبول ہوتی ہے تو جو شخص جمعہ کے دن والدین کی قبر کی زیارت کو جائے اور ان کے لئے دعا واستغفار کرے تو وہ دعا بوجہ اس شخص کے مغفور ہونے کے ارجیٰ بالقبول ہے۔

''قال رجل من آل عاصم الجحدری رائت عاصمافی منامی بعد موته لسنتین و فی روایة لستین فقلت لیس قد مت قال بلی فقلت باین انت قال اناو الله فی روضة من ریاض الجنة اناو نفر من اصحابی یجتمع کل لیلة جمعة و صبیحتها الیٰ ابی بکربن عبد الله المزنی فلاَّ تی اخبار کم قلت اجسا مکم ام ارواحکم قال هیها ت بلیت الا جسام وانما فلاَّ تی الا رواح قال قلت فهل تعلمون بزیار تنا ایا کم؟ قال نعم تعلم بها عشیة الجمعة و یوم الجمعة کله و یوم السبت الیٰ طلوع الشمس قلت و کیف ذلك دون الایام کلها قال بفضل یوم الجمعة و عظمه''۔ (رواه ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور والبیهقی شعب الایمان)

''آل عاصم حجدری سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے عاصم کو ان کے انتقال سے دو برس یا کئی سال بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا آپ کا انتقال نہیں ہوا؟ کہا کیوں نہیں۔ پوچھا کہ آپ کہاں ہیں؟ کہا بخدا ہم جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری میں ہے۔ میں اور میرے چند احباب ہم سب لوگ ہر شب جمعہ وصبح جمعہ کو ابو بکر بن عبداللہ مزنی کے پاس جمع ہوتے ہیں تو تمہاری خبریں پاتے ہیں۔ اس خواب دیکھنے والے نے کہا کہ ہم لوگوں کی زیارت کرنے کو آپ جانتے ہیں؟ کہا ہاں! شب جمعہ اور تمام دن جمعہ اور سنیچر کو طلوع آفتاب تک۔ میں نے کہا کہ اور دنوں سے ان دنوں کی خصوصیت کیا ہے؟ بولے: جمعہ کی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے''۔

''وقال الضحاك من زار قبر ایوم السبت قبل طلوع الشمس علم المیت بزیارته قیل له کیف ذاك قال لمكان یوم الجمعة''۔ (رواه ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور والبیهقی شعب الایمان)۔ ''ضحاک نے کہا جو شخص شنبہ کے دن قبل طلوع آفتاب کسی قبر کی زیارت کو جائے تو وہ مردہ اس کو جان لیتا ہے۔ کسی نے کہا یہ کیوں کر؟ کہا روز جمعہ کی برکت سے''۔

''عن عثمان بن سودة و کانت امة من العابدات و کان یقال لها راهبة قال لماماتت کنت

آتیها فی کل جمعة فادعولها و استغفر لها و لا هل القبور فراء یتها لیلة فی منا می فقلت یا امه! کیف انت فقالت یا بنی ان الموت لشدید کربة و انا بحمد الله فی برزخ محمود افترش فیه الریحان و اتوسد فیه السندس و الا ستبرق فقلت الك حاجة؟ قالت نعم۔ فقلت ماهی؟ قالت لاتدع ماتصنع من زیارتنا و الدعاء لنا فانی انس بمجیئك یوم الجمعة اذا اقبلت من اهلك زائرا فاب شر و یبشر بذلك من حولی من الاموات" (رواه ابن ابی الدنیا و البیهقی شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ جلد ۱۰)

"عثمان بن سودہ سے روایت ہے اوران کی ماں عابدہ تھیں جن کولوگ راہبہ کہا کرتے تھے۔عثمان نے کہا کہ جب ان کا انتقال ہوا تو میں ہر جمعہ کوان کی زیارت کے لئے جاتا تھا اوران کے اور قبرستان والوں کے لئے دعا واستغفار کرتا تھا۔ایک دن میں نے ان کوخواب میں دیکھا۔کہا اے ماں! آپ کس طرح ہیں؟ کہا اے میرے بیٹے !موت کی تکلیف سخت ہے اور خدا کے فضل سے میں پسندیدہ مقام میں ہوں یہاں ریحان کا بچھاون ہے،سندس واستبرق کے گاؤ تکیئے ہیں۔میں نے پوچھا کہ آپ کوکسی بات کی خواہش ہے؟ بولیں ہاں! پوچھا کیا؟ کہا کہ تم جو میری زیارت ودعا کوآیا کرتے ہو،اس کوکبھی نہ چھوڑنا۔تمہارے جمعہ کے دن آنے سے مجھے انس ہوتا ہے،دل بہلتا ہے ۔جب تم اپنے گھر سے میری زیارت کوآتے ہوتو مجھے خوشی ہوتی ہے اور میرے گردوپیش جومردے ہیں،سب مجھ کواس کی خوشخبری سناتے ہیں"۔

انیسواں طریقہ: سال بہ سال ہر سرے سال پر زیارت کو جانا

"عن عبادبن ابی صالح ان رسول الله صلی الله علیه و سلم کان یاتی قبور الشهداء باحد علیٰ راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار قال و جاء ها ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رضی الله عنهم فلما قدم معا ویة بن ابی سفیان حاجاًجاء هم قال و کان النبی صلی الله علیه و سلم اذا واجه الشعب قال سلام علیکم بما صبر تم فنعم اجرالعاملین"۔ (رواه ابن ابی شیبه وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۳۳) "ابن ابی شیبہ نے عباد بن ابی صالح سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور کی زیارت کوتشریف لایا کرتے اور سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔راوی نے کہا حضور کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا کرتے تھے۔جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لئے آئے اور مدینہ طیبہ پہونچے تو ان کے پاس آئے۔راوی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھاٹی کے سامنے آتے تو سلام علیکم بماصبرتم فنعم اجرالعاملین فرماتے"۔

''و عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی الله علیہ و سلم کان یاتی احدا کل عام فاذاتفوہ الشعب سلم علیٰ قبور الشھداء فقال سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار'' ۔رواہ ابن المنذر وابن مردویہ ۔''ابن منذر وابن مردویہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کوہ احد تشریف لایا کرتے ۔ جب گھاٹیاں سامنے آتیں تو شہدائے اُحد کی قبروں کو سلام کرتے اور سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار فرمایا کرتے ۔

''و عن محمد بن ابراهیم قال کان النبی صلی الله علیہ و سلم یاتی قبور الشھداء علیٰ راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابو بکر و عمر و عثمان (رواہ ابن جریر)''۔''ابن جریر محمد بن ابراہیم سے راوی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لایا کرتے اور ان کو سلام کرتے اور اسی طرح حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کرتے''۔

ان احادیث میں اگر چہ خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کا ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جانا ثابت ہے مگر یہ طریقہ چاروں خلفا کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۹۵ میں فرماتے ہیں:''و عن رسول الله صلی الله علیہ و سلم انہ کان یاتی قبور الشھداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار الخلفاء الاربعة ھکذاکانوا یفعلون''۔ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لاتے اور سلام فرماتے:سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار اور خلفائے اربعہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے''۔

''وروی ابن ابی شیبة ان النبی صلی الله علیہ وسلم کان یاتی قبور الشھداء باحد علیٰ راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار'' ۔''ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام فرمایا کرتے''۔ (ردالمحتار جلد اول ص ۸۴۳)

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ ان حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کا دستور کہ ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جایا کرتے اور ان پر سلام کرتے ،مسلمانوں کے اس فعل حسن ومندوب کی دلیل اور اصل اصیل ہے کہ ہر سال بزرگان دین کا عرس کرتے اور لوگ سال بسال بزرگوں کے مزاروں پر حاضر ہوا کرتے ، لام ،دعا استغفار وتلاوت قرآن شریف ،صدقہ وتقسیم شرینی واطعام طعام کا ثواب ان لوگوں کو ایصال کرتے

ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی کے اس اعتراض:
''وعرس بزرگان خود برخود مثل فرض دانستہ سال بہ سال برمقبرہ اجتماع کردہ، طعام وشیرینی درآنجا تقسیم نمودہ مقابر راوثنا یعبدی کنند''۔ ''اپنے بزرگوں کے عرس میں خود پر فرض سمجھ کر ہر سال مزار پر جمع ہو کر وہاں کھانا اور شیرینی تقسیم کر کے قبروں کو بتوں کی طرح پوجتے ہیں''۔ کے جواب میں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں:
''قولہ عرس بزرگان خودرالخ این طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ۔ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ رایچ کس فرض نمی داند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشان باہداء ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرنی امر مستحسن وخوب ست باجماع علما وتعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح ونجات ست وخلف رالازم ست کہ سلف خودرا بایں نوع بر واحسان نماید چنانچہ دراحادیث مذکورست کہ ولد صالح یدعولہ''۔
''اپنے بزرگوں کے عرس کوالخ یہ اعتراض، اعتراض کئے ہوئے مسئلہ کے حالات نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ بجز شرعی فرائض مقررہ کے کوئی شخص عرس کو فرض نہیں جانتا ہے۔ ہاں صلحا کے مزارات سے صرف شرکت اور زیارت اوران کی امداد (ان کو ثواب تلاوت قرآن دعائے خیر کھانا تقسیم کر کے اور شیرینی تقسیم کر کے) حاصل کرنا مستحسن اور امر خیر ہے جیسا کہ علما کے اجماع سے ثابت ہے۔ البتہ عرس کا دن مقرر کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دن محض ان کے دنیا سے دار آخرت کے جانب منتقل ہونے کا دن یاد رکھا جائے ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو باعث فلاح و نجات ہے اور خلف پر واجب ہے کہ اپنے سلف کے لئے اس طرح پر نیکی کرے جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے: نیک اولاد وہ ہے جو اپنے سلف کے لئے دعا کرے''۔
اس کے بعد امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر ''درمنثور'' سے ابن منذر اور ابن مردویہ کی حدیث بروایت انس رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن جریر بروایت محمد بن ابراہیم جو اوپر مذکور ہوئیں سند میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح ص ۴۲۔

بیسواں طریقہ: ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا کہ اس سے امید مغفرت ہے

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ جلد ۲ ص ۱۰۲ میں فرماتے ہیں: ''قال الشیخ محی الدین بن العربی انہ بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من قال لا الہ الا اللہ سبعین الفا غفر اللہ تعالی لہ و من قیل لہ غفر لہ ایضا فکنت ذکرت التہلیلۃ بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب و فیہم شاب مشہور بالکشف فاذا ہو فی اثناء

الا کل اظهر البکاء فسألته عن السبب فقال اریٰ امی فی العذاب فوهبت فی باطنی ثواب التهلیلۃ المذکورۃ لها فضحك فقال انی اراها الاٰن فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفه و صحۃ کشفه بصحۃ الحدیث"۔

''سیدی شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہونچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے اتنے مرتبہ کہا جائے، اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اور اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی۔ اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا۔ ان میں ایک نوجوان کے کشف کا شہرہ تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے وہ رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ فوراً جوان ہنسنے لگا اور کہا کہ اب میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین بن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں: تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانا اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی''۔

حضرت شیخ مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۲ ص ۲۷ مکتوبات چہار دہم میں فرماتے ہیں: ''یاراں و دوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ لا الہ الا اللہ بروحانیت اخوی خواجہ محمد صادق و روحانیت مرحومہ ہمشیرہ ادام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار بروحانیت یکے بخشد و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے۔ از دوستاں دعا و فاتحہ مسئول ست (الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم)''۔ ''ساتھیوں اور احباب سے فرمائیں کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ لا الٰہ پڑھ کر خواجہ محمد صادق کے دونوں بھائیوں کو بخشیں اور اپنی بہن ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار پھر پڑھ کر دوسرے کی روح کو بخشیں۔ کیونکہ دوستوں ہی سے دعا اور فاتحہ کا سوال ہے''۔

ملفوظات حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے۔ ذکر اموات یعنی مردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: حدیث صحاح ہے۔ ''من قال لا اله الا الله مائة الف مرة و جعل الثواب للمیت غفر الله لذلك للمیت و انکان موجبا للعقوبۃ"۔ ''جو شخص لا الہ الا اللہ ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کو بخش دے اگرچہ وہ عقوبت کا مستحق ہو''۔

اسی میں ہے: ''فرمایا کہ میت والوں پر واجب ہے کہ ایک لاکھ بار کلمہ پڑھیں اور اس طرف رسم ہے کہ جو کوئی مرتا ہے اس کے واسطے کہتے ہیں''۔

اسی میں ص ۱۶۸ پر ہے: ''بعد اس کے فرمایا کہ دعا گو نے واسطے برادرم حاجی دین محمد کے ایک لاکھ بار لا الہ الا اللہ کہا۔ میرا ایک یار ہے اوچھ سے برابر آتا ہے اور مجھ سے تعلق و بیعت رکھتا ہے اور اوراد شیخ کبیر نگاہ میں رکھتا

ہے۔اس نے دعا گو سے کہا کہ میں نے محمد حاجی کی قبر کو دیکھا کہ اس کو روشن وفراخ کر دیا۔''

اسی کے جلد۲ص۲۶۳ پر ایک عمل حدیث صحاح کا ہے:''قوله عليه الصلاة والسلام من قال لااله الاالله مائة الف مرة وجعل الثواب للميت غفرله وان كان موجبا للعقوبة''۔''جوکوئی لا الہ الا اللہ کو سو ہزار یعنی ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب میت کو بخشے تو وہ میت بخشا جائے اگر چہ لائق عقوبت ہی کیوں نہ ہو''۔

فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سو تسبیح ہزار ہزار دانہ کی بنا کر صندوق میں رکھی ہیں۔سو آدمیوں کو دیتے ہیں وہ لوگ کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب بخش دیتے ہیں۔ذرا دیر میں تمام ہو جاتا ہے۔دعا گو نے بھی ہزار دانے کی تسبیح جمع کی ہے۔اس جگہ جو میں بعض زیارتوں میں گیا تو اسی پر عمل کیا۔مجرب ہے۔انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ بھی معمول ہو جائے گا۔

شیخ مدرسہ دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کون واقف نہیں۔اپنی مشہور کتاب تحذیر الناس ص ۳۸ میں لکھتے ہیں:''حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار کبھی کلمہ پڑھا تھا۔یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے،اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔آپ نے پھر سبب پوچھا۔اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اور علما کی تحریر،مسلمانوں کے اس عمل خیر کی اصل ہے کہ میت کے لئے تیسرے یا چوتھے دن جمع ہو کر قرآن شریف کے علاوہ لاالٰہ الا اللہ ستر ہزار یا ایک لاکھ بار پڑھتے اور میت کو اس کا ثواب بخشتے ہیں تاکہ من قيل له کے تحت اس کی مغفرت ہو اور از انجا کہ ستر ہزار مرتبہ پڑھنے کے لئے بہت سی تسبیحوں کی ضرورت ہوگی جس کا ہر جگہ ملنا سخت دشوار ہے۔اس لئے آسانی کے خیال سے چنا کا شمار دانہ بناتے ہیں جو بعد کو یا تو پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا فقرا پر تصدق کر دیتے ہیں کہ ساتھ ساتھ صدقہ کا بھی میت کو ثواب پہونچے۔

اکیسواں طریقہ: قرآن شریف پڑھ کر بخشنا

اب رہا یہ کہ اس کے لئے کسی سورہ کا پڑھنا خاص طور پر بھی آیا ہے یا جو سورہ یا آیت پڑھ کر اس کا ثواب بخشیں، کافی ہے؟ تو کافی ہونے کے لئے تو سب کافی ہے۔

''عن ابن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرء حرفا من كتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها لااقول لكم الم حرف ولكن الف حرف ولام

حرف و میم حرف"۔ (رواہ الترمذی والحاکم والبخاری فی التاریخ) کما ہو مصرح فی الروایۃ الاخریٰ:اقرء واالقرآن فانکم تو جرون علیہ اما انی لا اقول الم حرف ولکن الف حرف عشرو لام حرف عشر و میم حرف عشر فتلك ثلاثون رواہ ابو جعفر النحاس فی الوقف الابتداء والسنجری فی الا بانۃ والخطیب فی التاریخ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ"۔

''امام ترمذی اور حاکم و بخاری تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ سے راوی ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھے،اس کوایک حسنہ ملے گااور ایک حسنہ کا ثواب دس گنا ہے ۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے،لام ایک حرف ہے،میم ایک حرف ہےتو جوشخص فقط الم پڑھے گا اس کوتیس نیکیاں ملیں گی ۔ابوجعفرنحاس کتاب ''الوقف والابتداء'' اور سنجری کتاب ''الابانۃ'' اورخطیب بغدادی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تم قرآن شریف پڑھا کرو کہ تم کواس کا اجر دیا جائے گا۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہےاوراس کا ثواب دس ہے،لام ایک حرف ہےاوراس کا ثواب دس ہے،میم ایک حرف ہےاوراس کا ثواب دس ہےتو یہ تیس ثواب ہوئے''۔ (کنز العمال جلد اص ۱۳۰)

سب سے بہتر تو یہ ہے کہ قبر پر جا کر ایک ختم کامل کرے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کو گئے تو ان کی تعریف کی اور ایک ختم قرآن شریف کیا اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کارخیر ہمیشہ جاری رہےاوران کےفرمانے کے مطابق ہوا۔ کما مر عن شرح الاحیاء نقلا عن القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم للعلامۃ شمس الدین المعروف با بن القطان اور ہندوستان میں بھی بعض بعض شہروں میں مروج ہے مثلاً بریلی شریف میں عرصہ تیس یا بتیس سال سے ہر جمعہ کے دن مزارات خاندان اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز پر جا کر طلبائے مدرسہ منظراسلام واہل شہر دو ختم قرآن شریف کر کے اس کا ثواب پہونچاتے ہیں اور وہاں سے بہت پہلے تقریباً سو سال سے بدایوں مزارات خاندان جناب تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر محب الرسول قدس سرہ پر اہل شہر وطلبائے مدرسہ قادریہ جا کر جمعہ کو دو ختم قرآن شریف کیا کرتے اور اس کا ثواب ان بزرگوں کو بخشتے ہیں اور انصار کرام کا دستورالعمل بھی حدیثوں سے ثابت ہے:

''اخرج الخلال فی الجامع عن الشعبی قال اکانت الا نصار اذامات لھم المیت اختلفوا الیٰ قبرہ یقرء ون القرآن"۔ ''انصار کے یہاں جب کوئی مرتا تو لوگ اس کی قبر پر جاتے اور قرآن شریف پڑھتے''۔ (مرقات شرح مشکوۃ جلد۲ص ۳۸۲)

''وفی شرح اللباب ویقرء من القرآن ما تیسر لہ من الفاتحۃ واول البقرۃ الیٰ المفلحون وآیۃ

الکرسی و آمن الرسول و سورہ یٰس و تبارك الملك و سورة التکاثرو الاخلاص اثنی عشرة مرة اوا حدی عشراو سبعا او ثلاثاثم یقول اللّٰھم او صل ثواب مافرء ناہ الیٰ فلان اوالیھم" (ردالمحتار جلد اول ص ٨٨٤)۔ ''شرح لباب میں ہے اور پڑھے جو آسان ہو قرآن سے مثلاً سورہ فاتحہ، اول بقرہ مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یٰس، تبارک الملک، سورہ تکاثر، سورہ اخلاص ۱۲ یا ۱۱ یا ۷ یا ۳ بار پھر کہے خداوند جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا ان لوگوں کو پہونچا''۔

اور بعض بعض سورتیں کہ خاص طور پر حدیث شریف میں جن کے پڑھنے کا ثواب مذکور ہے، ان سورتوں کا پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے سبب بہت زیادہ باعث اجر ثواب ہے اور وہ بھی بہت ہیں جن میں بعض بعض اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

(الف) ''عن علیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم قال من مر علی المقابر فقرء قل ھواللہ احد، احد عشر مرة ثم وھب اجر ھاللا موات اعطی الا جر بعدہ الاموات'' (رواہ الدار قطنی عینی شرح ھدایہ جلد۲ ص ١٦١١ و شامی جلد ٢ ص ٢٤٣)''دار قطنی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ھواللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے، اس کو ان مردوں کی بدولت ان مردوں کے برابر ثواب ملے''۔

(ب) ''عن عبداللہ ابن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذامات احد کم فلا تحبسوہ واسر عوابہ الیٰ قبرہ ولیقرء عند راسہ فاتحة البقرة و عندرجلیہ خاتمة البقرة۔ رواہ البیھقی فی شعب الایمان و قال والصحیح انہ موقو ف علیہ"۔''بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی مرے تو اس کو مت روکو اور جلد قبر تک اس کو پہونچاؤ اور اس کے سرہانے ابتداء سورہ بقرہ مفلحون تک اور پائنتی میں خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول سے آخر تک پڑھا کرو۔ یہ حدیث اگر چہ بیہقی نے مرفوعا روایت کی مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے''۔

(ج) ''عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرء فاتحة الکتاب وقل ھواللہ احد والھکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ما قرئت من کلامك لا ھل المقابر من المومنین کانوا شفعاء لہ الیٰ اللہ تعالیٰ رواہ ابوالقاسم سعد بن علیٰ الزنجانی فی فوائد'' (مرقات جلد ٢ ص ٣٨٢)۔ ''ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص قبرستان جائے پھر سورہ فاتحہ، قل ھواللہ احد، الھکم التکاثر

پڑھے پھر کہے خداوندا جو کچھ میں نے تیرا کلام پڑھا، اس کا ثواب مقبرہ والے مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو نذر کیا تو وہ لوگ خداوند عالم کے یہاں اس کے سفارشی ہوں گے''۔

(د) ''عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقابر فقرء سورہ یٰس خفف اللہ عنھم و کان لہ بعد دمن فیھا حسنات رواہ عبدالعزیز صاحب الخلال بسندہ''۔ ''عبدالعزیز صاحب خلال نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان جائے اور سورہ یٰس پڑھے، اللہ تعالیٰ ان مردوں سے مواخذہ ہلکا فرمائے اور جس قدر مردے اس قبرستان میں ہیں ان کی تعداد کے مطابق اس شخص کو نیکیاں ملیں گی''۔ (مرقات جلد۲ ص ۳۸۲)

(ہ) ''عن سلمۃ بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلۃ الیٰ مقابر مکۃ فوضعت راسی علیٰ قبر فنمت فرائیت اھل المقابر حلقۃ حلقۃ فقلت قامت القیامۃ قالو الاولکن رجل من اخواننا قرء قل ھو اللہ احد و جعل ثوابھا لنا فنحن نقتسمہ منذ سنۃ۔ رواہ القاضی ابو بکر بن عبد الباقی الانصاری فی مشیختہ''۔ ''قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری اپنے مشیخت میں سلمہ بن عبید سے راوی کہا: حماد مکی نے کہا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا اور سو رہا تو میں نے قبرستان والوں کو حلقہ حلقہ دیکھا۔ میں نے کہا کیا قامت قائم ہوگئی؟ بولے نہیں لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ہو اللہ پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو ہم سال بھر سے اس کو تقسیم کر رہے ہیں''۔ (مرقات جلد ص ۳۸۲)

(و) ''عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم من زار قبر والدیہ اواحدھما فقرء عندہ اوعندھما یٰس غفرلہ رواہ ابوبکر بن البخاری فی کتاب السنن''۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد۱ ص ۸۷۵)

''ابوبکر بن نجار کتاب السنن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے والدین یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس سورہ یٰس پڑھے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔

بائیسواں طریقہ: میت کیلئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا

میت کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا یعنی نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کو بخشنا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار جلد۲ ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں: ''وروی الدار قطنی ان رجلا سالہ علیہ الصلاۃ والسلام فقال لی ابوان ابرھما حال حیاتھما فکیف لی ببر ھما بعد موتھما فقال

صلی اللہ علیٰ وسلم ان من البر بعد الموت ان تصلی لھما مع صلاتک و ان تصوم لھما مع صومک"۔ دارقطنی نے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ میرے ماں باپ ہیں۔ ان کی حیات میں تو ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کس طرح نکوئی کر سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی روزہ رکھو"۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنے رسالہ تذکرہ الموتی والقبور ص ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں: "وابن ابی شیبہ از حجاج بن دینار روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود از جملہ نیکی کردن با پدر و مادر آن ست کی نماز گذاری برائے آنہا با نماز خود و روزہ خود داری برائے آنہا با روزہ خود و صدقہ دہی از طرف آنہا با صدقہ خود"۔

"ابن ابی شیبہ حجاج ابن دینار سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے ہی سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ نماز پڑھو ان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھو ان کے لئے اپنے روزے کے ساتھ اور صدقہ دو ان کی طرف سے اپنے صدقہ کے ساتھ"۔

"و عن مالک بن دینار قال دخلت المقبرہ لیلۃ الجمعۃ فاذاانا بنور مشرق فیھا فقلت لا الہ الا اللہ نریٰ ان اللہ عزوجل قد غفر لاھل المقابر فاذاانا بھا تف یھتف من البعد و ھو یقول یا مالک بن دینار ھذہ ھدیۃ المومنین الیٰ اخوانھم من اھل المقابر قلت بالذی انطقک الا اخبرتنی ماھو قال رجل من المومنین قام ھذہ اللیلۃ فاسبغ الوضوء وصلیٰ رکعتین وقرء فیھما فاتحۃ الکتاب وقل یاایھاالکفرون و قل ھواللہ احد و قال اللّٰھم انی قد وھبت ثوابھا لاھل المقابر من المومنین فادخل اللہ علینا الضیاء والنور والفتح والسرور فی المشرق و المغرب قالہ مالک فلم ازل اقرء ھافی کل جمعۃ فرائیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی منامی یقول لی یا مالک قد غفرا اللہ لک بعد دالنور الذی اھدیتہ الیٰ امتی ولک ثواب ذلک ثم قال لی و بنی اللہ لک بیتا فی الجنۃ فی قصر یقال لہ المنیف قلت وما المنیف قال المظل علیٰ اھل الجنۃ رواہ ابن النجار فی تاریخہ"۔

"ابن النجار اپنی تاریخ میں مالک بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں شب جمعہ کو قبرستان میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک نور تاباں ہے۔ میں نے کہا لا الہ الا اللہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس قبرستان والوں کی مغفرت فرمادی۔ اتنے میں سنا کہ دور سے ایک ہاتف غیبی کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ہدیہ ہے جو اپنے بھائی اس قبرستان والوں کے پاس بھیجا۔ میں نے کہا قسم اس ذات کی جس نے تجھ کو گویائی بخشی مجھے خبر دے کہ واقعہ کیا ہے؟ اس

نے کہا ایک مسلمان شخص اس شب میں کھڑا ہوا اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور ان دونوں میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا اور کہا کہ خداوندا میں نے اس کا ثواب قبرستان والے مردوں اور عورتوں کو بخشا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشنی اور نور، کشادگی اور سرور مشرق و مغرب میں داخل کیا۔ مالک کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ہر جمعہ کو اسے پڑھنے لگا پس میں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے مالک! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا بقدر تعداد اس نور سے جو تو نے میری امت کی طرف ہدیہ کیا اور تیرے لئے اس کا ثواب ہے پھر مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے ''قصر منیف'' میں گھر بنوایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ قصر منیف کیا؟ فرمایا، جنتیوں پر سایہ کرنے والا۔ (شرح احیاء العلوم ۲ ص ۲۷۲)

تیسواں طریقہ: کنواں کھودوا کر مردے کی طرف سے وقف کر دینا

''عن سعد بن عبادة قال یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بیراً وقال ھذہ لام سعد رواہ ابو داؤد والنسائی''۔ ''ابوداؤد اور نسائی حضرت سعد بن عبادہ سے راوی ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ام سعد کا انتقال ہو گیا تو کون صدقہ ان کے لئے بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا پانی بس انہوں نے کنواں کھودا اور کہا یہ ام سعد کے لئے ہے'' (مشکوۃ ص ۱۶۹)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد ۲ ص ۴۷۷ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''(فای الصدقة افضل) ای لروحھا (قال الماء) انما کان الماء افضل لانه اعم نفعا فی الامور الدینیة والدینویة خصوصا فی تلك البلاد الحارة ولذلك منّ اللہ تعالیٰ بقوله وانزلنا من السماء ماء طھورا کذا ذکرہ الطیبی''۔ ''کون سا صدقہ ام سعد کی روح کے لئے افضل ہے؟ حضور نے فرمایا کہ پانی اور پانی کو اس لئے افضل صدقہ فرمایا کہ اس کا نفع دین اور دنیوی سب کاموں میں عام ہے، خصوصاً ان گرم ملکوں میں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول انزلنا من السماء ماء طھورا میں پانی اتارنے پر احسان رکھا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے ذکر کیا''۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ یہ حدیث اصل اس دستور و رواج کی ہے جو مسلمانوں میں مروج ہے کہ مسجدوں میں نمازیوں کے غسل و وضو کرنے کے لئے گھڑا لوٹا وغیرہ بھیجتے ہیں کہ اگر کنواں نہ کھودوایا تو ہمارا بھرا گھڑا مسجد میں رہے گا۔ کوئی پیاسا پانی پئے گا، کوئی وضو و غسل کرے گا تو اس کا ثواب بھیجنے والے کو یا جس کی طرف سے بھیجا گیا ہے، اس کو ملے گا خصوصاً جن گھڑوں لوٹوں سے میت کو غسل دیتے ہیں، اس کو تو غسل دینے کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے مسجدوں میں بھیج دینے کا عام دستور ہے۔ البتہ بعض جگہ اس گھڑے اور لوٹے کو جس سے میت کو غسل دیتے ہیں، میت کے ساتھ قبرستان لے جاتے ہیں اور قبر کی مٹی برابر کرنے کے بعد اس گھڑے میں بڑا سوراخ کر کے

میت کے سرہانے اور لوٹے میں سوراخ کر کے میت کے پائنتی میں رکھ دیتے ہیں کہ یہ اضاعت مال اور گناہ ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا

''عن ابن عباس ان رجلا قال یا رسول اللہ! ان امی توفیت افینفعھا ان تصدقت عنھا قال نعم قال فان لی مخرفا فاشھدک انی قد صدقت بہ عنھا۔ رواہ الترمذی ص ۸۵ وقال ھذا حدیث حسن وبہ یقول اھل العلم''۔ ''ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہوگیا۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو ان کو مفید ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! اس شخص نے کہا کہ میرا ایک باغ ہے۔ میں حضور کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اہل علم کا بھی یہی قول ہے''۔

''عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسھا واظنھا لو تکلمت لتصدقت فھل لھا اجران تصدقت عنھا قال نعم'' (رواہ البخاری ص ۱۵۴ و مسلم ص ۳۲۴) ''امام بخاری ومسلم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا دفعۃً انتقال ہوگیا۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو ضرور صدقہ کرتیں، تو کیا ان کو ثواب ملے گا؟ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں!''

علامہ نووی شرح مسلم ص ۳۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ''وفی ھذا الحدیث ان الصدقۃ عن المیت تنفع المیت ویصل ثوابھا وھو کذلک باجماع العلماء وکذا اجمعوا علی وصول الدعاء وقضاء الدین بالنصوص الواردۃ فی الجمیع''۔ ''اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ دینا، مردہ کو فائدہ بخش ہے اور اس کا ثواب مردہ کو ملتا ہے، اس کو پہونچتا ہے۔ اس پر علما کا اجماع ہے اور اسی طرح اجماع ہے دعا کے پہونچنے، دین کے ادا ہونے پر ان نصوص سے جوان سب پر وارد ہوئیں''۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد۴ ص ۲۴۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''ویستفاد منہ ان الصدقۃ عن المیت تجوز وانہ ینتفع بھا''۔ ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس سے مردہ کو نفع پہونچتا ہے''۔

- اسی میں ایک دوسری جگہ ہے: ''وروی احمد عن عبداللہ بن عمرو ان العاص بن وائل نذر فی الجاھلیۃ ان ینحر مائۃ بدنۃ وان ھشام ابن العاص نحر عنہ خمسین وان عمرواً سأل رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقال اماابوك فلواقر بالتوحید فصمت و تصدقت عنہ نفعہ ذلك"
(عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲٤٦)''امام احمد بن حنبل نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا کہ ان کے باپ
عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانا تھا کہ سو اونٹ قربانی کریں گے اور ہشام ابن عاص نے ان کی طرف
پچاس اونٹ قربان کیا اور عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اگر تمہارا
باپ توحید کا اقرار کرتا تو تم روزہ رکھتے اور اس کی طرف سے صدقہ کرتے تو نفع دیتا''۔

اور اسی میں ہے ص۲۴۶:''و عن ابن ماکولا من حدیث ابراھیم ابن حیان عن ابیہ عن جدہ
عن انس رضی اللہ عنہ انہ قال سئالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انالند عو لمو تاناو
نتصدق عنہم و نحج فھو یصل ذلك الیھم فقال انہ لیصل الیھم ویفرحون بہ کما یفرح احد کم
بالھدیۃ"۔''ابن ماکولا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے صدقہ دیتے ہیں اور حج کرتے
ہیں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہونچتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک وضرور ان کو پہونچتا ہے اور وہ
لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی ہدیہ بھیجنے سے خوش ہوتا ہے''۔

سبحان اللہ! یہ حدیث بھی عجیب وغریب جامع انواع ثواب ہے۔ اس لئے کہ ایصال ثواب تین طرح سے ہوسکتا
ہے۔ بدنی، مالی، دونوں کا مجموعہ، اس حدیث نے تینوں کو جمع کر دیاندعولموتانا عبادت بدنی ہے۔نتصدق عنھم ثواب
مالی نحج عنھم عبادت مجموعہ مالی و بدنی ثابت ہوا کہ مردے کو ہر قسم کا ثواب پہونچتا ہے، بدنی ہو یا مالی یا دونوں کا مجموعہ۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ باب زیارۃ القبور جلد اول ص ۷۶۳ میں
فرماتے ہیں:''مستحب ست کہ تصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز وتصدق از میت نفع می کند او را بے
خلاف میان اہل علم و وارد شدہ ست دران احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضے از علما گفتہ اند کہ نمی رسد میت را مگر صدقہ
و دعا در بعض روایات آمدہ ست کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ، پس نظر می کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔
واللہ تعالیٰ اعلم''۔

''مستحب ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے۔ اس کے دنیا سے گذرنے کے بعد سات روز تک میت
کی جانب سے صدقہ کرنا میت کو نفع پہونچاتا ہے۔ اس بارے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس بارے میں
صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں خصوصاً بعض علما نے فرمایا ہے کہ نہیں پہونچتا ہے میت کو مگر صدقہ اور دعا۔ بعض روایات میں
آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی شب کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی جانب سے لوگ صدقہ کرتے ہیں کہ

نہیں واللہ تعالیٰ اعلم"۔

اس جگہ ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ میت کے ایصال ثواب کے لئے جو لوگ کھانا وغیرہ پکوا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں تو یہ میت کی طرف سے صدقہ ہے تو چاہئے کہ صرف فقرا کو دیا جائے۔ لیکن متعارف ہے کہ اعزہ اقارب دوست احباب اغنیا وغیرہ سب کھاتے اور سب کو کھلاتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ صدقہ واجبہ نہیں جو فقرا کے ساتھ خاص ہو، اغنیا کے لئے ناروا بلکہ صدقہ نافلہ ہے اور کار خیر ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ایک حدیث ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طعام میت میں شریک ہوئے تو اگر یہ ناجائز ہوتا یا قابل احتراز ہوتا تو خود حضور اقدس صلی اللہ وسلم ہرگز نہ شریک ہوتے۔

"عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی جنازة فرایت رسول الله صلی الله علیه وسلم و هو علیٰ القبر یوصی الحافر یقول اوسع من قبل رجلیه اوسع من قبل راسه فلمارجع استقبله داعی امرأته فاجاب و نحن معه فجئی بالطعام فوضع یده ثم وضع القومُ فاکلوا فنظر ناالیٰ رسول الله صلی علیه وسلم یلوك لقمة فی فیه ثم قال اجد لحم شاة اخذت بغیراذن اهلها فارسلت المرءة تقول یارسول الله !انی ارسلت الیٰ النقیع و هو موضع یباع فیه الغنم لیشتری لی شاة فلم توجد فارسلت الیٰ جارلی قد اشتری شاة ان یرسل بها الیٰ ثمنها فلم یوجد فارسلت الی امرأته فارسلت الی بها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اطعمی هذا الطعام الا سریٰ"۔ رواه ابو داؤد البیهقی فی دلائل النبوة۔

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ گورکن کو فرماتے ہیں: پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کرو، سر کی طرف سے فراخ کرو۔ جب بعد دفن واپس ہوئے۔ اس میت کی بی بی نے ایک آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے، نوش جان فرمایئے آپ نے قبول فرمایا اور ہم سب آپ کے ساتھ تھے، وہاں گئے کھانا سامنے آیا۔ آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر سب جماعت نے بڑھایا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دہن مبارک میں لقمہ چبا رہے ہیں اور فرو نہیں کرتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ اس بکری گوشت ہے جو بغیر اجازت مالک کے لی گئی ہے۔ عورت نے یہ کہلا بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں نے آدمی نقیع میں بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری خریدی جائے تو وہاں نہ ملی۔ تب میں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو بکری اس نے خریدی ہے، وہ مجھ کو بقیمت دے۔ اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر میں نہ تھا تو میں نے اس کی بی بی کے پاس آدمی بھیجا تو اس نے بے اجازت شوہر بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا"۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۴۸۲ میں فرماتے ہیں: "هذا الحديث بظاهره يرد على ماقرره اصحاب مذهبنا من انه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث و بعد الا سبوع"۔ "عاصم بن کلیب کی یہ حدیث کھلے طور پر رد کرتی ہے اس مسئلہ کو جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے کہ پہلے روز اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کھانا تیار کرنا مکروہ ہے"۔

پھر ملا علی قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب والوں کے قول اور حدیث میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں "فلينبغي ان نقيد كلا مهم بنوع خاص من اجتماع يو جب استحياء اهل الميت فيطعمو نهم كرها اويحمل على كون بعض الور ثة صغير اوغائبا اولم يعرف رضاه اولم يكن الطعام من عند حد معين من مال نفسه"۔ "حنفیہ جو طعام میت کو مکروہ بتاتے ہیں، وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اجتماع ایک خاص قسم کا ہو، جس سے اہل میت شرمائیں اور شرما کر ان لوگوں کو کھلائیں یا جبکہ بعض ورثہ نابالغ ہوں یا غائب ہوں یا اس پر راضی نہ ہوں یا کم از کم رضامندی معلوم نہ ہو یا کسی خاص شخص کی طرف خود اس کے مال سے وہ کھانا تیار نہ کیا گیا ہو"۔

ہدایہ فصل صدقہ ج ۳ ص ۴۹۰ میں ہے: "قد يقصد بالصد قة على الغنى الثواب"۔ "اغنیا کا کھلانا جس طرح ان کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے کبھی اس سے مقصود حصول ثواب بھی ہوتا ہے"۔

مجمع البحار جلد دوم ص ۲۳۸ میں ہے: "الصدقة مانصدقت به على الفقراء اى غالب انواعها كذلك فانها على الغنى جائزة عندنا يثاب به بلا خلاف"۔ "صدقہ اس کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جائے یعنی غالب انواع اس کا فقراء کے لئے ہوتا ہے، ورنہ غنی کو دینا بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس پر بلاخلاف اجر وثواب ملے گا"۔

خود حدیث شریف میں ہے کل معروف صدقة ہر معرف کام کرنے میں صدقہ کا ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ اغنیا کو کھانا کھلانا منکر نہیں بلکہ معروف ہے۔

فقیر غفرل المولی القدیر کہتا ہے کہ اسی وجہ سے مسلمانوں میں مروج ہے کہ میت کی طرف سے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر فقراء کو کھلاتے یا تقسیم کرتے ہیں اور اس میں کبھی کبھی اغنیا کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا

"عن عائشة رضى الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه و سلم امر بكبش اقرن يطاء فى سواد و يبرك فى سواد فاتى به ليضحى به قال يا عائشة! هلمى المدية ثم قال اشحذيها بحجر ففعلت ثم اخذ ها و اخذ الكبش فاضجعه ثمه ذبحه ثم قال بسم الله اللّٰهم تقبل من محمد و من

امة محمد ثم ضحیٰ به"۔ رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۵۶ ۔ ''امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے لئے ایک بکرا سینگ والا لایا جائے جس کے دونوں پاؤں سیاہ ہوں، پیٹ سیاہ ہو، آنکھیں سیاہ ہوں یعنی وہ بکرا سر سے پاؤں تک سیاہ ہو، تو ایسا بکرا لایا گیا۔ ارشاد ہوا: اے عائشہ چھری لاؤ اور اس کو پتھر پر تیز کرلو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا پھر حضور نے وہ چھری لی اور اس بکرے کو پکڑا اور لٹایا پھر ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ خداوندا اس کو قبول فرما محمد اور امت محمد کی طرف سے پھر قربانی کی''۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۲ص ۲۶۱ میں لکھتے ہیں: ''قال الطیبی المراد المشارکة فی الثواب مع الامة لان الغنم الواحد لا یکفی عن اثنین فصاعدا"۔ ''علامہ طیبی نے فرمایا کہ اس سے مراد امت کو ثواب میں شریک کرنا ہے۔ اس لئے کہ ایک بکری دو آدمی یا زیادہ کی طرف سے کفایت نہیں کرتی''۔

''وعن جابر قال ذبح النبی صلی الله علیه وسلم یوم الذبح بکبشین اقرنین المحین موجوئین فلما وجههما قال انی وجهت وجهی للذی فطرالسموت والارض علیٰ ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین۔ ان صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریك له وبذلك امرت و انا من المسلمین اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله الله اکبر ثمه ذبح رواه احمد و ابو داؤد وابن ماجة والدارمی"۔ ''یہ محدثین حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لئے وہ بکرے سینگ والے خوبصورت آختہ ذبح فرمائے۔ جب ان کو لٹایا دعا پڑھی اللّٰھم انی وجهت وجهی الخ اور فرمایا کہ خداوندا یہ تیرا عطیہ ہے اور تیرے لئے ذبح کیا گیا ہے محمد اور امت محمد کی طرف سے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا''۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۲ص ۳۶۵ میں تحریر فرماتے ہیں:

"(عن محمد) ای صادرة عنه (وامته) ای العاجز بن عن متا بعته فی سنة اضحیته وهو یحتمل التخصیص باهل زمانه والتعمیم المناسب لشمول احسانه والاول یحتمل الاحیاء والاموات اوالاخیر منهما ثم المشارکة امامحمولة علیٰ الثواب وا۱و علیٰ الحقیقة فیکون من خصوصیة ذلك الجناب والا ظهر ان یکون احد هما عن ذاته الشریفة والثانی عن امته لضعیفة۔"

''یہ قربانی صادر ہے محمد اور ان کی امتیوں کی طرف سے جو سنت اضحیہ میں آپ کی متابعت سے عاجز ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ فقط انہیں لوگوں کی طرف سے ہو جو حضور کے زمانہ میں تھے یا سب کو عام ہو اور یہی شمول احسان کے اعتبار سے مناسب ہے اور اول احتمال رکھتا ہے زندوں اور مردوں سب کو یا فقط مردوں کو۔ پھر مشارکت یا تو فقط ثواب

میں ہے یا حقیقۃً قربانی مراد ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ ایک حضور کی طرف سے ہوا اور دوسری قربانی آپ کی امت ضعیف کی جانب سے۔''

''و فی روایة لا حمد وابی داؤد والترمذی ذبح بیده وقال بسم الله الله اکبر اللهم هذا عنی و عمن لم یضح من امتی''۔ ''امام احمد و ابوداؤد و ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے خود اپنے دست حق پرست سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا۔ خداوندا یہ قربانی میری طرف سے اور میری ان امتیوں کی طرف سے جنہوں نے قربانی نہ کی۔''

''و عن حنش قال رایت علیا یضحی بکبشین فقلت له ماهذا فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه رواه ابو داؤد والترمذی نحوه''۔ ''ابوداؤد اور ترمذی نے حنش بن عبداللہ سبائی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ دو بکرا قربانی کیا۔ میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں تو میں ایک جانور ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں''۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد۲ ص ۳۶۵ میں فرماتے ہیں:

''(انا اضحی عنه) بعد موته امابکبشین علیٰ متوال حیوٰته او بکبش احدهما عنه والآخر عن نفسی (فانا اضحی عنه) قال ابن الملك یدل علیٰ ان التضحیة تجوز عمن مات''۔ ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جو فرمایا کہ ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ حضور کے وصال کے بعد جس طرح آپ اپنی حیات میں دو جانور قربانی کیا کرتے تھے، اسی طرح میں بھی حضور کی طرف سے دو جانور قربانی کرتا ہوں یا دو میں سے ایک حضور کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ ابن ملک نے کہا کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنی جائز ہے''۔

ردالمحتار جلد۵ ص ۲۲۰ میں ہے: ''و ان تبرع بها عنه له الا کل لأ نه یقع علیٰ تلك الذابح والثواب للمیت''۔ ''اگر کسی نے میت کی طرف سے تبرعاً قربانی کی تو اس سے کھانا جائز ہے کیونکہ یہ قربانی ملک ذابح پر واقع ہوئی اور مردہ کو قربانی کا ثواب ملے گا۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال سوم: ایصال ثواب کے متعدد طریقے سوال (۱) اور (۲) کے جواب میں تحریر کئے گئے۔ ان میں بعض بعض طریقے تو جملہ صحابہ کرام و صحابیات حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ و بنات طاہرات حضرت رقیہ و ام کلثوم و حضرت خبیب و حضرت حمزہ و حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر و خیبر و احد و حنین و تبوک وغیرہا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایصال ثواب کے لئے خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھ صحابہ و اہل بیت نے

کیا۔جس کی قدرے تفصیل گزشتہ جواب سے ظاہر اور تفصیل مزید واقف سیر و تاریخ سے پوشیدہ نہیں اور نہ فقط ایک ہی مرتبہ بلکہ ان میں بعض بعض تو بار ہا برتے گئے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت ہر سال کیا کرتے تھے۔خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس سنت سنیہ کو جاری رکھا۔حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی زیارت کو جایا کرتیں، وہاں نماز پڑھتیں اور رویا کرتیں، دعا کرتی تھیں۔

امام محمد بن محمد غزالی احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں: ''و عن جعفر بن محمد عن ابیه ان فاطمة بنت النبی صلی الله علیه وسلم کانت تزور عمها حمزة فی الایام فتصلی و تبکی عنده''۔ ''حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی پردادی حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے (والد کے) چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم کی قبر کی زیارت کو جایا کرتیں تو وہاں جا کر نماز پڑھتیں اور ان کے پاس روتی تھیں''۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح میں فرماتے ہیں: ''وروی البیهقی فی الشعب عن الواقدی قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یزور الشهداء باحد فی کل حول واذابلغ رفع صوته فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار ثم ابو بکر کل حول یفعل مثل ذلك ثم عمر ثم عثمان و کانت فاطمة رضی الله عنها تاتیه وتدعوا وکان سعد بن وقاص یسلم علیهم ثم یقبل علیٰ اصحابه فیقول الا تسلمون علیٰ قوم یردون علیکم السلام''۔ ''بیہقی شعب الایمان میں واقدی سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب وہاں پہونچتے، بلند آواز سے فرماتے سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار کہتے پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان بھی ایسا کیا کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ کی زیارت کو آتیں اور دعا کرتیں تھیں اور حضرت سعد بن وقاص بھی شہدائے احد پر سلام کیا کرتے تھے اور پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تم اس قوم پر کیوں نہیں سلام کرتے جو تمہارے سلام کا جواب دیں''۔

شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۴ میں ہے: ''وروی ابن ابی شیبة عن ابی جعفران فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم کانت تزور قبر حمزة رضی الله عنهما ترمه وتصلحه و قد تعلمته بحجر۔ و رواه یحیٰ نحوه عن ابی جعفر عن ابیه علی بن الحسین و زاد فتصلی هناك وتدعو وتبکی حتی ماتت۔'' ''ابن ابی شیبہ حضرت ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کیا کرتیں اور اس کی مرمت کرتیں، اصلاح درستگی کرتیں اور پتھر کے ذریعے علامت بنا دی

تھی'' اور یحییٰ نے مثل روایت سابق ابوجعفر سے، انہوں نے اپنے والد علی بن حسین امام زین العابدین سے روایت کیا اور اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ وہاں پڑھتیں، دعا کرتیں، روتیں۔ یہ دستور وطریقہ ہمیشہ جاری رہا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوا۔''

معلوم ہوا کہ دو چار بار کون پوچھتا ہے، ہمیشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، حضرت امیر معاویہ، سعد بن وقاص مع جماعت احباب اور مدت العمر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہدائے احد کی سالانہ زیارت کو آیا کرتے اور سلام کرتے اور دعا کرتے رہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدیر کہتا ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا اپنے احباب واصحاب سے یہ کہنا الا تسلمون علیٰ قوم یردون علیکم السلام اس حدیث کی تصدیق ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور شہدائے احد کی زیارت کی اور فرمایا:

''ان عبدك و نبيك يشهدان هولاء شهداء وانهم من زار هم او سلم عليهم الیٰ يوم القيمة ردوا عليه''۔ ''خداوندا تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں۔ قیامت تک جو شخص ان کی زیارت کرے گا اور ان پر سلام بھیجے گا یہ لوگ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

''رواه البيهقی فی الدلائل و قال العطاف و حدثتنی خالتی انها زارت الشهداء فسلمت عليهم فسمعت رد السلام فقالو والله اذانعر فكم كما يعرف بعضنا بعضنا قالت فشعرت''۔ ''عطاف بن خالد راوی حدیث کہتے ہیں کہ میری خالہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے شہداء کی زیارت کی پس ان پر سلام کیا تو جواب سلام سنا اور ان لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح ہمارا بعض بعض کو پہچانتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔''

''و عن هاشم بن محمد العمری من ولد عمر بن علیٰ قال اخذنی ابی بالمدينة الیٰ زيارة قبور الشهداء فی يوم جمعة بين الفجر والشمس فكنت امشی خلفه فلما انتهیٰ الیٰ المقابر رفع صوته فقال سلام عليكم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار قال اجيب وعليك السلام يا ابا عبدالله افالتفت ابی الیّ فقال انت المجيب ؟فقلت لا فجعلنی عن يمينه ثمه اعاد السلام ثم جعل كلما سلم يرد عليه حتی فعل ذلك ثلاث مرات فخر ساجدا۔'' (رواه البيهقی) ''امام بیہقی ہاشم بن محمد عمری سے روایت کرتے ہیں کہا۔ کہ میرے والد مدینہ طیبہ میں مجھے جمعہ کے دن درمیان طلوع فجر وطلوع شمس یعنی صبح صادق کے وقت شہدائے احد کی زیارت کے لئے گئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جب وہ قبرستان پہونچے، آواز بلند کی

اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار کہا۔ راوی نے کہا تو کسی نے آپ کے سلام کا جواب دیا و علیکم السلام یا اباعبدالله اس جواب کو سن کر میرے والد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہیں پھر مجھے اپنی دہنے طرف کر لیا پھر سلام کیا تو جب جب سلام کرتے، جواب پاتے تھے۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ کیا تو آپ سجدہ میں گرے''۔

''و عن فاطمة الخزاعية تقول لقدراء بتني و غابت الشمس بقبور الشهداء و معي اخت لي فقلت لها تعالي نسلم علىٰ قبر حمزة فو قفنا علىٰ قبره فقلنا السلام عليك يا عم رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعنا كلامارد علينا و عليكم السلام و رحمة الله قالت وما قربنا احد من الناس'' (رواه البيهقي) '' فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ ایک دن آفتاب ڈوبتے وقت شہدائے احد کے قبور پر میرا گزر ہوا اور میرے ساتھ میری بہن بھی تھی۔ میں نے کہا آؤ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے چلیں۔ ہم دونوں بہن ان کی قبر پر ٹھہرے اور ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ پر سلام ہو۔ پس ہم نے سنا کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں اور ہمارے آس پاس کوئی آدمی نہ تھا۔''

(وفاء الوفا جلد۲ ص ۱۱۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعد کے مسلمان تابعین تبع تابعین، رجال ونساء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الیٰ یوم الدین برابر سال بہ سال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ و دیگر شہدائے احد کے مزارات پر جا کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے اور دیگر صحابہ کرام جن کے اسمائے طیبہ سوال میں درج ہیں اور ان کے علاوہ وہ حضرات صحابہ عظام جن کے اسمائے گرامی درج نہیں، ان کے حالات بھی اگر بتفصیل کتب سیر و تواریخ میں دیکھے جائیں تو ہر ایک کے لئے ایصال ثواب کے گزشتہ طریقوں سے نہ صرف ایک دو بلکہ متعدد طریقے اور وہ بھی نہ صرف ایک بار بلکہ بارہا کرنا ثابت ہوگا اور اگر بالفرض نہ سہی تو عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ سیکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں، واقعات روزمرہ ہوا کرتے اور تاریخ میں ان کا ذکر نہیں تو کیا وہ سب باتیں شدہ بے شدہ ہو جائیں گی۔ ہاں ماننے اور عمل کرنے کے لئے مطلق ثبوت کافی ہے، اگرچہ ایک شخص ایک فرد کے لئے ہو ع

در خانہ کس ست یک حرف بس ست

اور قبر پر کھجور کی شاخ کا رکھنا تو بارہا ثابت ہوتا ہے۔ جن جن حدیثوں سے قبر پر جریدہ رکھنا ثابت ہوتا ہے، امام نووی کا خیال ہے کہ وہ سب ایک ہی واقعہ کا بیان ہے۔ شراح بخاری اس کا رد کرتے اور بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعات

متعدد ہیں۔

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد اص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں: "وفیہ نظر لمافی حدیث ابی بکرة عند الامام احمد والطبرانی انه الذی اتیٰ بالجریدة الیٰ النبی صلی الله علیه وسلم وانه قطع الغصنین فدل ذلك علیٰ المغائرة ویوید ذلك ان قصة الباب کانت بالمدینة وکان معه صلی الله علیه وسلم جماعة وقصة جابر کانت فی السفر وکان خرج لحاجته فتبعه جابرو حده فظهر التغایر بین حدیث ابن عباس وجابربل فی حدیث ابی هریرة رضی الله عنه المروی فی صحیح ابن حبان مایدل علیٰ الثالثة ولفظه انه صلی الله علیه وسلم مربقبر فوقف فقال ایتونی بجرید تین فجعل احدهما عند راسه والاخری عند رجلیه"۔ "امام نووی کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اس میں نظر ہے۔اس لئے کہ ابوبکرہ کی حدیث میں جسے امام احمد طبرانی نے روایت کیا، یہ ہے کہ ابوبکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جریدہ لائے تھے اور انہوں نے اس کو دوحصہ کیا تھا تو یہ مغائرت کی دلیل ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب کا واقعہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت صحابہ کرام کی تھی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ سفر میں ہوا۔اس وقت حضور قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے کہ حضرت جابر تنہا ساتھ ہو لئے تو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر کی حدیث میں صاف مغائرت ظاہر ہوگئی بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیح ابن حبان میں مروی ہے، وہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تیسرا واقعہ ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے تو ٹھہرے اور فرمایا کہ کھجور کی دوشاخیں لاؤ۔پس ایک کو میت کے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں"۔

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: "وفی حدیث ابی بکرة عنداحمد والطبرانی انه الذی اتیٰ بها الیٰ النبی صلی الله علیه وسلم اماما رواه مسلم فی حدیث جابرالطویل المذکور فی اواخر الکتاب انه الذی قطع الغصنین فهو فی قصة اخریٰ غیر هذه فان تغایر حدیث ابن عباس و حدیث جابر وانهما کانا فی قضیتین مختلفین ولا یبعد تعد دذلك وقدروی ابن حبان فی صحیفة من حدیث ابی هریرة انه صلی الله علیه وسلم مربقبر فوقف علیه فقال ایتونی بجرید تین فجعل احدهما عند راسه والاخریٰ عند رجلیه فتحتمل ان تکون هذه قصة ثالثة"۔

"ابی بکرہ کی حدیث میں امام احمد اور طبرانی کے نزدیک یہ ہے کہ ابی بکرہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شاخ لائے تھے لیکن وہ جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے یعنی جناب جابر کی حدیث جو طولانی ہے اور کتاب کے آخر

میں درج ہے کہ انہوں نے دو ٹکڑے کیا تھا، یہ دوسرے قصہ میں ہے جو ان کے علاوہ ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس کی حدیث اور حضرت جابر کی حدیث میں مغائرت ہے اور یہ کہ یہ دونوں دو مختلف قصوں میں واقع ہوئے ہیں اور قصوں کا متعدد ہونا بعید از قیاس نہیں ہے، جبکہ ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ کے حدیث کے ایک صحیفے میں روایت فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس گزرے تو حضور اس پر ٹھہرے پھر فرمایا: لاؤ دو شاخیں پھر حضور نے کر دیا اس میں سے ایک کو سرہانے اور دوسری کو پائنتی تو احتمال اس بات کا ہے کہ یہ قصہ خود ایک تیسرا قصہ ہو''۔

علامہ عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۸۷۷ میں اس پر بہت بسط و تفصیل سے کلام فرماتے ہیں: ''منها ان فی متن هذا الحدیث ثم دعا بجریدة فکسرها کسر تین یعنی اتیٰ بها و کسر ها وفی حدیث جابر رضی الله عنه رواه مسلم انه الذی قطع الغصنین فهل هذه فضیة واحدةاو قضیتان الجواب انهما قضیتان و المغائرة بینهما بو جوه الاول ان هذه کانت فی المدینة و کان مع النبی صلی الله علیه وسلم جماعة و قضیة جابر کانت فی السفرو کان خرج لحاجة فتبع جابر و حده الثانی ان هذه القفیة انه علیه الصلاة والسلام غرس الجریدة بعد ان شقها نصفین کما فی روایة الاع ـ ـش الآتیة فی الباب الذی بعده و فی حدیث جابرامر علیه الصلوٰة والسلام جابرا قطع غصنین من شجر تین کان النبی صلی الله علیه وسلم استتر بها عند قضاء حاجة فالقیٰ غصنین عن یمینه و عن یساره حیث کان النبی صلی الله علیه وسلم جالساوان جابر اساله ذلك فقال انی مررت بقبرین یعذبان فاحببت بشفاعتی ان یرفع عنها مادام الغصنان رطبین الثالث لم یذ کرفی قصة جابر ماکان السبب فی عذابها الرابع یذ کرفیه کلمة الترجی فدل ذلك کلها علیٰ انها قضیتان مختلفتان بل روی ابن حبان فی صحیحه عن ابی هریرة انه صلی الله علیه وسلم مربقبر فقال ائتونی بجرید تین فجعل احد هما عندرا سه والا خریٰ عند رجلیه فهذ الظاهر یدل علیٰ ان هذه قضیة ثالثة فسقط بهذا کلام من ادعیٰ ان القضیة واحدة. کما مال الیه النووی والقرطبی''۔

''علامہ عینی نے حدیث جریدہ کی شرح اور اس کے فوائد حدیثیہ بیان کر کے (الاسئلہ والاجوبۃ) کی سرخی سے چند سوالات کر کے ان کے جوابات دیے، ہیں۔ منجملہ ان سوالوں کے ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے متن میں ''ثم دعا بجریدة فکسر ھا کسرتین'' ہے۔ یعنی ایک جریدہ لائے اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے مسلم نے روایت کیا، یہ ہے کہ خود جابر ہی نے اس کے دو ٹکڑے کئے تو یہ ایک ہی واقعہ ہے یا دو واقعے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو قضیے ہیں اور دو واقعہ ہونے کی چار دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا واقعہ

مدینہ طیبہ کا ہے اور اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی اور حضرت جابر کا واقعہ سفر کا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے اور فقط حضرت جابر ساتھ ہو لئے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ متن والے واقعہ میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شاخ کو دوا دھا کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا جیسا کہ باب آئندہ میں بروایت اعمش مصرح ہے اور جابر والی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دو درختوں سے دو شاخ لیا جس سے پردہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کیا تھا پھر جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دونوں شاخوں کو داہنے بائیں ڈال دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت جابر نے حضور سے سوال کیا تب حضور نے فرمایا کہ میں دو قبروں پر گزرا، دیکھا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے تو میں نے دوست رکھا کہ میری سفارش سے ان دونوں شخصوں پر سے عذاب اٹھا دیا جائے جب تک وہ دونوں تر و تازہ رہیں۔ **تیسری دلیل**: دلیل مغائرت اور ان کے دو واقعہ ہونے کی یہ ہے کہ حضرت جابر کے قصہ میں عذاب کا سبب نہیں بیان فرمایا۔ **چوتھی دلیل**: یہ ہے کہ اس حدیث میں کلمہ ترجی مذکور نہیں تو یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ دو واقعے علیحدہ علیحدہ ہیں بلکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے پس فرمایا کہ کھجور کی دو شاخ لاؤ۔ جب آئی تو ایک کو حضور نے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں رکھا تو یہ حدیث اپنے ظاہر لفظوں سے دلالت کرتی ہے کہ یہ تیسرا واقعہ ہے تو اس سے ساقط ہو گیا کلام اس شخص کا جس نے دعویٰ کیا کہ یہ ایک واقعہ، ہے جیسا کہ اس طرف علامہ نووی اور علامہ قرطبی مائل ہوئے۔''

تو اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شہدائے احد کی قبروں کی زیارت اور وہاں جا کر سلام کرنا، دعا کرنا، نماز پڑھنا وغیرہ بارہا بلکہ بکرات و مرات ثابت ہے، اسی طرح قبر پر جریدہ رکھنے کا واقعہ بھی ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ بارہا دو دو، تین تین مرتبہ ہوا۔ خود آپ نے کیا، آپ کے حکم سے صحابہ کرام نے کیا، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

رہا یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لئے کیا طریقہ برتا گیا اور کس طریقہ سے حضور کو ایصال ثواب کیا گیا۔

حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ (جن کا جامع علوم ظاہری و باطنی ہونا، ان کی تصنیفات شرح آداب المریدین، مکتوبات صدی و مکتوبات دو صدی و مکتوبات بست و ہشت و ملفوظات معدن المعانی و مخ المعانی وخوان پر نعمت وغیرہ سے ظاہر و باہر ہے) کے ملفوظات مسمّی بہ مخ المعانی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ مجلس سی ونہم ص ۱۱۱ میں ہے: ذکری در نقل وعرس حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بحوالہ تفسیر زاہدی بعد بیان واقعات دفن

مذکور و مسطور ہے:

''و بعد از نقل میان صحابہ اختلاف در امر خلافت افتاد کہ خلیفہ رسول خدا کہ باشد۔ مہاجرے می گفت از مہاجران باشد و انصاری می گفت کہ از انصاریاں باشد۔ بعضے صلح می انگیختند کہ یکے مہاجرے باشد و دیگر انصاری۔ دریں اختلاف نہ روز گزشت و ایں نہ روز نہ حرم بودند۔ ہر یکے ہر روز طعامے بنام رسول علیہ السلام چنانچہ موجود بود، کردند و درحرم رسول چنداں اسباب از کجا بودے کہ طعام چنداں کردندے کہ بہمہ رسیدے۔ الغرض بعد از نہم روز صحابہ ہر یکے استدلال بریں یک چیز کردند کہ درآنچہ حضرت رسالت زحمت غالب شد از سبب ملال زحمت نتوانستند کہ در مسجد حاضر شوند و بوجود حضرت رسالت کرا مجال بودے کہ امامت کردے و چوں وقت نماز درآمد، بلال بخدمت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اشارت فرمود کہ ابوبکر صدیق را بگوئے تا امامت کند۔ بلال ایں فرمان با امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسانید، ایشاں امامت کردند۔ ہمبریں صحابہ استدلال کردند کہ پیغامبر خدا مر ابوبکر صدیق را در نماز کہ یکے از ارکان دین ست، امام فرمود و بریں کار امین گردانید و خلیفہ خود گردانید کہ امامت نماز فرمود، پس جائیکہ در کار دین اورا امام گردانید و امین داشت در کار دنیا بر طریق اولیٰ امام ما باشد۔ بدیں بیا سود قرار گرفت و اجماع منعقد شد بر خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ بعدہ خلافت برایشان متعین شد۔ پس دو روز بعد از نقل اختلاف در دفن گزشت و نہ روز دریں اختلاف گزشت، جملہ یازدہ روز گزشت و دوازدہم بعد آنکہ اختلاف خلاف برخاست و ابوبکر صدیق متعین گشت، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بروح رسول علیہ الصلاۃ والسلام طعام ساختند و طعام آن مقدار ساختند کہ تمام اہل مدینہ را بس کردہ شود۔ در مدینہ افتاد امروز چیست؟ گفتند الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امروز عرس رسول خدا است و در دوازدہم عرس مشہور شد۔''

''حضور کے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کے درمیان خلافت کے بارے میں اختلاف پڑ گیا یعنی یہ کہ رسول خدا کا خلیفہ کون ہو؟ مہاجرین کہتے تھے کہ مہاجروں میں سے ہونا چاہئے اور انصار کہتے تھے کہ انصاریوں میں سے ہونا چاہئے اور بعض صلح پیدا کرنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک مہاجر اور دوسرا انصاری ہونا چاہئے۔ اس اختلاف میں نو دن گذر گئے۔ ان نو دنوں میں حضور کی نو بیویاں تھیں جن میں سے ہر ایک ہر روز جو کچھ کہ موجود ہوتا، اس میں سے ایک کھانا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے کرتی تھیں، حرم رسول میں اتنے اسباب کہاں تھے کہ اتنا کھانا کرتے جو سبھی تک پہنچ سکتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ نویں روز کے بعد صحابہ میں سے ہر ایک نے اس ایک چیز پر استدلال کیا کہ جس چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زحمت غالب ہوتی، اس کے بارے میں بسبب رنج و ملال اتنی زحمت نہ کر سکے کہ مسجد میں حاضر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کس کی مجال تھی کہ امامت کرتا اور جب نماز کا وقت آ گیا، جناب بلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ حضرت بلال نے یہ فرمان امیر المومنین ابوبکر صدیق تک پہونچایا، انہوں نے امامت کی۔ اسی بنا پر صحابہ نے استدلال کیا کہ پیغمبر خدا نے دین کے رکنوں میں سے ایک رکن یعنی نماز میں خاص کر ابوبکر صدیق کو امام بنایا ہے اور اس کام کا امانت دار شمار کیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا حتیٰ کہ جناب صدیق نے نماز کی امامت فرمائی۔ لہٰذا جبکہ دین کے کام میں ان کو امام مقرر کیا اور امین بنایا، دنیا کے کام میں بہتر طور پر ہمارے امام ہوں گے۔ اسی بنا پر یہ بات طے ہو گئی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہو گیا جس کے بعد خلافت ان کے حوالہ کر دی گئی پھر دو روز اختلاف خلافت اٹھ جانے کے بعد دفن کرنے میں گذر گئے اور نو روز اختلافِ خلافت میں گزرے، مجموعی طور پر گیارہ روز گزرے اور بارہویں روز بعد اس بات کے کہ خلافت کا اختلاف اٹھ چکا تھا اور ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر ہو چکے تھے، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی پاکیزہ روح کے لئے اتنا کھانا تیار کیا جو تمام اہل مدینہ کو کافی ہو مدینہ میں یہ شور اٹھا کہ آج کیا ہے؟ لوگوں نے کہنا شروع کیا آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے، آج رسول خدا کا عرس ہے اور بارہویں دن عرس مشہور ہو گیا''۔

حضرت مخدوم الملک قدس سرہٗ العزیز کی اس عبارت اور صاحب تفسیر زاہدی کی صراحت سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ازواج مطہرات نے کیا اور نہ فقط ایک مرتبہ بلکہ نو ازواج نے نو مرتبہ کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ و جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایصال ثواب و عرس کیا اور اس مقدار سے کھانا پکوایا کہ تمام اہل مدینہ کے لئے کافی ہوا اور نہ فقط اسی زمانہ میں ہو کر رہ گیا بلکہ اس کے بعد بھی صحابۂ عظام و مشائخ کرام و علمائے فخام بلکہ جملہ اہل اسلام برابر طرح طرح سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے رہے اور اب تک کرتے ہیں۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد اول ص ۸۴۵ میں ابن تیمیہ کے اس خیال کا (کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اہدائے ثواب ناجائز ہے) رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وقد بالغ السبکی وغیرہ فی الرد علیہ فان مثل ذلك لا یحتاج لا ذن خاص الاتریٰ ان ابن عمر کان یعتمر عنہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرا بعد موتہ من غیر و صیتہ و حج ابن الموقف و ھو فی طبقۃ الجنید عنہ سبعین حجۃ و ختم ابن السراج عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من عشرۃ آلاف ختمۃ وضحیٰ عنہ مثل ذلك''۔ ''علامہ تقی الدین سبکی وغیرہ نے ابن تیمیہ کے رد میں بہت مبالغہ کیا کہ اس قسم کی بات میں خاص اذن کی ضرورت نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضور کے وصال کے بعد مدت

العمر بے وصیت برابر عمرہ کرتے رہے، حضرت ابن موفق نے جو حضرت جنید کے طبقہ میں ہیں، حضور کی طرف سے ستر حج کیا، ابن سراج نے حضور کی طرف سے دس ہزار مرتبہ سے زیادہ قرآن شریف ختم کیا اور اسی قدر حضور کی طرف سے قربانی کیا۔''

بلکہ آج تک دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی فاتحہ کرتا ہے تو پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے الگ فاتحہ کرتا ہے پھر امت کو حضور کا طفیلی بنا کر بطفیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایصال کرتا ہے تو حضور کے لئے ہر روز کتنے فاتحے ہوا کرتے ہیں۔ ان کے اعداد و شمار کوئی نہیں بتا سکتا اور یہ طریقہ بزرگان دین اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ مجدد کی مکتوبات جلد سوم مکتوب بست و ہشتم ص ۵۵ میں ہے: ''باید کہ ہرگاہ صدقہ بمیت نیت بکند، اول باید کہ بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام ہدیہ سازد و بعد ازاں بمیت تصدق کند کہ حقوق آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام فوق حقوق دیگراں ست و نیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ ست بطفیل آن سرور علیہ و آلہ الصلوات والتحیات و ایں فقیر در بعضے صدقات موتیٰ کہ در تصحیح نیت خود را عاجز می یابد، علاجے بہ ازیں نمی یابد کہ آں صدقہ را بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام تعین نماید۔ آن میت را طفیلی ایشاں سازد، امید ست کہ ببرکت توسط ایشاں قبول افتد''۔

''چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کرے تو پہلے آں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کر کے ہدیہ کرے۔ اس کے بعد میت کے صدقہ کی نیت کرے۔ کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بلند ترین ہیں اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اس طرح پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں صدقہ قبول ہو جانے کی امید ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقوں میں جب اپنی نیت کے صحیح کرنے میں خود کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو آن حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے مخصوص کر دے اور جس مردے کے لئے نیت کرنا تھا، اس کو ان کا طفیلی بنا دے کیونکہ توسط کی برکت سے قبول ہو جانے کی امید ہے۔''

اور مسلمانوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا رواج و دستور، وہ کیا ہے ایصال ثواب ہی تو ہے۔ نیز اذان سن کر اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامہ الخ پڑھنا تو عام مسلمانوں میں اس قدر کثرت سے رائج ہے کہ شاید ہی کوئی نمازی مسلمان اس سے غفلت کرتا ہو۔ یہ تو دن رات میں پانچ دفعہ ہر مسلمان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ہے جو زمانہ حضور اقدس صلی اللہ علیٰ وسلم سے الیٰ یومنا ہذا جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک جاری رہے گا۔

اللھم صلی علیٰ سیدنا و مولانا محمد کلما ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرہ

الغافلون و صل علیٰ جمیع الا نبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین والعباد الصالحین و علینا معھم اجمعین الیٰ یوم الدین۔

جواب سوال چہارم: امام اعظم کا فرزند ارجمند اور امام ابو یوسف کو ایصال ثواب کی وصیت

ایصال ثواب کا طریقہ خود امام الائمہ، سراج الامہ نے اپنی صاحبزادی کو بتایا، اپنے شاگرد رشید کو بتایا۔ وہ ایسی بہترین ترکیب ہے کہ اسی پر اگر سب حنفی حضرات عمل کیا کریں تو کافی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے کو بیس باتوں کی وصیت فرمائی تھی جن میں ہر ایک آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور ہر حنفی کے عمل کے لائق ہے۔ اس وصیت نامہ کو شیخ احمد ضیاء الدین مصطفیٰ کمشخانوی نقشبندی مجددی خالدی نے اپنی کتاب ''جامع الاصول فی الاولیاء وانواعھم '' میں درج فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۵۳۔ یہ کتاب مطبع دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصری میں ۱۳۳۱ھ میں چھپی ہے۔ یہ وہ وصایا ہیں جن کے بارے میں امام صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''یا بنی ارشدك الله تعالی وایدك اوصیك بو صایا ان حفظتھا و حافظت علیھا رجوت لك السعادۃ فی دینك انشاء الله تعالی''۔ ''اے میرے بیٹے! خدا تجھ کو راہ دکھائے اور تیری مدد کرے۔ میں تجھ کو ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر تو ان کو یاد رکھے اور ان پر ہمیشہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے دینی سعادت کی امید کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ''۔

اسی وصیت نامہ میں ہے: ''والثالث عشران تو اظب علیٰ قراءۃ القرآن کل یوم و تھدی ثوابھا الیٰ الرسول صلی الله علیه وسلم ووالدیك واستاذك وسائر المسلمین''۔ ''تیرہویں بات یہ ہے کہ ہر روز قرآن شریف کی تلاوت پر مواظبت کرو اور اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین اور اپنے استاذ اور تمام مسلمانوں کو ہدیہ کرو۔''

اور جو وصیت نامہ اپنے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، اسے علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے اخیر میں درج کیا ہے۔ یہ وصیت نامہ بہت طویل ہے: ''واذکر الموت واستغفر الاستاذ من اخذت عنھم العلم و داوم علیٰ التلاوۃ و اکثر من زیارۃ القبور والمشایخ والمواضع المبارکۃ ''(الاشباہ والنظائر ص ٦٥٤) ''ہمیشہ موت کو یاد کیا کرو اور اپنے استاذ اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ہمیشہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرو اور بکثرت قبروں کی زیارت کیا کرو اور مشائخ کی زیارت کرو اور مقدس ومتبرک مقامات کی زیارت کو جایا کرو۔''

فقہ کی کتابیں تو ایصال ثواب کے طریقوں سے بھری ہیں، جن میں سے بعض بعض عبارتیں اوپر گزریں اور

تطویل کے خوف سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہ دیکھی اور جب خود امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نہ فقط تصریح بلکہ اپنے صاحبزادے کو تاکیدی حکم، شاگرد رشید کو ہدایت موجود تو اگر بالفرض فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو، جب بھی مضائقہ نہیں کہ لا عطر بعد عروس۔

خداوند عالم کا ہزار شکر ہے کہ مسئلہ ایصال ثواب کے متعلق چاروں سوالوں کے جواب سے فراغت ہوئی اور آیات قرآنیہ کے ارشادات، نصوص نبویہ کے افادات، علمائے کرام کی تصریحات نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ میت کے لئے ایصال ثواب کے طریقے خود قرآن شریف سے ثابت، احادیث سے ثابت، علمائے کرام کی عبارات سے ثابت، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ثابت، خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت، دیگر صحابہ کرام کے معمول سے ثابت، علمائے عظام کے دستور تعامل سے ثابت، عام مسلمانوں کے مراسم و رواج سے ثابت، تمام اہل سنت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے:

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر زبردست روشنی ڈالی ہے۔ معتزلہ کے دلائل کا ذکر کر کے ان کے مفصل جوابات دیے ہیں۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۰۷ میں ہے: "وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات خلافا للمعتزلة تمسكا بان القضاء لایتبدل و كل نفس مرهونة بما كسبت والمرء مجزی بعمله لا بعمل غيرها ولنا ماروی فی الاحاديث الصحاح من الدعاء للاموات خصوصافی صلاة الجنازة وقد توارثه السلف فلولم يكن للاموات نفع فيه لما كان له معنى وقال عليه السلام مامن ميت تصلى عليه امة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون له الا شفعوا فيه وعن سعد بن عبادة انه قال يا رسول الله ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل؟ قال الماء فحفر بيرا وقال هذه لام سعد وقال عليه السلام الدعاء يرد البلاء والصدقة تطفی غضب الرب وقال عليه السلام ان العالم و المتعلم اذامرا علىٰ قرية فان الله يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية اربعين يوما والاحاديث والآثار فی هذا الباب اكثر من ان يحصىٰ"۔

"مردوں کے لئے زندوں کے دعا کرنے اور مردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ دینے میں مردوں کا نفع ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ اہل سنت کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک زندوں کا عمل مردوں کے لئے بالکل بے اثر غیر مفید ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قضا بدلی نہیں جاتی اور ہر نفس اپنی کمائی کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر آدمی کو اس کے عمل

کی جزا ملے گی، نہ دوسرے کے عمل کی اور ہماری دلیلیں وہ صحیح حدیثیں ہیں جن میں مردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے، خصوصاً نماز جنازہ میں کہ اس کو سلف سے خلف تک لوگ برابر کرتے چلے آئے ہیں تو اگر اس میں مردے کا کوئی نفع نہ ہوتا تو نماز جنازہ پڑھنے کے کوئی معنی نہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مردہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت جن کی تعداد سو ہو نماز پڑھے اور ہر ایک اس مردہ کی شفاعت کرے تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! سعد کی ماں کا انتقال ہوگیا تو کون سا صدقہ ان کے لئے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔ بس انہوں نے کنوا کھدوایا اور کہا کہ یہ ام سعد کی طرف سے صدقہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا بلا کو ٹالتی ہے اور صدقہ خدا کے غضب کو بجھاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عالم اور طالب علم جب کسی بستی میں گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس بستی کے گورستان پر سے چالیس دن عذاب اٹھالیتا ہے اور اس بارے میں آثار اور حدیثیں حد شمار سے باہر ہیں۔''

اس جگہ کسی خاص صورت کے متعلق یہ شبہ عام خیالوں میں گزرسکتا ہے کہ اگر یہ کار خیر باعث اجر وثواب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وغیرہم تم سے پہلے کئے ہوتے، اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ دیندار تھے، جس کی قدرے جھلک ان سوالوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اب اس قسم کے شبہات وتوہمات کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ شبہ نہ صرف قرن اول بلکہ خلفائے راشدین بلکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کے وقت پیدا ہوکر صاف وصریح جواب سے دفع ہو چکا ہے جو نہ صرف ہائی کورٹ کی نظیر بلکہ پریوی کی نسل کی نظیر کی طرح ہے جو کسی کے اٹھائے نہیں اٹھ سکتی۔

امام بخاری صحیح بخاری جلد دوم باب جمع القرآن میں فرماتے ہیں: ''عن زید بن ثابت قال ارسل الیٰ ابو بکر مقتل اھل یمامۃ و اذا عمر بن الخطاب عندہ فقال ابو بکر ان عمراتانی فقال ان القتل قد استحر بقراء القرآن و انی اخشیٰ ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذ ھب کثیر من القرآن و انی اریٰ ان تامربجمع القرآن فقلت لعمر کیف تفعل شیئالم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ و سلم فقال عمر ھذا و اللہ خیرفلم یزل یرا جعنی حتی شرح اللہ صدری لذلک و رایت فی ذلک الذی رایٰ عمر فقال زید قال ابو بکر انک شاب عاقل لا نتھمک و قد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فتتبع القرآن فاجمعہ فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ماکان اثقل علی مماامرنی بہ من جمع القرآن قلت کیف تفعلا ن شیاء لم یفعلہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ و سلم قال واللہ ھو خیر فلم یزل ابو بکر یر افعنی حتیٰ شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر و عمر فتتبعت القرآن اجمعہ من العصیب واللخاف وضدرالر جال و وجدت اخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجد ھا مع غیرہ لقد جاء کم رسول من انفسکم حتیٰ خاتمۃ برأۃ فکانت الصحف مع ابی بکر حتی تو فاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر"۔ (رواہ ابو داؤد الطیالسی وابن سعد والامام احمدفی مسندہ والمدینی و التر مذی والنسائی وا بن جریر وابن ابی داؤد فی المصاحف وابن المنذر وا بن حبان و الطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی شعب الایمان ،کنز العمال جلد اول ص ۲۷۹)

''جب جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جناب امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یوہیں لڑائیوں میں حافظ شہید ہوتے گئے تو بہت سا حصہ قرآن شریف کا جاتا رہے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر کرو گے؟ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اگر چہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس بارے میں بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر کی رائے سے موافق ہوگئی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید کو بلا کر قرآن شریف جمع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم جوان عقلمند شخص ہو، ہم تم کو متہم نہیں جانتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف لکھا کرتے تھے، تم قرآن شریف کو تلاش کرو اور جمع کرو حضرت زید کہتے ہیں: بخدا! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا گراں اور دشوار نہ ہوتا جس قدر کہ ان کا یہ حکم قرآن شریف کا جمع کرنا مجھے شاق گزرا۔ میں نے کہا: آپ دونوں کس طرح وہ کام کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ،حضرت ابوبکر نے فرمایا، بخدا وہ کام بہتر ہے۔ پھر ہمیشہ مجھ سے ابوبکر بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن شریف تلاش کرنا شروع کیا اور اس کو جمع کرنے لگا کھجور کی شاخ اور باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اور آخر سورہ توبہ یعنی لقد جاء کم رسول من انفسکم آخر تک کو فقط ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے سوا اور کہیں نہ ملا تو یہ قرآن شریف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دیدی پھر تا زندگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے وصال کے بعد حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا''۔

اس وقعہ اور اس حدیث نے مسلمانوں کے لئے ایک شاہراہ عام کھولدی کہ کسی کام کے کرنے کے لئے اس امر کو نہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ کام کیسا ہے؟ کار خیر ہے یا شر، اگر کار خیر ہے؟ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین عظام نے نہیں کیا ہو تب بھی کرنا چاہئے ۔ اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ جمع قرآن شریف اس کی پہلی مثال ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موقع پر یہ دیکھتے ہیں کہ قرون ثلثہ میں ہوا یا نہیں؟ لیکن جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہوتا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا۔ ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے۔ بلکہ یہی جواب فرمایا گیا کہ اگر چہ حضور نے نہیں کیا، پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے۔ پس کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن شریف باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ مخالفین جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کوئی بات خلاف شرع نہ ثابت کر سکے تو جمع قرآن کی بدعت کا الزام دھرا۔ افسوس کہ جو اعتراض مخالفین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کرتے تھے، آج وہ اعتراض سنی حضرات خود اپنے ہم مذہب وہم مشرب سنیوں پر کرتے ہیں''۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ ص ۹ باب جمع القرآن میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ''وقد تسول بعض الرافضة ان يتوجه الاعتراض على ابى بكر بما فعله من جمع القرآن في المصحف فقال كيف جاز ان يفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى عليه وسلم والجواب انه لم يفعل ذلك الا بطريق الاجتهاد السائغ الناشى عن النصح منه لله ولرسوله ولكتابه ولائمة المسلمين ولعامتهم''۔ ''رافضیوں کو شیطان نے بہکایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمع قرآن کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر انہیں جائز ہوا کہ وہ ایسا کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ فعل اپنے اجتہاد سے کیا جس کا منشا اللہ ورسول کی کتاب، امت اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے''۔

اسی میں ہے: ''واذا تامل المنصف مافعله ابو بكر من ذلك جزم بانه يعد في فضائله و نبوة بعظيم منقبته لثبوت قوله صلى الله عليه وسلم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها فما جمع القرآن احد بعده الا فكان لهمثل اجره الى يوم القيمة''۔ ''اور جب انصاف پسند شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کام میں تامل کرے گا تو یقین کرے گا کہ یہ فعل ان کا ان کے فضائل و کمالات میں شمار کرنے کے قابل ہے اور ان کے عظیم الشان منقبت و تعریف کی خبر دیتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

کہ جو شخص جاری کرے کوئی اچھا کام تو اس شخص کے لئے اس کام کا اجر ہے اور ان لوگوں کا اجر جو اس کام کو کریں گے تو آپ کے بعد جتنے لوگ قرآن شریف جمع کریں گے، لکھیں گے، اس کا اجر و ثواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔''

چونکہ اس قسم کا شبہ طریقت، شریعت، عقائد، اصول سب میں ہوسکتا ہے۔ اسی لئے ہر فن والوں نے اس شبہ کی دفع کی طرف توجہ کی اور اپنی کتابوں میں اس شبہ کا جواب لکھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی القول الجمیل میں طریقہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے اوراد و اشغال ذکر کر کے فرماتے ہیں: ''ولا تظنن ان النسبة لا تحصل الا بهذه الاشغال بل هذه طرق لتحصيلها من غير حصر فيها و غالب الراى عندى ان الصحابة والتابعين كانوا يحصلون السكينة بطرق اخرى (الى قوله) و هذا المعنى هو المتوارث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من طريق مشائخنا لا شك فى ذلك وان اختلف الالوان و اختلفت طرق تحصيلها''۔

مولوی خرم علی صاحب بلہوری اس کے ترجمہ شفاء العلیل میں اس پوری عبارت کا ترجمہ اور مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کا فائدہ بیان کر کے لکھتے ہیں:

''مترجم کہتا ہے کہ حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں، وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طریق اس کے تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بہ سبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متاخرین کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی جیسے صحابہ کرام کو قرآن وحدیث کے فہم میں قواعد صرف ونحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں''۔ واللہ تعالیٰ اعلم (القول الجمیل مع ترجمہ شفاء العلیل ص ۹۰)

مترجم صاحب حضور خورشید رسالت پر حاشیہ لکھتے ہیں ''اس کی مثال ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے، ہر چیز پڑھ لے سکتا ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہوگیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کے لئے۔ پس صحابہ رضی اللہ

عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کیے ہوئے تھا، کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کے لئے نہ تھی۔ فقط ایک نظر ڈالنے سے جمال باکمال پر وہ کچھ حاصل ہوتا تھا، اب چلوں میں وہ حاصل نہیں ہوتا اور اب چونکہ وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکہ حضور کے حاصل کرنے کے لئے“

اسی میں ص ۴۱ پر مولانا حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیئات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہئے، جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔“

جناب شاہ ولی اللہ صاحب و جناب شاہ عبدالعزیز صاحب و مترجم صاحب کی ان تمام عبارتوں کو پیش نظر رکھنے والا بآسانی اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ جب تک آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، ایصال ثواب کے لئے کسی خاص طریقے کی حاجت نہ تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فقط نماز پڑھا دینا ہی گنہگار سے گنہگار کی نجات کے لئے کافی تھا۔ کما یدل علیہ حدیث: ”ان هذه القبور مملوة ظلمة وانا انورها بصلاتی علیها۔ یہ قبریں تاریکی سے بھری ہیں اور میں نماز پڑھ کر ان کو منور کرتا ہوں“۔

لیکن جب آفتاب رسالت غروب کر گیا تو طرح طرح کی ترکیب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے علما ومشائخ نے قرآن و حدیث سے اخذ کر کے ایصال ثواب کے طریقے نکالے جس سے دفع سیئات و رفع درجات ہوا۔ اس پر اعتراض اپنے کمال دانشمندی کا ثبوت دینا اور اکابر اولیائے کرام خصوصاً جناب شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کو مورد اعتراض و ہدف ملامت بنانا ہے۔ اس قسم کے شبہ کا رد نہ صرف صوفیائے کرام ہی نے کیا بلکہ جن علمائے کرام نے عقائد میں کتابیں لکھیں، انہوں نے بھی اس شبہ واہیہ کا رد کیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں: ”وقد كانت الاوائل من الصحابة والتابعين رضوان الله عليهم اجمعين لصفاء عقائدهم ببركة صحبة النبی صلى الله عليه وسلم و قرب العهد بزمانه وقلة الوقائع و الاختلافات و تمكنهم من المراجعة الیٰ الثقات مستغنين عن تدوين العلمين و ترتيبهما ابوابا و فصولا و تقرير مقاصدهما فروعا واصولا الیٰ ان حدثت الفتن بين المسلمين الخ“ (شرح عقائد ص ۳) ”سلف صالحین، صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قرب زمانہ رسالت کی برکت سے اور واقعات واختلافات کے کم ہونے اور ثقہ لوگوں کی طرف مراجعت کا موقع پانے کی وجہ سے ان دونوں علموں کے جمع کرنے اور ان کو باب و فصل میں ترتیب دینے اور مقاصد کو فروع واصول پر مقرر کرنے سے

مستغنی تھے۔ یہاں تک مسلمانوں میں فتنے پیدا ہوئے اور ائمہ دین سے بغاوت اور رایوں کا اختلاف اور بدعت و خواہش نفسانی کی طرف میلان ظاہر ہوا اور فتاویٰ و واقعات زیادہ ہوئے اور مبہم اور مشکل باتوں میں علما کی طرف رجوع کرنے لگے، تب علما نظر و استدلال اور اجتہاد و استنباط کی طرف متوجہ ہوئے''۔

علامہ سعد الدین تفتازانی کی غرض اس عبارت سے اسی شبہ واہیہ کا استیصال ہے جیسا کہ اس کے محشیوں نے تصریح کی۔

علامہ حسن شہید حاشیہ شرح عقائد ص ۶ میں لکھتے ہیں: ''قولہ قد کانت الخ دفع لمایوهم كون ذلك العلم مردود او حرا مالئلا يحجم الشارع عن شروعه و كان ماسبق تمهيد اه۔ حاصله ان الا بحاث الكلامية بدعة لعدم اشتغال الاوائل بهاو الانقل الينا لتوفر دواعيه كما نقل اشتغالهم بالمسائل الفقهية و كل بدعة ردبخبره عليه الصلاة والسلام و حاصل الدفع ان اريد عدم اشتغالهم بها مطلقا فهو باطل لان الآيات علىٰ اثبات الصانع و صفاته و اثبات النبوة و الردعلىٰ المنكرين اكثر من ان يحصىٰ فكيف يمكن ان يقال انهم لم يخوضوافي هذه الا دلة و ان اريد عدم اشتغالهم بها علىٰ تدوينها و علىٰ تقرير مقاصدها فروعا و اصولا كما اشتغلنا نحن فمسلم لكن هي في هذاالا مر كالفقد و ليس لكونها مردودة بل لما ذكره من صفاء الخ فاشتغالنا بالفقه اه''۔

''شارح کا یہ قول قد کانت الخ جواب اس وہم کا ہے جو متوہم ہوتا ہے کہ یہ علم مردود و حرام ہے۔ یہ دفع اس لئے ہے کہ شروع کرنے والا شروع کرنے سے باز نہ رہے اور گزشتہ مضمون اسی کی تمہید ہے۔ خلاصہ اعتراض و وہم کا یہ ہے کہ ابحاث کلامیہ بدعت ہیں۔ اس لئے کہ سلف صالحین اس کی طرف مشغول نہ ہوئے ورنہ ضرور ہم تک منقول ہوتا، کیونکہ اس نقل و روایت کے دواعی کثیر ہیں۔ جس طرح ان کا فقہ کے ساتھ مشغول ہونا منقول ہوا اور جب وہ مشغول نہ ہوئے تو بدعت ہوا اور ہر بدعت بحکم حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلاۃ والتحیۃ مردود ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عدم مشغولی سے مراد مطلقاً عدم مشغولی ہے تو یہ بالکل باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت کے اثبات اور منکرین کے رد کی آیتیں حد شمار سے باہر ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ سلف صالحین نے ان آیات میں غور و خوض نہ کیا اور اگر یہ مراد ہے کہ علم و فن مدون نہ کیا، اصول و فروع معین نہ کیا، جس طرح ہم لوگ اس کے ساتھ مشغول ہیں تو بیشک یہ مسلم ہے مگر یہ عدم مشغولی اس وجہ سے نہیں کہ یہ علم مردود ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو شارح علیہ الرحمۃ نے ذکر کی، کہ صفائے عقائد کی وجہ سے ان کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی تو ہم لوگوں کا اس علم کے ساتھ مشغول ہونا بدعت حسنہ ہے، جس طرح فقہ کے ساتھ مشغول ہونا''۔

علامہ خیالی اسی مضمون کو نہایت ہی نفیس قل و دل طریقے سے بیان کرتے ہیں: ''وقد کانت الاوائل تمھید لبیان الشرف و غایۃ مع الاشارۃ الیٰ دفع مایقال من ان تدوین ھذا العلم لم یکن فی عھدا لنبی علیہ السلام و لافی عھد الصحابۃ والتابعین ولو کان لہ شرف و عاقبۃ حمیدہ لما اھملوہ'' ۔ ''مصنف کا قول و قد کانت الاوائل الخ اس علم کے شرف اور فضیلت کی تمہید اور اس کی غایت کا بیان اور اس اعتراض کے دفع کے طرف اشارہ ہے کہ علم کلام کی تدوین نہ زمانہ رسالت میں ہوئی، نہ عہد صحابہ وتابعین میں ۔تو اگر اس علم میں کوئی خوبی ہوتی اور اس کا انجام محمود ہوتا تو سلف صالحین ہرگز اس کو چھوڑ نہ دیتے'' ۔(خیالی ص ۹)

اسی طرح مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی شرح مسلم الثبوت میں منطق کے متعلق اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں ۔ملاحظہ ہو ص ۳۱: ''و یعلم ان النظر قدیقع فیہ الخطاء من جھۃ الصورۃ وقد یقع من جھۃ المادۃ فلا بد من عاصمہ عن الخطاء والعقل الکامل عاصم عن الخطاء بحسب الفطرۃ السلیمۃ ولایحتاج فی العصمۃ الیٰ المنطق اصلا کما ھو اللصحابۃ و من تبعھم اذ ببرکۃ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقرب نزول الوحی کانت عقولھم کاملۃ غیر مشوبۃ بالوھم واذھانھم کانت قویۃ وقرائحھم جیدۃ و اما امثالنا فلبعد زماننا عن زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وظھور الفسق والفساد و کثرۃ المشاجرات والاختلافات محتاجون فی العصمۃ عن الخطاء من جھۃ الصورۃ الیٰ المنطق و من جھۃ المادۃ الیٰ مباحث الامور العامۃ والجواھر والاعراض فوجب لنا ھذہ العلوم بعد وجوب النظر ایضا اھ''۔

''جاننا چاہئے کہ نظر میں کبھی غلطی صورت کی جہت سے واقع ہوتی ہے اور کبھی مادہ کے جہت سے تو ایسے علم کی ضرورت ہوئی جو خطا سے بچائے اور عقل کامل باعتبار فطرت سلیمہ خطا سے بچانے والی ہے اور ایسے شخص کو منطق کی اصلاً ضرورت نہیں جیسے صحابہ وتابعین تھے ۔اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نزول وحی سے قرب زمانہ کی برکت سے ان کی عقلیں کامل تھیں، آمیزش وہم سے مبرا تھیں اور ان کے اذہان قوی تھے اور طبیعتیں جید تھیں لیکن ہم جیسے لوگ تو زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری، فسق وفسادات کے ظہور، مشاجرات واختلافات کی کثرت کی وجہ سے خطا سے بچنے کے لئے صورت کے اعتبار سے منطق اور مادہ کے اعتبار سے مباحث امور عامہ، جواہر واعراض کے محتاج ہیں تو ہمارے لئے وجوب نظر کے بعد بھی ان علوم کی ضرورت ہے اور ان علوم کا جاننا واجب ہے''

بالجملہ ہر علم وفن والے علماء زمانہ رسالت اور صحابہ وتابعین کے لئے بوجہ آفتاب رسالت وقرب عہد بابرکت شرف ومزیت مانتے اور جانتے ہیں کہ جو باتیں ان کو بے کسب ومحنت حاصل ہوتی تھیں، ان کے لئے ہم لوگوں کو مجاہدہ وریاضت سعی ومشقت کرنی ہوگی ۔یہ خیال خام ہے کہ جب انہوں نے نہ کیا تو ہم کو کرنا ناروا ہوگا بلکہ بوجہ بعد زمانہ خیرو

برکت عہد رسالت ریاضت ومحنت اور اوضاع واطوار میں تا حد اجازت شرع جدت کرنی ہوگی اور یہ سب جائز وکار خیر مطابق شرع شریف ہی سمجھا جائے گا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم'' ص ۷ لکھتے ہیں: ''اشغال مناسبہ ہر وقت وریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدامی باشند ولہذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طرق ودر تجدید اشغال کوششہا کردہ اند۔ بناءً علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست، تعیین کردہ شود۔''

دیکھئے جو لوگ بدعت پر سخت دار وگیر کرتے ہیں، وہ بھی نئے نئے طریقے اور اوراد واشغال کے نکالنے اور ان اشغال جدیدہ کو درج کتاب کر کے دوسروں کو ان نئے نئے طریقوں پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان نئی نئی باتوں پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ اگر یہ طریقے شرعاً جائز ہوتے تو تم سے پہلے صحابہ ضرور کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب باتوں کا ضرور حکم دیتے، یہ سب اوہام وخیالات ہیں۔ شیطان کی ایک زبردست چال یہ ہے کہ نہی عن المنکر کے پردہ میں عمل بالمعروف سے روکتا ہے۔ ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ خداوندا! اپنے حبیب پاک، صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے شرع کے موافق جائز کاموں کی توفیق دے اور ممنوعات ومنہیات شرعیہ سے بچا آمین ثم آمین۔

قصد تھا کہ ان چاروں سوالوں کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کر دیئے جائیں مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کا تاریخی نام ''نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب'' (۱۳۵۴ھ) رکھا جائے۔ خداوندا! اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل وتصنیفات کی طرح قبول فرما اور مجھ کو اور میرے سب دینی بھائیوں کو اس سے فائدہ پہونچا وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو حسبی ونعم الوکیل و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد والہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

قالہ بفمہ و رقمہ بقلمہ الفقیر ظفرالدین القادری الرضوی

غفرلہ وحقق املہ لثمان خلون من جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ۔

☆☆☆☆☆

مواھب ارواح القدس لکشف حکم العرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ از اکلہ رسولپور، پرگنہ گڑھ میرٹھ، مرسلہ منشی فدا حسین وحافظ عبدالحکیم وشیخ محبوب الٰہی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین در بارۂ عرس متعارفہ مروجہ جو صوفیائے زماں روز انتقال اولیاء اللہ وغیرہ بزرگان کے مقابر پر ہمیشہ بقید تاریخ رحلت وصال مزبورہ بہ ثبوت اس کے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ہر سال قبور شہدائے اُحد پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار اہتمام بلیغ رکھتے ہیں۔ پس علمائے دین وائمہ مجتہدین واصحاب متصوفین متقدمین ومتاخرین اس امر میں جن کے قول وفعل باتفاق جمہور امت محمدیہ اولے الفضل والکمال وارباب الوجد والحال قابل التسلیم واجب العمل ہوں، جبکہ مجالس ہجوم زناں و تماشائے مرداں، آثار شرکیہ وارتکاب معاصی نظارہ اجنبیہ لہو ولعب وطوائفان رقاصات آلاتِ مزامیر وغیرہ سے خالی ہوں، کیا حکم قائم رکھتے ہیں اور قرون ثلثہ مشہو دلہا بالخیر میں اس کا وجود تھا یا نہیں؟ اعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وائمہ ہدیٰ میں سے آیا کسی کی قبر کے ساتھ یہ عمل واقع ہوا یا الحال دیار عرب وعجم وغیرہ میں سلسلہ ہذا جاری ہے یا نہیں؟ اور موجد اس کا کون شخص ہوا ہے؟ مجوزین جواس پر حدیث مذکور پیش کر کے استدلال لاتے ہیں، طرفِ ثانی سے ممنوع ہونے میں کیا جواب ہے؟ ہندوستان میں جن مقابر بزرگان پر ایام عرس وغیرہ میں طوائفان مزین ہوکر باساز ومزامیر رقص ومجرا کیا کرتی ہیں و نیز اکثر گروہ نسوان اہل قبور سے بطریق حاجت برآری یعنی شرک منت ونیاز وزیارت مجتمع ہوتی رہتی ہیں۔ والیانِ ملک اسلام اور مسلمانانِ اہل اختیارات و ذی قوت ایسے لوگوں کو غیر ملحوظ احترام شریعت غراء اور رخنہ انداز ملت بیضا اور معلن بہ فسق وگناہ ہیں، بزجر وتختی روک دیے جائیں یا نہیں؟ اور درصورت عدم ممانعت ہر مسلمان صاحب قدرت سے مواخذہ روز حشر باقی رہے گا یا نہیں؟ عورتوں کو زیارتِ قبور کے باب میں واضح کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى رضى لنا الاسلام دينا وجعلنا من خير الامم قطعا و يقينا۔ وافضل الصلوات، اكمل التسليماتِ علىٰ من نزل عليه الكتاب لكل شىء تبيينا وارسلهٗ داعيا الى الله باذنه وسراجا مبينا۔ كمل فيه الكمال ونزهه من كل عيب وشين فهو لكل من وافىٰ يوم القيامة شرف وملجأ وزين سيد نا النبى الامى خاتم النبيين عروس مملكة رب الغلمين ہ واشهد ان لا اله الا الله وحدهٗ لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدً اعبده ورسوله۔ صلى الله تعالىٰ وسلم عليه وعلىٰ اله وصحبه اولى الجاه الذين جاهدوا باموالهم وانفسهم فى سبيل الله ومنهم من قاتلوا وقتلو افنالوا امالا ينا لهٗ ذو الطول۔ ان زارهم النبى صلى الله تعالى عليه وسلم والخلفاء الراشدون علىٰ رأس كلِ حول وعلى ابنه الامين المكين محى الاسلام والملة والشريعة والدين واولياء امته وعلماء ملته اجمعين الىٰ يوم الدين وعلينا معهم وبهم يا ارحم الراحمين۔ وبعد!

فيقول العاجز الىٰ الله القوى احد خدام الباب الرضوى عبيد المصطفى ظفر الدين

المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی العظیم ابادی البهاری المجروی۔ عامله الله بلطفه الخفی و فضله الوفی فی الحاضر والآتی مستعینا باللهِ الکریم ورسوله الکریم وابنه الغوث محی الدین واولیا ئه اجمعین فی فتح الباب ودفع الحجاب عن وجه الصواب مسمیاً للجواب بالاسم التاریخی "مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس" اللّٰهم اجعله خالصا لوجه الکریم و مکفرالذ نوبی بکرمك العمیم وهادیا للضالین والمضلین۔ آمین! انك علیٰ کل شئ قدیر وبالاجابة جدیر۔

عرس متعارف مذکور فی السوال کہ ہجوم زنان وتماشائے مردمان آثار شرکیہ وارتکاب معاصی نظارہ اجنبیہ ولہو لعب وطوائفان رقاصان وآلاتِ مزامیر وغیرہ سے خالی ہو، بلاشبہہ جائز ودرست ہے کہ الامور بمقاصدها کما فی الاشباہ والنظائر لافضل المتاخرین مولانازین العابدین بن نجیم الحنفی۔ اورظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصال ثواب فاتحہ وقرآن خوانی ہے، تحصیل خیر وبرکات ہے اور یہ دونوں بلاشبہ جائز ہیں۔ اہل سنت وجماعت کثر هم الله تعالی کی کتب تو اس سے مملو ومشحون ہیں۔ مگر الحمد اللہ کہ وہابی پارٹی کو بھی اس میں کلام کا موقع نہیں کہ سرگروہ طائفہ

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں: "نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست۔ چہ ایں معنی بہتر وافضل است"۔

ناصر ملت وہابیہ رشید احمد صاحب کے فتاوی رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں ہے: "ایصال ثواب ہر روز درست اور موجب ثواب ہے"۔

ان کے محرر مذہب مولوی خلیل احمد صاحب انبہٹی کے براہین قاطعہ ص ۱۴۳ میں ہے:

"اور مسلم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب مستحسن اور مندوب ہے"۔

رہا تحصیل خیر وبرکات، کوئی جاہل سا جاہل بلکہ پاگل سا پاگل بھی بشرطیکہ وہابی نہ ہو، یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے فائدے کی طلب ٹھیک نہیں اور یہ بُرا ہے اور ممنوع ہے۔ باقی تخصیص وتعیین یوم رحلت اور ہر سال کے بعد اسی دن کو کہ یوم انتقال ہے، خاص کرنے کا جواز متعدد اسناد سے ثابت۔

سند اول و دوم: "حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ہر سال کے سرے پر شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلامٌ علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ کماا خرجه محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراهیم قال کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یاتی قبور الشهداء علیٰ رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی راالدار، وابو بکر و عمر

عثمان اه کذااخرجه ابن المنذ ر وابن مردویه عن انس رضی الله تعالی عنه ان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم کان یاتی احد اکل عام فاذاتفوه الشعب سلم علیٰ قبور الشهداء فقال سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار قاله الامام الجلیل الجلال السیوطی الشافعی فی الدرالمنثور فی تفسیر القران بالماثور و زاد الامام فخر الملة و الدین الرازی الشافعی خاتم الخلفاء امیر المومنین علیٰ بن ابی طالب کرم الله تعالی وجهه الکریم فقال و الخلفاء الاربعة هکذا یفعلون"۔

"ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال اُحد تشریف لے جاتے اور جب گھاٹیاں سامنے آتیں قبور شہداء کو سلام کرتے۔ سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار فرماتے یعنی سلامتی ہو تم پر اس کے بدلے کہ تم نے صبر کیا، پس کیا اچھا ہے عاقبت کا گھر، اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی ایسا ہی کرتے"۔ والحدیث نقله الحافظ ابن حجر المکی فی حسن التوسل عن ابن الحاج بهذا اللفظ "قال کان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم یزور الشهداء باحد فی کل حول واذابلغ الشعب رفع صوته فیقول سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبیٰ الدار ثم ابو بکر رضی الله تعالی عنه ورواه ابن ابی شیبة فی مسنده عن عبادبن ابی صالح رضی الله تعالی عنه۔

اس استدلال پر مولوی اسحٰق صاحب دہلوی کے مائۃ مسائل مطبوعہ مصطفائی ۱۲۸۳ھ ص ۲۹ پر یہ شبہ دیکھنے میں آیا کہ اولاً یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ اس کتاب کی ہے کہ "اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح حسن، ضعیف، بلکہ موضوع بھی موجود ہے۔ معہذا یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو نزدیک محدثین کے صحیح نہ ہوئی اور تا وقتیکہ اس کی صحت کا یقین نہ ہولے، کسی چیز کے جواز و عدم جواز پر استدلال نہیں لانا چاہیۓ کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے اور برتقدیر صحت، حدیث مجمل ہے کہ اس حول کے دو معنی ہیں۔ اول سن یعنی کیم محرم اور اولِ سن موت صاحبِ قبر سے۔ اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک کہ اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو۔ پس حدیث لا تجعلوا قبری عیدا ای لا تجتمعوا عند قبری کا جتما عکم للعید کے معارض ہے" اہ مترجماً۔

اہل علم پر مخفی نہیں کہ مولوی صاحب نے ان چند سطری عبارت میں کتنی غلطیاں کھائیں، علم و فضل کے جوہر دکھائے، محدثیت کے گل کھلائے۔ اولاً یہ کہنا کہ یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو، محض عامیانہ کلام ہے اور بے اصل محض ہے۔ کیا صحاح کی سب حدیثیں صحیح ہی ہیں کہ محل سخن نہ ہوں؟ نہیں نہیں۔ بلکہ صحاح میں بھی ہر طرح کی حدیثیں موجود حتی کہ بعض محدثین نے بعض احادیث صحیح بخاری کو موضوع تک کہا ہے۔ دیکھو حدیث اسرا مروی از شریک کہ

عبدالحق جمع بین الصحیحین میں اور امام قاضی عیاض مالکی وغیرہما نے اس حدیث میں کلام فرمایا اور ابوالفضل بن طاہر نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا اور اس میں ابن حزم سے نقل کیا: قال لم نجد البخاری و مسلم فی کتابیهما شیأ لا یحتمل مخرجا الا حدیثین ثم علیهما فی تخریجه الوهم وقال الخطابی لبس فی هذ الکتاب حدیث اشنع ظاهرا ولا ابشع مذاقا من هذا الفصل وقد جزم ابن القیم فی الهدی بان فی روایة شریك عشرة اوهام۔

اسی طرح صحیح مسلم شریف میں حدیث در بارۂ قصہ اسلام ابی سفیان عکرمہ ابن عمار کے مروی کہ ابن حزم نے کہا هذا حدیث موضع لاشك فی وضعه آه قال فی تصحیح المسائل ۔ صحاح کو صحاح کہنا امر تغلیبی ہے کہ اکثر احادیث ان کی صحاح ہیں۔

شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب مقدمہ اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ''دریں کتب ستہ اقسام حدیث از صحاح وحسان وضعاف موجود است وتسمیہ آن بصحاح ستہ بطریق تغلیب است''۔ ''کتب صحاح ستہ (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) ابوداؤد (۴) ترمذی (۵) نسائی (۶) ابن ماجہ میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور انہیں صحاح ستہ کہنا امر تغلیبی واکثری ہے''۔

ثانیاً یہ کہنا کہ ''بلکہ اس کتاب کی ہے کہ اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح وحسن وضعیف بلکہ موضوع بھی موجود ہے'' ۔محض لچر اور پوچ ہے کہ حال صحاح کا بھی یہ ہے کہ ان میں صحیح، حسن وضعیف ہر طرح کی حدیثیں بلکہ بعض صحاح مثل جامع ترمذی وابن ماجہ میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جن پر حکم وضع کیا گیا کہ حدیث صحیح نہ صحاح میں محصور، نہ صحاح حدیث صحیح پر مقصور۔ پس اس حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا اور محمد بن جریر طبری اور ابن مردویہ اور ابن منذر اور ابو بکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم کی کتاب میں ہونا ہرگز ہرگز باعث طعن وعدم قبول نہیں ۔ البتہ اگر نقادِ حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہوتا تو ایک بات تھی یا حکم امتناعی کلی دیا ہوتا کہ ابن جویر کی یا سوائے صحاح کے کوئی حدیث قابلِ قبول نہیں، تو یہ عذر البتہ قابل قبول ہوتا۔ و اذلیس فلیس ۔علاوہ بریں جب اجلہ اکابر علما مثل امام جلال الدین سیوطی و ابن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم وخاتم الحفاظ ابن حجر ومولانا شاہ عبدالعزیز وامام فخر الملۃ والدین رازی وصاحب شرح لباب المناسک وابن عابدین شامی وغیرہم نے اسے قبول کیا اور رد نہ فرمایا تو پھر بلا وجہ کیونکر رد ہوسکتی ہے؟ آخر وہ تو مولوی صاحب سے علم وفضل میں زائد ہی تھے، جنہیں حدیث کی تصحیح وتحسین وتضعیف کا مرتبہ خود صاحبِ حدیث سے حاصل تھا صلی الله تعالی علیه وعلی اله وبارك وسلم۔

ثالثاً یہ کہنا کہ ''معہذا محدثین کے نزدیک یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو محدثین کے نزدیک صحیح نہ

ہوئی'' بھی ایسا ہی ہے۔ کیا ہر حدیث کا متصل الاسناد مرفوع ہونا ضرور ہے؟ متصل الاسناد مرفوع ہونا داخل ماہیت صحیح ہے؟ کیا کوئی موقوف یا مرسل حدیث صحیح نہیں ہوتی؟ حدیث صحیح کی تعریف جو شیخ محقق وغیرہ نے التصحیح مایثبت بنقل عدل تام الضبط غیر معلل و لا شاذ فرمائی ہے صحیح نہیں؟ کیا اتنے قید کی اور ضرورت ہے ورفع الیٰ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یسقط راو من الرواۃ من البین؟ پھر ذرا انصاف سے فرمایئے تعلیقات صحیح بخاری کے لئے کیا حکم ہوتا ہے؟

رابعاً اس حدیث میں مولوی صاحب نے کون سا ارسال یا انقطاع ثابت کیا کہ متصل الاسناد ہونے کا انکار کیا ہے؟ کیا نہ دیکھا کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصلاً روایت کیا ہو۔

خامساً مرفوع نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ صراحتاً حدیث میں فعل اقدس حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مروی۔ پھر مرفوع نہ ہو، چہ؟ شاید مولوی صاحب نے حدیث میں اسمائے خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی دیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آنکھ بند کر لی یا ان کے مذہب میں جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ائمہ صحابہ کا نام بھی مروی ہو تو حدیث موقوف ہو جایا کرتی ہے؟

سادساً باوصف ادعائے حنفیت عدم اتصال اسناد سے صحت حدیث نہ ماننا عجب العجاب ہے۔ ہمارے ائمہ کرام نیز ائمہ مالکیہ وجمہور ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اتصال سند ہرگز شرط صحت نہیں۔ کتب اصول اس کی تقریر وتحریر سے مملوومشحون ہیں۔

سابعاً جناب مولوی صاحب کو اتنا بھی خیال نہ رہا کہ ہمارے امام الائمہ، مالک الازمہ، سراج الامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث کا مرفوع ہونا بھی ہرگز شرط احتجاج نہیں کہ وہ آثار صحابہ کو بھی حجت جانتے ہیں کماھو منصوص علیہ فی کتب الاصول۔

ثامناً یہ کہنا کہ'' تاوقتیکہ کہ اس کی صحت کا یقین نہ ہو لے، کسی چیز کے جواز وعدم جواز پر استدلال لانا نہیں چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے''، کس درجہ خلاف عقل وفہم سے بعید ہے۔ استدلال کے لئے حدیث صحیح باستدلال محدثین ہونا ہرگز ضرور نہیں۔ حسن اور ضعیف مروی بطرق عدیدہ بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف فرد بھی معتبر ہے۔
شیخ محقق مقدمہ اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ''احتجاج درکلام بجز صحیح لذاتہ مجمع علیہ است وہمچنیں بحسن نزد عامۂ علماء وآں ملحق ست بصحیح در احتجاج اگرچہ در رتبہ کمتر است۔ وچوں حدیث ضعیف بتعدد طرق بمرتبہ حسن برسد، آن نیز محتج بہ است۔ وآنکہ مشہور است کہ حدیث ضعیف در فضائل اعمال معتبر است، نہ در غیر آں، مفرد اتش مراد است نہ مجموع کہ آں بتعدد طرق داخل حسن است، نہ ضعیف صرح بہ الائمۃ اھ۔ پس نہ ہر حدیث کا متصل الاسناد

مرفوع ہی ہونا ضرور، نہ استدلال حدیث صحیح ہی پر منحصر ومقصور۔ بہتیری (اکثر) حدیثیں موقوف ومرسل بھی ہیں۔ سوا تعلیقات بخاری کہ شیخ محقق قدس سرہ نے فرمایا: ''فقالوا تعليقات البخاری متصلة صحيحة''۔ مقدمہ اشعۃ اللمعات میں ہے: ''وتعلیقات در تراجم صحیح بخاری بسیار است وہمہ آن صحیح است وحکم اتصال دارد اھ''۔

اسی طرح بکثرت مسائل کی دلیل میں حدیث موقوف ہی منقول۔ مگر شائد مولوی صاحب نے معنی لغوی کے اعتبار سے فرمایا ہوگا کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے، یعنی غلط حدیث سے استدلال صحیح نہیں یا جان بوجھ کر مصلحتاً ایسا لکھ دیا۔ غرض بہرحال! مجھے ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یہ چلتی کارروائی دیکھ کر یہ نہ کہنے لگیں۔

فان کان لایدری فتلك مصيبة

وان كان يدری فالمصيبة اعظم

ثامناً احادیث صحاح ستہ کیا سب متصل الاسناد مرفوع ہی ہیں کہ ان سے استدلال کیا جاتا ہے؟

تاسعاً ردِ حدیث کے لئے تنگی دائرہ کو اتنی وسعت دی کہ فقط صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی صحاح پر قناعت نہ کی بلکہ یہ جبروتی حکم نافذ ہوا کہ جب تک صحت حدیث پر یقین نہ ہو لے اسناد روا نہیں۔ مولوی صاحب! صحت پر یقین تو احادیث بخاری پر بھی نہیں ہوسکتا جبکہ آحاد ہو۔ یقین کے لئے تواتر یا کم از کم وہ شہرت درکار ہے جسے اصول حنفیہ میں شہرت کہتے ہیں۔ شہرت اصول شافعیہ بھی مرتبہ ظن آحاد سے زیادت نہیں رکھتی۔

عاشراً خدا جانے ان حضرات کو يجوز للوهابی مالا يجوز لغيره کا فتویٰ کہاں سے مل گیا ہے؟ حضرت کی اسی مأتہ مسائل واربعین میں کتنی استناد ان روایات سے موجود جو صحاح نہیں اور ان سے جو متصل الاسناد نہیں اور ان سے جو مرفوع نہیں۔ اپنے لئے سب کچھ حلال اور دوسرے پر محض بزور زبان یا غیظ وجلال ناجائز ہے، حرام ہے، استدلال جائز نہیں۔

مأۃ مسائل صفحہ ۳۸ جواب سوال بست وسوم (اعمال عباد از خیر وشر براقرباو معارف ایشاں می رود یانہ واوشاں درحق احیا خود بادعاے کنند یانمے کنند) میں ''شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور'' امام جلال الدین سیوطی سے جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اسی کے صفحہ ۴۲ جواب سوال بست وپنجم (ثواب قرآن شریف ودیگر اعمال صالحہ باموات می رسد یانہ؟) میں حدیث دارقطنی۔ اسی کے صفحہ ۶۳ جواب سوال سی وسوم (سجدہ کردن قبر را برائے تعظیم مقبور درشرع حرام ست یا کفر یا شرک کبیرہ) میں احادیث امام احمد ابن حنبل، بیہقی عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ وطبرانی، حاکم، بیہقی عن قیس بن سعد وحاکم عن بریدہ، واحمد عن معاذ، وطبرانی عن سراقہ بن مالک وابن ابی شیبہ عن عائشہ وبیہقی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اسی کے صفحہ ۱۰۱ جواب سوال ہشتاد وپنجم (مقرر کردن حافظ فی روپیہ سہ ختم قرآن یا چہار چہ حکم دارد جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) میں حدیث بیہقی سے دلیل لائے اور ذرا بھی

خیال نہ کیا کہ ایں احادیث از صحاح نیست کہ محل سخن نباشد بلکہ از اں کتب است کہ درآں کتب حدیث ہر قسم صحیح وحسن و ضعیف بلکہ موضوع ہم یافتہ می شود۔ اسی طرح اسی مائۃ مسائل کے صفحہ ۴۲ سوال بست وپنجم مذکور کے جواب میں ہے:'' وروی عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال يموت الرجل ويدع ولدا فير فع له درجة الخ ۔اسی کے صفحہ ۵۵ سوال بست ونہم (نماز گذاردن برطرف راس قبر یا پائین قبر گناہ، کدام گناہ) کے جواب میں ہے: ورای عمر انس بن مالك يصلی عند قبر فقال القبر القبر والعمريأ مره بالاعادة ۔اسی کے صفحہ ۶۶ جواب سوال سی و ششم (شامیانہ وخیمہ استادہ کردن برقبر چہ حکم دارد، جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) کی دلیل میں ہے: ورأى ابن عمر فسطاطا علیٰ قبر عبدالرحمٰن فقال انزعه يا غلام! فانما يظله عمله اھ وغیرہ مسائل میں حدیث موقوف تحریر فرمائی اوراس کا لحاظ نہ کیا: معہذا از محدثین ایں حدیث متصل الاسناد مرفوع ہم نیست پس نزد ایشاں صحیح نہ باشد و فتیکہ یقین برصحت آں نشد درمقام استدلال بر جواز شے وعدم آں آوردن نشاید۔ اسی طرح مسائل اربعین مطبوعہ مطبع محمدی ۱۲۶۱ھ کے صفحہ ۷ جواب سوال یکم (وقت تولد طفل کہ در ہر دو گوش وے اذان واقامت می دہند واجب است یا سنت یا مستحب واگر نامش محمد یا احمد نہند، درست است یا نہ؟) میں احادیث مفتاح النجاۃ ومسند ابی یعلیٰ وطبرانی وابن عدی سے دلیل لائے۔اسی کے صفحہ ۱۵ جواب سوال ہفتم (تقسیم شیرینی وطعام بعد مکتب درمردمانِ برادری جائز است یا نہ؟) میں حدیث موقوف قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کیا کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد آموختن سورہ بقر شتر رانحر نمودہ دوستانِ خود را خورانیدہ بود)۔

حادی عشر یہ فرمان کہ برتقدیر صحت حدیث مجمل ہے اور اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو بالکل بجا اور درست ہے۔حدیث مذکور کو بحیلۂ اجمال نا قابل عمل بتانا بھی جناب مولوی صاحب ہی ایسے محدث کو زیبا ہے۔لفظ حول میں اژدحام معانی اور اشتباہ مراد ہی کہاں؟ کیا حول بھی مشترک ہے کہ اول محرم، اول دن موت صاحبِ قبر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے؟ نہیں بلکہ حول کا معنی دورہ ہے، محرم سے ابتدا کی جائے یا صفر سے، ذیقعدہ ہو یا ذی الحجہ سے، یکم ہو یا دسویں، بیسویں یا بائیسویں۔غرض جس جز سے ابتدا کی جائے، اس جز تک دورہ ایام وشہور آجانے کا نام حول ہے۔فقہائے کرام جو در بارۂ وجوب زکوٰۃ حولان حول فرماتے ہیں، اس سے بھی یہی مراد کہ جس دن مالک نصاب ہو، اس کے ایک سال بعد زکوۃ واجب ہے۔رہا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کب تشریف لے جاتے؟ جناب مولوی صاحب نے دو احتمال نکالے ہیں۔ابتدائے محرم اور ابتدائے تاریخ موت صاحب قبر۔مگر قبل تحریر فتویٰ یہ تو غور کر لینے کی بات تھی کہ تعین سنہ ہجری اور اس کی ابتدا ماہ محرم سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں

کب تھی؟ یہ تو زمانہ خلافت راشدہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرار پائی ہے۔ تو احتمال اول تو احتمال ہی ہوگیا۔ پس نہ رہا باقی مگر احتمالِ ثانی کہ تاریخ موت صاحبِ قبر سے سال کے بعد شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ اب بھی اعراس میں یہی ہوتا ہے اور ابتدائے سال وفات یوم وصال ہے تو اسی حدیث سے تعیین یوم وفات کی وجہ بھی ظاہر ہوگئی اور یہ سنت ٹھہری اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ رأس کل حول سے مراد پہلی محرم ہر سال کی ہے تب بھی تو مذہب وہابیت کے گلے پر چھری چل گئی کہ وہاں تو بلا تعیین کی ٹھہری ہوئی ہے اور تعیین بدعت اور ہر بدعت ضلالت اور ہر ضلالت فی النار ہے۔ چنانچہ مولوی گنگوہی صاحب کے فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۸ میں ہے: ''طریقۂ معینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہٰذا بدعت ہے اور بلا تعیین کردینا درست ہے''۔ اور یہی مفہوم مولوی صاحب کی مائۃ مسائل اربعین کا ہے کہ فرماتے ہیں: ''مقرر کردن روز عرس جائز نیست''۔ اور اس حدیث سے تعیین وتقرر ثابت۔ دن موت صاحب قبر کی نہیں۔ ابتدائے محرم ہی کی تعیین سہی۔

ثانی عشر حدیث مذکور کو حدیث لاتجعلو اقبری عیداً کے معارض کہنا بھی عجب بات ہے کہ جس امر کا وہاں حکم ہے، یہاں اس کی ممانعت ہے، نہیں، اس لئے کہ حدیث لاتجعلوا میں تو ممانعت اس امر کی ہے کہ میری قبر کے پاس مثل عید کے لہو ولعب کے ساتھ جمع نہ ہو کہ موجب غفلت وقسوت قلب ہے یا یہ کہ میری قبر کو تم عید نہ بنالو، یعنی جس طرح عید۔ کے لئے سال میں صرف دو دن جمع ہوتے ہیں، میری زیارت کو صرف دو دن پر منحصر ومقصور نہ کردو بلکہ اکثر حاضر ہوا کرو کہ مہبط ہزاراں ہزار رحمت وبرکت اور ذریعہ حصول انواع سعادت ہے۔

ملا علی قاری حنفی مرقاۃ المفاتیح لمشکوۃ المصابیح میں تحریر فرماتے ہیں: ''لا تجعلو اقبری عیداً هو واحد الاعیاد ای لا تجعلو ازیارة قبری عیدا اولا تجعلو اقبری مظهر عید فانه یوم لهو و سرور و حال زیارة خلاف ذلك وقیل یحتمل ان یکون للحث علیٰ کثرة زیارة ولا تجعل کالعید الذی لا یأتی فی العام الا مرّتین قال الطیبی نها هم عن الاجتماع لها اجتماعهم للعید نزهة وزینة اه''۔

اور حدیث مذکور کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یاتی قبور الشهداء الحدیث میں یہ حکم کہاں کہ ہر سال میری قبر پر لہو ولعب وتماشا کناں جمع ہو یا قبر کو میری عید بنالو اور ہر سال دو ہی مرتبہ مثل عید کے جمع ہو بلکہ ہر سر سال قبور شہدائے احد تشریف لے جانا اور سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار فرمانا مذکور۔ پس ایسی حالت میں اس حدیث کو اس کے معارض جاننا بھی خوش فہم ہی کا کام ہے۔

ثالث عشر اس حدیث کا مدلول صرف زیارت قبور جاننا اور جواز اعراس پر استدلال کو منع کرنا بھی تعجب خیز

امر ہے۔آخر کان اور علیٰ راس کل حول بھی لفظ موضوع ہے، کچھ معنی رکھتا ہے یا یوں ہی زائد لغو وفضول ہے۔ زیارت قبور تو یأتی قبور الشھداء ہی سے مفہوم ہوتی ہے۔ان دونوں لفظوں کا کیا فائدہ ہے، وہ ہم سے سنئے۔علیٰ راس کل حول تو دلالت تعیین وتخصیص یوم وفات پر کرتا ہے کما قدمنا اور لفظ کان قبل مضارع مداومت پر۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ص ۳۴۱ میں ہے:''ووجہ الکراھۃ مخالفۃ فعلہ الذی کان علیہ الصلوٰۃ والسلام یداوم علیہ کما یفیدہ لفظ کان فیما نقدم من الحدیث'' انتہیٰ۔غرض اس حدیث کو جواز عرس میں پیش کرنا بے سُود نہیں۔

رہا وہاں لوگوں کا مرتکب بدعات ولہو ولعب ہونا، باجے گاجے کھیل تماشے کرنا یہ ہرگز جزو عرس نہیں۔یہ ضرور ممنوع وحرام ہیں اور اس کو داخل ماہیت عرس جاننا کم فہمی یا عناد ہے۔جس طرح اکثر اعراس مع سماع ومزامیر ورقص فواحش ہوتے ہیں بہتیرے اعراس ان سب چیزوں سے خالی بھی پائے جاتے ہیں۔چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کا عرس برابر کرتے اور امور مذمومہ آلات لہو ولعب سے اس میں کچھ نہ ہوتا، جسے شاید مولوی صاحب نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا۔علیٰ ہذا القیاس عرس مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا، اسی طرح بدایوں شریف میں برابر ۱۹؍ ماہ جمادی الاولیٰ کو عرس حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، ۲؍ جمادی الآخر کو عرس سیف اللہ المسلول حضرت مولانا شاہ معین الحق فضل رسول صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کا ہوا کرتا ہے۔ہرگز ہرگز آلات لہو ولعب کچھ نہیں ہوتے۔تو ان وجوہات سے نفس عرس ہرگز ممنوع وناجائز نہیں ہوسکتا، نہ اس کے لئے تقرر یوم میں کوئی خرابی۔مذمومات شرعیہ کو منع کرتے، کون منع کرتا ہے؟ یہ نفس وشیطان کا دھوکا ہی ہے کہ نہی عن المنکر کے پردے میں مناع للخیر بناتا ہے۔نعوذ باللہ منہ۔

رابع عشر ہاں جناب مولوی صاحب! یہ فرمایئے کہ عبارت میں تعارض تناقض ہونا تو لازم وہابیت ہے۔ اسے تو شاید نفس کشی خیال فرماکر ایک نیک کام جان کر اختیار کیا ہوگا مگر استاد کشی کس مصلحت سے اختیار فرمائی۔یعنی جس چیز کو استاذ واستاذ الاستاذ سب جائز ومستحسن بتاتے اور اس پر عمل درآمد کرتے آئے وہ آپ کے نزدیک ناجائز وممنوع ہے۔کیا آپ کے برابر بھی شاہ عبدالعزیز صاحب کو علم نہ تھا کہ انہوں نے اسی مسئلہ عرس میں اسی حدیث سے استناد کیا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ یہ حدیث تو صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ محمد بن جریر طبری کی کتاب کی ہے، جس میں ہر طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔معہٰذا یہ متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں کہ قابل استدلال ہو۔کیا یہ قواعد ان کو معلوم نہ تھے یا اب جدید آپ کے عہد محدثیت عہد میں وضع ہوئے ہیں۔طرفہ یہ کہ خود اپنا اس پر عمل نہیں۔اپنے لئے بیہقی، دارقطنی، طبرانی سب سے استناد جائز، آثار صحابہ سے استشہاد روا اور ہم سے خاص صحیح مرفوع متصل الاسناد کی فرمائیں۔کیا آپ

کو معلوم نہیں کہ آپ کے نانا صاحب اسی حدیث سے اپنے فتویٰ مجموعہ زبدۃ النصائح میں استدلال لائے ہیں۔ حضرت معلوم تو ضرور ہے بلکہ آپ نے اپنی مأۃ مسائل میں انہیں کا رد کیا کہ فرماتے ہیں: ''بعضے مردم کہ بجواز اعراس دلیل می آرند''۔ بعض کا ایہام کیا اور تصریح کو خلافِ مصلحت جان کر تصریح نہ کی کہ بعد تصریح نام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مقصود اصلی تغلیط عوام ہاتھ سے جاتا رہے گا کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قول کے خلاف میرے قول کو کون پوچھے گا۔

سند سوم تعیین و تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے۔ شرعی، عادی۔

اوّل: وہ کہ خود شرع مطہر نے کسی کام کے لئے کسی وقت کو خاص کر دیا ہو کہ اس کے سوا کسی دوسرے وقت میں نہ ہو سکے، جیسے ایام نحر اضحیہ کے لئے کہ اس سے تقدیم و تاخیر درست نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس وقت میں ہے دوسرے وقت نہیں جیسے ثلث لیل عشا کے لئے۔

دوم یہ کہ از جانب شرع اطلاق ہے۔ جب چاہیں بجالائیں کسی وقت گناہ نہیں، ہر وقت جائز ہے جیسے ایصال ثواب کہ روز ولادت اور روز وفات یا جس دن کرے، ہر روز درست ہے مگر جب خارج میں اس کا وجود ہوگا، کسی زمانے میں، کسی ہیئت خاص ہی کے ساتھ ہوگا کہ مطلق من حیث ہو ہو بلا تعیین و تخصیص خارج میں موجود نہیں ہوسکتا، جس طرح وجود مطلق بضمن افراد ہوتا ہے، زمانہ بغیر زید، عمرو، بکر کے انسان کبھی نہیں ہوسکتا، اسی طرح بغیر کسی زمانہ کسی ہیئت کے زمانیات کا وجود ممکن نہیں۔ جب انسان ہوگا تو زید عمرو وغیرہ ضرور ہوں گے۔ اسی طرح جب عرس ہوگا، کسی زمانہ، کسی تعیین و تخصیص ہی کے ساتھ ہوگا۔ سخت تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کو وقوع کذب باری تعالیٰ شانہ کے معنی درست بتانے کو اتنی معقول یاد رہی کہ وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے، انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہوگا۔ (یہاں پر وہ صریح الفاظ کفریہ تھے جن پر علمائے حرمین شریفین نے تکفیر فرمائی۔ انہیں نقلاً بھی اپنے قلم سے لکھنا نامناسب جان کر قلم انداز کیا۔ ۱۲ منہ) اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ یہاں یہ منطق یاد نہ رہی کہ وجود نوع بے وجود فرد ناممکن ہے اور عرس جب ہوگا تو ضرور کسی ہیئت خاص تعیین و تخصیص ہی کے ساتھ ہوگا اور اگر نہیں تو اس یا وہ گوئی کے کیا معنی اور بلا تعیین کر دینا درست ہے۔ کیوں مولوی صاحب! عرس کرنا بھی اور بلا تعیین؟ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مہینہ پیشتر سے تعیین نہ کیجئے، ایک ہفتہ قبل بھی نہیں، تو ایک دن، ایک گھنٹہ، پانچ منٹ پہلے تعیین کرنی ضروری یا یہ فعل اضطراری ہے کہ بلا ارادہ و تخصیص و تعیین لوگ جمع ہو جائیں، فاتحہ درود ہونے لگے۔ جب امر اختیاری ہے تو انتظام کے لئے تعیین یوم، تخصیص تاریخ ضروری ہے۔ آخر اپنے مدرسہ دیوبندیہ کے لئے کوئی فتویٰ نہ دیا کہ طریقہ معینہ مدرسہ ہذا کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہٰذا بدعت ہوا اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت فی النار ہے اور بلا تعیین اوقات مدرسہ و افعال مدرسین و احکام منتظمین درست ہے یا اس کے لئے کوئی خاص حکم آیا ہے کہ (۱) ۲۳ / ذی الحجہ ۷ بجے صبح

سے تقسیم انعام کا جلسہ نہایت رونق کے ساتھ بہ موجودگی رؤسائے شہر وممبران مدرسہ وبعض دیگر خیر خواہان بیروں منعقد ہو (ب) طلبہ قرأت خواں شیرینی کے لئے دو دو روپے مدرسہ دیں اور دو دو روپے مولوی غلام محمد راندیری سے دلوائے جائیں (ج) دس دس بارہ بارہ روپے کے وظائف ایک مدت معینہ کے واسطے حاجتمند انٹرنس پاس طلبا کو دیئے جائیں (د) ہر سال کم از کم ایک دفعہ عام ممبران مدرسہ کا اجتماع ضرور ہے (ہ) اہل مشورہ ایسے ہوں کہ ان کو شریک ہونے کا حتی الوسع التزام واہتمام ہو (و) وقت درس موسم سرما میں ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک اور ۲ بجے سے ۴ بجے تک اور موسم گرما میں ۶ بجے سے ۱۰ بجے اور ۳ بجے سے ۵ بجے تک ہو (ز) پابندی وقت درس کی جملہ طلبہ کو ضروری ہے (ح) امتحان سالانہ کے لئے شعبان کی تعیین ہو (ط) ۲۵ رشعبان سے ۳ شوال تک مدرسہ میں تعطیل ہو (ی) عربی خواندگی کی آٹھ جماعتیں ہوں اور ہر سال مقررۂ مندرجہ نقشہ کی خواندگی ضرور پوری ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر نہیں تو اپنے لئے دو دو روپیہ کی تعیین، مدت معینہ کی تعیین، انٹرنس پاس حاجتمند کی تعیین، ایک دفعہ عام ممبروں کے اجتماع کو ضروری جاننا، اہل مشورہ صاحب التزام واہتمام کی تعیین وغیرہ وغیرہ کہاں سے جائز کرلیں اور اسے بدعت اور کل بدعۃ ضلالۃ اور کل ضلالۃ فی النار بتا کر ناری جہنمی مستحق عذاب الیم نہ ہوئے؟

سند چہارم عامۂ مسلمین بلکہ علمائے دین بلکہ ائمہ مجتہدین بلکہ تابعین بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بلکہ خود حضور اقدس طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امور خیر کے لئے تعیین وتخصیص ایام واوقات فرماتے آئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قبا تشریف لے جانے کو یوم شنبہ معین فرمایا۔ بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاتی مسجد قبا کل سبت ماشیاً و راکباً روضہ شکر ولادت رسالت کو یوم دوشنبہ مقرر فرمایا۔

مسلم شریف میں حضرت ابدقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: قال سُئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن صوم الا ثنین فقال فیہ ولدت وفیہ انزل علیّ ای فاصومہ شکرا لھا تین النعمتین۔

سفر جہاد کے لئے روز پنجشنبہ کی تعیین فرمائی: کما فی الصحیح البخاری عن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال فلما کان رسول اللہ صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج اذا خرج فی سفرا لا یوم الخمیس۔ انہیں سے ہے: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج یوم الخمیس فی غزوۃ تبوک و کان یحب ان یخرج یوم الخمیس۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ وتذکیر کے لئے اسی دن کو مقرر کیا کما فیہ عن ابی وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل یا اباعبدالرحمٰن!

لوددت انك ذكرتنا كل يوم قال اماأنه يمنعني من ذلك اني اكره ان املكم واني اتخولكم بالموعظة كماكان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السأمة علينا۔

علمانے ہدایت درس کے لئے روز چہارشنبہ کو خاص فرمایا کما فی تعلیم المتعلم للامام برهان الاسلام الزرنوجی حکاه عن استاذه الامام برهان الدين المرغيناني صاحب الهداية وقال هكذاكان يفعل ابو حنيفة رضي الله تعالى عنه قال صاحب تنزيه الشريعة وكذاكان جماعة من اهل العلم۔

غرض یہ سب توقیتاتِ عادیہ سے ہیں جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سوائے روز شنبہ کے مسجد قبا جانا، سوائے روز دوشنبہ کے صوم شکر رسالت رکھنا، سوائے یوم پنجشنبہ کے سفر جہاد یا پند ونصیحت کرنا، سوائے یوم چہارشنبہ کے کتاب شروع کرنا جائز ہی نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس دن ہے اور دن نہیں۔ اسی طرح عرس کے لئے تعیین یوم وفات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اور دن ایصال ثواب نہ ہوگا یا ثواب میں کمی آجائے گی۔

پھر اسی دن کی تعیین وتخصیص کیوں؟ اولاً معلوم ہو چکا کہ یہی سنت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، رواه احمد و ابوداؤد والترمذی و ابن ماجه اہل سنت وجماعت كثرهم الله تعالى کے لئے تو اسی قدر فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وخلفائے راشدین کافی ہے مگر منکرین کی تسکین خاطر کے لئے مولوی اشرف علی ورشید احمد وخلیل احمد کے پیر جناب حاجی امداد اللہ شاہ صاحب کے فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت پیش ہے۔ بغور ملاحظہ ہو:

''چونکہ ایصال ثواب مستحسن ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض وبرکات حاصل ہوئے ہیں، ان کا زیادہ حق ہے۔ ادھر اپنے پیر بھائی سے ملنا موجب ازدیاد محبت وتزاید برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی۔ بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں۔ ان میں سے جس سے عقیدت ہو، اس کی غلامی اختیار کرلے۔ اس لئے مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں۔ باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن وطعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے۔ یہ مصلحت ہے تعیین یوم میں۔ رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں، جن کا اظہار ضروری نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب مفتی عبدالحکیم پنجابی کے اس اعتراض: ''کسانیکہ اقوال آنہا مطابق افعال شاں نیستند، عرسِ بزرگان خود مثل فرض دانستہ سال بسال برمقبرہ اجتماع کردہ طعام وشیرینی درآنجا تقسیم نمودہ مقابر راوثنا یعبد مکنید'' ملخصاً کے جواب میں رسالہ ذبیحہ مطبوعہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں فرماتے ہیں: ''قولہ عرس بزرگان خود الخ ایں طعن مبنی است برجہل بہ احوال مطعون علیہ زیراکہ غیراز فرائض

شرعیہ مقررہ راہیچکس فرض نمیداند۔ آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامدادِ ایشاں باہدائے ثواب وتلاوتِ قرآن و دعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی مستحسن وخوب ہست باجماع علما وتعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز تذکر انتقالِ ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح ونجات است وخلف رالازم است کہ سلفِ خودرا بایں نوع برواحسان نماید''۔

مجمع الرّوایات میں ہے: ''اراد ان یتخذ الولیمة فلیتخذ بادراك یوم موته ویحتاط فی الساعة التی ینقل فیها روحه فی تلك الساعة فینبغی ان یطعم الطعام والشراب فان ارواحهم یفرحون بذالك ویدعون لهم'' ۔''اگرکسی کے فاتحہ کرنے کا ارادہ ہوتو چاہئے کہ موت کے دن موت کے وقت کرے، جس وقت روح اس کی دار فانی سے منتقل ہوکر دار جاودانی کو گئی ہے، اس وقت کھانا کھلائے، پانی پلائے کہ اموات کی روحیں اس سے خوش ہوتی اور اس کے واسطے دعا کرتی ہیں۔

سند پنجم: علاوہ ادلہ مامضت وماستاتی، اگر مان لیا جائے کہ جواز عرس کی کوئی دلیل نہیں تو کہیں ممانعت بھی تو نہیں اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اصل اشیا میں اباحت ہے، جب تک کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، ممنوع نہیں ہوسکتی۔ قائل جواز متمسک باصل ہے، اسے دلیل کی کیا حاجت ہے؟ دلیل تو ان وہابی صاحبوں کو دینی چاہئے جو شرک، بدعت، ممنوع، حرام کی پکار پکار رہے ہیں۔

مشکوۃ شریف میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے ہے: ''کان اهل الجاهلیة یا کلون اشیاً و یتر کون اشیاء تقذرافبعث الله نبیه و انزل کتابه و احل حلاله و حرم حرامه فما احل فهو حلال و ماحرم فهو حرام و ما سکت عنه فهو عفو''۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ''از ینجا معلوم می شود کہ اصل دراشیا اباحت است''۔

ترمذی وابن ماجہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی: ''الحلال مااحل الله والحرام ماحرم الله فی کتابه و ماسکت عنه فهو مما عفا عنه''۔

ملاعلی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں: ''فیه ان الاصل فی الاشیاء الاباحة''۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ''وایں دلیل است برآنکہ اصل دراشیا اباحت است''۔

ردالمحتار میں ہے: ''وصرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفیه والشافعیة اه وتبعه تلمیذه العلامه قاسم و قد جریٰ علیه فی الهدایة فی فصل الاحد ادو فی الخانیة فی اوائل الحظر والاباحة آه''۔

مدارك شریف میں تحت ارشاد باری تعالیٰ: ''قل لا اجد فیما اوحی الی محرما'' ہے: وہ فیہ تنبیہ علیٰ ان التحریم انما یثبت بوحی من اللہ و شرعہ لا بھوی النفس۔

اب ان سب حضرات مانعین کو دعوت عام دی جاتی ہے کہ چھوٹے بڑے جوان بڈھے سب مل کر اپنی مجموعی قوت سے ایک آیۂ قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی بصحاح یا اجماع یا تحریم قول امام اعراس متنازع فیہا ثابت کردیں تو البتہ، ورنہ جب اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت نہ فرمائی تو یہ منع کرنے والے کون؟ مولوی اسحاق شاہ صاحب جو اصل اشیا میں حرمت یا توقف کے قائل ہوئے ہیں اور اباحت کو رائے طائفہ اور مذہب معتزلہ ٹھہرایا ہے، وہ ان کے قلت تدبر سے ناشی کہ وہ اختلاف زمانہ فترت میں ہے کہ زمانہ فترت میں اشیا میں اصل کیا حکم ہے، حرمت یا توقف یا اباحت۔

علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت کے منہیہ میں فرماتے ہیں: ''الذی یظھر من تتبع کلامھم ھو الخلاف قبل الشرع و من ثم لم یجعلو ارفع الاباحۃ الاصلیۃ نسخا لعدم خطاب الشرع بھا فتدبر اہ و اقرہ العلامۃ بحرالعلوم فی فواتح الرحموت و قررہ بتقریر آخر وقال فاذن لیس الخلاف الا فی زمان الفترۃ الذی اذ رست فیہ الشریعۃ بتقصیر من قبلھم اہ'' ۔نہ اباحت شرعیہ کہ وہ محققین کی متفق علیہا ہے۔پس ایسی حالت میں یہ کوئی خیال کرہی نہیں سکتا کہ باوجود اس علم وفضل کے مولوی صاحب کو اباحتِ اصلیہ اور اباحت شرعیہ میں فرق وتمیز نہیں۔تمیز تو ضرور ہوگی مگر اس زمانہ ہی کو زمانہ فترت خیال فرمایا ہوگا اور کیوں نہ ہو کہ سرگروہ طائفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی تقویۃ الایمان مطبع فخرالمطابع لکھنؤ ۱۳۲۲ھ کی صفحہ ۳۹ پر وہ حدیث جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا ہے کہ (زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزے کی پھر پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے حتی کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا، مرجائیں گے جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہو جائے گی) لکھ کر صفحہ ۴۰ پر صاف لکھ دیا: ''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا''۔ میں کہتا ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اب ان کے اصل پر زمانہ فترت میں کون سا شک باقی رہ گیا۔لہٰذا یہ حکم دیا کہ ''اصل اشیا میں یا حرمت ہے نزدیک جمہور کے یا توقف ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے درا اور اشباہ سے یا اباحت ہے جیسا کہ وہ مذہب ایک طائفہ اور رائے معتزلہ ہے''۔اس مسئلہ کے اثبات کے لئے مولوی صاحب نے عوام کے دکھانے کو اگرچہ عبارات بھی تحریر فرمادی ہیں۔مگر اس میں الامان وہ تحریف فرمائی کہ لوگ یہی کہیں گے کہ دیانت سے محض بعید ہے۔ومن شاء الاطلاع علیٰ تحریفاتہ فعلیہ بتصحیح المسائل للسیف المسلول مولانا الشاہ فضل رسول البدایونی قدس سرہ الربانی۔

علاوہ بریں طرفہ یہ کہ دلیلیں مولوی صاحب کی خود متعارض کہ تفسیر احمدی سے اصل حرمت ثابت کی اور اشباہ اور درمختار سے توقف ثابت ہوتا ہے۔ واذا تعارضا تساقطا۔ دلیل تو دلیل مولوی صاحب کی کتب میں تو اقوال ہی متعارض کہ یہاں حرمت یا توقف کی ٹھہرائی اور اربعین میں اباحت پر رائے جمائی۔

صفحہ ۱۴ ساتویں سوال کے جواب میں ہے: ''پس وقت کتب تقسیم شیرینی وطعام مسنون نیست مگر آنکہ ایں تقسیم دریں وقت از قسم مباح باشد''۔

صفحہ ۲۲ چودھویں سوال کا جواب میں: ''از رسوم سلامی ورونمائی در شریعت محمدی اصل چیز ہا یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں قسم چیز ہا کہ دادن سلامی ورونمائی است مباح است''۔

اے کاش! وہاں بھی آپ کو یہی اصل یا درہتی اور فرمادیتے: پس بر ہر سال عرس اولیا مسنون نیست مگر آنکہ ایں عرس از قسم مباح باش یا از رسوم اعراس وفاتحہ در شریعت محمدی اصل ایں چیز یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں قسم چیز ہا درآں کہ عرس وفاتحہ است، مباح است۔ غضب تو یہ کیا کہ حسب اقرار خود رسوم سلامی ورونمائی بے اصل ہے، شریعت محمدی میں اس کی اصل پائی نہیں جاتی پھر بھی مباح بتایا اور عرس کا تقرر کہ اصل اس کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت، ممنوع وناجائز فرمایا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی باتیں کوئی اور کرتا یا کوئی اور شخص لکھتا تو سب یہی کہتے صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذالم تستحي فاصنع ما شئت ع بے حیا باش وآنچہ خواہی کن رواہ الامام احمد فی مسندہ والبخاری فی صحیحہ وابو داؤد وابن ماجۃ وابن عساکر فی تاریخہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مگر تعارض وتناقض تو شاید یہاں کوئی عیب نہ ہوگا۔ یہاں جائز تو وہاں حرام، یہاں مکروہ تو وہاں مسنون بتانا لازمۂ مذہب ہے۔ فتاوی رشیدیہ صفحہ ۸ کی عبارت تو دیکھ چکے کہ ''طریقہ متعینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلاتعیین کر دینا درست ہے۔'' بلاتعیین کو جائز بتانا۔ اب اسی کے صفحہ ۱۸۱ کی عبارت ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں: ''اور عرس کے باب میں بھی یہی جواب ہے کہ منع ہے''۔ اربعین میں مولانا ممدوح (مولوی اسحاق شاہ صاحب) لکھتے ہیں: ''مقرر کردن روز عرس جائز نیست در تفسیر مظہری می نویسد لا یجوز ما یفعلہ الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السرج والمساجد الیہا ومن الاجتماع بعد الحول ویسمونہا عرسا الخ''۔ یہاں تعیین، بلاتعیین سب کا ایک ہی حکم کہ منع ہے۔

تعجب ہے کہ مولوی صاحب اپنی قدیمی عادت اجتہادی فتویٰ بے دلیل لکھنے کو کیوں چھوڑ بیٹھے اور عبارت لکھدی۔ شاید یہ خرق عادت اور آپ کی کرامت ہوگی لیکن مجھے تو بوجوہ سخت افسوس ہے۔

اولاً اس علم و فضل پر کہ بیس عالمگیری جیسی کتابیں آپ کے سینہ شریف میں بند ہیں، اربعین مردودۂ علمائے دین سے دلیل لائے جو اس ہمہ دانی پر بالکل خلاف عقل ہے۔ اصل اشیا میں توقف ثابت کرنے کو قول غیر صحیح درمختار کو پیش کر دیا۔ کتاب کے معتبر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس کا ہر ہر لفظ کالوحی ہو اور وہ اپنی ہر نوع مضمون میں معتمد و مستند ہو، نہ ہر قسم مضمون میں مستند ہونے سے یہ لازم کہ ہر فرد مضمون زلت قدم ولغزشِ قلم سے بری و مامون ہو۔ انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا و علیہم وسلم کے سوا کسی کے کلام میں عصمت نہیں آخر الانسان یساوق السہو و النسیان تو ایک مشہور بات ہے۔ یہ مسئلہ صاحب درمختار کا چونکہ غیر صحیح تھا لہٰذا شراح نے اس میں کلام فرمادیا۔

علامہ شامی ردالمحتار میں تحت قول (لماان الصحیح) فرماتے ہیں: ''اقول و فیه نظر من وجوه (الیٰ ان قال) الرابع ان نسبة الاباحة الیٰ المعتزلة مخالف لما فی کتب الاصول ففی تحریر ابن الهمام المختار الاباحة عند جمهور الحنفية و الشافعيه اه و فی شراح اصول البزدوی للعلامة الاکمل قال اکثر اصحابنا و اکثر اصحاب الشافعی ان الاشياء التی يجوز ان يردالشرع باباحتها و حرمتها قبل وروده علیٰ الاباحه وهی الاصل فيها حتیٰ ابيح لمن لم يبلغه الشرع ان يأكل ماشاء و اليه اشار محمد فی الاكراه حيث قال اكل الميتة و شرب الخمر لم يحرما الا بالنهی فجعل الاباحة اصلا والحرمة بعارض النهی وهو قول الجبائی وابی هاشم واصحاب الظاهراه''۔

ثانیاً مولوی صاحب کا مولانا ممدوح کی مردودہ عبارت سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا، تقریب تمام نہیں ہوتی کہ مولوی صاحب کا دعویٰ ممانعت عرس ہے اور مولانا ممدوح عرس کو جائز اور دن مقرر کرنے کو ناجائز فرماتے ہیں۔

ثالثاً قبل استشہاد یہ تو خیال کر لینا چاہئے تھا کہ ان مسائل مختلف فیہا میں قول علیل و اجتہادی بے دلیل، قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی ہی کا کہاں تک معتبر و مقبول ہے۔

رابعاً برتقدیر مستند ہونے قول قاضی صاحب کے مولوی صاحب کو انصافاً اس کی تفتیش ضروری تھی کہ اصل عبارت تفسیر مظہری کیا ہے کہ تصحیح نقل یعنی مطابق اصل ہونے کی توقع مولانا ممدوح سے بالکل نہیں کہ نقل میں عبارت بیچ میں سے جو مضر اپنے دعوے کی ہو دور کر دینا، کہیں بیچ میں ایک فقرۂ مفید اپنے سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دینا، کہیں کسی کتاب کا نام لکھ کر ایک عبارت لکھ دینا جس کا اصلاً اس کتاب میں نام و نشان نہیں، کہیں قولِ مردود پر حوالے میں کفایت کرنا، یعنی لکھ دیا کہ فلانی کتاب میں یوں لکھا ہے، حالانکہ اس کتاب میں اس بات کو لکھ کر رد کر دیا ہے۔ یہ آپ کی عادت ہے۔ (دیکھو فتویٰ علمائے شاہجہان آباد مولوی مفتی محمد صدر الدین صاحب و جناب مولوی محمد مخصوص اللہ صاحب وغیرہ و غیرہ منسلکہ بسلک تحقیق الحقیقہ مطبع گلزار حسینی بمبئی)

خامساً بعد تسلیم ان دو باتوں کے کہ قاضی صاحب کا فرمان بجا اور درست ہے اور مولوی صاحب کے مولانا ممدوح نے نقل مطابق اصل فرمائی ہے۔ قاضی صاحب تو اجتماع بعد الحول کالا عیاد کو منع کرتے ہیں، نہ تقرر یوم عرس کو اور مولانا ممدوح کا دعویٰ منع تقرر یوم عرس ہے اور مولوی صاحب کا دعویٰ مطلق منع ہے۔ رہا قاضی صاحب کا یہ فرمان وبسمونہا عرساً یہ ان کی سمجھ ہے ورنہ ہرگز اولیائے کرام کے مزارات کا طواف کرنا، اسے سجدہ کرنا، چراغ جلانا، سال بھر کے بعد مثل عید کے جمع ہونا حقیقت عرس میں داخل نہیں۔ پس ایسی حالت میں عرس کی ممانعت پر مولانا ممدوح کی اربعین کی عبارت پیش کرنا کتنے بڑے عاقل کا کام ہے۔

سند ششم عرس کو جم غفیر و جماعت کثیرہ علما و مشائخ اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں اور جماعت کثیرہ گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی لقوله صلى الله عيه وآله وسلم لا تجتمع امتی الضلالة یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی و فی روایة ابن ابی عاصم عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ان الله تعالیٰ قداجارامتی من ان یجتمع علیٰ الضلالة وفی روایة ابن ماجه عنه رضی الله تعالیٰ عنه انّه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ان امتی لن یجتمع علیٰ الضلالة۔

اسی واسطے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اتباع کا حکم دیا اس کی نصرت کا وعدہ فرمایا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ''ید الله علی الجماعة'' رواه الترمذی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما۔

ابن ماجہ شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم :اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار ۔ پیروی کرو بڑی جماعت کی کہ جو ان سے علیحدہ ہوا، جہنم میں پڑا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ''السواد الاعظم یعبر به عن الجماعة الکثیرة والمراد ماعلیه اکثر المسلمین'' ١ھ ۔ پس جب اسے جم غفیر علما و صلحا کرتے چلے آئے تو ہرگز یہ گمراہی و ضلالت نہیں۔

سند هفتم اس مطلب پر تصریحاتِ ائمہ و علما سے بہتر تو ان ہی بزرگواروں (مولوی اسحاق صاحب و مولوی رشید احمد و خلیل احمد صاحبان) کی شہادت ہے ع مدعی لاکھ بھاری ہے گواہی تیری۔ اور وہ جو تعیین و تقرر کو ناجائز و ممنوع بتایا اس سے اس طرح کی تعیین و تخصیص ہوگی کہ لوگ اسے لازم جان لیں اور اعتقاد کرلیں کہ سوا اس دن کے اور کسی دن عرس ہو ہی نہیں سکتا، ورنہ تعیین و تخصیص یوم تو مولوی گنگوہی اور ان کے شاگرد صاحب مقدوح اور مولانا ممدوح کے

نزدیک بھی جائز بلکہ بہتر ہے۔

مائۃ مسائل صفحہ ۲۵ میں ہے: ''سوال، مقرر کردن روز برائے زیارت قبور از روزہا در شرع جائز است یا گناہ کدام گناہ از گناہاں؟ جواب: مقرر کردن روزے از روزہائے ہفتہ بوضعیکہ لازم شمارد و برآں اہتمام سازد از احادیث و روایت فقہ کتب معتبرہ ثابت نشدہ، مگر در فتاوی عالمگیری ایں قدر نوشتہ اگر در چہار روز دوشنبہ و پنجشنبہ و جمعہ شنبہ زیارت کند بہتر است۔ عبارتہ ھکذا: افضل ایام الزیارۃ اربعۃ ایام الاثنین والخمیس والجمعۃ والسبت'' اھ۔

فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۵۲ میں دربارۂ ایصال ثواب ہے: ''روز ولادت اور روز وفات بھی درست ہے''۔

اسی طرح مولوی صاحب موصوف کی اول سے آخر تک بغور دیکھی ہوئی مقرظ کتاب براہین قاطعہ صفحہ ۷۹ میں فاتحہ مرسومہ کی بابت ہے: ''یہ تخصیصات و تعینات رسوم صالحہ اس وقت تک ہیں کہ التزام اس کا نہ ہو اور عوام کے قلب میں رسوخ کا اندیشہ نہ ہو۔ کبھی کبھی ترک بھی کر دیا کریں''۔

جس سے صاف ظاہر کہ صرف تعیین و تخصیص کو ناجائز و حرام نہیں جانتے بلکہ بہتر اور رسم صالح سمجھتے ہیں۔ ہاں! اس التزام واہتمام کو منع کرتے ہیں اور اگر نہیں تو لوگ اسے بھی ان حضرات کے تناقضات میں گن لیں۔ اور ہاں صاحبو! یہ کیسا انصاف ہے کہ سنیوں کو تو کبھی کبھی ترک کر دینے کی نصیحت ہو اور اپنے کاموں میں التزام واہتمام ضروری سمجھا جائے کما قدمنا۔

سند ہشتم تعامل علمائے حرمین شریفین ہے کہ جس بات پر وہاں کے حضرات بالاتفاق عمل کرتے اور اس کی عادت رکھتے آئے، وہ بھی حجت ہے۔ فقہائے معتمدین اور علمائے مستندین مسائلِ شرعیہ میں اس سے احتجاج کرتے۔ اس کی موافقت کو مستحب اور اس کی مخالفت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

غنیہ شرح منیہ صفحہ ۴۰۴ بحث تراویح میں ہے: ''وھذا الانتظار مستحب لعادۃ اھل الحرمین''۔ ''ہر دو ترویحہ کے درمیان بقدر ایک ترویحہ کے انتظار کرنا مستحب ہے، بوجہ عادت اہل حرمین کے کہ عادت اہل مکہ کی ہر چار رکعت کے بعد طواف کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا اور عادت اہل مدینہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ کی چار رکعت تنہا نماز پڑھنا ہے''۔

ہدایہ میں ہے: ''والمستحب فی الجلوس بین الترویحتین مقدار الترویحۃ وکذا بین الخامسۃ والوتر لعادۃ اھل الحرمین''۔

غنیہ میں ہے: (وان استراح علیٰ خمس تلیمات) ای عقیب عشر رکعات (قال بعضھم لا بأس بہ) ای لا یکرہ (قال اکثر المشائخ لا یستحب) ذالک لمخالفۃ اھل الحرمین وقولہ لا

یستحب کنایة عن الکراهة التنزیهیة"۔ ''اور اگر جلسہ استراحت کیا دس رکعت کے بعد، بعضوں نے کہا کچھ حرج نہیں اور اکثر مشائخ نے فرمایا: مکروہ ہے بوجہ مخالفت اہل حرمین کے''۔

عینی شرح کنز میں ہے: ''الا ستراحة علیٰ خمسة تسبیحات مکروه عندالجمهور لا نه خلاف فعل اهل الحرمین''۔

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے: ''فان استراح علیٰ رأس خمس تسبیحات ولم یسترح بین کل ترویحتین اختلفوا فیه قال بعضهم لاباس به وقال بعضهم لایستحب ذالك لانه مخالف لعمل اهل الحرمین''۔

اور بلا شبہہ افعال حسنہ حرمین شریفین میں بلکہ خاص اعراس و زیارت علما و مشائخ و صحابۂ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) و مقامات متبرکہ تبعین ایام و تواریخ عام طور پر بلانکیر رائج ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں نہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا آمنہ امّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم، یازدہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا خدیجہ بنت خویلد امّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، دوازدہم ربیع الاول شریف کو زیارت مولد النبی الامین علیہ افضل الصلوات من رب العالمین، سیزدہم صفر کو زیارت وعرس سیدتنا میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اسی طرح مدینہ طیبہ میں دوازدہم ربیع الاول شریف کو محفل میلاد فیض بنیاد یا عرس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، دوازدہم رجب المرجب کو عرس و زیارت اسد اللہ واسد رسولہ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۸ شعبان کو عرس سید ابو صالح مدنی قدس سرہ عظیم محافل وہجوم کثیرہ کے ساتھ جس میں علما و صلحا و سادات و عامۂ اہل حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً سبھی ہوتے۔ مزارات طیبات پر حاضر ہوتے، سلام عرض کرتے، فاتحہ پڑھتے، ان کو وسیلہ بناتے، ان کے طفیل میں حاجتیں پوری ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

سند نہم صحیحین میں امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ''احب العمل الیٰ الله ماداوم علیه صاحبه وان قل''۔ ''محبوب ترین عمل اللہ تعالیٰ نزدیک وہ ہے جس پر عامل مداومت کرے، اگرچہ تھوڑا ہو''۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اسی عنوان سے ایک باب واضع کیا۔ باب احب الدین الیٰ الله ادومه۔ امام عینی اسی کے تحت فرماتے ہیں: الثالث فیه فضیلة الدوام علیٰ العمل والحث علیٰ العمل الذی ینمو القلیل الدائم علیٰ الکثیر المنقطع اضعافاً کثیرہ۔

اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کار خیر کو شروع کر کے اس کے ترک پر تہدید فرمائی۔ صحیحین میں ہے: ''یا عبدالله لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترك''۔ ''اے عبد اللہ! فلاں جیسا نہ ہونا کہ قیام اللیل کرتا تھا پھر چھوڑ دیا''۔

اور یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ جس کام کے لئے دن تاریخ مقرر ہو، اس پر دوام ہوتا ہے جب وہ تاریخ آتی ہے۔ خیال آجاتا ہے ورنہ آج کل میں عمر تمام ہو جاتی ہے لیکن کام نہیں ہوتا۔ رب العزت جل جلالہ نے حج میں یہ تعیین ضروری نہ فرمائی کہ جس سال زادراہ کا مالک ہو، طاقت رکھے، اسی سال جائے یا دوسرے سال حج کرے یا کب کرنا چاہئے۔ بہتیرے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی قدرت دی ہے، امسال حج کریں گے، آئندہ سال حج کو جائیں گے، اسی طرح ہر سال قصد ہی کرتے رہ گئے کہ عزرائیل علیہ السلام نے ان کا کام تمام کر دیا اور فرض خدائے تعالیٰ کا باران کے سر ہی رہا۔ اسی غرض سے تاریخ مقرر کر کے ایصال ثواب معتاد ہوا کہ بوجہ مداومت احب العمل الی اللہ میں سے ہو جائے۔

سند دھم عرف عام اہل اسلام ہے کہ اسے علما و صلحا، فقرا و اولیا، مشائخ کرام و صوفیائے عظام شرقاً غرباً کرتے چلے آئے اور یہ بھی ایک دلیل استحسان کی ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "العادة محكمة واصلها قوله عليه السلام: ماراه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن"۔

اسی میں ہے: "واعلم ان اعتبار العادة والعرف يرجع اليه في الفقه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك اصلا"۔

برجندی میں ہے: "العرف ايضا حجة بالنص قال عليه السلام ماراه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن"۔

بحر الرائق میں ہے: "لايكره الاقتداء بالامام في النوافل مطلقاً نحو القدر والرغائب وليلة النصف من شعبان و نحو ذالك لان مارآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن خصوصا اذااستمر في بلاد الاسلام والا مصار لان العرف اذااستمر نزل منزلة الاجماع" آه۔

عینی شرح ہدایہ میں در باب عدم ارسال محرم صید ہے: "وبذالك جرت العادة الفاشية وهي من احدى الحجج التي يحكم بهاقال عليه السلام: ماراه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن قلت والحديث رواه البزار والطبراني و الطيالسي والامام احمد في كتاب السنة عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه۔ قال السخاوي في المقاصد الحسنه هو موقوف حسن"۔

اور شک نہیں کہ عرس و فاتحہ کو علما و صلحا و عامۂ اہل اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے اور سے بہتر و مستحسن جانتے ہیں۔ حرمین شریفین کی حالت معلوم ہو چکی۔ دہلیز الحرمین جدہ میں ہفدہم ۱۷ رمضان المبارک کو عرس حضرت سید علوی، بست و چہارم ۲۴ کو عرس سید ابو سریہ، بست و ہفتم کو عرس حضرت شیخ محمد عقیلی، یمن میں کم شعبان سے ۱۵ دن

تک عرس حضرت شیخ محمد بن علوان جن کے نام کی برکت سے اشیائے گم شدہ کا مل جانا، علما نے فرمایا اور بارہا تجربہ ہوا اور برابر ہوتا ہے۔

ردّالمحتار طبع استامبول جلد۳ صفحہ۵۰۱ میں ہے: ''الانسان اذاضاع له شئی و ارادان یردالله سبحانه علیه فلیقف علیٰ مکان عال مستقبل القبلة و یقرء الفاتحة و یهدی ثوابها للنبی صلی الله تعالی علیه و سلم ثم یهدی ذالك لسیدی احمد بن علوان ویقول یا احمدیا ابن علوان ان لم ترد علیٰ ضالتی نزعتك من دیوان الاولیاء فان الله یردعلی من قال ببرکته اجهوری مع زیادة کذافی شرح المنهج للداؤدی رحمه الله آه قلت و قد جربته مراراً فوجدته صحیحاً و الحمد لله علیٰ ذلك''۔

بغداد مقدس میں حضور پُر نور غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا عرس شریف نہم ربیع الآخر شریف کو ہوتا ہے۔ شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب ''ماثبت بالسنۃ'' میں بعد ذکر تاریخ وفات حضور فرماتے ہیں: ''قلت بهذه الروایة یکون عرسه تاسع ربیع الأخر و هذ اهوالذی ادرکنا علیه سید نا الشیخ الامام العارف الکامل الشیخ عبدالوهاب القادری المتقی المکی فانه قدس سره کان یحافظ فی عرسه رضی الله تعالیٰ عنه هذاالتاریخ اما اعتمادا علیٰ الروایة وعلیٰ ماراٰیٰ من شیخه الشیخ الکبیر علی المتقی اومن غیره من المشائخ رحمة الله تعالی علیهم و قد اشتهر فی دیارنا هذاالیوم الحادی عشر و هوالمتعارف فی مشائخنا من اهل الهند من اولاده رضی الله تعالی عنه کذا ذکر شیخنا و سیدنا السید البهی الرضی ابو المحاسن سیدی الشیخ موسی الحسینی الجیلانی ابن الشیخ الکامل العارف المعظم المکرم ابی الفتح الشیخ الحامد الحسنی الجیلانی نقلا من اورادالقادریة تصنیف المخدوم الاعظم الاکرم الامجد الافخم ولی الله با لا تفاق الذی یقال له المخدوم السامی الشیخ عبدالقادر الثانی قدس الله تعالی روحه مما نقل فیها عن ابائه الکرام رحمة الله علیهم اجمعین''۔

اسی طرح ہندوستان میں پاک پٹن شریف میں پنجم محرم الحرام کو عرس حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اجمیر شریف میں ششم رجب المرجب کو عرس خواجہ غریب نواز معین الحق والملۃ والدین قدس سرہ، مارہرہ مطہرہ میں دہم ۱۰ر محرم الحرام کو عرس صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ، ۱۸ ربیع الاول شریف کو عرس حضرت سید آلِ احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ، ہیز دہم ۱۸ر ذی الحجہ الحرام کو عرس حضرت سید شاہ آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز، ۱۰-۱۱-۱۲ کو کلیر شریف میں، دوازدہم ربیع الاول شریف کو عرس حضرت علاء الدین

صابر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ردولی شریف میں ۱۱ر جمادی الآخرۃ سے ۱۳ تک عرس حضرت شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دہلی اور بدایوں میں کتنوں کی تعداد بتائی جائے، گنج اولیا ہے، شاید ہی کوئی تاریخ خالی جاتی ہوگی، جو کسی نہ کسی کا عرس نہ ہوتا ہو۔ مراد آباد میں بست وہفتم ۲۷ر صفر کو عرس شیخ المشائخ شاہ بلاقی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، نہم جمادی الآخر کو عرس شاہ محبوب علی صاحب، رامپور میں یازدہم صفر کو عرس مولوی عاشق احمد صاحب، ۱۵-۱۶-۱۷ جمادی الآخر کو عرس مولانا مولوی ارشاد حسین صاحب قدس سرہ، بریلی میں یکم جمادی الآخر کو عرس مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کانپور میں ۲ر صفر کو عرس حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ۳ر رجب کو عرس مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، گنج مراد آباد میں ۲۶ ربیع الاول شریف کو عرس مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ بیتھو شریف میں ۹ر شعبان کو عرس حضرت مخدوم شاہ درویش صاحب قدس سرہ، بہار شریف میں ۵ر شوال کو عرس حضور مخدوم الملک مخدوم شاہ شرف الملۃ والدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ، ۴ر جمادی الآخر کو حضرت جناب حضور شاہ امین احمد صاحب قدسنا اللہ بارواحهم و نفعنا فی الدارین ببر کاتہم کا عرس ہمیشہ بتعیین تاریخ و ماہ وفات بلانکیر رائج ہے۔ وہابیہ لیام خذ لهم الله تعالیٰ اپنی بڑکو نباح کلاب سے زیادہ نہ تصور فرمائیں۔

ماہ فشاند نور وسگ عوعو کند ہر کسے بر خلقت خود میں تند

قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر بہیئت کذائی موجود نہ ہونے سے کوئی چیز ممنوع و ناجائز نہیں ہوسکتی۔ علما نے صدہا امور میں کہ قرون ثلاثہ میں رائج نہ تھے باوجود محدث ہونے کے حکم جواز بلکہ استحسان دیا، مثلاً نماز میں تلفظ نیت باوجود یکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، نہ خلفائے راشدین، نہ ائمہ مجتہدین سے ثابت، عامہ متون وشروح وفتاوی میں مستحب فرمایا۔

وقایہ میں ہے: ''والقصد مع لفظه افضل''۔

مختصر وقایہ میں ہے: ''و مع اللفظ افضل''۔

جوہرہ نیرہ میں ہے: ''الذکر باللسان مع عمل القلب سنة فالا ولی ان یشغل قلبه بالنیة ونسانه بالذکر ویده بالرفع''۔

غرر الاحکام میں ہے: ''والتلفظ مستحب''۔

درر الحکام میں ہے: ''اما الذکر باللسان فلا یعتبربه ویحسن ذلك لا جتماع عزیمة''۔

غنیۃ ذوی الاحکام میں ہے: ''قوله والتلفظ بها مستحب یعنی طریق حسن احبه المشائخ لانه من السنة لانه لم یثبت عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من طریق صحیح ولا ضعیف ولا

عن احد من الائمۃ الا ئمۃالاربعۃ بل المنقول انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذاقام الیٰ الصلوۃ کبر فھٰذہ بدعۃ حسنۃعند قصد جمع العزیمۃ"۔

حاشیہ دررلابی سعید خادمی میں ہے: "قولہ ویحسن ذالک کونہ حسنا ھو اختیار الکافی والزیلعی واختیر فی منیۃ المصلی تبعاً للمجتبیٰ بترجیح استحبابہ و فی الاختیار تبعاً للبدائع سنیۃ"۔

محیط میں ہے: "الذکر باللسان سنۃ فینبغی ان یقول اللھم انی ارید صلوۃ کذافیسر ھا لی وتقبلھا منی"۔

بحرالرائق میں ہے: "قد اختلف کلام المشائخ فی التلفظ باللسان فذکرفی منیۃ المصلی انہ مستحب وھو المختار و صححہ فی المجتبیٰ و فی الھدیۃ والکافی والتّبیین انہ یحسن لا جتماعزیمہ و فی الاختیار معزیا الیٰ محمدبن الحسین انہ سنۃ وھکذافی البدائع"۔

درمختار میں ہے: "التلفظ عند الا رادۃ بھا مستحب وھو المختار وقیل سنۃ یعنی احب السلف او سنۃ علماء نااذلم ینقل عن المصطفیٰ والصحابۃ والتابعین بل قیل بدعۃ"۔

طحطاوی میں ہے: "لکنھا حسنۃ علیٰ المعتمد لا سیئۃ"۔

ردّالمحتار میں ہے: "قولہ بل قیل بدعۃ ، نقلہ فی الفتح و قال فی الحلیۃ و نقل الا شبہ انہ حسنۃ عند قصد جمع العزیمۃ لانسان قدیغلب علیہ تفرق خاطرہ وقداستفاض ظھور العمل بہ فی کثیر من الاعصارفی عامۃ الامصار فلا جرم انہ ذھب فی المبسوط والھدایۃ والکافی الیٰ انہ ان فعلہ لجمع عزیمۃ قلبہ فحسن فیند فع ما قیل انہ یکرہ"۔

غنیۃ شرح منیہ میں بعد نقل اس بات کے کہ قرون ثلاثہ میں اس کا وجود نہ تھا، بدعت ہے، فرمایا: "فکونہ بدعۃ لا ینا فی کونہ حسناً لقصد اجتماع العزیمۃ علیٰ ماشار الیہ فی الھدایۃ وصرح فی التجنیس"۔

مرقات شرح مشکوہ میں ہے: "الا کثرون علیٰ ان الجمعہ بینھما مستحب یسھل تعقل معنی النیۃ واستحضارھا" الخ۔

شعۃ اللمعات میں ہے: "فقہا گفتہ اند کہ اگر بزبان نیز گوئید بہتر است ومستحب تا زبان با دل موافق وظاہرو باطن مطابق بود۔ ونیز تعقل معنی نیت واستحضارآن دردل بذکر الفاظ آسان باشد"۔

اسی طرح تثویب کہ خیرالقرون میں اس کا رواج نہ تھالیکن عامۂ کتب مذہب متون مثل تنویرالابصار، وقایہ، نقایہ، کنز، غرر، وافی، ملتقیٰ، اصلاح، نورالایضاح، شروح مانند درمختار، ردّالمحتار، طحطاوی، عنایہ، نہایہ، غنیۃ شرح منیہ،

صغیری، بحر الرائق، نہر الفائق تبیین الحقائق، برجندی، قہستانی، درر الحکام، کافی مجتبیٰ، ایضاح، امداد الفتاح، مراقی الفلاح، حاشیہ المراقی للعلامۃ الطحطاوی، فتاویٰ مثل ظہیریہ، خانیہ، خلاصہ، خزانۃ المفتین، جواہر اخلاطی، علمگیری وغیرہا میں جائز و مستحسن فرمایا۔

مختصر وقایہ میں ہے: ''التثو حسن فی کل صلوۃ''۔

تنویر الابصار علامہ غزی تمرتاشی میں ہے: ''یثوب الافی المغرب''۔

درمختار محقق علائی میں ہے: ''یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ''۔

غنیۃ میں ہے: ''واستحسن المتأ خرون التثویب زادفی شرح الوقایۃ فی الصلوات کلھا''۔

اسی طرح خطبہ میں ذکر خلفائے راشدین اور عمین مکرمین رضی عنہم رب المشرقین۔

بحر الرائق میں ہے: ''وذکر الخلفاء الرّاشدین مستحسن بذالك جری التوارث و بذکر العمین''۔

درمختار میں ہے: ''یندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین''۔

اور اسی قبیل سے خطبہ میں دعائے سلطان ہے، جسے بعض علمانے بمصلحتِ زمانہ واجب تک کہنا مجوز رکھا ہے۔

درمختار میں ہے: ''لا (ای لا یندب) للسلطان و جوزہ القھستانی''۔

ردالمحتار میں اس کی تائید فرمائی اور کہا: ''وایضا فان الدعاء للسلطان علیٰ الم نابرقد صارا لأن من شعار السلطنۃ فمن ترکہ یخشی علیہ ولذاقال بعض العلماء لوقیل ان الدعاء لہ واجب لما فی ترکہ من الفتنہ غالباً لم یبعد'' الخ۔

اسی طرح تسلیم بعد الاذان کہ ربیع الآخر ۷۸۱ یا ۷۹۱ ہجری زمانہ سلطان ناصر صلاح الدین سے شروع ہوئی اور اسے بدعتِ حسنہ فرمایا۔

درمختار میں ہے: ''التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدی و ثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا فی المغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ''۔

ردالمحتار میں ہے: ''قولہ سنۃ ۷۸۱ھ کذافی النھر عن حسن بالمحاضرۃ للسیوطی ثم نقل عن القول البدیع للسخاوی انہ فی سنۃ ۷۸۱ھ وان ابتداءہ کان فی ایام السلطان الناصر صلاح الدین بامرہ''۔

اسی طرح مصافحہ بعد العصر۔ درمختار میں ہے: ''فی مسئلۃ المصافحۃ بعد العصر قولھم انہ بدعۃ ای حسنۃ مباحۃ

کما افاده النووی فی اذکاره وغیره فی غیره"۔

اسی طرح مصافحہ بعد صبح۔ نسیم الریاض میں ہے: "الاصح انها بدعة مباحة"۔

اسی طرح قرآن شریف میں اسمائے سور اور آیات کی تعداد لکھنا، اسے مطلا کرنا۔

درمختار میں ہے: "وجاز تحلية المصحف لمافيه من تعظيمه وفيه وعلى هذا لا بأس بكتابة أسامي السور وعدد الآی والعلامات فهی بدعة حسنة"۔

جواہر اخلاطی پھر فتاویٰ علمگیریہ میں ہے: "لابأس بكتابة آسامی السور وعدد الآی وهو وان كان احداثا فهو بدعة حسنة وكم من شئی كان احداثاً وهو بدعة حسنة وكم من شئی يختلف باختلاف الزمان والمكان"۔

"قرآن مجید میں سورتوں کے نام اور آیتوں کی گنتی لکھنے میں حرج نہیں اور وہ اگرچہ نو پیدا ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور بہت نئی چیزیں بدعت حسنہ ہوتی ہیں اور بہت چیزوں کا حکم زمانہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین میں نہ تھے، بدلتا رہتا ہے"۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: "ان المسجد كان على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مبنيا باللبن وسقفه الجريد وعمده خشب النخل"۔

بلکہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی۔ منڈی بنانے کا حکم ہوا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابنوا المساجد واتخذو هاجما"۔ "مسجدیں بناؤ اور انہیں بے کنگرہ رکھو"۔ رواه ابن ابی شيبة والبيهقی فی السنن عن انس رضی الله تعالى عنه مرفوعاً۔

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر متنبہ ہونے کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہوگئے۔ اس قسم کے امور کو علماء وعامۂ مسلمین نے مستحسن رکھا، كما افتىٰ به سيدی مدظله۔

اسی طرح ختم تراویح کے دن باجماعت دعا کرنا آخیر رکعت میں سورہ اخلاص تین بار پڑھنا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: "تكلموا فی الدعاء عند ختم القرآن فی شهر رمضان بالجماعة واستحسنه المتاخرون فلايمنع من ذلك وقراءة سوره الاخلاص ثلاث مرات عند ختم القرآن استحسنه مشائخ العراق الافی المكتوبة"۔

اسی طرح مجلس میلاد فیض بنیاد سرکار ابد قرار حضور سرور کائنات علیہ وعلیٰ الہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات کہ خیر القرون میں اس ہیئت کذائی کے ساتھ معمول نہ تھی پھر بھی علمائے کرام نے اسے جائز ومستحسن فرمایا۔

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "یستحب لنا ایضا اظهار الشکر بمولده صلی الله تعالی علیه وسلم بالاجتماع واطعام الطعام ونحوذالك من وجوه القربات واظهار المسرات"۔

امام ابوالخیر شمس الملۃ والدین سخاوی وشیخ القراء محمد ابن الجزری وامام شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی وغیرہم فرماتے ہیں: "واللفظ للمواهب لازال اهل الاسلام یحتفلون بشهر مولده علیه الصلوٰة والسلام ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیه بانواع الصدقات ویظهرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقراءة مولده الکریم ویظهر من برکاته کل فضل عمیم"۔

امام حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن "الباعث علیٰ انکارالبدع ولحوادث" میں فرماتے ہیں: "ومن احسن البدع فی زماننا هذامن هذاالقبیل (ای البدعة المتفق علیٰ جواز فعلها والاستحباب بها ورجاء الثواب من حسنت نیته فیها) ما کان یفعل بمدینة اوبل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولد النبی صلی الله تعالی علیه وسلم من الصدقات والمعروف واظهار الزینة والسرور فان ذالك مع مافیه من الاحسان الی الفقراء یشعر بمحبة النبی صلی الله علیهوسلم وتعظیمه واجلاله فی قلب فاعله وشکر الله علیٰ ما من به من ایجاد رسوله الذی ارسله رحمة للعالمین صلی الله علیه وسلم"۔

علامہ شیخ صدرالدین بن عمر شافعی فرماتے ہیں: "هذه البدعة لاباس بها ولایکره البدع الا اذاراغمت السنة واما اذالم تراغمها فلاتکره ویثاب الانسان بحسب قصده فی اظهارالسرور والفرح بمولد النبی صلی الله تعالی علیه وسلم"۔

الکوکب الانور علیٰ عقدالجوہر تالیف سید جعفر برزنجی مفتی شافعیہ میں ہے: "اعلم انه (ای عمل المولد) بدعة لانه لم ینقل عن احد السلف الصالح من القرون الثلاثة الفاضلة التی شهد النبی صلی الله تعالی علیه وسلم بخیر تها لکنها بدعة حسنة لمااشتملت علیه من الاحسان الکثیر للفقراء ومن قراءة القران واکثار الذکر والصلوٰة علیٰ النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واظهار الفرح والسرور به ولا حل ذالك لماظهرت بعد تلك القرون الثلاثه لم یزل اهل الاسلام فی سائرالاقطار یحتفلون فی شکر مولده خصوصاً فی لیلته بعمل المولد فی ولائم مشتملة علیٰ کثرة المطاعم والاحسان والصدقات والمبرات مع الاکثار من قراءة القرآن المجید والذکر وقراءة مولده"۔

امام محقق حافظ ابوزرعہ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں: "الولیمة واطعام الطعام مستحب فی کل وقت فکیف اذا انضم الیٰ ذلك السرور بظهور نور النبوة فی هذاالشهر الشریف ولانعلم ذلك من السلف ولا

یلزم من کونہ بدعۃ کونہ مکروھا فکم من بدعۃ مستحبۃ بل واجبۃ اذا لم ینضم الیٰ ذلک مفسدۃ"۔

امام جلال الملۃ والدین سیوطی شرح ابن ماجہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں: "الصواب انہ من البدع الحسنۃ المندوبۃ اذاخلی من المنکرات شرعاً آہ وقال فی فتاواہ عندی ان اصل المولد من البدع الحسنۃ التی یثاب صاحبھا لمافیہ من تعظیم قدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظھار الفرح والاستبشار بمولدہ الشریف"۔

اسی طرح قیام وقت ذکر ولادت پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مولانا عثمان حسن دمیاطی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: "القیام عند ذکر ولادۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فی قرائۃ المولدالشریف تعظیما لہ صلی اللہ علیہ وسلم امرلا شک فی استحسانہ ویحصل لفاعلہ من الثواب الحظ الاوفر والخیر الاکبر"۔

عقدالجوہر فی مولدالنبی الازہر تالیف علامہ سید جعفر برزنجی میں ہے: "وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) الشریف ائمۃ ذو ورِوایۃ و (ذوو) رویۃ آہ مع زیادۃ مابین الھلالین"

الکوکب الانور علیٰ عقد الجوہر تالیف سید جعفر برزنجی ابن ابن ابن ابن المؤلف السید جعفر برزنجی میں ہے: "ھذا القیام بدعۃ لااصل لھا لکنھا بدعۃ حسنۃ لاجل التعظیم"۔

القول المنجی علیٰ مولدالبرزنجی تالیف شیخ محمد بن احمد مفتی مالکیہ میں ہے: "جرت العادۃ بقیام الناس اذاانتھی المداح الیٰ ذکرمولدہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہٖ وسلم وھی بدعۃمستحبۃ لمافیھا من اظھارالفرح والسرور"۔

قال الصرصری نفعنا اللہ بہٖ ؎

قلیل لمدح المصطفیٰ الخط بالذھب — علیٰ فضۃمن خط احسن من کتب
وان تنھض الاشراف عند سماعہ — قیاما صفوفاً او جثیاً علیٰ الرکب
اما اللہ تعظیما لہ کتب اسمہ — علیٰ عرشہ یارتبۃ سمت الرتب

امام مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس "النفحۃ العنبریۃ لاثبات القیام فی مولد خیر البریۃ" میں فرماتے ہیں: قد استحسن اھل مکۃ المعظمۃ والمدینۃ المنورۃ زادھم اللہ شرفاً وتعظیماً ویقومون عندذکر وضعہ علیہ السلام کما لا یخفیٰ علیٰ الحجاج وقال الامام ابوزید فی مولدہ: 'استحسن العلماء القیام عند ذکر الوضع"۔ وقال العلماء الحنبلیۃ: "عند ذکر ولادتہ صلی اللہ

تعالی علیه وسلم القیام واجب لماانه تحضر روحانیته صلی الله تعالی علیه وسلم وعلی هذا عمل اهل مکة الشریفة فی زیارتهم موضع ولادته الشریفة"۔

اسی طرح تقلید شخصی کہ اب اہل سنت و جماعت میں ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں منحصر و محصور ہے۔ حالانکہ خیر القرون میں ہرگز اس طرح پر نہ تھی، بلکہ دوصدی کے بعد شائع ہوئی مگر علمائے کرام نے اس کے وجوب کا حکم فرمایا۔ جو ان چہار مذہبوں سے خارج ہو، اسے بدعتی جہنمی فرمایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''انصاف فی بیان سبب الاختلاف'' صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں: ''بعد المائتین ظهر بینهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لایعتمد علیٰ مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هو الواجب فی ذالك الزمان"۔ ''دوصدی کے بعد خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا اہل اسلام میں شائع ہوا۔ کم کوئی شخص تھا جو امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہ واجب ہے اس زمانے میں''۔

طحطاویہ حاشیہ درمختار میں ہے: ''هذه الطائفة الناجیة قدا جتمعت الیوم فی مذاهب اربعة وهم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمهم الله تعالی ومن کان خارجاً عن هذه الاربعة فی هذاالزمان فهومن اهل البدعة والنار"۔ ''اہل سنت کا گروہ ناجی۔ اب چار مذہب میں مجتمع ہے، حنفی مالکی شافعی حنبلی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے جو ان چار سے باہر ہے، وہ بدعتی جہنمی ہے۔

الیٰ غیر ذالك من الامور التی لم تکن فی خیر القرن واحد ثت بعدهٗ ذالك وقد اباحها واستحسنها بل أو جبها العلماء۔

بالجملہ عرس مسئول عنہ کی اباحت و جواز میں شک نہیں کہ وہ مجموعہ امور مستحسنہ کا ہے۔ اور مجموعہ امور مستحسنہ کا مستحسن ہوتا ہے اور اجتماع سے کوئی حکم منافی آحاد کے پیدا نہیں ہوتا بلکہ حسن اس کا حسن، ہر واحد سے زیادہ ہو جاتا ہے جیسے بالوں کی رسی ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور بڑی جماعت کی خبر باوجود ظنیت آحاد کے مفید یقین کی ہو جاتی ہے اور حدیث ضعیف تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے کما قد مناعن اشعة اللمعات۔ اور جب ان سب امور خیر کی طرف خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوت و ہدایت فرمائی اور مزارات شہدائے کرام پر ہر سال تشریف لے جا کر اس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد اور کس موجد کی ضرورت ہے؟

(۲) جس جگہ ہو، ہند یا سندھ ایام اعراس وغیرہ میں قوالی ہوتی ہے یا طوائف مزین ہو کر با ساز و مزامیر رقص و مجرا کیا کرتی ہیں۔ چونکہ خود ایسی قوالی حرام، حاضرین سب گنہگار ہوتے ہیں اور ان سب کا گناہ قوالوں پر اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے سر قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ

میں کچھ کمی واقع ہو یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف نہ ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا پورا گناہ الگ اوران سب حاضرین کے برابر جدااو ران سب کا مجموعہ ایسا عرس کرنے والے پر۔ یہ وجہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا اوران کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ کرتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے، اس لئے ان سب کا گناہ قوالوں پر ہوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا، نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے، بجاتے۔ لہذا قوالوں کا گناہ بھی اسی بلانے والے پر ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: ''من دعا الیٰ ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہٗ لا ینقص ذلک من اجورھم شیئا و من دعا الیٰ ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہ لاینقص ذلک من آثامھم شیأ''۔ ''جو کسی امر ہدایت کی طرف بلائے، جتنے اس کا اتباع کریں، ان سب کے برابر ثواب پائے، بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔ اور جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے، جتنے اس کے بلانے پر چلیں، ان سب کے برابر اس کے اوپر گناہ ہو اور ان کے گناہوں میں کچھ تخفیف نہ ہو۔ رواہ الائمۃ احمد و مسلم والاربعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ شہیرہ ہیں۔ بخاری شریف میں ہے: حضور اقدس صلی تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحروالحریر و الخمروالمعازفحدیث صحیح جلیل متّصل وقداخرجہ الائمۃ احمد و ابو داؤد و ابن ماجۃ والاسمٰعیلی و ابو نعیم باسانید صحاح لا مطعن فیھا و صحہ جماعۃ آخرون من الائمّہ کما قالہ بعض الحفاظ قالہ الامام ابن حجر المکی فی کفّ الرعاع اہ افادہ سیدنا العلام فی عطایا النبویّہ ۱۲ منہ)'' ضرور میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہونے والے ہیں کہ حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑے اور شراب اور باجوں کو''۔

بعض جہال بدمست یا نیم ملا ہوس پرست کہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبان خدا اکابر سلسلۂ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا تعالیٰ سے خوف، نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم وعنا بہم فواد الفوید شریف میں فرماتے ہیں: ''مزامیر حرام است'' مولانا فخر الدین زرادی، خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور کے زمانہ مبارک میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تحریر فرمایا۔ اس میں صاف ارشاد ہے: ''اما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنھم فبرئی عن ھذہ التھمۃ و ھو مجرد صوت

القوال مع الاشعار المشعرۃ من کمال صنعة الله تعالیٰ"۔ ''ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ صرف قوال کی آواز ہے، ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی سے خبر دیتے ہیں'۔

للہ انصاف! ان امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہوگا یا آجکل مدعیان خام کار کی تہمت بے بنیاد ظاہر الفساد و لا حول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔ جولوگ اس کی ممانعت پر قدرت رکھتے ہیں انہیں منع کرنا لازم۔

مسلم شریف میں ہے: ''من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یقدر فبلسانه فان لم یقدر فبقلبه و ذلك اضعف الایمان وفی روایة ولیس وراء ذلك حبة خردل من الایمان"۔ جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو چاہیے کہ مٹادے اپنے ہاتھ سے اور جو اس پر قدرت نہ رکھے تو زبان سے اس کی برائی بیان کردے اور جو اس پر بھی قدرت نہ رکھے تو چاہیے کہ دل سے برا جانے اور یہ بہت ہی ضعیف درجے کا ایمان ہے اور دوسری روایت میں ہے اور اس کے اندر رائی کے دانہ برابر ایمان نہیں۔ جس طرح امر بالمعروف اہم فرائض دینیہ ہے، اسی طرح نہی عن المنکر بھی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: "کلا واللہِ لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیضربن الله قلوب بعضکم علیٰ بعض ثم لیلعنکم کما لعنهم" ۔ ''یوں نہیں خدا کی قسم! یا تو تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروگے یا اللہ تعالیٰ تمہارے دل آپس میں ایک دوسرے پر مارے گا پھر تم سب پر لعنت اتارے گا، جیسی ان بنی اسرائیل پر لعنت اتاری''۔ قال تعالیٰ: 'لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی بن مریم ذلك بما عصوا و کانوا یعتدون کانوا لایتناهون عن منکر فعلوه لبئس ما کانوا یفعلون" ۔ ''بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت پڑی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے کا یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔ برے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے ضرور یہ فعل ان کا سخت بُرا تھا''۔

علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت اس آیۃ کے فرماتے ہیں: ''و فیه دلیل علیٰ ان ترك النهی عن المنکر من العظائم فیا حسرۃ علیٰ المسلمین فی اعراضهم عنه" ۔ ''اور اس آیت میں دلالت اس بات پر ہے کہ نہی عن المنکر نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ افسوس ہے مسلمانوں کے حال پر اس کے چھوڑ دینے میں''۔

اگر چہ مانا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ ہر شخص پر فرض، نہ ہر حال میں واجب بلکہ بعض صور میں شرع ہی اس کے ترک کی ترغیب دے گی جبکہ اس سے کوئی فتنہ اشد پیدا ہو۔

شرح عقائد جلالی بحث الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں ہے: "و شرطه ای شرط وجوبه و ندبه ان

لایودی الیٰ الفتنة فان علم انه یؤدی الیها لم یجب ولم یندب بل ربما کان حراماً"۔ "مگر جولوگ ذی قوت اور اہل اختیارات ہیں کہ ان کے منع کر دینے سے لوگ رک جائیں گے، ان پر فرض ہے کہ جس طرح ممکن ہو لوگوں کو روک دیں۔ انہیں صرف قلب سے برا جاننا کافی نہ ہوگا"۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں محیط سے ہے: "ان الامر بالمعروف علیٰ وجوہ ان کان یعلم با کبر رأیه انه لوامر بالمعروف ویقبلونه ویمتنعون عن المنکر فالامر واجب علیه ولا یسعه ترکه"۔ "اگر جانتا ہے کہ اس کے امر بالمعروف کرنے کو لوگ قبول کریں گے، برائی سے باز آئیں گے تو اس پر امر بالمعروف واجب ہے، اسے چھوڑ نہیں سکتا"۔

شرح شفا ملا علی قاری میں ہے: "الانکار القلبی لا یکون کافیاً الا للعاجزعن انکار بیدیه اولسانه"۔ "انکار قلبی کافی نہ ہوگا مگر اس شخص کے لئے جو عاجز ہے انکار لسانی یا ہاتھ سے منع کرنے سے اور جو شخص اس پر قدرت رکھتا ہے اور پھر باوصف قدرت ترک کرے گا، ضرور گنہگار ہوگا"۔

سائل کا مطلقاً اہل قبور سے استمداد کو شرک بتانا، اختلاط وہابیاں سے ناشی۔ اولیائے کرام سے انہیں واسطۂ فیض الٰہی جان کر استمداد و استعانت ہرگز گناہ تک نہیں۔ حدیثوں کی تو گنتی نہیں۔ بے شمار احادیث میں حکم استعانت وارد۔ خود رب العزت جل وعلا فرماتا ہے: واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ اور استعانت کرو صبر اور صلوٰۃ سے اور یقینی قطعی اجماعی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا حکم نہیں دیتا اور نہ شرک میں تفریق ہے کہ صبر وصلوٰۃ خدا تعالیٰ کے شریک ہو سکتے ہوں، انبیا واولیا نہیں اور اگر یہ شرک ہی ہے تو جب خدائے تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر فرماتے ہیں تو ہم اس کے بندے ہیں، اس کا اتباع واجب۔ ایسے شرک پر جس کا اللہ تعالیٰ ورسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں، ان چمرتوحیدیوں کی لاکھ توحیدیں قربان۔

قال الله تعالی :ما اتکم الرسول فخذوه۔ وقال الله تعالی : ومن یطع الرسول فقد اطاع الله۔ وقد افرد الحضرة الشیخ فی هذاالباب رسالة سماها "برکات الامداد لاهل الاستمداد"۔

متعدد احادیث میں زیارت قبور کو عورتوں کے لئے ناجائز فرمایا بلکہ لعنت تک آئی۔ قال هذا حدیث حسن صحیح والامام احمد فی مسنده وابن ماجة فی سننه والحاکم فی المستدرك عن حسان بن ثابت رضی الله تعالی عنه **مگر بعد کو اجازت دے دی گئی۔**

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "نهینا کم عن زیارة القبور فزوروها رواه محرر المذهب النعمانی الامام محمد بن الحسن الشیبانی فی الاٰثار عن امامنا الاعظم عن ابن بریدة الاسلمی عن ابیه رضی الله تعالی عنه عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم قال وبهذا ناخذ لا بأس

بزیارۃ القبور للدعا للمیت ولذکر الآخرۃ وھو قول ابی حنیفۃ ومسلم وابو داؤد والترمذی وابن حبان والحاکم عن ابن بریدۃ رضی اللہ تعالی عنہ"۔

علما کو اختلاف ہوا کہ اس اجازت میں عورت بھی داخل ہیں یا صرف مردوں کے لئے حکم ہوا۔ اصح مذہب میں عورتیں بھی داخل ہیں۔

فتاویٰ علمگیریہ میں ہے: "اختلف المشائخ فی زیارۃ القبور للنساء قال شمس الائمۃ السرخسی الاصح انہٗ لا بأس بھا"۔

جامع الرموز میں ہے: "وزیارۃ القبور مستحب للرجال وکذلک للنساء علی الاصح"۔

مختار الفتاویٰ میں ہے: "لا بأس بزیارۃ القبور وھو قول ابی حنیفۃ وظاہر قول یقتضی الجواز للنساء ایضاً لانہ لم یخص الرجال"۔

کشف بزودی علامہ فخر الاسلام علی بن محمد جلد ۳ صفحہ ۱۸۶ میں ہے: "والاصح ان الرخصۃ ثابت للرجال والنساء جمیعاً"۔

بحرالرائق میں ہے: "الاصح ان الرخصہ ثابتۃ لھما"۔

درمختار میں ہے: "لا بأس بزیارۃ القبور ولو للنساء لحدیث کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا"۔

ردالمحتار میں ہے: "قولہ وبزیارۃ القبور بل تندب کما فی البحر عن المجتبیٰ فکان ینبغی التصریح بہ للامر بھا فی الحدیث المذکور کما فی الامداد"۔

مگر غنیۃ وغیرہ میں اسے مکروہ فرمایا: ونصہ "ویستحب زیارۃ القبور للرجال وتکرہ للنساء"۔ **علما نے اسے تطبیق دی اور فرمایا کہ اگر تجدید حزن و بکاء کے لئے ہے جیسی ان کی عادت ہے تو ناجائز و ممنوع ہے اور اگر عبرت حاصل کرنے کے لئے اور قبور صالحین کے ساتھ برکت حاصل کرنے کی غرض سے ہے تو بوڑھیوں کو اجازت ہے مگر جوان عورتوں کے لئے اجازت نہیں جیسے مساجد میں حضور جماعت سے منع کی گئیں**

شامی میں ہے: "وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علی ماجرت بہ عادتھن فلا یجوز وعلیہ حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور وان کان للاعتبار والترحم من غیر بکاءٍ والتبرک بزیارۃ قبور الصالحین فلابأس اذاکن عجائز ویکرہ اذاکن شواب کحضور الجماعۃ فی المساجد اھ وھو توفیق حسن"۔

مگر از انجا کہ احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں، **فتاویٰ رضویہ** میں فرمایا: "اقول قبور اقرباء پر خصوصا بحال قرب عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزاراتِ اولیائے کرام میں احدالشناعتین کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراط نا جائز، تو سبیل اطلاق منع ہے ولہذا غنیۃ میں کراہت پر جزم فرمایا۔ البتہ خاکبوسی آستانِ عرش نشان سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قرب واجبات سے ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے"۔

خزانۃ المفتین وفتاویٰ علمگیریہ میں **فتح القدیر** سے ہے: "قال مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ انها افضل المندوبات"۔

مناسک القاری شرح المختار میں ہے: "انها قريبة من الوجوب لمن له سعة"۔

شفائے امام قاضی عیاض مع شرح ملا علی قاری میں ہے: "(زيارة قبره صلى الله تعالیٰ عليه وآله وسلم سنّة من سنن المسلمين مجمع عليها) اى مجمع علیٰ کونها سنة وممن ادعى الاجماع النووى وابن الهمام بل قيل انها واجبة اه والله تعالى اعلم قلت و كذا العلامة ابن حجر فى الجوهر المنظم فى زيارة قبر النبى المكرم۔

اللهم ارزقنا زيارة حرمك و حرمه الابقى وادم علينا الاقامة بحرمة صلى الله تعالى عليه وآله وسلم الیٰ ان نتوفیٰ و متعنا بشفاعته الاشفیٰ واوردنا حوضه الاصفیٰ واسقنا بكأسه الاوفیٰ امين واخردعوينا ان الحمدُ لله رب العٰلمين والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله و آله وصحبه اجمعين الیٰ يوم الدين"۔

(اس فتوے پر اخیر میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اور مولانا عبدالمقتدر بدایونی علیہ الرحمہ کی تصدیقات بھی ہیں، لیکن ان کا یہاں ذکر کرنا بے محل ہے، اس لئے حذف ہوئیں۔ ۱۲ ساحلؔ)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده ونصلى علىٰ رسوله الكريم

اما بعد۔ تحریراتِ فریقین نظر سے گذریں۔ محرمین فاتحہ نے جس حیا و دیانت سے کام لیا ہے، عیاں ہے۔ عیاں را چہ بیاں۔ مسئلۂ فاتحہ کو علمائے اہلِ سنت كثر الله تعالیٰ امثالهم نے اس طرح ثابت فرمایا ہے کہ باحیا مخالف کو بھی بجز تسلیم، چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ بقدرِ ضرورت انہی حضرات کے فیوض سے فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے بھی اسے رسالہ " مواهب ارواح القدس لكشف حكم العرس" میں بعض تصریحات اور دس سندیں اس مضمون پر ذکر کیں۔ اگر چہ روئے سخن وہاں جانب عرس تھا مگر حکم، فاتحہ وعرس دونوں کا ایک۔ فالبيان و البيان و الدليل و الدليل۔ اس تحریر میں تمام

لغو وبے تعلق مباحث مناظرہ وحملہ ہائے ذاتی این وآن وبہ ہماں وفلاں سے قطع نظراورصرف وضاحتِ مرام وازاحتِ اوہامِ مقصود۔ وماتوفیقی الا بالملك المعبود۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ مجمل ومختصر جواب، موضح حق وصواب، دافعِ شک وارتیاب، نافعِ اولی الالباب ہو۔ ناظرین سے مامول کہ براہ بشریت خطا پائیں، دامنِ عفو میں چھپائیں اورحق کے لئے بحکم " انظر الیٰ ما قال ولا تنظر الیٰ من قال" امیدِ قبول۔ وما توفیقی الا باللہ العزیز الحلیل وھو حسبی ونعم الوکیل فاقول باللہ التوفیق وبہ الوصول الیٰ ذری التحقیق۔

اموات مسلمین وعلمائے عاملین وصلحائے کاملین وانبیاء ومرسلین علیہم التحیۃ والتسلیم کو فاتحہ ودرود وقرآن خوانی وطعام خورانی وغیرہا اعمالِ صالحہ کا ثواب پہنچانا گو بتعیین تاریخ ودیگر قیود جائزہ رائجہ ہو، بے شبہ جائز ومباح بلکہ مستحسن ومندوب وشرعاً مقصود ومطلوب ہے۔ جس کے لئے قطع نظر تمام اسناد ودلائل وتصریحات معتمدان فرقۂ مخالفین وتلویحات ائمۂ منکرین، اصل اشیاء میں مذہبِ صحیح ومعتمد ومختار جمہور حنفیہ کرام خصھم اللہ باللطف والاکرام پر اباحت ہوناہی کافی ووافی دلیل ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے۔ اسے دلیل کی کیا حاجت؟ دلیل تو ان حضرات کو دینی چاہئے جو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء کرتے، حرمت یا لااقل کراہت کی پکار پکارتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

رہا یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے بھی یا خواہ مخواہ قائل جواز متمسک باصل ہے؟ اجلۂ اکابر علمائے اہل سنت نے ایسے واضح اورصاف لفظوں میں ثابت فرمایا ہے کہ

گرآں جملہ راسعدی املا کند   مگر دفتر دیگر انشا کند

مگر بمضمون " مالا یدرك کله لا یترك کله" ان میں سے صرف بعض کا افاضہ اوربنظر اتمام حجت تاکہ پھر کسی کو، پرانا مغالطہ، اور ''دھوکے کی ٹٹی'' کہنے کی جرأت نہ ہو، تحریراتِ معتمدینِ مخالفین بلکہ ائمۂ منکرین کا اضافہ ضرور۔

قال عز من قائل: "ھُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُم مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" (البقرۃ ۲۹) ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے " (کنزالایمان)

علامہ حافظ ابن ابوالبرکات نسفی مدارک التنزیل میں تحت اس آیۃ کے فرماتے ہیں: ''قد استدل الکرخی وابو بکر الرازی والمعتزلہ بقولہ خلق لکم علیٰ ان الاشیاء التی یصلح ان ینتفع بہا خلقت مباحۃ فی الاصل۔ "

مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے مروی: '' کان اھل الجاھلیۃ یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذرا فبعث اللہ نبیہ وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصید، باب ما یحل اکلہ وما یحرم)"۔

شیخ محقق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ''ازایں جا معلوم می شود کہ اصل دراشیاء اباحت است۔''

ملاعلی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں تحت حدیث" الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ

فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ رواہ الحاکم فی المستدرک عن سلمان الفارسی" فرماتے ہیں:"
فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ"
اشعۃ اللمعات میں ہے:"وایں دلیل است برآں کہ اصل دراشیاء اباحت است۔"
مرقاۃ میں زیرِ حدیث "ان اللہ فرض فرائض ولا تضیعوھا وحرم حرمات فلا تنتھکوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا" ہے:" دل علیٰ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔"
علامہ قاسم ابن قطلوبغا، شاگرد رشید محقق علی الاطلاق اپنے بعض تعالیق پھر علامہ حموی "غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر" میں تحت قول "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" تحریر فرماتے ہیں: "ذکر العلامۃ قاسم بن قطلوبغا فی بعض تعالیقہ ان المختار ان الاصل الاباحۃ عند جمھور اصحابنا۔"
ھدایہ فصل حداد میں ہے:" الاباحۃ اصل"۔
علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اشباہ میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا اور اس پر مسائل متفرع فرمائے۔
حیث قال:" ویتخرج علیھا ما اشکل حلہ فمنھا الحیوان المشکل امرہ والنبات المجھول سمیتہ۔"
حموی میں ہے:" قولہ النبات المجھول الخ یعلم منہ حل شرب الدخان"
ردالمحتار جلد اص ۱۰۹ میں ہے:"صرح فی التحریر ان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ والشافعیۃ اہ وتبعہ تلمیذہ العلامۃ قاسم وجریٰ علیہ فی الھدایۃ فی فصل الحداد وفی الخانیۃ من اوائل الحظر والاباحۃ وقال فی شرح التحریر" ھو قول معتزلۃ البصرۃ وکثیر من الشافعیۃ واکثر الحنفیۃ لا سیما العراقیین قالوا" والیہ اشار محمد فی من ھدد بالقتل علیٰ اکل المیتۃ او شرب الخمر فلم یفعل حتیٰ قتل بقولہ خفت ان یکون اثما لان اکل المیتۃ وشرب الخمر لم یحرما الا بالنھی عنھما فجعل الاباحۃ اصلا والحرمۃ بعارض النھی ویقول ایضا انہ قول اکثر اصحابنا واصحاب الشافعی، الشیخ اکمل الدین فی شرح اصول البزدوی اہ۔"
اس میں علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے:" لیس الاحتیاط فی الافتراء علیٰ اللہ تعالیٰ باثبات الحرمۃ او الکراھۃ الذین لا بد لھما من دلیل بل فی الاباحۃ التی ھی الاصل۔"
علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا امڈ رہے ہیں، کہاں تک کوئی لکھے۔ اب ایک دو فتوئی وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وسعتِ علم وفسحتِ ذکاء وفہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں۔ اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔
چونتیسویں سوال "رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہبند باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواوں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟" کے جواب میں ہے "ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔

بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط''۔

یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ''فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے''۔ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع و ناجائز رہے گا''۔ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بانفراد ہا جائز ہیں تو جو امور بانفراد ہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنالینا، دھوکے کی ٹٹی ہے''۔ نہ ٹکے کی پانچ والی دو ورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ ''یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔ (ص ۱ س ۱۱) نہ یہ کہا کہ ''یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ ہیئات بدعت سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی'' ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اسی طرح اسی کے ص ۳۷ سوال ''رنگ انگریزی پڑیا کا جو بکس میں آتا ہے، رنگنا کپڑے کا اس سے درست ہے یا نہیں، اگر ناجائز ہے تو بوجہ رنگت کے یا کسی اور وجہ سے؟'' کے جواب میں لکھتے ہیں: ''رنگ انگریزی میں شراب پڑتی ہے۔ لہٰذا اس رنگ کا استعمال درست نہیں۔'' اسی طرح اس کے ص ۸۵ پر اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ''پڑیا کا رنگ تو بسبب نجاست شراب کے، مرد و عورت دونوں کو درست نہیں۔'' دیکھئے حرمت بوجہ عارض شراب مانا، جو صاف بتا رہا ہے اصل میں اباحت ہے۔ ہاں اس عارض کی وجہ سے ناجائز ہوا۔ یہ نہ کہا کہ فقہ کی کتاب میں انگریزی پڑیا کے رنگ کا کہیں نام ونشان نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالکل بے اصل ہے، نہ یہ کہا کہ ''بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو، ممنوع و ناجائز رہے گا''۔ نہ یہ کہا کہ انگریزی پڑیا کا رنگ کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک اس کا منقول ہونا یا کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ ہو، تب تک یہ بدعت سیئہ رہے گا۔ وغیر ذلک من التقریرات التی لا طائل له تحتها۔

اسی طرح ص...... پر سوال ''کانچ کی چوڑیاں جو عورتیں پہنتی ہیں، جائز ہیں یا نہیں؟ کے جواب میں لکھا'' درست ہیں۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ'' دیکھئے حکم درستی دے کر، آیت شریفہ لکھ کر یہ پوچھا کہ اسے حرام کس نے کیا؟ یعنی جب حرام کسی نے نہیں کہا، تو اصل اباحت پر درست ہے، وہ تقریریں جاری نہ کیں۔

اسی طرح ص ۴۹ پر سوال، نمازی کے روبرو جوتیوں کا موجود رہنا کہ جو مستعمل ہوں، موجب کراہت ہے یا نہیں؟'' کے جواب میں لکھا ''مصلی کے آگے اگر جوتا مستعمل رکھا ہے، اس کی کوئی کراہت منقول نہیں۔ لہذا کچھ حرج نہیں''۔ کراہت کا نہیں منقول ہونا ہی اباحت کو بس ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ وہ نفیس تقریر جاری نہ کی کہ ''مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ دین سے منقول نہیں۔ اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو بدعت جانیں۔ لہذا مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، بدعت ولعنت ہے۔ وغیر ذلک من الاحکام۔

پس تقریر بالا سے جب ثابت ہو چکا کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اسے ''پرانا مغالطہ'' اور ''دھوکے کی ٹٹی'' کہنا صریح مغالطہ ہے۔ تو جب تک مخالفین فاتحہ بہیئت کذائی کی حرمت یا کراہت، ادلۂ شرعیہ سے ثابت نہ کریں گے، اپنی اصل پر رہے گا۔ حرام یا بدعت یا مکروہ وغیرہا نہ ہوگا۔

رہا محشی روداد اور ''صاحبِ فاتحہ مروجہ کا فیصلہ'' کا عبارتِ درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بنانا، محض ''یاد رہوا'' اور ''رود رفتا'' اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہ عز وجل فقیر نے اپنے رسالہ ''مواہب ارواح القدس'' میں بروجہ تام و مالا کلام کر دیا ہے فلتطالع۔ صاحب ''دافع التلبیسات'' نے اسی مضمون کے متعلق زیر قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبد الرحیم کو لکھا: ''ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت و جہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیر ذلک''۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف ''المرء یقیس علی نفسه'' کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: ''الاصل فی الاشیاء الاباحة'' حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ۔ عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار، یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارت تحریر ابن ہمام والی یہ ہے '' المختار الاباحة عند جمهور الحنفية و الشافعية'' اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع

چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

فاتحہ کے جواز میں دلیل کو پیش کرنا، بے موقع کیوں؟ کیا جو چیز یا اس کے تمام اجزاء، قرآن وحدیث سے ثابت ہوں وہاں اس قاعدہ کو پیش کرنا بے موقع لکھ دیا ہے یا صرف رائے شریف ہے؟ جسے تصنیفاتِ علماء تک دسترس، وہ اس کی صدہا نظیریں کتب ائمہ میں پائے گا۔ ایک نظیر حاضر ہے۔

زینت کے بارے میں کھلے الفاظ قرآن شریف کے "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ" الآیة (الاعراف: ۳۲) ''تم فرماؤ! کس نے حرام کی اللہ کی زینت'' (کنز الایمان) موجود تھے۔ پھر امام برہان مرغینانی نے ام ولد اور منکوحہ بنکاح

فاسد پر عدم احداد کی دلیل میں فرمایا:" لانھا ما فاتھا نعمۃ النکاح لتظھر التعسف والاباحۃ اصل" (الھدایہ ۲/ ۴۰۸)۔قرآن شریف سے ثابت ہونے کے بعد پھر الاباحۃ اصل پیش کرنا بے موقع ہے یا نہیں؟ اعظم گڑھی صاحب کا کہنا ''تیسرا قول مسلم الثبوت اور اس کی شروح سے نقل کیا ہے باوجودیکہ حق تحریف خوب ادا کیا ہے''، منصف مزاج خیال کرسکتا ہے کس درجہ اپنے موقع محل پر ہے۔اس نقل میں کیا تحریف ہوئی؟ کیا کوئی فقرہ درمیان سے اپنے مخالف گھٹا دیا یا کچھ الفاظ زائد کردیے، کیا کیا؟ شاید اپنے خیال میں پورے مسئلہ سے دوسرے مسئلہ تک عبارت نہ لکھنے کو تحریف خیال کر رہے ہیں۔

جناب من! ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ استدلال ایک جملہ سے ہو اور دلیل، صفحہ دو صفحہ یا کما بیش کی عبارت نقل کردی جائے۔ہاں نقل میں کچھ الفاظ انھوں نے ضرور چھوڑ دیے مگر وہ اہل سنت کو مضر، نہ وہابیہ کو مفید۔اب میں آپ کے لئے پوری عبارت نقل کرکے پوچھتا ہوں کہ اس عبارت سے آپ نے کیا فائدہ اٹھایا اور مجیب کو کیا ضرر ہوا؟۔

فاضل بہاری فرماتے ہیں " واما الخلاف المنقول بین اھل الحق ان اصل الافعال الاباحۃ کما ھو مختار اکثر الحنفیۃ والشافعیۃ او الحظر کما ذھب الیہ غیرھم وقال صدر الاسلام الاباحۃ فی الاحوال والحظر فی الانفس فقیل ھذا الخلاف وقع بعد الشرع بالادلۃ السمعیۃ ای دلت علیٰ ان ما لم یکن فیہ دلیل التحریم ماذون فیہ او ممنوع عنہ وفیہ ما فیہ"

بلکہ خدا انصاف دے تو آپ کو مجیب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ اس نے پوری عبارت نقل نہ کرنے سے آپ کی دو جہالت فاحشہ پر پردہ ڈالا۔عبارت منقول کے قبل یہ الفاظ ہیں" واما الخلاف المنقول بین اھل الحق"۔دیکھئے کیسا رد ہے آپ کے قنوجی صاحب کا کہ چھوٹا منہ بڑی بات۔اہلِ حق کے درمیان جو خلاف ہے، جس کے دونوں فریق اہلِ حق۔یا صاف لفظوں میں مسلم الثبوت کا دوسرا نسخہ دیکھئے" بین اھل السنۃ"تو جس کے قائل اہل سنت اور نہ صرف اہلِ سنت بلکہ علماء و اکابرِ اہلِ سنت کہ عوام کیا اور ان کی بات کیا؟ تو ضرور یہ خلاف اکابرِ علماء اہلِ سنت میں ہے۔مشتہر صاحب اپنی کمالِ عقل مندی و وسعتِ علم سے جسے پرانا مغالطہ اور''دھوکے کی ٹٹی'' فرما رہے ہیں۔سچ ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ع بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

اسی طرح اخیر کی عبارت بھی آپ کا کھلا رد ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر مان بھی لیا جائے کہ اکثر حنفیہ وشافعیہ کا مذہب اصل اشیاء میں تحریم کا ہے تو وہابیہ کو کیا مفید ہے؟ کہ صحیح مذہب پر یہ خلاف تو زمانۂ فترت کا ہے۔دیکھئے فاضلِ بہاری نے'' قائلین بعد الشرع'' کے قول کو'' قیل'' کے ساتھ تعبیر فرمایا، جو مشہور ہے کہ ضعف کی طرف جاتا ہے۔پھر اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ صاف فرمایا'' وفیہ ما فیہ''۔

حضرت بحر العلوم شرح میں فرماتے ہیں:'' اذ یظھر من تتبع کان الخلاف قبل ورود الشرع ومن ثم لم یجعلوا رفع الاباحۃ الاصلیۃ نسخا لعدم خطاب الشرع فتدبر"

حضرت بحر العلوم نے اس کی طرف اشارہ فرما کر اس مضمون کی ایک تمہید کے بعد بہت واضح طور پر تصریح فرمائی:''

فاذن لیس الخلاف الا فی زمن الفترة التی اندرست فیه الشریعة بتقصیر من قبلهم". کہ اذ کیا ءتو ''فیہ مافیہ''، ہی سے سمجھ لیں گے۔ مگر متوسطین اگر اس سے نہ سمجھ سکے تو ''منہیہ'' سے ضرور حق جان لیں گے۔ مگر آپ جیسے عالی دماغ، روشن خیال حضرات سے ضرور خیال تھا کہ ''فیہ مافیہ'' کا مطلب بجز ''اس میں وہ ہے جو اس میں ہے'' کچھ نہ سمجھیں گے اور اگر حاشیہ کا مطلب کچھ سمجھ بھی لیں تو ضرور ''فتدبر'' دیکھ کر اسے اپنے پس پشت ڈال دیں گے۔ لہذا اضاف فرمایا" فاذن الخ"

اب ذرا انصاف سے کہئے کہ مجیب نے تحریف کی یا اس نے آپ پر احسان کیا اور آپ نے احسان فراموشی فرمائی ۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

جناب من! تحریف اسے کہتے ہیں جو قدیم زمانہ سے منکرانِ فاتحہ کرتے چلے آئے۔ ''مشتے نمونہ ازخروارے'' بعض کبراء طائفہ کی بعض بعض تحریفات دیکھئے اور برعایت فرمایئے کہ دراصل تحریف اسے کہتے ہیں۔ میرا محض افتراء تھا جو مجیب کو لکھا ''حق تحریف خوب ادا کیا''۔ سب وہابیہ کے پیشوا اور مولیٰ منتہٰی سلاسل الوہابیہ، مولوی اسمٰعیل دہلوی کی ''تقویت الایمان'' ملاحظہ ہو۔ آیہ کریمہ ''وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' الآية (یونس : ۱۸) ''اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے'' (کنزالایمان) لکھ کر ترجمہ کیا ''اور پوجتے ہیں وے اللہ سے ایسی چیز کو کہ نہ کچھ فائدہ دے، نہ کچھ نقصان۔'' آفت کی ف لکھ کر یہ فائدہ چڑھایا ''یعنی جن کو لوگ پکارتے ہیں، ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہیں دی۔'' کہئے! وہ آیت کہ کفار کے حق میں نازل ہوئی، براہِ دیانت مسلمانوں پر ڈھالنا، یعبدون من دون الله کا مطلب ''جن کو لوگ پکارتے ہیں'' لینا تحریف ہے کہ نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

آیہ کریمہ ''اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا الآیہ''(مریم : ۹۳) ''آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے'' (کنزالایمان) لکھ کر مطلب یہ لکھا ''کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا'' یہ کس لفظ کا مطلب ہے؟ اور اگر یہ سالبہ کلیہ صحیح ہو تو '' وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ،، (الحشر: ٦) کا کیا مطلب ہے؟ اس سے بڑھ کر کھلی تحریف دیکھئے۔ '' وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا'' (مریم : ٩٥) کا مطلب لکھا ''اور ہر کوئی اپنے معاملہ میں اس کے روبرو اکیلا اکیلا حاضر ہونے والا ہے''۔ اور اگلی آیت ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا،(مریم : ٩٦) ''بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھا کام کئے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کر دے گا'' (کنزالایمان) آیہ کریمہ ''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ'' الآیة (الأنبیاء : ٢٥) ''اور ہم نے تم سے پہلے کوئی کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے''۔ (کنزالایمان) لکھ کر فائدہ لکھا ''یعنی جتنے پیغمبر اللہ کے ہیں، اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانئے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانئے''۔ کہئے! فاعبدون کا معنیٰ ''اللہ کو مانیئے اور کسی کو نہ مانیئے'' اس کا کھلا مطلب کہ رسول، کتاب، ملائکہ، جن، دوزخ، جنت وغیرہا ضروریات کسی چیز کا ماننا روا نہیں، بلکہ نہ ماننے کا حکم، اور وہ بھی ایسا مسترکہ سب شریعتوں میں اس کا حکم آیا۔ ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ کہئے صاحب یہ تحریف ہے یا نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

غرض یہ سوختنی کتاب تمام اسی قسم کی تحریف سے بھری پڑی ہے۔ جہاں آیت یا حدیث لکھ کر فائدہ چڑھایا، کوئی نہ کوئی آفت ڈھائی۔

اب دوسرے امام مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کو دیکھئے ان کی بھی ''مائۃ مسائل''، ''مسائل اربعین'' اسی قسم کی تحریفات سے پُر ہے۔ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو آپ کے مولوی امداد مصنف رسالہ ''امداد المسلمین'' نے کی کہ صلوٰۃ الرغائب ونماز نصفِ شعبان کے بارے میں کہا: ''اگرچہ بعض فقہاء نے جیسے صاحب درمختار وغیرہ، حدیث پر اعتماد کر کے جواز لکھ دیا ہے۔ لیکن ائمۂ محققین واجلۂ فقہاء کرام مثلاً امام ابوشامہ اور امام یافعی اور ابن حجر مکی اور صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق دہلوی، غرض سب محدثین وفقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور یہ نماز مذموم بلکہ اس پر بہت کچھ تشنیع کی ہے اھ ملتقطا''۔ حالانکہ امام یافعی نے باب نقلِ قولِ ذم، اپنی تحقیق فرمائی کہ تنہا پڑھے اور سنت نہ جانے تو حرج نہیں۔

" حيث قال نعم لو صلاهما انسان وحده مع اعتقاده انهما ليس بسنة، لم ار بذلك باسا" اه مختصرا۔

ملا علی قاری شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں: "ويحافظ الرواية وسائر السنن وكل ما ورد فضيلة كصلاة الرغائب وليلة النصف من شعبان وكانوا يواظبون عليها۔ "

اسی طرح ملک مظفر سلطان اربل کہ مولد شریف میں غایت درجہ اہتمام بجالاتا، ڈپٹی صاحب نے اس جرم پر خفا ہو کر تاریخ ابن خلکان سے اس کا فسق ثابت کرنے کو چند فقرے نقل کئے اور ان کی نقل میں حسبِ دابِ طائفہ دو تین حرف جو مذمت پر دال تھے، نقل کئے۔ باقی تعریفوں کے عظیم دفتر ہضم۔ دیکھئے جہاں پر مذمت نقل کی، اسی جگہ اسی بیان میں یہ عبارت اڑا گئے'' كان له فى فعل الخير غرائب ولم يسمع ان احدا فعل فى ذلك ما فعله''کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ '' انه كان لا يتعاطى المنكر'' کیا یہ الفاظ نہ تھے؟'' كان كريم الاخلاق كثير التواضع حسن العقيدة''، کیا یہ الفاظ نہ تھے؟'' لو استقصيت فى تعداد محاسنه لطال الكتاب فى شهرة معروفة غنية عن الاطالة''۔

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ'' معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ وشافعیہ کے مکروہ ہے''۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق وفقیہ ومحدث جلیل شیخ محقق قدس سرہٗ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں:'' فقہاء را در جواز معانقہ وکراہت آں اختلافے وتفصیلے ست وصحیح جوازِ اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد''۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منھ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ ''تفہیم المسائل'' ص ۲۷ پر انکارِ استمداد کے لئے'' مطالب المومنین'' سے نقل کیا" يكره الانتفاع بالقبر" اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ'' قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں''۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: " يكره التمتع بالمقبرة وان لم يبق آثاره'' قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے ''اگرچہ'' کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جوازِ انتفاع کا گمان ہو، لہٰذا تصریح کردی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنالیا؟۔ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!

جناب قنوجی نے اسی کے ص ۱۸، ۱۹ پر مسئلہ بناء علی القبر میں عبارت تنویر الابصار'' ولا یجصص ولا یطین ولا یرفع علیه بناء وقیل لا باس به'' کی نسبت دعویٰ کیا کہ لا باس به کی ضمیر تطیین کی طرف ہے نہ بناء کی۔ اور براہ تغلیط عوام، طوالع الانوار کا حوالہ دے دیا حالانکہ طوالع میں خود مرجع دونوں بیان کیا ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے '' قیل لا بأس به ای بالتطیین والبناء'' کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں کہ باوجودیکہ طوالع میں صاف خلاف مذکور تھا، اس کو ہضم کر کے اور الٹا الزام طوالع کے سر دھرا؟

اسی کے ص ۵۲ پر شد الرحال کے مسئلہ میں طوالع کی صرف اتنی عبارت نقل کی کہ امام الحرمین اپنے استاد سے منع نقل کرتے ہیں کہ کبھی مکروہ کہتے، کبھی حرام اور امام سب کو ممنوع یا قریب بہ عبث کہتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں قولوں کے بیچ کا یہ ٹکڑا'' وقال الشیخ ابو علی لا یحرم ولا یکره'' اور اخیر سے اس کی ترجیح'' بقوله فیترجح ما قاله ابو علی''۔ کہئے جناب اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں۔

یہ سب جانے دو۔ معتمد الکل فی الکل، اپنے آقا و مولیٰ و بکل شیء اولیٰ، گنگوہی صاحب، براہینِ قاطعہ طبع جدید ص ۵۱ پر جب علم غیب کی نفی پر اترتے، تو لکھتے ہیں: ''اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں''۔ وہ تو یہ سفید ''سچ'' لکھ کر چلتے بنے۔ اب آپ ہی لوگ مہربانی فرما کر دکھایئے کہ شیخ محقق نے کہاں روایت فرمایا ہے؟ شیخ محقق نے تو مدارج شریف میں صاف تحریر فرمایا:

''ایں جا اشکال می آرند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ گفت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من بندہ ایم، نمی دانیم آنچہ پسِ ایں دیوار است۔ جوابش آنست ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نہ شدہ است''۔

دیکھئے حکایت کا روایت بنایا اور صاحب کتاب نے ایک قول مردود نقل کر کے اس کا رد کیا کہ ''ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ'' گنگوہی صاحب نے ابتدا سے الفاظِ نسبت، آخر سے عبارتِ رد اڑا دی۔ اور بیچ کا جملہ پکڑ کر صاحب کفایت کی طرح نسبت کردی۔ انصاف سے کہئے! اس کا نام تحریف ہے یا اُس کا جو مجیب نے کیا؟

بیانات سابقہ ابین من الشمس واظہر من الامس سے ثابت ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ تو جب تک مانعین، فاتحۂ مروجہ کی حرمت یا کراہت کا ثبوت نہ دیں گے، حرمت یا کراہت کا حکم محض غلط اور خبط بے ربط ہے۔

سندِ دوم جسے...... صاحب نے پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی فرمایا، وہ یہ کہ فاتحہ مجموعہ امور خیر کا ہے اور مجموعہ خیر کا خیر ہی رہتا ہے۔ اجلۂ اکابر علماء اسی دھوکے کی ٹٹی اور پرانے مغالطہ سے صدہا مسائل پر دلیل لائے۔

مواقف الکلام میں ہے: "وان حصول کل حرف مشروط بانقضاء الآخر فیکون له اول فلا یکون قدیما فکذ المجموع المرکب منها۔"

شرح عقائد نسفی میں حدوث جواہر واعراض سے حدوث عالم پر استدلال کیا کہ جب اجزا حادث ہیں، مجموعہ بالضرور حادث ہوگا۔ (ناقص الآخر)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از موضع بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان ۵؍صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا اور تعزیہ پر مہندی اور ملیدہ اور کھچڑہ وغیرہ چڑھانا یعنی تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ دینا اور علم یعنی نشان چڑھانا کیسا ہے اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

تعزیہ داری رائج الوقت قطعا بدعت وناجائز وحرام ہے۔ ہاں روضہ اقدس حضور سید الشہداء کے صحیح نقشے بقصد تبرک، بے آمیزش منہیات، جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظمہ وروضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں، اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ فاتحہ امام ہمام ودیگر شہداء کرام واولیائے عظام وسائر اہل اسلام کھچڑہ، ملیدہ پر ہو یا کسی اور کھانے پینے وغیرہ پر یا تنہا فاتحہ ہر طرح جائز ومندوب وموجب اجر ہے۔ مگر وہ فاتحہ تعزیہ کی نہ ہو کہ تعزیہ کو ثواب پہنچانے کے کوئی معنی نہیں۔ نہ تعزیہ رکھ کر ہو کہ یہ محض فضول بلکہ قرآن شریف کے ساتھ اسائت ادب ہے۔ خصوصا جب کہ تعزیہ میں پری یا براق وغیرہ کی تصویریں ہوں کہ اس میں قرآن شریف کی زیادہ بے حرمتی اور نزول رحمت سے بالکل اجنبی اور ذکر شہادت شریف نظم میں ہو یا نثر میں، جب کہ روایات صحیحہ مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین واہلبیت طاہرین وصحابہ مکرمین وغیرہ محرمات سے بالکل خالی ہو، بلاشبہ جائز ومستحسن وموجب ثواب ونزول رحمت وہاب ہے اور اگر شناعات مذکورہ پر مشتمل ہو تو حرام وگناہ ہے۔ نص علیه الامام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقة۔

اس لئے یہ مرثیے کہ رائج ہیں، مطلقا حرام ہیں۔ اور ان کا پڑھنا سننا اور سینہ کوبی وماتم ونوحہ سب حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: "نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المراثی۔" "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مرثیوں سے"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ مذہب اہل سنت میں تعزیہ بنانا اور مجلس مرثیہ خوانی وکتاب خوانی کرنا کیسا ہے؟ اور شربت سبیل وطعام نذر حسین معین کردہ کا، جیسے بعض مسلمان ایام محرم میں کیا کرتے ہیں اور تعزیہ چڑھایا ہوا کھانا، پینا کیسا؟ اور اگر کوئی مسلمان سنی مذہب ہو کر تعزیہ وعلم شدہ بنا دے یا اس کی زیارت کے

واسطے جاوے یا اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھاوے یا جو لوگ کھانا وشربت وغیرہ پیش تعزیہ رکھتے ہیں، یہ ان پر فاتحہ دیوے یا دلاوے اور جو کچھ اس پر چڑھایا گیا ہے پے، اور ایام محرم مجالس تعزیہ داری میں مثل شیعہ مرثیہ خوانی وکتاب خوانی میں سرگرم رہے اور شیعہ کی مجالس میں شریک رہے اور بعد مجالس کے تبرک لے کر نوش کرے اور اپنی مجلس میں شیعوں سے مرثیہ پڑھوائے، اس پر خوشی اور دفع غم میں ہر اوقات روافض کی طرح عزاداری، نذر، منت، مجلس، مرثیہ خوانی معین کیا کرے اور جب مجلس ترتیب دے، رولانے پٹانے کی غرض سے مرد اور عورتیں فراہم کرے اور ارتکاب ان تمام امور کو ذخیرہ نیکوئی اور ثواب عظیم تصور کرے۔ اور دعویٰ کہ ہم یقینی محب امام واہل بیت رسول علیہ السلام ہیں اور کسی بزرگ کے نام زد کر کے کسی مسلمان نے چھڑی وجھنڈا ونشان وغیرہ نصب کی ہو یا گور مصنوعہ قائم کیا ہو اور ان پر لوگ روپیہ پیسہ اور شیرینی، مٹھائی اور چادر وغیرہ چڑھاوے یا ان پر مرغی وبکرا وغیرہ ذبح کرے اور یہ شخص اس کھانے اور لباس کو کھائے پیے اور نقدیات وغیرہ کلھم کو پاک اور طیب سمجھ کر صرف میں لائے اور اس کو اپنی ملک وجاگیر آبادی بتلائے اور وہی شخص لوگوں کو نماز پڑھاوے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں کیا حکم ہے؟ اور وہ خورو پوش وغیرہ کیسا ہے؟ اور اگر تعزیہ داری کی خدمت یا صلہ یا جھنڈا ونشان نصب کردہ وغیرہ پر کسی نے زمین ومکان وغیرہ دیا ہو، اس زر آمدنی واشیائے مسطورہ سے نفع اٹھانا کیسا؟ فقط بینوا توجروا۔

دوسرا سوال: ایک شخص قوم کا فقیر، توانا تندرست، صاحب نصاب ہے۔ کسی اور طرح پر بھی معاش حاصل کرسکتا ہے مگر عادۃً مدام لوگوں کے گھر جا کر دربدر روٹی وغیرہ مانگتا پھرا کرتا ہے۔ اور وقت نماز وہی شخص مسجد میں پیش امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا ہے۔ اس ذلت گداگری کو معیوب نہیں سمجھتا ہے بلکہ کہتا ہے، یہ ہمارا پیشہ آبائی، ریاضت ودرویشی میں شمار ہے۔ ایسے فقیر کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اہل نصاب کو سوال کرنا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے؟ ونیز کسی ایسے ہٹے کٹے آدمی کو کہ زر ومال قابل نصاب نہیں رکھتا مگر اپنی معاش کسی پیشہ اور محنت ومزدوری وغیرہ سے بہم پہونچا سکتا ہے، ترک کر کے صرف ذلت دریوزہ گری میں قوت وپوشش وغیرہ رکھنا اس پر کیا امر قرار پائیگا؟ فقط

تیسرا سوال: بعد ختم وعظ، سامعین کا عالم واعظ سے مصافحہ کرنا درست یا مسنون ہے یا بدعت یا ممنوع؟ فقط

چوتھا سوال: قریب وبعید اگر قریہ وشہر میں مرض وبائی حیضہ وطاعون کا غلبہ ہو، اس مقام پر اور لوگوں کا آمد ورفت رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور مرض مذکورہ، کسی وجہ سے ایک کا دوسرے کو لگنا، آیا صحیح ہے جیسا کہ عوام میں شہرت رکھتا ہے یا محض غلط؟ اور جس مقام پر یہ مرض لاحق ہو وہاں سے ساکنین کا بخوف موت اور بنیت دفعیہ مرض اور جگہ چلا جانا کیسا؟ اور دوسری جگہ پہونچ کر مسلمان کا مرنا کیسا سمجھا جائیگا؟ بیان کرو جزائے نیک پاؤ گے۔

الجواب

تعزیہ مروجہ زمانہ کہ مجموعہ صدہا خرافات وہزارہا واہیات ہے، قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے۔ ذکر شہادت، سراپا سعادت جب کہ روایت صحیح مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین واہل بیت

طاہرین وصحابہ معظمین ومشائخ مکرمین ونوحہ ومرثیہ ممنوعہ وتکلف وتصنع غم پروری وسینہ کوبی وگریبان دری وغیرہا محرمات سے خالی ہوں، بلاشبہ جائز ومستحسن وموجب نزول رحمت ذی المنن ہے۔ اور اگر شناعات پر مشتمل ہو تو حرام وگناہ۔ کما نص علیہ العلماء فی کتبھم۔ یوں ہی فاتحہ امام علیٰ جدہ الکریم وعلیہ السلام ودیگر بزرگان دین واولیاء کرام وسائر اہل اسلام شیرینی، مالیدہ، شربت پر ہو یا کسی اور کھانے اور کپڑے وغیرہ پر، تنہا فاتحہ ہر طرح جائز ومندوب وموجب اجر ہے۔ تعزیہ کا چڑھایا کھانا سے اگر یہ مراد کہ اس فاتحہ کا ثواب تعزیہ کو پہونچایا گیا ہو، تو اس میں قرآن شریف کی بے ادبی خصوصاً اس حالت میں کہ تعزیہ میں براق یا اور کسی کی شکل بنی ہو، سخت اسائت ادب ہے مگر تب بھی اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، اس کو امام بنانا گناہ ہے۔ کہ ایسے شخص کے فسق میں شک کہ تعزیہ وعلم شدہ بنانا، اس کی زیارت کو جانا، اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھانا، ایام محرم میں مثل روافض مرثیہ خوانی کرنا، بلکہ اس میں سرگرم رہنا، شیعوں سے میل جول، سلام وکلام، ان سے مواکلت، مشاربت کرنا، ان کی ناپاک مجلس میں شریک ہونا، کہ تبرا سے خالی نہیں ہوتی، ان کے یہاں کھانا کھانا، ان سے تبرک جاننا، اپنی مجالس میں ان خبثاء سے مرثیہ پڑھوانا، مجلس میں رونے پیٹنے کی غرض سے مرد عورتیں فراہم کرنا، اور معاذ اللہ ان سب باتوں کو ذخیرہ نیکوئی اور ثواب جاننا، اور کسی بزرگ کے نام سے کسی مسلمان کا چھڑی، نشان، جھنڈا قائم کرنا، یا معاذ اللہ گور مصنوعہ قائم کرنا، کس قدر سخت تر حرام ہے۔ حدیث میں ہے: "من زار قبراً بلا مقبور فھو ملعون" جو جھوٹی مصنوعی قبر کی زیارت کو جائے، وہ ملعون ہے۔ اس مصنوعی قبر پر جو کچھ روپیہ، پیسہ، شرنی، مٹھائی، چادر وغیرہ چڑھائی گئیں ہوں، ان کا حکم لقطہ ہے۔ یعنی ملک مالک سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ بے اجازت صراحۃً یا دلالۃً لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔ صراحۃً کا یہ معنیٰ ہے کہ مالک وقت چڑھانے کے یہ کہدے کہ جو اسے لے لے وہی مالک ہے۔ تو اگر لینے والے کو مالک کے اس قول پر اطلاع ہوا اور وہ اسی بنا پر لے تو مالک ہو جائے گا۔

ردالمحتار کتاب اللقطہ میں شرح سیر کبیر سے ہے: "القیٰ شیأ وقال من اخذہ فھو لہ فلمن سمعہ او بلغ ذالك القول ان یاخذہ والا لم یملکہ۔"

اور دلالت حال کی یہ صورت ہے کہ عرف وعادت واضح طور پر حکم کرے کہ یہ چھوڑنا، پھینکنا، چڑھانا، اسی غرض سے ہے کہ جو پہلے اس کا مالک ہو جائے جیسے لوگ شادی میں دولہا کے گھوڑے یا دلہن کی پالکی پر سے روپے نچھاور کرتے ہیں یا آرائش کی مٹھائیاں لٹواتے ہیں یا بعد نکاح شکر چھوہارے لٹاتے ہیں یا جیسے عورتیں مسجد کی طاق میں گلگلے وغیرہ رکھ جاتی ہیں یا جیسے لوگ کھیت کاٹ کر کچھ بالیاں لگی ہوئی چھوڑ جاتے ہیں کہ غریب لوگ انہیں چن لیتے ہیں جیسے دیہات میں سیلا بینتا کہتے ہیں ان میں سیروں اناج نکلتا ہے یا جیسے پالیز والے ختم پر کچھ خربوزے چھوڑ جاتے ہیں اور لیجانے والے کو مانع نہیں آتے۔ تو ان سب چیزوں کا بوجہ عرف وعادت لینا جائز اور لینے والا اس کا مالک ہے۔ وفیہ عنہ ویقررہ ان مجرد الالقاء من غیر کلام یفید ھذا الحکم کمن نشر السکر والدراھم فی العرس وغیرہ

خزانۃ المفتیین میں ہے: "کذا من دخل ارض رجل للا حتشاس او لا لتقاط السنبلة ان ترکها صاحبها فصار ترکه کالا باحة۔"

عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے: "مبطخة بقیت فیها بطاطیخ فانتهبها الناس قال الفقیه ابو بکر اذا ترکها اهلها لیاخذ من شاء من ذلك فلا باس۔"

اور اگر یہ مقصود نہیں ہوتا کہ جو چاہے لے لے بلکہ ان چیزوں کا اس قبر پر رکھنا، رہنا منظور ہو تو اس کا لینا، اس سے نفع اٹھانا، سب ناجائز ہے۔ اس کا حکم ہندوؤں کے سانڈھ اور ان روپوں کا ہے جو وقت غسل دربار سے گنگ وغیرہ میں ڈالتے ہیں لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔

عالم گیریہ میں ہے: "لو سیب وانه قال لاحاجة لی الیها ولم یقل هی لمن اخذها فاخذها انسان لا یکون له" وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس کا لوٹانا واجب ہے۔ لان الفاسق من فعل کبیرة او اصر علیٰ صغیرة۔

صغیری میں ہے: "یکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم وعند مالك لایجوز تقدیمه هو روایة عن احمد وکذا المبتدع۔"

غنیۃ میں ہے: "لو قدموا فاسقاً یاثمون۔"

ابوالسعود حاشیہ کنز جلد اول میں ہے: "علل الزیلعی الکراهة فی الفاسق بان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علینا اهانته شرعاً فمفاده کون الکراهة تحریمیة۔"

درمختار میں ہے: "کل صلاة ادیت مع کراهته تجب اعادتها۔"

وہ وقف باطل ہے کہ وقف امور خیر کے لئے ہوتا ہے اور یہ قربت نہیں۔ وہ زمین ومکان ملک مالک پر باقی ہے۔ اگر اس کی اجازت سے انتفاع ہے، تو جائز ہے ورنہ حرام۔

تنویرالابصار میں ہے: "وشرطه ان یکون قربة فی ذاته"۔ واللّٰه تعالی اعلم، علمه جل مجده اتم واحکم

(۲) ایسا شخص بھی فاسق ہے۔ اس کے پیچھے بھی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ اہل نصاب کو سوال حرام۔ اسی طرح فقیر توانا تندرست کو سوال ناجائز وممنوع ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "ان المسالة الا لاحد تلبسه رجل تحمل حمالة فحلت له المسالة حتی یصیبها ثم یمسك ورجل اصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسالة حتیٰ یصیب قواما من عیش ورجل اصابته فاقة حتی یقوم من ثلثة من ذوی الحجج من قومه لقد اصابت فلانا فاقة فحلت له المسالة حتیٰ یصیب قواما فی عیش فما سواهن من المسالة

یا قبیصة سحتٌ یا کلها صاحبها سحتا۔"

فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنا تین شخصوں کے علاوہ کسی کے لئے حلال نہیں:

(۱) جو شخص کسی کی دیت یا غرامت کا ضامن ہو اس کے لئے سوال حلال ہے جب تک اتنا مال پالیوے پھر رک جائے۔

(۲) جو شخص کسی آفت میں مبتلا ہو کہ ہلاک ہو گیا، مال اس کا اس کے لئے بقدر سدّ حاجت سوال درست ہے۔

(۳) جو شخص فاقہ میں مبتلا ہو کہ تین شخص اس کی قوم سے گواہی دیں کہ فلاں شخص کو فاقہ پہونچا ہے۔ تو ان تینوں شخصوں کے لئے سوال حلال ہے اور ان کے سوا اوروں کے لئے اے قبیصہ! سوال حرام ہے۔ کھاتا ہے سائل حرام کو۔"

اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: "من سال الناس اموالهم تكثر فانمايسال الناس جهرا فليستقل او ليتكثر" "جو شخص لوگوں سے مال زیادہ ہونے کے لئے سوال کرے یعنی مال نصاب بقدر ضرورت رکھتا ہو اور وہ سوائے اس کے نہیں کہ لوگوں سے جہنم ٹکڑا مانگتا ہے۔ ایسا ہر شخص کو اختیار ہے۔ چاہے زیادہ کرے یا کم، جتنا سوال کرے گا، اتنا ہی ٹکڑا جہنم کی کا اس کے لئے ہے۔

اور وہ امام احمد ہی مسند ابن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: "مايزال الرجل يسال الناس حتىٰ يا تي يوم القيامة ليس في وجهه مزغة لحم۔" "یعنی ہمیشہ رہتا ہے آدمی کہ سوال کرتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا نہ ہوگا۔ لوگ اس سے پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیا میں لوگوں سے سوال کرتا تھا۔"

چوتھی حدیث میں ہے: "السائل كدوح يكدح بها الرجل وجهه فمن شاء القىٰ علىٰ وجهه ومن شاء تركه۔" "سوال کرنا زخم ہے جس سے آدمی اپنا منہ زخمی کرتا ہے۔ تو جو چاہے اپنے منہ پر باقی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی عن سمرة بن جندب رضی الله تعالىٰ عنه۔

پانچویں حدیث میں ہے: "من سال وعنده مايغنيه فانما يستكثر من النار۔"

جو شخص سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس ایک رات دن کا کھانا ہے تو وہ اپنے لئے جہنم کی آگ زیادہ کرتا ہے۔ رواہ ابو داؤد۔

چھٹی حدیث میں ہے: من سال من غير فقر فكانما ياكل الجمر "جو شخص بغیر حاجت کے سوال کرے پس جہنم کا انگارا کھاتا ہے۔" رواه الا مام احمد في مسنده وابن خزيمة والضياء عن حبش بن جنادة رضی الله تعالىٰ عنه۔

ساتویں حدیث میں ہے: "لان ياخذ احدكم حيلة فياتي بحزمة حطب علىٰ ظهره فيبيعها فيكف الله بها وجهه خير من ان يسال الناس اعطوه او منعوه۔" "البتہ یہ کہ ایک تمہارا، رسی لے کر لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لائے اور اسے بیچ کر کھائے، یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگے۔ دیا یا نہ دیا۔"

اور اس کو جائز اور ریاضت درویشی سمجھنا اور بھی گناہ۔ شریعت مطہرہ میں نفس ریاضت کوئی چیز نہیں بلکہ وہ جو

موافق شریعت ہو۔ ورنہ جوگیوں نے تو وہ وہ ریاضتیں کیں اور کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے کبھی نہ ہوسکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) درست ومسنون ہے، نہ بدعت وممنوع۔ کہ نفس مصافحہ احادیث کثیرہ شہیرہ، قولیہ، فعلیہ سے ثابت اور زمان برکت شان، سید الانس والجان علیہ السلام ، ہر قرن، ہر زمان میں رائج وموجود ومسنون ومحمود رہا۔ فقد صافحت(۱) سیدنا ومرشدنا مجمع الطریقین، مرجع الفریقین، مجدد المأة الحاضرة، مؤید الملة الطاهرة حضرة الشیخ احمد رضا خان متع الله المسلمین بطول بقائه(۱) والسید الشاه ابا الحسین احمد النوری نور الله مرقده الشریف با لنوری المعنوی والصوری (۲)صافحا سیدهما وسندهما وشیخهما السیدال آل رسول الاحمدی المار هروی قدس سره(۳) صافح السید السند عمه السید آل احمد الملقب باچهی میاں المار هروی قدس سره (٤)صافح السید التقی السیدالشاه حمزة الحسنی البلجرامی الواسطی(٥) صافح السیدطفیل محمد الاترولوی(٦) صافح البارع الا ورع السیدمبارك فخر الدین البلجرامی(٧) صافح الشیخ الا فخم استاذه ومولاه الشیخ نور الحق(٨) صافح الشیخ المقتدی والده وشیخه واستاذه الشیخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدهلوی قدس سره (٩)وهو قد صافح الشیخ عبد الوهاب بن فتح الله البروجی(١٠) وهو قد صافح الشیخ محمد ابن افلح الیمنی(١١) وهو قد صافح الشیخ عبد الرحمن بن علی الدیبع(١٢) وهو قد صافح الشیخ زین الدین الشرجی(١٣) وهو قد صافح شمس الدین اباالخیر الجزری(١٤) وهو قد صافح الشیخ ابا المحاسن السرمدی(١٥) وهو قد صافح الشیخ ابا الثنا محمود بن علی بن بغدادی(١٦) وهو قد صافح الشیخ عبد الصمد البغدادی (١٧)وهو قد صافح الشیخ یو سف ابن الحافظ ابی الفرج عبد الرحمن بن علی الجوزی البغدادی(١٨) وهو قد صافح ابا الفضل محمد ابن جعفر الخزاعی(١٩) وهو قد صافح الامام العباس احمد بن محمد سعید المطوعی(٢٠) وهو قد صافح الشیخ ابا غانم ابن زکریا(٢١) وهو قد صافح الشیخ محمد ابن کامل(٢٢) وهو قد صافح الشیخ ابانان العطار(٢٣) وهو قد صافح سیدنا ثابت البنانی(٢٤) وهو قد صافح سید نا انس ابن مالك رضی الله تعالیٰ عنه قال(٢٥) "صافحت رسو ل الله ﷺ فلم ارخزا ولا قزاً الین من کف رسول الله ﷺ "والحدیث رواه البخاری وابن عساکر فی تاریخه والخطیب وقد ذکره الشیخ جارالله بن فهد فی کتاب المواهب السنیه الدیباجی وابن المفضل والتمیمی فی مسلسلتهم۔

خود حضور اقدس ﷺ جب صحابہ کرام سے ملتے، ان سے مصافحہ فرماتے۔

حدیث شریف میں ہے: "قلت لابی ذرهل کان رسول الله صلی الله علیه یصافحکم اذا لقیتموه؟ قال مالقیته قط الا صافحنی۔"

یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا آپ سے رسول ﷺ مصافحہ فرماتے جب تم حاضر خدمت ہوتے؟ کہا جب بھی میں حاضر خدمت ہوا، حضور نے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ رواہ ابو داؤد عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنترۃ۔

''صحابہ کرام جب بھی آپس میں ملتے، معانقہ کرتے۔ اور جب جدا ہوتے مصافحہ کرتے۔''

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے: "کان رسول اللہ ﷺ اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقو اتصافحوا۔"

بہتیری حدیثوں میں حضور ﷺ نے مصافحہ کے فضائل بیان فرمائے، مصافحہ کرنے والوں کو قبل جدا ہونے کے عفو گناہ کی خوش خبری دی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم:" مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا۔ ''نہیں ہیں کوئی دو مسلمان کہ آپس میں ملیں اور مصافحہ کریں مگر قبل جدا ہونے ان دونوں کے ان کی مغفرت فرمادی جاتی ہے''۔ رواہ الامام احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ ایضا عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے:'' عن النبی ﷺ اذا التقیٰ المسلمان فتصافحا وحمدا اللہ واستغفراہ غفرلھما۔ ''''جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور خدا کی حمد کریں، اس سے مغفرت چاہیں، بخشدئے جاتے ہیں گناہ ان کے۔'' رواہ ابوداؤد عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے:'' ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطیا تھما کما تناثر ورق الشجر۔''

"جب مسلمان سے مسلمان مل کر سلام کرتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے پیڑوں کے پتے۔'' رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیھقی فی شعب الایمان بسند صالح عن حذیفۃ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چوتھی حدیث میں ہے:'' ان المسلم اذالقی اخاہ فاخذ بیدہ تحاتت عنھما ذنوبھما۔'' "مسلمان جب اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑتا (یعنی مصافحہ کرتا) ہے، ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی۔

پانچویں حدیث میں ہے: "مامن مسلمین التقیا فاخذ احدھما بید صاحبہ الا کان حقا علیٰ اللہ عزوجل ان یحضر دعاؤھما ویفرق بین ایدیھما حتیٰ یغفرلھما"۔ "جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور ان کے ہاتھ جدا نہ ہونے پائیں کہ ان کے گناہ بخش دے۔'' رواہ الامام احمد برجال ثقات وابو یعلیٰ والبزار عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چھٹی حدیث میں ہے:'' لایلقی مسلم مسلما فیرحب ویاخذ بیدہ الا تناثرت الذنوب کما تناثر

ورق الشجر "۔ "جب مسلمان اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ گر جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے "۔رواہ البزار عن روایۃ مصعب بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آٹھویں حدیث میں ہے: "قال رسول اللہ ﷺ ان المسلمین اذا التقیا فتصا فحا وتسائلاانزل اللہ بینہما مأۃ رحمۃ تسعۃ وتسعین لابشّہما واطلقھما وابرّھما واحسنھما مسائلۃ باخیہ"۔ "جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، حق سبحانہ تعالیٰ سو رحمت نازل فرماتا ہے، واسطے بشاش ترین اور کشادہ پیشانی سے ملنے والے اور ان دونوں میں نیکوتر اور احسن کے لئے اور ایک اس کے بھائی کے واسطے۔ رواہ الطبرانی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نویں حدیث میں ہے: " اذا التقیٰ الرجلان المسلمان فسلم احدھما علیٰ صاحبہ فان احبھما الی اللہ احسنھما بشرا فاذا تصافحا نزلت علیہ مأۃ رحمۃ للبادی منھا تسعون وللمصافح عشرۃ"۔ "جب دو مرد مسلمان ملیں اور ایک دوسرے پر سلام کریں پھر جب مصافحہ کرتے ہیں، ان پر سو رحمتیں اترتی ہیں۔ نوے ابتدا کرنے والے اور دس مصافحہ کرنے والے کے لئے۔ رواہ البزار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دسویں حدیث میں ہے: " المسلمان اذا تصافحا لم یبق بینھما ذنب الا سقطہ"۔ " جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، سب جھڑ جاتا ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفی روایۃ لو کانت ذنوبھمامثل زبد البحر۔ " اگرچہ ان دونوں کے گناہ سمندر کے جھاگ جیسے ہوں۔

ان تمام احادیث میں کہ فضائل مصافحہ ارشاد ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے عام ومطلق ارشاد فرمایا تو بحکم عموم واطلاق اپنے تمام افراد کو شامل ہوگا۔ حکم عام جمہور علماء کے نزدیک یہی ہے کہ اپنے سب افراد کو شامل ہو۔

اور تلویح حاشیہ توضیح میں ہے: " وعند جمھور العلماء اثبات الحکم فی جمیع مایتناولہ من الافراد قطعا ویقینا عند مشائخ القرآن وعامۃ المتأخرین وظنا عند الجمھور الفقھاء او المتکلمین وھو مذھب الشافعی والمختار عند مشائخ سمرقند۔"

پھر ایک فرد کے ساتھ جواز، دوسرے پر کراہیۃ کا حکم، حسب تصریح مجدد ملت وہابیہ بے فائدہ وبدعت ہے۔ محرر مذہب رشیدی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کی براہین قاطعہ طبع دوم ص ۳۷ میں ہے "لفظ عام کے معنی میں معنی خاص لینے کا کوئی فائدہ نہیں" اس کے ص ۱۰۱ پر ہے۔ "مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے" اور جب مطلق مصافحہ کی اجازت دی بلکہ مسنون بتایا اور اس سے کسی وقت کو مستثنیٰ نہ فرمایا تو بحکم قاعدہ لم یستثن داخلا مصافحہ بعد نماز فجر وعصر ونماز عید وختم وعظ وغیرہ سب مجاز وماذون ومستحب ومسنون رہا۔ اگر یہ شبہ ہو کہ جب احادیث میں مطلق مصافحہ آیا تھا تو پھر بعد نماز فجر یا عصر اور عید ووعظ کی کیا خصوصیت؟ ہر وقت کیا کرو اور جب نہیں کرتے بلکہ انہیں خاص وقتوں میں، تو معلوم ہوا کہ تم لوگوں نے عام کو خاص اور

خاص کو مقید کر دیا، نہ مانعین نے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم نے کب کہا کہ ان اوقات کے سوا اور کسی وقت مصافحہ کرنا جائز نہیں۔ بخلاف وہابیہ کے کہ وہ ان وقتوں میں ناجائز بتاتے ہیں۔ تو عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرنے والے وہ ہوئے، نہ ہم۔ رہا خاص کسی وقت کی عادت کر لینا، یہ اس کو اس مصافحہ مسنونہ سے نہیں نکالتا۔ کما صرح به الشاه ولی الله الدهلوی فی المسویٰ شرح المؤطا عن النووی حیث قال: "قال النووی اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء واما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع علیٰ هذا الوجه لكن لا باس به فان اصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليها فی بعض الاحوال وفرطوا فيها فی كثير من الاحوال لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها اقول هكذا ينبغی ان يقال فی المصافحة يوم العيد اه" قلت فعلیٰ هذا المصافحة بعد الوعظ۔ والله تعالیٰ اعلم۔

(۴) طاعون سے فرار گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "الفار من الطاعون كالفار من الزحف"۔ "طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگنے والا۔"

اور اللہ عزوجل کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والے کی نسبت فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ"۔ "وہ بے شک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا بری بازگشت ہے۔"

اور اس طرح جہاں طاعون ہو، وہاں سے جانا بھی نہ چاہئے کہ فرمایا حضور ﷺ نے: "اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوها واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها"۔ "جب سنو تم کسی جگہ طاعون ہونا، تو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم ہو، اگر وہاں ہو تو بھاگو نہیں۔"

ہاں اگر کوئی شخص تقدیر پر صابر اور کامل الایمان ہو اور "لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا" (التوبة: ۵۱) "ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا"۔ (کنز الایمان) کی بشاشت اس کے دل میں ساری ہو کہ اگر طاعون شہر میں کسی کام کو جائے اور مبتلا ہو جائے، تو پشیمانی نہ ہو کہ ناحق آیا، بلا نے لے لیا یا کسی کام کو باہر جائے تو یہ خیال نہ ہو، تو خوب ہوا کہ اس بلا سے نکل آیا، تو اسے اجازت ہے۔ وہاں سے آنے اور جانے میں کوئی حرج نہیں۔ والتفصيل التام لهذه المسئلة فی فتاویٰ سيدنا وشيخنا المسماة بالعطايا النبوية فی الفتاوی الرضويه المجلد الرابع من كتاب الحظر والاباحة۔ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئولہ اعلیٰ حضرت، تاج العارفین، سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی یکم صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طاعون کی جگہ سے دوسری جگہ یا دوسرے محلہ میں آنا اور دوسری جگہ سے طاعون زدہ مقامات میں آنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

طاعون زدہ مقامات سے بھاگنا سخت گناہ واشد کبیرہ ہے۔ اور اس میں کوئی خصوصیت شہر ومحلہ کی نہیں، بھاگنے کی نیت سے ایک قدم بھی چلنا حرام ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوا علیه واذا وقع وانتم بارض فلا تخرجوا منها فرارا عنه۔"

"جب تم کسی زمین میں طاعون ہوتا سنو تو اس پر داخل نہ ہو۔ اور جب وہاں طاعون آئے، جہاں تم ہو تو طاعون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلو"۔ رواہ الشیخان وابوداؤد والنسائی ومالك واحمد عن عبد الرحمٰن بن عوف والبخاری ومسلم عن اسامة بن زید رضی الله تعالیٰ عنهم۔

امام اجل احمد بن حنبل اپنے مسند میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفار من الطاعون کالفار من الزحف ومن صبر فیه کان له اجر شهید۔"

"طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا اور جو اُس میں صبر کئے بیٹھا رہے، اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔

ابن سعد نیز امام احمد، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفرار من الطاعون کالفرار من الزحف"۔ "طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں سے بھاگ جانا"۔

طبرانی معجم اوسط اور ابونعیم فوائد ابن ابی بکر بن خلاد میں انھیں سے بسند حسن راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الطاعون شهادة لامتی وخز اعدائکم من الجن غدة کغدة البعیر تخرج فی الاباط والمراق۔ من مات فیه، مات شهیدا ومن اقام فیه کان کالمرابط فی سبیل الله ومن فرّ منه کان کالفار من الزحف"۔

"طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے اور وہ تمہارے دشمن جنوں کا کونچا ہے۔ اونٹ کی گلٹی کی طرح گلٹی ہے کہ بغل اور پیٹ سے نیچے نرم جگہوں میں نکلتی ہے۔ جو اس میں مَرے شہید مرے۔ اور جو اس میں ٹھہرا رہے وہ راہِ خدا میں سرحد کفار پر بانتظار جہاد اقامت کرنے والے کے مانند ہو۔ اور جو اس سے بھاگ جائے وہ جہاد سے بھاگ جانے والے کے مثل ہے۔"

جہاد سے بھاگنے والے کے متعلق فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ" (الانفال: ۱۶) "تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی"۔ (کنز الایمان)

اللهم احفظنا والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مزارات اولیا تو مزارات عالیہ ہیں، عام مسلمانوں کی قبریں مستحق اکرام وتعظیم اور ان کی توہین شرعا سخت ممنوع

وگناہ ہے۔علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی ناروااور ایسا کرنا گناہ ہے، کہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔

علامہ زاہدی قنیہ میں تصریح فرماتے ہیں:''یاثم بوطأ القبور لان سقف القبر حق المیت۔''

اور تحفۃ بدائع وغیرہ میں ہے:''ان ابا حنیفۃ کرہ وطء القبر۔''

علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں شرح درر سے ناقل:'' یکرہ ان یوطأ القبر لما روی عن ابن مسعود لان اطاء علیٰ جمرۃ احب الیَّ من ان اطاء علیٰ قبر مسلم۔''

اس میں محیط سے ہے: "یکرہ ان یطاء بالرجل" بلکہ پاؤں رکھنا تو درکنار قبر پر سر رکھنا ٹیک لگا کر سونا یہ سب ناجائز ہے۔

حضرت سیدنا ابوقلابہ بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:''انی ذھبت من الشام الی البصرۃ فنزلت الخندق فتوضات وصلیت رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علیٰ قبر قمت ثم اتیت فاذا صاحب القبر یشتکی ویقول لقداذیتنی اللیلۃ'' رواہ ابن ابی بکر بن ابی الدنیا۔

حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں:''میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے شخص! تو نے رات بھر مجھے ایذا دی۔''

امام احمد حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا'' لا توذ صاحب ھذا القبر''۔

اب عقل سلیم سے فیصلہ طلب ہے کہ جب شرعاً جن پر پاؤں رکھنا حرام، سر رکھنا حرام، ٹیک لگانا حرام، کہ ان سب میں میت کو ایذا پہونچتی ہے اور مسلمانوں کو جس طرح زندگی میں ایذا دینا جائز نہیں اسی طرح بعد وفات بھی ناجائز۔ تو کس طرح ایک جگہ سے اکھیڑ کے دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہوگا؟ اور پھاوڑا کدال چلانا، قبر کو کھود ڈالنا، میت کو نکال کر اس کی تحقیر وتوہین کرنا، کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسائل مرسلہ شاہزادہ علی خاں از سرسا ہی ڈاکخانہ شاہی ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کی زیارت پر چادر یا سجدے دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) میلاد شریف پڑھنا، ذکر پیدائش سرور کائنات پر کھڑا ہونا اور تاریخ دن تقرر کرکے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سر پر سہرہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۴) میاں شیخ سدو وغیرہ کا مرغا، بکرا پالنا اور اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) چادر چڑھانا، شیرینی پر فاتحہ دلانا، اپنا مطلب کہہ کر ان کے وسیلہ سے مانگنا، بلاشبہ درست ہے۔ سجدہ حرام ہے۔

(۲) سب کچھ درست ہے۔ والتفصیل فی الرسالۃ المبارکۃ "اذاقۃ الاثام لما نعی عمل المولد والقیام"

واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) سہرا صرف پھولوں کا ہو تو جائز ہے لعدم المانع ولان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ وہابیہ کا اس کو ناجائز ٹھہرانا، تشبہ بالکفار بتانا، محض جہالت وخیال خام ہے۔ جو امر فی نفسہ شرعاً مذموم نہ ہو اس میں بلا قصد مشابہ ہونا، منع نہیں ہے بلکہ اس نیت سے کرنا کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو یا اگرچہ ارادہ نہ کرے مگر وہ فعل خود شعار کفار ہو، جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں تو ناجائز ہے اور اس کی بعض صورتوں پر "من تشبہ بقوم فھو منھم" بھی صادق۔ ورنہ اگر مطلقاً اشتراک، موجب ممانعت ہو تو انگرکھا، کرتہ، ٹوپی پہننا وغیرہ وغیرہ بھی حرام ہو جائیں کہ یہ سب ہندو بھی پہنتے ہیں۔ مگر جس طرح وہاں پردے کا فرق کفایت کرتا ہے، یہاں بھی شعار نہ ہونا کافی ہے۔

درمختار میں ہے: "التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیء بل فی المذموم وفیما یقصد بہ التشبیہ۔"

واللہ اعلم۔

(۴) اصل اس میں وقت ذبح خاص ذابح کی نیت وقول کا اعتبار ہے اگرچہ پہلے سے شیخ سدو میاں یا کسی کے نام سے مشہور ہو۔

ردالمحتار میں ہے: "المدار علیٰ المقصد عند ابتداء الذبح" اور یہی معنی آیۂ شریفہ "وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ" (البقرۃ: ۱۷۳) "اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا"۔ (کنز الایمان) کے ہیں۔ فقط مشہور ہو جانا کسی کے نام سے موجب حرمت نہیں، ورنہ چاہئے کہ تمامی جانور حرام ہو جائیں۔ کیونکہ ہر جانور کسی نہ کسی کے نام سے ضرور مشہور ہوتا ہے۔ (مثلاً عمرو کی گائے، خالد کی بکری، زید کا مرغا وغیرہ وغیرہ)

جلالین میں ہے: "ای ذبح علیٰ غیر اسمہ تعالیٰ وتقدس" جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے۔

قال فی المدارک والبیضاوی والکبیر واللفظ للاخیر" یعنی وما ذبح علیٰ الاصنام" وما فی الجلالین اعم واشد مطابقۃ للفظ۔

ردالمحتار میں ہے: "من ظن انہ لا یحل فقد خالف القرآن والحدیث والعقل فانہ لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ ینجس لایذبح فیلزم ھذاا لجاھل ان لا یاکل ما ذبحہ القصاب وما ذبح للولائم والاعراس"

اور جب ذبیحہ حلال ہوا تو کھانا بھی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا لَکُمْ اَنْ لَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔" (الانعام: ۱۱۹) تمہیں کیا ہوا کہ نہ اسے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مرسلہ علی شاہ ۲۹ رجب ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان شخص جو علم سے واقف ہے، بیان کرتا ہے کہ ۱۵ یا ۱۶ سال سے میرے داڑھی نکلی ہے۔ جب سے اب تک برابر داڑھی منڈواتا اور کترواتا ہوں اور ایسا کترواتا ہوں کہ جلد سے ملی رہے یعنی بالکل معلوم نہ ہو کہ داڑھی نکلی ہے۔ اور وقت مرگ تک ایسے ہی منڈواتا اور کترواتا رہوں گا۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ گناہ ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے یا گناہگار؟ بینوا وتوجروا یوم الحساب۔

الجواب

ایسا شخص سخت گناہگار، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق نار وغضب جبار و مورد لعنت پروردگار ہے۔ اور باوصف اس علم کے کہ وہ گناہ ہے، اس کا یہ اصرار واظہار کہ تادم مرگ مرتکب رہے گا اس پر اور سخت تر ہے۔ قال تعالیٰ: "وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُہٗ جَہَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِہَادُ"۔ (البقرۃ: ۲۰۶) "اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بچھونا ہے۔" (کنز الایمان)

فتح القدیر، بحر الرائق، درمختار، غنیۃ وغیرہا میں ہے: واللفظ للغنیۃ: "الاخذ من اللحیۃ وھو دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل المجوس الاعاجم والیھود والھنود وبعض اجناس الافرنج"۔

درمختار میں ہے: "قطعت شعر راسھا اثمت ولعنت ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ والمعنی المؤثر التشبہ بالرجال اھ "مختصراً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء"۔

اس مسئلہ میں تمام تفصیل وبیان جلیل کتاب مستطاب "لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جزی اللہ المجیب ویثیب۔ یہ سوال پہلے بھی آیا۔ اُس عبارت میں صرف اتنا تفاوت ہے کہ کلام زید میں اس فعل کا صغیرہ ہونا، ارادہ مداومت تادم مرگ کی علت نہ تھا۔ بلکہ اس کا کلام "منڈواتا رہوں گا" تک نقل کر کے سائل نے لکھا تھا: "یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ ہے"۔ ایسا وہ لفظ کہ "یہ بھی کہتا ہے" قلم سے متروک ہوا، جس نے اس جملہ کو اس ارادہ کی تعلیل کر دیا اور کلام زید کے معنی یہ ہو گئے کہ تادم مرگ ایسا ہی کرے گا، اس لئے کہ یہ کوئی بڑا گناہ نہیں ہے، صرف صغیرہ گناہ ہے۔ اس کی مداومت چنداں محذور نہیں۔ اگر واقعی کلام زید اس طرح ہے تو اس کا حکم اور سخت تر گناہ ہوگا کہ یہ کلام صاف جانب استخفاف جا رہا ہے اور گناہ کو ہلکا سمجھنا، نہایت شدید واشد ہے کہ حد کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی محمد قاسم علی کلیمی دہلوی از میران پور کٹرہ، شاہجہاں پور ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بات میں کہ کوئی شخص حنفی المذہب اپنا مذہب چھوڑ کر شافعی ہو جائے یا اور کوئی مذاہب اربعہ سے اختیار کر لیوے تو یہ بدلنا مذہب کا کیا حکم رکھتا ہے؟ فقہائے حنفیہ کے نزدیک تبدیلِ مذہب کرنے والے پر تعزیر ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر بحوالہ کتب فقہیہ جواب تحریر فرما کر اپنی مہر سے مزین فرما کر روانہ فرمائیں۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

ہاں ایسا شخص قابل تعزیر ہے: ''فی الدر عن السراجیۃ قبیل السرقۃ: "ارتحل الیٰ مذھب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یعزر"۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

الجواب صحیح: ہاں بلا ضرورت شرعیہ ایسے تبدیل مذہب کرنے والا ضرور مستحق تعزیر ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں کہ اگر چہ مذہب چاروں حق ہے۔ مگر یہاں حنفیت چھوڑ کر باقی تین مذہب سے کوئی مذہب اختیار کرنا، جس کے نہ یہاں علماء ہیں، نہ کتابیں، علم چھوڑ کر جہل اختیار کرنا ہے۔ یہ سب اس حالت میں ہے کہ واقعی شافعی ہوا ہو اور اگر غیر مقلد ہوا اور حیلہ کے لئے شافعیت کا نام لیتا ہے تو کھلا گمراہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدہ احمد رضا غفر لہ بمحمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ غلام ربانی از پیلی بھیت محلہ غفار خاں ۱۰ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلام جو باہم مسلمانوں میں کرنا چاہئے، شرعاً مسلمانوں کو ہنود سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل اسلام کو اہل ہنود کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ہنود کو بے ضرورت ابتدا بالسلام حرام ہے۔ یہ حکم صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فسلم علی المسلم ...... بالمعروف یسلم علیہ اذا لقیہ ویجبہ اذا دعاہ الحدیث یہود و نصاریٰ کہ شریعت مطہرہ نے ان کو مشرک سے نہیں گنا ہے، ان پر بھی ابتدا بالسلام کی ممانعت فرمائی۔ حدیث میں ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ''لاتبدو الیھود ولا النصاری بالسلام" مگر جب وہ ابتداء بالسلام کریں تو جواب سلام میں حرج نہیں۔

بزازیہ میں ہے: ''فی السیر لاباس برد السلام اھل الذمۃ والنھی عن البداء ۃ الا اذا کان محتاجا فلا باس بھا ایضا۔"

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ''انما یکرہ ان یبتدئھم بالسلام واما اذا ابتدء الکافر فلا باس بان یرد علیہ لکن لا یزید علیٰ قولہ وعلیک ھکذا فی الخلاصۃ والعلمگیریہ۔"

ہاں اگر کسی ضرورت سے کریں تو مضائقہ نہیں۔اور یہی قول علقمہ اور نخعی کا ہے۔

خزانہ میں ہے:'' وان کان للمسلم الیہ حاجۃ لا باس بالسلام علیہ لان فیہ لیس توقیر۔''

مگر اس کا ہندوستان کے رواج کے موافق تو بضرورت بھی انہیں سلام شرعی کرنے کی حاجت نہیں،کافی ہے لالہ صاحب، بابو صاحب، منشی صاحب، وغیر ذلک۔ رہا ہنود کے یہاں کھانا، اس کی اصل یہ ہے کہ اگر ان کے یہاں کھانے سے عام مسلمانوں کو نفرت یا سبب بدنامی یا انگشت نمائی ہو تو شرعاً ناجائز ہے جیسے بھنگی کے یہاں کھانا۔اور اگر یہ بات نہیں، تب بھی شک نہیں کہ عام ہنود سخت ناپاکیوں میں آلودہ اور متلوث ہیں مگر شریعت آسان ہے۔ جب تک کسی شئ میں حرمت یا نجاست کا حال معلوم نہ ہو، ہمارے لئے بحکم قاعدۂ کلیہ'' الاصل الطھارۃ'' پاکی وحلال ہے۔

عالمگیریہ میں ہے:'' قال محمد وبہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ واصحابہ کذا فی الظھیریۃ۔'' مگر گوشت کہ وہ مطلقاً حرام ہے۔ ہاں اگر حلال گوشت مسلمان کے سامنے پکا ہو کہ ایک لحہ بھی اس سے جدا نہیں ہوا ہو تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

روافض کے گھر کا کھانا جائز ہے یا ناجائز، کس واسطے کہ یہ لوگ بڑے متعصب ہوتے ہیں، اہل سنت وجماعت کو کھانے میں ناجائز کھلاتے ہیں؟

الجواب

اگر یقیناً معلوم ہو کہ اس کھانے میں کچھ ناپاک شے ملادی ہے جب تو ظاہر ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے قطعی۔

قال اللہ عزو جل: " وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ" (الاعراف : ۱۵۷) ''اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا'' (کنزالایمان) اگر یقیناً نہ بھی ہو معلوم بلکہ بالفرض اس کا وہم بھی نہ ہو، تب بھی روافض و دیگر مرتدین بلکہ تمامی اہل ہوا اور مبتدعین کے یہاں کھانے سے احتراز لازم کہ یہ میل جول ہے اور ان سے میل جول ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "لا تجالسوھم ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم ولا تناکحوھم" ان کے پاس نہ بیٹھنا، ان کے ساتھ نہ کھانا پینا، نہ شادی بیاہ کرنا۔ رواہ العقیلی واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جواہر پور تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ الحمد شریف کے اندر بے قاعدہ پڑھنے کی وجہ یعنی ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے حرف کے لفظوں سے ملا کر پڑھنے کی وجہ اور یا کسی بے قاعدگی سے شیطان کا نام آجاتا ہے یا ہوجاتا ہے یا نہیں اور کن مواضع میں؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ جو عوام میں رائج ہے کہ ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے لفظ کے حرفوں میں ملا کر پڑھنے سے مثلاً دُلِلُ ھِرَبُ کَیُوُ کَنَعُ کَنَسُ تَعلَی بِعَلَی کَیُ شیطان کا نام آجاتا ہے، محض غلط اور اختراعات باطلہ سے ہے۔ علما نے ان سکتات کو برا جانا، اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

فتاوی رضویہ میں غنیۃ سے ہے: ''قال فی فتاوی الحجۃ'' اذا بلغ فی الفاتحۃ "ایاك نعبد وایاك نستعین" لا ینبغی ان یقف علیٰ قولہ ایاك ثم یقول نعبد وانما الاولیٰ والاصح ان یصل ایاك نعبد وایاك نستعین اہ'' فلا اعتبار بمن یفعل ذلك السکت من الجھال المتفقھین بغیر علم اہ''۔

اس میں علامہ علی قاری کی منح الفکر یہ سے ہے: ''اقول ما اشتھر علیٰ لسان الجھلاء من القراء ان فی سورۃ الفاتحۃ للشیطان کذا من الاسماء فی مثل ھذہ التراکیب من البناء فخطاء فاحش واطلاق قبیح ثم سکتہم عن نحو دال الحمد و کاف ایاك وامثالھا غلط صریح۔'' واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ مرسلہ محمد سلیمان محلہ مہولی، باسدیو پور ضلع مونگیر ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ

جناب مولانا دام مجدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضروری گذارش یہ ہے کہ (۱) اہل صرف کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے۔ چنانچہ آپ بھی اپنے رسالہ ص ۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ''ثلاثی مزید مطلق بے ہمزہ وصل کے پانچ باب ہیں اور اس کے باب اول کا ہمزہ قطعی ہے، وصلی نہیں۔ اس لئے حالت وصل میں نہیں گرتا۔ باب اول افعال۔ پھر لکھتے ہیں'' علامت اس کی فاکلمہ کے قبل ہمزہ قطعی ہونا ہے۔'' قطعیت ہمزہ کا مطلب تو یہی ہے کہ حالت وصل میں اس کا قائم رہنا واجب اور ضروری ہے۔ پھر ص ۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں: ''قاعدہ ہمزہ منفردہ متحرک ماقبل صحیح ساکن غیر نون انفعال و یائے تصغیر ہو تو حرکت اس کی نقل کر کے ماقبل کو دے کر اس کو گرادینا جائز ہے۔ ایک کلمہ میں ہو تو جیسے لیسئل یا دو کلمہ میں جیسے قد فلح کہ اصل میں قد افلح تھا اور یسأل تھا'' انتخاب ملخصا۔ افلح باب افعال کا ماضی ہے مگر اس قاعدے کی رو سے قد کے لانے کے بعد اس کے ہمزہ کا گرا دینا جائز ہے تو پھر قطعیت ہمزہ کا کیا مطلب ہے؟ اور قد فلح قد افلح میں کیا فرق رہا؟ اس صورت میں ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو و بیکار ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد جگہوں میں آیا ہے۔ ہر جگہ باثبات ہمزہ ہے، باسقاط ہمزہ کہیں نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کی پیش کردہ مثال کی رو سے قرآن شریف میں قد افلح کی جگہ قد فلح پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی قراءت قراء سبعہ میں سے کسی سے مروی ہے یا نہیں؟ اگر قد فلح پڑھنا جائز ہے تو پھر اس قاعدے کی رو سے قرآن مجید میں جس جگہ اثبات ہمزہ ہے وہاں اسقاط ہمزہ جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً سل بنی اسرائیل کی جگہ اسئل بنی اسرائیل، فاسئلوا اھل الذکر فسلوا اھل الذکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں جائز ہے تو کیوں؟ مہربانی فرما کر جواب مع دلائل تحریر کر کے ذیل

کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔ جواب کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجتا ہوں۔ والسلام
مکرر گذارش ہے کہ جواب پر پرنسپل صاحب و دیگر مدرسین صاحبان سے دستخط کرالیں تو بہتر ہے۔

الجواب

(۱)　ہمزہ وصل وہ ہے کہ وجہ کلام میں اس کا گرانا ضروری ہو، باقی رکھنا خطا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں مطلقاً ہر جگہ باتفاق جمیع قراء تمامی ہمزۂ وصل گرا دیئے جاتے ہیں۔ بخلاف ہمزۂ قطعی کے کہ وہ درجہ کی وجہ سے کلام سے نہ گرے گا بلکہ باقی رکھا جائے گا۔ رہا بقاعدۂ تخفیف ہمزہ کا گرنا تو وہ کچھ اس قسم کے ہمزہ پر موقوف نہیں بلکہ اصلی ہمزہ بھی اس قاعدے سے گر جائے گا۔ جیسے یسأل کہ ہمزہ عین کلمہ ہے اور یقرء کے آخر کا ہمزہ زائد نہیں۔ پس اسی قاعدہ سے یقر ہوگا لم ار کہ اصل اس قاعدے سے لمر ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ علامات مضارع ہے غرض اس قاعدہ کی رو سے ہر طرح کا ہمزہ اصلی زائد، قطعی زائد سب گر جائے گا اور وجہ کلام میں ہمزہ وصلی گر جائے گا، ہمزہ قطعی نہ گرے گا کہ ہمزہ وصلی زائد محقق ہے۔ صرف بقدر ابتداء سکون کی وجہ سے لایا جاتا ہے تو جب کوئی کلمۂ اولیٰ میں آئے گا، یہ ہمزہ گر جائے گا۔ قد فلح اور قد جتنب میں فرق ظاہر ہے۔ اول یہ کہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور قد جتنب پڑھنا واجب ہے۔ قد افلح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ جبکہ قرآن شریف میں ہماری قراءت میں اسی طرح وارد ہونے کی وجہ سے قد افلح ہی پڑھنا اولیٰ ہے اور قد اجتنب پڑھنا غلط ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قد فلح کا ہمزہ اس قاعدے سے گرا ہے، نہ فقط اول میں لفظ کے آنے سے۔ بخلاف قد جتنب کے کہ اگر یہ قاعدہ سرے سے نہ ہوتا جب بھی فقط درج کلام اور اول اس کے کسی لفظ کا آ جانا ہی اس کے گرا دینے کو کافی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو اور بیکار نہیں ہے۔

(۲)　بے شبہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور اسی طرح کی قراءت قراء کی مروی اور منقول ہے۔

تیسیر علامہ ابوعمرو عثمان حرانی متوفی ۴۴۴ھ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۰ میں فرماتے ہیں:

"اعلم ان کان یلقی حرکتہ المھمزۃ علی الساکن یتحرك بحرکتھا و تسقط من اللفظ الخ" پھر اس کی تین قسم کر کے اول و دوم کے بعد تیسری قسم کو بیان کرتے ہیں۔ "والثالث ان یکون سائر حروف المعجم نحو قولہ تعالیٰ من امن الخ۔"

امام شاطبی شاطبیہ مطبوعہ مصر ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

وحرك لورش کل ساکن اخر　　صحیح بشکل الھمز واحذفہ مسھلا

نیز اسی مجموعۂ قراءت میں رسالہ طیبہ حافظ محمد ابی جزری ص ۱۱۰ میں فرماتے ہیں:

وانقل لی الآخر غیر حرف مد　　لورش الا کتابیہ اسد

اس قاعدہ عامہ سے استدلال اگرچہ اثبات مدعیٰ میں تام ہے مگر خاص اسی قدفلح کی تصریح بھی مفسرین نے فرمادی۔
تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی جلد۵ ص ۴۸۰ سورہ مومنون میں ہے: "وقرء ورش عن نافع قد فلح باستبقاء حركة الهمزة على الدال وحذف فيها لفظالالتقاء الساكنين كما قال ابو البقاء وهى الهمزة الثالثة بعد نقل حركتهما والدال الساكنة بحذف الاصل لانه لا بعتد بحركتها العارضة۔"
اور بلاشبہ اسی قاعدہ کی رو سے، جس جگہ یہ قاعدہ پایا جاتا ہو اس جگہ ہمزہ کو گرادینا جائز ہے اگرچہ مروی اثبات ہو۔
تیسیر ص ۲۷ میں ہے: "ابن كثير والكسائى وسلوا الله من فضله وسل الذين اذا كان امرا مواجها وكان السين والواو والفاء بغير همزة حيث وقع الوجوه فى اتمام القرأت العشرة۔"
حافظ شیخ محمد ص ۱۶۷ میں ہے: "ونقل خلف واسال وفاسئل وسلوا وفاسئلوا كالكسائى۔"
معلوم ہوا کہ واسئلوا کو وسئلوا اور فاسئلوا کو فسلو پڑھنا صرف قاعدے کی رو سے جائز ہی نہیں ہے بلکہ عبد اللہ ابن کثیر دارمی مکی اور علی بن ہمزہ نحوی کسائی کوفی اور خلف ابن ہشام بزاز سے مروی ومنقول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الفرائض ۱۲

مسئلہ از شہر مرسلہ بعض اصحاب اہلسنت بواسطہ مولانا حسن رضا خاں ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا۔ اس کے ایک وارث نے اس کی تجہیز و تکفین وفاتحہ سوم و چہلم کے مصارف اپنے مال سے کئے۔ متروکہ ہندہ سے یہ کل مصارف مجرا دیئے جائیں گے یا نہیں یا بعض؟ اور بعض کون کون سے؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

صرف مصارف تجہیز و تکفین اگر مطابق سنت کے ادا کیا ہو یعنی جس قدر صرف کفن دفن میں ہوا، بشرطیکہ اس میں قدر سنت پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو، اور اگر پانچ کپڑوں یا کفن مثل سے زیادتی کی تو یہ بھی مجرا نہ ہوگا۔ بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا، جو اس نے بطور خود کیا۔

عقود الدریہ میں ہے: خانیہ اور اس میں عیون سے ہے: ”اذا کفن الوارث الميت من مال نفسه والاجنبی لا“۔

و راس میں فتاویٰ القرویہ اور اس میں جمع الفتاوی سے ہے: ”ان کفنه باکثر من کفن المثل لا يرجع لان احد الورثة لا يملكه وهل له ان يرجع فی التركة بقدر كفن المثل قالوا لا يرجع لان اختياره ذلك دليل التبرع اه“۔

اور کفن و دفن کے علاوہ فاتحہ سوم و چہلم وغیرھا کے مصارف مجرا نہ ہوں گے۔

طحطاوی حاشیہ درمختار میں ہے: ”التجهيز لا يدخل فيه السبح والصمدية والجمع والموائد لان ذلك ليس من الامر اللازمة فالفاعل لذلك ان كان من الورثة يحسب عليه من نصيبه ويكون متبرعا وكذا لو كان اجنبيا“ والله تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ ...... ۲۶ رجب المرجب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ میں کہ یہ جواب اور تصحیح صحیح ہیں یا غلط؟ بر تقدیر ثانی صحیح جواب کیا ہے؟ (نقل سوال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی بیماری کی حالت میں ڈھائی مہینہ پیشتر مرنے سے کہا کہ مکان میں نے اپنے پسر زید کو دیا، چاہے مجھ سے لکھوالو۔ اس صورت میں ترکہ ہندہ کا درمیان ایک لڑکی زینب اور پسر زید کے کتنے سہام پر منقسم ہوگا؟ بینوا و توجروا۔

الجواب: اس صورت میں گو ہندہ نے کل مکان پسر کو ہبہ کر دیا مگر مرض کی وجہ سے ہبہ فی الثلث ہوگا اور دو ثلث درمیان

بیٹا بیٹی کے حسب قاعدہ فرائض تقسیم ہوگا هكذا نعلم من الفقه والله تعالیٰ اعلم۔ عبدالوہاب البہاری عفا اللہ عنہ الباری
الجواب صحیح بشرطیکہ قبضہ موہوب لہ کا یا اس کے متولی کا حالت حیات ہندہ پایا گیا ہو۔
محمد یٰسین عفی عنہ مدرس اول مدرسہ سرائے خادم بریلی۔

الجواب

جواب اور تصحیح دونوں غلط ہیں۔ اولاً صورت مسئولہ میں (کہ اپنے وارث کو ہبہ کیا۔) بوجہ مرض ہبہ فی الثلث نافذ ماننا، تمامی نصوص شرعیہ فقہیہ کو پس پشت ڈال کر اجتہاد کی ٹھاننا ہے۔ دعویٰ حنفیت اور نہ صرف حنفیت بلکہ سرگروہ احناف کرام بن کر اس طرح تصریحات علماء احناف کرام سے ڈیڑھ اینٹ کی چننا، فاضل بہاری سے سخت تعجب خیز اور حیرت انگیز امر ہے۔ عبارات کتب تو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ ہبہ بے اجازت مغیرہ دیگر ورثہ محض باطل و بے اثر ہے۔ کیونکہ مرض الموت میں ہبہ، حکم وصیت میں ہے۔
علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود، کنز الدقائق کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۴۳۷ میں فرماتے ہیں: "تحريره في مرض موته وقوله بانه وهبته وصية۔" اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے، لغو ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصہ میں اصلا نافذ نہیں ہوسکتی۔
علامہ سراج الدین اوشی فتاویٰ سراجیہ مطبوعہ مصطفائی کانپور ص ۴۲۴ میں فرماتے ہیں: "الوصية للوارث تنفذ باجازة الورثة بعد الموت۔"
اگر فتاویٰ ومطولات پر نظر نہ تھی تو وقت افتاء حواشی درسیات ہی ملاحظہ فرمائے ہوتے کہ اس میں صاف تصریح فرماتے ہیں: "الوصية للاجانب بالزائد علىٰ الثلث وللاقارب مطلقا بدون الاجازة اه بقدر الحاجة" (السراجی مطبع النظامی ص ۳ هكذا فی حاشية الشريفی المطبوع فی شوکۃ الاسلام لکھنؤ ص ۹)۔
ثانیاً آپ کا دوثلث درمیان بیٹا بیٹی کے تقسیم کرانا، بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ بلکہ برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث و وارث اخر وتقدیم مقدم کل مکان ہندہ کا بموجب "للذكر مثل حظ الانثيين" تین سہام پر منقسم ہوکر، دو سہم پسر اور ایک دختر کو ملے گا۔
ثالثاً مجیب صاحب کا "هكذا يعلم من الفقه" تحریر فرمادینا، عجب دلاوری و بکف چراغے، ہے۔ اجتہاد بے بنیاد اور فقہ کی طرف اسناد؟ حضرت مجیب صاحب! یہ بیٹھو شریف نہیں کہ چونے پر عدم جواز تیمم کا فتویٰ دے کر ساختہ حدیث کے دامن میں چھپ بیٹھے۔ جب کسی نے لقمہ دیا تو فوراً فرمایا! ہاں: وہ حکم فقہ کا ہے اور میں نے حدیث کی رو سے کہا ہے اور پھر حنفی کے حنفی بلکہ سرگروہ احناف کرام۔
رابعاً مصحح صاحب نے اگرچہ حکم شرعی یاد فرما کر بشرطیکہ الخ بڑھا کر مجیب صاحب کی اصلاح چاہی ولكن صدق القائل ؏ لن يصلح العطار ما افسده الدهر

خامساً قبضۂ متولی کی بھی ایک ہی کہی۔ مولانا! نابالغ کے لئے ولی ہوتا ہے اور متولی وقف پر۔ اللھم احفظنا من الغباوۃ و الغوایۃ۔

بالجملۃ کل ترکہ ہندہ تین حصہ ہوکر ایک زینب اور دو حصے زید کو ملیں گے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱- زید نے انتقال کیا۔ دو لڑکا ایک لڑکی اور ایک بیوی وارث چھوڑا۔ ہر ایک وارث کو شرعاً کتنا کتنا حصہ متروکہ چیزوں میں ملے گا؟

۲- زید کی متروکہ اشیاء میں مکان بھی ہے تو کیا مع اس کی زمین کے اس مکان میں لڑکی کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟ اور بصورت شق اول کیوں؟

۳- زید کے وارثوں میں جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی ہے۔ تو کیا اس حاصل کردہ زمین میں لڑکی اور بیوی کو بھی حصہ ملے گا یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۴- زید کے انتقال کے بعد وارثوں نے مکان بنایا۔ اس میں کچھ اسباب مثلاً دھرن، کڑی وغیرہ زید کے بڑے لڑکے کے سسرال کی ہے۔ تو کیا ان اسبابوں میں اور وارثوں کا بھی حصہ ہوگا؟

۵- نمبر ا میں جو ورثاء مذکور ہیں۔ قبل اس کے کہ جائداد متروکہ زید آپس میں تقسیم کی جائے، زید کا بڑا لڑکا نوکری کرتا ہے اور چھوٹا کاشتکاری، بڑے لڑکے نے اپنی نوکری کے ذریعہ سے کچھ زمین حاصل کی تو کیا اس زمین میں کل وارثوں کو حصہ ملے گا یا کسی کو نہیں یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۶- اہلیہ زید نے قبل تقسیم جائداد، اپنی لڑکی سے کچھ روپیہ قرض لے کر شرکت میں خرچ کیا۔ تقسیم جائداد کے وقت زید کے چھوٹے لڑکے نے اپنی والدہ کے کہنے سے اپنے حصہ رسدی قرض کا دو آدمی کے مقابل میں اقرار کر کے اس دین کے بدلے میں اپنی ہمشیرہ کو کچھ زمین ہی زبانی بلا دستاویز دے دیا تھا۔ اب کچھ روز کے بعد زید کا چھوٹا لڑکا اس دین سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس وقت مصلحتاً دین کو لازم کر لیا تھا۔ کیا شرعاً وہ لازم کردہ دین چھوٹے لڑکے پر واجب الادا ہے یا نہیں؟ فقط۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی سید ابوالقاسم دربھنگوی ۲۱ شعبان ۲۴ ستمبر ۱۹۴۰ء

الجواب

۱- کل ترکہ زید کا چالیس حصہ ہوکر ثمن یعنی پانچ حصے بیوی اور سات حصے بیٹی اور چودہ چودہ حصے دونوں بیٹے کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- زید کے ترکہ میں جو کچھ رائی رتی ہوگا، مکان، دوکان، اثاث البیت وغیرہ سب کا سب، ورثاء کو بحصہ رسدی مے

گا۔لڑکی کا حصہ بھی واجب ہے۔قال تعالی:"لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"(النساء : ۱۱) "بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے"۔(کنزالایمان) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ جواب مطابق نمبر۲ ہے۔جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی اور زید کی ملک ہے۔وہ اس کے مرنے کے بعد تمام ورثاء وحصہ مقررہ کے مطابق ملے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

۴۔ زید کے انتقال کے بعد جس وارث کو جو چیز بذریعہ خریداری یا ہبہ،سسرال سے یا کسی جگہ سے حاصل ہو،وہ خاص اس کی ملک ہوگی۔وہ زید کے ترکہ میں دیگر ورثاء کو نہ ملے گی۔واللہ تعالیٰ اعلم

۵۔ بڑے لڑکے نے نوکری کے ذریعہ سے جو زمین حاصل کی اور وہ اس کے نام سے ہے،وہ اس کی ملک ہے۔اس میں کسی دوسرے کو کچھ نہ ملے گا۔اس لئے کہ ترکہ زید کی ملک میں تقسیم ہوگا،نہ اس کے بیٹے کی کمائی اور اس کی حاصل کردہ شئے میں۔واللہ تعالیٰ اعلم

۶۔ جو روپیہ اہلیہ زید نے اپنی لڑکی سے قرض لیا اور جس کے حصے رسدی کا زید کے چھوٹے لڑکے نے اقرار کیا تو بموجب قائدہ مقررہ "المرء یوخذ باقرارہ" وہ دَین اس کے ذمہ واجب ہے۔اس کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے، انکار بے سود ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ازروئے شرع متین اس مسئلہ میں کہ حکیم نظام الدین صاحب نے،جس کو عرصہ بارہ سال ہوا انتقال کیا اور چھوڑا چار لڑکے ایک لڑکی،ایک بیوی کو۔

۲۔ حکیم نظام الدین صاحب نے اپنے حین حیات میں متعدد شادیاں کیں۔ایک بیوی سے ایک لڑکی صدیقہ،ایک بیوی سے ایک لڑکا نصیر الدین،ایک بیوی سے دو لڑکے معین الدین ونعیم الدین اور ایک بیوی سے ایک لڑکا محمد اسحاق اور ایک بیوی مسماۃ منیرن۔حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے وقت بڑے لڑکے نصیر الدین کی عمر تقریباً چوبیس برس تھی اور شادی باپ کی زندگی میں ہو چکی تھی۔باپ کی جگہ پر پیشہ طبابت کرنے لگے۔معین الدین کی عمر بیس سال تھی اور شادی ہو چکی تھی۔اور دو لڑکے نابالغ تھے۔نعیم الدین جس کی عمر بارہ سال تھی اور محمد اسحاق جس کی عمر چھ سال تھی۔صدیقہ کی عمر تیس سال،شادی شدہ تھی۔

۳۔ ازروئے شرع کس کو کتنا ترکہ ملے گا۔بحساب انگریزی آنہ پائی کے لکھا جائے تاکہ تقسیم میں آسانی ہو۔

۴۔ حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تمام جائداد بڑے لڑکے حکیم نصیر الدین کے حصے میں آئی۔اور برابر مطب کی آمدنی سے جو باپ کی راج گدی تھی،فائدہ اٹھا رہے ہیں۔دریافت طلب یہ بات ہے کہ باپ کی گدی اجمال میں شمار کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ فائدہ اور نقصان اسی گدی سے حاصل ہوتا رہا ہے۔یعنی گدی سے جواب تک فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ رقم بھی اجمال میں شامل کردی جائے گی یا نہیں؟

۵- اگر چند شخص مل کر اپنی رائے اور تخمینہ سے بغیر لحاظ شریعت، متوفی کا متروکہ، تقسیم کر دیں تو ایسے اشخاص عنداللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ اور ایسی تقسیم کو ماننا چاہیے کہ نہیں؟ فقط بینوا بالکتاب و توجروا بیوم الحساب

الجواب

حسب ضابطہ فرائض بعد تقدیم مایقدم، کل ترکہ حکیم نظام الدین کا ۷۲ حصے ہو کر ۹ حصے مسماۃ بی بی منیرن زوجہ متوفی اور ۱۴-۱۴- چاروں لڑکے نصیر الدین، معین الدین، نعیم الدین، محمد اسحاق اور ۷/ حصے دختر مسماۃ صدیقہ کو ملیں گے۔ ترکہ میں بڑے چھوٹے، شادی شدہ، کنوارے کی کوئی تفریق نہیں، نہ اولاد میں ایک بیوی یا چند بیویوں سے ہونے میں کچھ فرق ہے۔ سب اولاد ہونے میں برابر ہیں، ترکہ میں بھی برابر ہوں گے۔ جو جائداد یا اشیاء ملک حکیم نظام الدین کی ہے، سب ترکہ میں تقسیم ہوں گے، چاہے کسی کے قبضہ میں ہو۔ اگر کوئی شخص خلافِ شریعت متوفی کا ترکہ تقسیم کرے گا، وہ باطل و بے اثر ہوگا۔ "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" (الانعام: ۵۷/ یوسف: ۴۰/ یوسف: ۶۷) "حکم نہیں مگر اللہ کا"۔ (کنز الایمان) ایسے لوگ عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔ ایسی تقسیم کو ماننا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر سب ورثہ بخود مصالحت کر لیں اور کوئی شخص کم یا زیادہ لینے پر آپس میں بلا دباؤ و اکراہ کے راضی ہوں، تو اس میں مضائقہ نہیں۔ لیکن خلاف شرع کسی کا حصہ کم دینا یا متروکہ مورث میں سے کسی چیز کا، کسی وارث کا دبا لینا اور قبضہ ناجائز کر لینا، صحیح نہیں۔ تخریج مسئلہ کی حسب قاعدہ فرائض اس طرح ہوئی۔ رہا آنہ پائی کے حساب سے مسائل کا مطالبہ کرنا، یہ بے سود اور بے نتیجہ محض ہے۔ اگر ترکہ صرف ایک روپیہ ہوتا تو ایک بات تھی ورنہ پھر پائیوں کی کسرات کو پائی بنانا اور پائیوں سے آنہ کرنا اور ان آنوں کو روپیہ کر کے تقسیم کرنا یہ خود ایک مشکل کام ہوگا۔ لیکن حسب خواہش سائل آنہ پائی بنا کر بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینیر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

مسئلہ، ت ۷۲ حکیم نظام الدین

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
مسماۃ بی بی منیرن	نصیر الدین	معین الدین	نعیم الدین	محمد اسحٰق	مسماۃ بی بی صدیقہ
۹/۹	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷
۲/	۳/۱/۳	۳/۱،۱/۳	۳/۱،۱/۳	۳/۱،۱/۳	۳/۲،۶/۱

یعنی روپیہ میں سے ۲/ حق زوجہ مسماۃ بی بی منیرن کا ہوا اور چاروں لڑکے میں ہر ایک ۳/۱ پائی ۳/۱ یعنی انگریزی پائی کی تہائی اور مسماۃ بی بی صدیقہ دختر کا اس کا نصف ۶/۱ پائی اور انگریزی پائی کا دو تہائی۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع ابوسعید پور، مجید پور، اعظم گڑھ مرسلہ مولوی عبدالکریم خاں حنفی ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب حنفی نے انتقال کیا اور ان کے

ورثاء شیعہ مذہب ہیں اور بعض اہلسنت و جماعت۔ پس متروکہ متوفی موصوف الذکر سے شریعت اہلسنت و جماعت کو ہی دی جائے یا غیر ملت کو بھی؟ بینوا توجروا۔

الجــــــواب

زید کے ورثاء شیعی المذہب اگر حضرات شیخین خواہ ان میں سے ایک کی بھی شان میں گستاخی کرتے ہوں، اگر چہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام وخلیفہ برحق نہ جانتے ہوں یا قرآن شریف میں تحریف وتبدیل کے قائل ہوں یا حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ وائمہ اطہار رضی اللہ عنہم اناء اللیل و اناء النہار کو حضرات انبیاء کرام سابقین علیہم الصلوٰۃ من رب العالمین سے افضل بتاتے ہوں یا روافض کے مجتہدان حال (جنہوں نے اپنے فتووں میں ان کفریات کا اقرار کرلیا ہے) کے پیرو ہوں یا لااقل انہیں دینی عالم وپیشوا جانتے ہوں تو وہ کتب معتمدہ فقہیہ کی تصریحات اور عامہ اہل ترجیح وفتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہیں۔

درمختار، طحطاوی، خلاصہ، خزانۃ المفتیین، فتح القدیر، وجیز امام کردری، جوہرہ نیرہ، تبیین، بدائع، اتحاف الابصار والبصائر، فتاویٰ القرویۃ، واقعات المفتیین، برجندی، فتاویٰ ظہیریہ، مجمع الانہر، شرح کنز ملا مسکین، نظم الفرائد، تیسیر المقاصد، بحر الرائق، حاشیہ علامہ شلبی علی التبیین میں ہے: ”فی الروافض من فضل علیا علیٰ الثلثة فمبتدع و ان انکر خلافة الصدیق او عمر رضی الله عنهما فهو کافر۔“

”رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علی کو خلفاء رضی اللہ عنہم سے افضل کہے، گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔“

امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں بہت سی یقینی اجماعی کفریات بیان کر کے فرماتے ہیں: ”و کذلك من انکر القرآن او حرفا منه او غیّر شیئا منه او زاد فیه۔“

”یعنی اور اسی طرح وہ بھی قطعاً اجماعی کافر ہے جو قرآن شریف یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے یا اس میں کچھ بدلے، قرآن میں اس موجود سے کچھ زیادہ بتاوے“۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

از دفتر بیدا اہل السنت والجماعت بتاریخ ۱۰ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ کیم ماہ بنگلور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری جماعت اہل السنت والجماعت، حنفی المشرب میں زمانہ قدیم سے فاتحہ مروجہ کا رواج چلا آرہا ہے۔ مندرجہ ذیل نمازوں کے بعد دعاؤں میں فاتحہ اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ امام دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے بلند آواز میں الفاتحہ کہتا ہے اور امام کے ساتھ مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ ایک بار، سورۂ اخلاص تین بار پڑھا کرتے ہیں۔ پھر امام اور مقتدی درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کے بعد دعا ختم کرتے ہیں۔ جن نمازوں میں فاتحہ مروجہ پڑھی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) فجر کی نماز کے بعد دعا میں (۲) نماز جمعہ کے بعد سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا میں (۳) خطبۂ نکاح کے بعد دعا میں (۴) نماز جنازہ کے بعد دعا میں (۵) قبرستان میں موتی کی تدفین کے بعد دعا میں۔

تقریباً چار ماہ ہوئے، مسجد کی امامت کے لئے ایک امام صاحب کا تقرر ہوا۔ امام موصوف نے فاتحہ مروجہ کے پڑھنے سے یکسر انکار کر دیا۔ وہ نہ نماز فجر کے بعد دعا میں فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، نہ بعد نماز جمعہ سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد دعاء ثانی میں، نہ خطبۂ نکاح کے بعد دعا میں، نہ نماز جنازہ کے بعد دعا میں، نہ موتی کی تدفین کے بعد دعا میں۔

ہم اہلسنت و جماعت، حنفی المشرب ہیں۔ اس لئے آپ سے ہماری مخلصانہ گذارش ہے کہ فاتحہ مروجہ کے مذکورہ بالا طریقہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق دلائل کے ساتھ روشنی ڈالیں تا کہ حق وصواب ظاہر ہو جائے اور سب لوگ صحیح راہ اختیار کریں۔ بینوا و توجروا

المستفتی غلام دستگیر خان، صدر جمعیت بید اہل السنت والجماعت جنوبی ہند

الجواب

فاتحہ مروجہ مذکورہ فی السوال بلاشبہ جائز ہے۔ اور اس کی اصل احادیث شہیرہ کثیرہ صحیحہ سے ثابت۔ اور اس کے جواز واستحسان پر بہت سی تصریحات علماء کرام ومفسرین عظام ومحدثین فخام وصوفیائے ذوی الاحترام سے قائم ہیں۔ جس میں کلام نہ کرے گا مگر وہابی بے شعور یا منکر مغرور۔ "مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ" (النور: ٤٠) "اور جسے اللہ نور نہ دے، اس کے لیے کہیں نور نہیں"۔ (کنز الایمان)

سورہ فاتحہ کی فضیلت، احادیث میں اس قدر وارد جن سے ادنیٰ اہل علم بھی ناواقف نہیں ہوسکتا۔ اس کو افضل القرآن فرمایا، اس کی قراءت دو ثلث قرآن کے برابر قرار دی، "لا مثل لها في القرآن" اس کی شان میں فرمایا۔

مولانا عبد العزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں: "این سورہ را نامہا بسیار ست۔ از آنجملہ قرآن عظیم زیرا کہ ایں سورہ در جمیع سور اعظم وافضل ست در ثواب"۔

اسی میں ہے: "عبید بن حمید در مسند خود از ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت می کند کہ فاتحۃ الکتاب برابر ثلث قرآن ست در ثواب و در روایات بسیار کہ نزد حاکم ...... الکتاب۔ در شعب الایمان نیز آنہا را تصحیح نمودہ لفظ افضل القرآن در حق ایں سورہ وارد شدہ وابونعیم و دیلمی از ابو الدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحۃ الکتاب کفایت می کند از آنچہ ہیچ چیز کفایت نمی کند و اگر فاتحۃ الکتاب را در یک پلہ ترازو بنہند و تمام قرآن در پلہ دیگر۔ فاتحۃ الکتاب ہفت چند قرآن آید الخ"

اور سورۂ اخلاص کی فضیلت سے تو مسلمان کا بچہ بچہ واقف "قل هو الله احد تعدل ثلث القران" سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اسی لئے فاتحہ مروجہ میں تین مرتبہ پڑھنا معمول کہ قرآن کا ثواب حاصل ہو۔ رواه الامام مالك والامام احمد في مسنده والبخاري وابوداؤد والترمذي عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه ورواه

البخاری عن قتادہ بن النعمان ورواہ مسلم عن ابی الدرداء ورواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی هریرة ورواہ النسائی عن ابی ایوب ورواہ الامام احمد وابن ماجہ عن ابی مسعود الانصاری ورواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، عن معاذ ورواہ الامام احمد عن ام کلثوم بنت عقبة ورواہ البزار عن جابر ورواہ ابو عبیدة عن ابن عباس رضی الله عنهم وفی روایة" من قرء قل هو الله احد فکانما قرء ثلث القران"۔ رواہ الامام احمد والنسائی عن ابی اوفیٰ روایته "من قرء قل هو الله احد ثلث مرات فکانما قرٔ القران اجمع" رواہ العقیلی عن رجاء بن حیوة رضی الله عنهما۔

اور درود شریف کی برکت کا کیا کہنا۔ اس سے محروم سوائے بدنصیب ازلی کے کون ہوگا؟ کہ وہ" یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"۔ (الاحزاب: ٥٦) ''اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔ (کنز الایمان) کی تعمیل حکم ہے۔ درود شریف کی فضیلت میں اتنی حدیثیں وارد کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو مجلدات ہو جائیں۔ غرض فاتحۂ مرجبہ میں تین چیز پڑھی جاتی ہے۔ اور تینوں کا ثواب ابر باراں سے زیادہ وسیع اور آفتاب سے زیادہ روشن۔ رہا ان اوقات خاص میں فاتحہ وقل و درود شریف پڑھنا، یہ کوئی بات پوچھنے کی نہیں۔ اس لئے کہ جو امر شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے بلا قید زمان ومکان واشخاص وارد ہو، اس کو جو شخص جس وقت کرے گا اور جس مکان میں بجالائے گا، سب اسی امر مشروع کا ایک فرد قرار پائے گا جب تک کہ خاص اس کی ممانعت وارد نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں: "اعلم ان المصافحة سنة مستحبة عند کل لقاء وما اعتادہ الناس بعد صلاۃ الصبح والعصر لا اصل له فی الشرع علیٰ هذا الوجه ولکن لا باس به فان اصل المصافحة سنة وکونهم محافظین علیها فی بعض الاوقات ومفرطین علیها فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذٰلک البعض عن کونه من المصافحة التي ورد الشرع باصلها۔"

اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالہ ''الحجة الفائحه بطیب التعیین والفاتحة ''اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری کے رسالہ' عمدة الفاتحة فی ادلة جواز العرس والفاتحة ''اور فقیر غفرلہ کا رسالہ'' مواهب ارواح القدس لکشف حکم العرس ''میں درج ہے۔ من شاء التفصیل فلیراجع الیها والله اعلم ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء

کتبه الفقیر ظفر الدین القادری عفی عنه بمحمد المصطفی النبی الامی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔ ۱۲ ربیع الثانی ۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۶۰ء

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے...... بنک گھر میں جمع تھی۔ اس نے اپنے حقیقی بھائی وارث شرعی کو محروم کرنے کے لئے ایک غیر شخص کے نام ہبہ نامہ عوض حق الخدمۃ کا لکھا کر اس کے رجسٹری کرادی۔ ہنوز وہ دستاویز

ہبہ نامہ اس موہوب لہ کو واپس نہیں ملی اور نہ روپیہ بنک گھر سے اس کو وصول ہوئے۔اب بعد لکھانے اور رجسٹری کرانے کے زید کو خیال آیا کہ میں نے ورثائے شرعی کو محروم کر کے ایک غیر شخص کے نام روپیہ ہبہ کر دیا۔اس واسطے اب وہ اس کو ہبہ کو ناجائز رکھتا ہے اور اس کو فسخ کر کے روپیہ خود وصول کرنا چاہتا ہے۔تو یہ فسخ ہبہ جائز ہے یا نہیں اور وہ اپنے روپیہ کے واپس لینے کا مختار ہے یا نہیں؟اور زید چونکہ دو ماہ سے سخت علیل ہے۔اس وجہ سے یہ ہبہ نامہ غیر شخص کے نام لکھایا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میرے مرنے کے،میرے وارث شرعی مالک ہو جائیں۔بینوا و توجروا۔

الجواب

ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔تو اگر چہ ہبہ نامہ لکھ کر اس کی رجسٹری کرا دی لیکن جب روپیہ بنک گھر سے وصول نہ ہوئے تو یہ ہبہ محض ناتمام و بے اثر رہا۔

درمختار میں ہے:''و تتم الهبة بالقبض الكامل۔''

اسے ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے۔اور اسے ایسا ہی کرنا چاہئے،کہ بلا وجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سخت شنیع ہے۔

حدیث میں ہے:"من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة۔" والله تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

(یہ چار فتاویٰ فائنل پرنٹ نکلنے کے بعد دستیاب ہوئے۔اس لیے موضوعات کا خیال کئے بغیر انھیں ضمیمے کے طور پر شامل کرلیا گیا۔احقر اس سلسلے میں محب گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی زید کرمہ کا ممنون ہے۔۱۲ساحل)

مسئلہ از بہار شریف محلہ خانقاہ مسئلہ مولوی محمد سعید ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

مشفقی مخلصی جناب مولوی ظفر الدین صاحب مدمجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد التماس خدمت ہے چند مسائل یہاں لوگوں میں درپیش ہیں۔ان کو آپ مہربانی کر کے مع سوال اس کا جواب مع عبارات کثیرہ اور حوالہ کتب کے لکھ کر اور جناب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے دستخط اور مہر سے مزین فرما کر بہت جلد ضرور ارسال فرمایئے۔خداوند تعالیٰ اجر جزیل عطا کرے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ (۱) فرائض خمسہ اور نماز عیدین و جمعہ ونوافل میں بعد قرأت فاتحہ کتاب کے ایک ہی رکعت میں ضم سورہ میں ایک ہی سورہ کو دوبار یا تین بار درمیان میں رک جانے کی وجہ سے یا بغیر رک جانے کے عمداً یا سہواً پڑھنے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور برتقدیر سہواً سجدۂ سہو لازم کہ نہیں؟ اگر لازم ہوا اور نہ کیا گیا تو کیا حکم ہے؟ (۳) اور ان سہوں میں تکرار سورۂ خاص، موجب تاخیر رکن کا ہوا کہ نہیں؟ اگر اس سے تاخیر رکن ہوئی تو ترک واجب ہوا یا نہیں؟ (۴) اور لزوم سجدۂ سہو میں سب نمازوں کا حکم مساوی ہے یا عیدین اور جمعہ کے لیے کوئی حکم مخصوص ہے؟ (۵) اور ان سب نمازوں میں سورہ فاتحہ مکرر عمداً یا سہواً پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ (۶) اور سب نمازوں میں سورۂ فاتحہ کا تکرار اور ضم سورہ کا تکرار دونوں برابر ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

مخلص الاخوان واحب الخلان مکرمی اکرمکم اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا سوال کثیر الاذیال چند مسائل کو شامل اور متعدد صورتوں کو مشتمل۔ بعد قرأت فاتحہ ایک ہی رکعت میں سورت دو یا چند بار رک جانے کی وجہ سے پڑھی یا بے رکے برتقدیر ثانی عمداً یا سہواً فان التکرار لا جل الحصر انما یکون عمداً تو یہ تین صورتیں ہیں۔ پھر ان میں ہر ایک فرائض میں ہوگی جن میں جمعہ بھی شامل یا واجبات میں کہ وتر وعیدین کو مشتمل یا سنن مؤکدہ میں کہ تراویح وغیرہ کو متناول یا نفل مطلق میں، یہ چار ہوئیں اور بلحاظ انقسام بہ منفرد وامام و لا ثالث لهما لان المقتدی لا حظ له فی القراءة وازانجا کہ جمعہ وعیدین میں انفراد نامتصور، یہ چار بحق امام چھ کی طرف منحل ہوں گی خمسہ۔ جمعہ عیدین وتر سنن نوافل اور بحق منفرد چار ہی رہیں گی اور مجموعہ تیس صورتیں ہوں گی کما لا یخفی ان سب کا حکم مجمل یہ ہے کہ صور مذکورہ میں سہواً کچھ نہیں اور عمداً غیر فرائض میں منفرد کو مطلقاً جائز۔ ہاں اس کے سبب یہ رکعت اپنی پہلی سے طول فاحش پیدا کرے تو مکروہ تنزیہی اور امام کو مطلقاً ناجائز جبکہ مقتدیوں پر ثقیل کرے رہے۔ فرائض ان میں نفس کراہت علی الاطلاق ہے اور تطویل ہو تو دوہری کراہت اور ثقیل ہو تو امام کے حق میں معصیت۔

عالمگیریہ میں فرمایا: اذا کرر آیة واحدة مراراً فان کان فی التطوع الذی یصلی وحده فذلك غیر مکروه و ان کان فی الصلاة المفروضة فهو مکروه فی حالة الاختیار واما فی حالة العذر والنسیان فلا باس به هکذا فی المحیط.

باقی احکام کے نقول آئندہ آتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان میں کسی صورت میں سجدۂ سہو نہیں۔ فرائض میں عمداً ہوا تو صرف کراہت ہے اور عمد میں سجدۂ سہو نہیں اور سہو پر صاف فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اور ترک واجب ہوتا تو حرج ضرور تھا، نماز میں قصور تھا جس کے جبر و تلافی کو سجدہ لازم تھا۔ ضم سورہ میں تکرار سورہ موجب تاخیر رکن نہیں کہ سورت بہ تکرار، سورت ہی رہے گی نہ کہ کوئی اور صورت۔ اور قرآن عظیم جتنا پڑھا جائے قرآن ہی ہے، نہ کہ فصل بالاجنبی جو مستلزم تاخیر رکوع ہو ولہٰذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر بعد فاتحہ چند سورتوں کو جمع کر کے پڑھے یا سورت کے بعد پھر سورۂ فاتحہ پڑھے تب بھی کچھ واجب نہیں کہ قرأت اولیٰ کے متصل ہی رکوع ضرور نہیں کما سیاتی تصریحه من العلامة الشامی قدس سره السامی تمام نمازوں میں سہو کا ایک ہی حکم ہے مگر مشائخ کرام نے جمعہ وعیدین میں (کہ عادۃً ان کی جماعت بڑی ہوتی، مجمع عام خواص وعوام ہوتا ہے) فتنہ وتشویش بے علماں کے خیال سے بحالت سجدۂ سہو ساقط جانا۔

عالمگیریہ میں مضمرات اور نیز محیط سے ہے: السهو فی الجمعة و العیدین و المکتوبة و التطوع واحد الا ان مشایخنا قالوا لا یسجد للسهو فی العیدین و الجمعة لئلا یقع الناس فی فتنة.

سورۂ فاتحہ مکرر ہونے کی بھی متعدد صورتیں ہیں کہ تکرار صرف قبل سورت کئی بار پڑھنے سے ہوئی یا صرف بعد یا یوں کہ قبل و بعد دونوں جگہ تلاوت کی اور بہرحال سہواً یا عمداً یہ چھ صورتیں ہیں۔ پھر تکرار کسی رکعت غیر لازمة القراءة میں ہوگی کہ خمس غیر الفجر کی ماعدا الاولین ہے یا لازمة القراة میں کہ مذکور کے سوا جملہ رکعات فرائض و واجبات و سنن و نوافل ہیں پھر بلحاظ انقسام بہ منفرد و امام اس تقسیم اخیر کی قسم اول بارہ اور اخیر از انجا کہ حق امام میں نمازیں چھ اور حق منفرد میں چار ہیں کما تقدم ساٹھ جملہ بہتر صور ہوں گی کما لایخفی علی متعلم ذهین فضلا عن فاضل مثلکم فطین ان بارہ میں تکرار مطلقاً موجب سجدۂ سہو نہیں۔

شرح منیہ میں ہے: وقید بالاولین لا ان الا قتصار علی مرة فی الاخرین لیس بواجب حتی لا یلزمه سجود السهو بتکرار الفاتحه فیهما سهوا.

ہاں قصداً ہو تو تکرار در صورت اخیرہ جن میں بعد سورت قرأت فاتحہ ہے مطلقاً ممنوع کہ عکس ترتیب ہے اور صورت اولیٰ امام کے لیے مکروہ تحریمی جب کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو۔

ردالمحتار میں ہے: ولو تعمده لا یکره مالم یؤدالی التطویل علی الجماعة او اطالة الرکعة علی ماقبلها.

درمختار میں ہے: ولو تعمده لایکره مالم یؤدالی التطویل علی الجماعة او اطالة الرکعة علی ماقبلها.

درمختار میں ہے: اطالة الثانیة علی الاولی یکره تنزیها اجماعاً.

ردالمحتار میں ہے: فی شرح المنیة الاصح کراهة اطالة الثانیة علی الاولی فی النفلایضا.

اور ان ساٹھ میں اگر عمداً ہو تو مطلقاً ناجائز و گناہ مگر در صورت اخیر میں کہ تکرار فاتحہ قبل سورت نہیں، صرف ممانعت ہے لترک واجب القراءة نماز کی حاجت نہیں لعدم ترک واجب الصلاة اور صورت اولیٰ میں کہ تکرار قبل سورت ہے اعادہ بھی واجب لترک الواجب وهو ضم السورة اور اگر سہواً ہو تو صورت اولیٰ میں سجدہ آئے گا کمامر اور در صورت اخیرہ میں کچھ نہیں لعدم ترک شی من الواجبات.

ذخیرہ وغیرہ میں ہے: فلو قرء ھافی رکعة من الاولیین مرتین وجب سجود السھولتاخیر الواجب وھو السورۃ و کذالو قراء اکثر ھاثم اعادھا کما فی الظھیریة.

عالمگیریہ میں ہے: ولـو کررھا فی الاولیین یجب علیه سجود السھو بخلاف مالوا عادھا بعد السورۃ او کررھافی الاخریین کذا فی التبیین.

ردالمحتار میں ہے:اما لـو قرء ھا قبل السورۃ مرۃ وبعد ھا مرۃ فلا یجب کما فی الخانیة واختارہ فی المحیط والـظھیریة والخلاصة وصححه الزاھدی لعدم لزوم التاخیر لان الرکوع لیس واجبا باثرالسورۃ فانه لوجمع بین سور بعد الفاتحة لا یجب علیه شی کذا فی الحر.

اسی میں قبیل امامت ہے: انھـم نـصوا ان القراءۃ علی الترتیب من واجبات القراءۃ فلو عکسه خارج الصلاۃ یکرہ فکیف لا یکرہ فی النفل.

اس کے بیان واجبات میں ہے: انھـم قـالـوا یجب الترتیب فی سورالقران فلو قرأہ منکوساائم لکن لایلزمه سجودالسھو لان ذلك من واجبات القرأۃ لامن واجبات الصلاۃ کما فی البحر.

یہیں سے ظاہر ہوا کہ تکرار فاتحہ وتکرار سورت کا حکم مختلف ہے وقد مضی التفصیل علیه التعویل ھذا ماعند ھذا لـعـبـد الـذلیل والعلم بالحق عند ربنا العلی الجلیل وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد واله اجمعین بالتکریم والتجبیل۔واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از ڈھاکہ مشرقی بنگال مرسلہ مولانا حافظ احسن الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد وفات حضرت علیہ ﷺ جو شام چلے گئے تھے وہاں سے پھر واپس تشریف لائے یا نہیں اور مدینۂ منورہ میں شاہزادوں کے حکم سے اذان دی یا نہیں اور وہیں مدفون ہوئے یا نہیں اور قصیدہ حضرت بلال کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الـــجـــواب

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں مگر اکثر کا قول ہے کہ شام میں انتقال فرمایا اور حلب میں مدفون ہوئے۔

اصابہ میں ہے:ثـم خـرج بلال بعد النبی ﷺ مجاھدا الی ان مات بالشام پھر بعد وصال اقدس علیہ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کے لیے شام گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

اسی میں ہے: قـال البـخاری مات بالشام فی زمن عمر امام بخاری نے کہا کہ حضرت بلال نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں شام میں انتقال فرمایا۔

اسد الغابہ میں ہے:وذھـب الی الشام فسکن فیه حتی مات پھر حضرت بلال شام چلے گئے یہاں تک کہ وہیں انتقال فرمایا۔

تقریب التہذیب امام ابن حجر میں ہے:مات بالشام. شام میں انتقال فرمایا۔

اصابہ میں ہے: وفي المعرفة لابن مندة انه دفن بحلب.

اسد الغابہ میں ہے: وقال علي بن عبد الرحمٰن مات بلال بحلب و دفن علی باب الاربعين علی بن عبد الرحمٰن نے کہا کہ بلال نے حلب میں انتقال فرمایا اور باب الاربعین میں مدفون ہوئے۔

اسی میں ایک قول کاتب واقدی کا نقل کیا کہ دمشق میں انتقال فرمایا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے اور ایک روایت میں ہے: بعد شام جانے کے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے فرمایا اے بلال! کیا تجھے اس کا وقت نہیں آیا کہ تو ہماری زیارت کرے۔ پس یہ غمگین ہوکر جاگے اور مدینہ طیبہ کے قصد سے سوار ہوئے اور روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور روتے اور لوٹتے تھے کہ صاحبزادگان حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے حضرت بلال دونوں صاحبوں کو چومتے اور گلے لگاتے پس دونوں نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج صبح کی اذان تم دو پس مسجد کی چھت پر چڑھے اور فرمایا اللہ اکبر گونج اٹھا مدینہ اور جب کہا اشهد ان لا اله الا الله زیادہ ہوا گونجنا اس کا پھر جب کہا اشهد ان محمدا رسول الله پردے والی عورتیں اپنے پردوں سے نکل آئیں ذكرها في اسد الغابة۔ اور قصیدۂ حضرت بلال میری نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از دوست پور ضلع سلطانپور مرسلۂ حاجی عبد اللہ خانصاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد منہدم تھی۔ اس کو ایک شخص نے اس طور پر درست کرا کے چھت پٹوائی جو کہ شہید ہونے والی ہے، بالکل غیر مستحکم۔ راجوں کا بیان ہے کہ یہ بہت جلد شہید ہو جائے گی۔ اسی لئے اہل محلہ چاہتے ہیں کہ چھت کو گرا کر دیواروں پر کھپریل ڈلوادیں تاکہ دیواریں بھی محفوظ رہیں اور سایہ بھی ہو جائے۔ آیا ان کو یہ کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

وقف کی تعمیر اسی طرح چاہیئے جس طرح اصل میں تھی كما نص عليه في الاشباه وفتح القدير وغيرهما تو اگر اہل محلہ استطاعت رکھتے ہیں کہ کمزور چھت کو مستحکم کر دیں یا اسے اتار کر مضبوط الحکم چھت بنوادیں تو چھت ہی بنوائیں اور اگر استطاعت نہیں اور چھت کے گر جانے کا ظن غالب ہے تو جائز ہے کہ اس کے بدلے کھپریل ڈلوادیں پھر جب استطاعت ہو اس وقت بنوائیں والله يعلم المفسد من المصلح .

مضمرات پھر ہندیہ پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے: مسجد مبنی اراد رجل ان ينقضه ويبنيه احكم ليس له ذلك لانه لا ولاية له اه .

ردالمحتار پھر تاتارخانیہ میں ہے: الا ان يخاف ان ينهدم ان لم يهدم ۔ والله تعالىٰ اعلم

مسئلہ از اٹاوہ مرسلۂ مولانا مولوی عبد المصطفیٰ وصی علی صاحب

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک زوج و زوجہ میں کسی امر خانگی پر ضد بڑھ گئی۔ زوج نے کہا دیکھو اگر تم میرا کہنا نہ مانوں گی تو میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں۔ اس پر زوجہ نے سخت کلامی کی۔ زوج نے کہا تم پر طلاق ہے۔ جب دونوں کا غصہ فرو ہو چکا تو سخت پشیمان ہوئے۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ یہ تین طلاقیں مانی جائیں گی یا صرف پچھلی ایک طلاق مانی جائے گی کیونکہ اوّل دو بار میں محض طلاق کا قصد اور آمادگی پائی جاتی

ہے، نہ صریح طلاق۔ البتہ تیسری بار میں طلاق صریح ہے۔ پس یہ طلاق رجعی ہوئی یا نہیں اور شوہر پھر رجوع کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ طلاق بائن ہے تو کس قسم کی ہے؟ آیا شوہر زوجہ سے پھر نکاح کر سکتا ہے یا حتی تنکح زوجاً غیرہ کی حد میں آگئی؟

(۲) حیوان قربانی کا پوست وکلہ و پارچہ وامعاء وغیرہ فروخت کر کے قیمت اس کی نذر تعمیر مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) قربانی کا جانور ایسے فروخت کرنے والے سے خرید کر سکتا ہے کہ فروشندۂ جانور مذکور خریدار کا مقروض ہے۔ زر قرضہ میں قیمت حیوان قربانی کی خریدار محسوب کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) قصاب کو قبل ذبح قربانی کے صاف کرنے اور بنانے کی اجرت معین کر لینی چاہیئے یا بعد قربانی کرنے کے بطور خود قصاب مذکور کو اس کی اجرت دی جائے صور تہائے مذکورہ میں مفصل طور پر ارشاد فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب

(۱) صرف ایک طلاق رجعی ہوئی کہ دونوں پہلے قول اس کے تعلیق تطلیق ہیں نہ تعلیق طلاق اور ان سے عرفاً ارادۂ عزم ظاہر ہے اور دونوں بار دیکھو کا لفظ معنی تخویف کی طرف ناظر ہے ولا یثبت الطلاق بالشك ہاں! اس سے بہ نیت ایقاع طلاق یہ کہے تو طلاق مغلظہ ہوگئی۔ اب بے حلالہ حلال نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کر سکتے ہیں اگر مسجد کے لیے بیع کیا ہو اور اپنے لئے بیچا پھر ارادہ مسجد میں دینے کا کر لیا تو نہیں دے سکتا بلکہ فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے لانہ حصل بوجہ خبیث.

عالمگیریہ میں ہے: ویتصدق بروثها اه واذا كان هذا بالروث فالتصدق بالاطراف وغيرها اولىٰ اور ظاہر ہے کہ اس تصدق سے مراد صدقۂ واجبہ نہیں بلکہ نافلہ ہے جو جمیع قربات کو شامل کما حققته فی رسالتی اعلام الساجد بصرف جلود الاضحية الى المساجد۔ والله تعالىٰ اعلم

(۳) ہاں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) قبل ذبح یا بعد ذبح کے اختیار ہے، البتہ قبل بنانے کے مقرر کر لینا چاہیئے۔

عالمگیریہ کتاب الاجارہ شرائط انعقاد اجارہ میں ہے: ومنها ان تكون الاجرة معلومة.

اجرت دینے میں اس کا ضرور خیال رہے کہ اجرت اپنے پاس سے دے۔ اضحیہ کے گوشت یا پوست سے ادائے اجرت صحیح نہیں۔

ہدایہ میں ہے: ولا يعطى اجر جزار من الاضحيه لقوله ﷺ لعلى رضى الله عنه تصدق بجلالها و خطامها ولا تعط اجر الجزار منها شيئا. اضحیہ کی جھول اور مہار کو صدقہ کر دے اور اس سے کچھ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔ رواه الائمة الستة الا الترمذى عنه رضى الله تعالىٰ عنه۔ والله تعالىٰ اعلم

☆☆☆☆☆

کتابیات

مآخذ ومراجع

تفسیر

نمبر	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	سن وفات
۱	افضل القران	شہاب الدین احمد ابن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۲	البحر المحیط	شیخ اثیر الدین ابو حیان محمد ابن یوسف اندلسی	۷۴۵ھ
۳	تفسیر ابن ابی حاتم	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷ھ
۴	التفسیر لابن جریر طبری (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ
۵	التفسیر لابن کثیر	علامہ اسمٰعیل بن عمر دمشقی	۷۷۴ھ
۶	تفسیر ابن مردویہ	احمد بن موسیٰ ابن مردویہ	۴۱۰ھ
۷	التفسیر لابی السعود (ارشاد السلیم)	علامہ ابو السعود محمد بن محمد العمادی الحنفی	۹۸۲ھ
۸	التفسیرات الاحمدیہ	احمد بن ابو سعید معروف بہ ملا جیون	۱۱۳۰ھ
۹	تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۱۰	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۰۰۴-۹۱۱ھ
۱۱	تفسیر جمل علی الجلالین	سلیمان ابن عمر العجیلی معروف بہ جمل	۱۲۰۴ھ
۱۲	التفسیر الحسینی	شیخ یحیٰی بخاری گجراتی بن محمود ابن محمد الحسینی	
۱۳	التفسیر للخازن (لباب التاویل فی معانی التنزیل	علاء الدین علی بن محمد الخازن	۷۴۱ھ
۱۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسمٰعیل حقی	
۱۵	تفسیر الصاوی علی الجلالین	شیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی	
۱۶	تفسیر الفتوحات الربانیہ	عبد العزیز الحکیم	

۱۷	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
۱۸	التفسیر الکشاف	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸ھ
۱۹	التفسیر للنیشاپوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشاپوری	۷۲۸ھ
۲۰	تفسیر النہر المارمن البحر	شیخ اثیر الدین ابوحیان محمد ابن یوسف اندلسی	۷۴۵ھ
۲۱	التفسیر للواحدی	امام علی بن احمد بن محمد ابوالحسن الواحدی نیشاپوری	۴۶۸ھ
۲۲	التفسیر الیمنی		
۲۳	تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس	ابوطاہر محمد ابن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ
۲۴	جامع احکام القران	قاضی ابوعبداللہ محمد بن احمد ابوبکر بن عربی قرطبی مالکی	۶۷۱ھ
۲۵	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۲۶	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ قونوی	
۲۷	الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی	۹۱۱ھ
۲۸	روح المعانی	سید محمود بن عبداللہ الآلوسی البغدادی	۱۲۷۰ھ
۲۹	فتح البیان فی مقاصد القرآن	صدیق حسن خان بھوپالی	۱۳۰۷ھ
۳۰	فتح الرحمان لطالب آیات القرآن	فیض اللہ علمی زادہ	
۳۱	مدارک التنزیل	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۳۲	معالم التنزیل	ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ

حدیث

۱	اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	۱۲۰۵ھ
۲	احیاء علوم الدین	امام ابوحامد محمد ابن محمد غزالی	۵۰۵ھ
۳	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۴	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۵	الاستیعاب	ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی	۴۶۳ھ
۶	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ

۷	الافراد	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸ھ
۸	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود ابوعبیدہ بن حسن بغدادی معروف بہ ابن النجار	۶۴۳ھ
۹	التاریخ	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۱۰	التاریخ للبغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۱۱	تاریخ دمشق	علامہ علی بن الحسن معروف بہ ابن عساکر دمشقی	۵۷۱ھ
۱۲	التاریخ	عبدالجبار الخولانی	
۱۳	التذکرۃ للقرطبی	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱ھ
۱۴	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶ھ
۱۵	التعلیق المجد حاشیہ الموطا امام محمد	ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی	۱۳۰۴ھ
۱۶	جامع البرکات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۷	جامع الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ
۱۸	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
۱۹	الجامع الصغیر فی الحدیث	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ
۲۰	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۲۱	الدر المنظیم فی مولد النبی الکریم	علامہ سیف الدین ابوجعفر بن عمر الحمیری الحنفی	
۲۲	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ
۲۳	دلائل النبوۃ	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۲۴	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ
۲۵	سنن ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۲۶	سنن بیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۲۷	سنن دارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵ھ
۲۸	سنن دارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵ھ
۲۹	سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ
۳۰	شرح ابن ماجہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ

۳۱	شرح جامع ترمذی	محمد ابوالطیب سندھی	۱۱۰۹ھ
۳۲	شرح جامع صغیر	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۳۳	شرح الشفا	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۳۴	شرح المسلم	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ
۳۵	شرح موطا امام مالک	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۳۶	شرح المواہب اللدنیہ	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۳۷	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۳۸	الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی	۵۴۴ھ
۳۹	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶ھ
۴۰	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴ھ
۴۱	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۴۲	صحیح المسلم	امام مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱ھ
۴۳	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد	۳۲۰ھ
۴۴	طبقات اصفہانیین		
۴۵	طیبی شرح مشکوٰۃ	شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی	۷۴۳ھ
۴۶	عقود الجواہر المنیفہ فی روایۃ الامام ابی حنیفہ	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	۱۲۰۵ھ
۴۷	عون المعبود علی سنن ابی داؤد	ابوالطیب شمس الحق بن شیخ امیر علی عظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
۴۸	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۴۹	فتح المغیث	امام محمد ابن عبدالرحمٰن سخاوی	۹۰۲ھ
۵۰	فوائد ابن ابی بکر بن خلاد	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰ھ
۵۱	القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ/ مترجم خرم علی بلہوری	۱۱۷۶ھ
۵۲	الکامل	ابواحمد عبداللہ ابن عدی	۳۶۵ھ
۵۳	کتاب الآثار	امام محمد ابن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۵۴	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن ابی دنیا القرشی	۲۸۱ھ

۵۵	کتاب الصحابہ	ابو موسیٰ المدینی	
۵۶	کتاب العلل	ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷ھ
۵۷	کتاب الفتن	نعیم ابن حماد	
۵۸	کتاب القبور	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸ھ
۵۹	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵ھ
۶۰	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر صدیقی	۹۸۱ھ
۶۱	مرقات شرح مشکوٰۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۶۲	مسند امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۶۳	مسند امام اعظم	امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰ھ
۶۴	مسند ابن ابی شیبہ	ابو بکر بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ
۶۵	مسند ابو یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
۶۶	مسند ابو داؤد طیالسی	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴ھ
۶۷	مسند البزار	ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲ھ
۶۸	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸ھ
۶۹	المستدرک	ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵ھ
۷۰	المسویٰ شرح الموطا	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ
۷۱	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲ھ
۷۲	مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ	ابو بکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵ھ
۷۳	مصنف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱ھ
۷۴	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۵	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۶	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۷۷	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۷۸	الموضوعات الکبیر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ

۷۹	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹ھ
۸۰	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹ھ
۸۱	نسیم الریاض	شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۸۲	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	امام ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵ھ
۸۳	وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ	علی بن عبد اللہ سمہودی	

عقائد، اصول، فقہ

۱	الابانہ	للسنجری	
۲	اتحاف الابصار والبصائر		
۳	اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴	ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	
۵	اسعاف المبطا برجال الموطا	جلال الدین عبد الرحمن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ
۶	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم	۹۷۰ھ
۷	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰ھ
۸	الجام الصاد عن سنن الضاد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹	امداد المسلمین		
۱۰	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرطوسی	۷۵۸ھ
۱۱	ایذان الاجر فی اذان القبر	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۲	الایضاح		
۱۳	الباعث علی انکار البدع والحوادث	امام حافظ ابو محمد عبد الرحمن سخاوی	۹۰۲ھ
۱۴	البحر الرائق شرح کنز الدقائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم (ابن نجیم)	۹۷۰ھ
۱۵	بدائع الصنائع	علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷ھ
۱۶	براہین قاطعہ	خلیل احمد انبیٹھوی	۱۳۴۶ھ
۱۷	برکات الامداد لاہل الاستمداد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ

۱۸	البنایہ شرح ہدایہ	امام بدرالدین ابومحمد عینی	۸۵۵ھ
۱۹	تبیین الحقائق	امام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ
۲۰	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ
۲۱	تحذیرالناس	مولوی قاسم نانوتوی	۱۲۹۷ھ
۲۲	تذکرۃ الموتی والقبور	قاضی ثناءاللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۲۳	ترغیب الصلوٰۃ		
۲۴	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۵	تصحیح المسائل	علامہ فضل رسول بدایونی	۱۲۸۹ھ
۲۶	تعالیق قاسم بن قطلوبغا	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۷	تعلیم المتعلم	امام برہان الاسلام زرنوجی تلمیذ صاحب ہدایہ	
۲۸	تفہیم المسائل		
۲۹	تقویۃ الایمان	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۳۰	تکملۃ الرازی		
۳۱	تنبیہ الولاۃ		
۳۲	تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ	علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۳۳	تنویرالابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ ابن احمد تمرتاشی	۱۰۰۴ھ
۳۴	توضیح تلویح	علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۳۵	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱ھ
۳۶	تیسیر المقاصد		
۳۷	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲ھ
۳۸	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل معروف بہ ابن قاضی	۸۲۳ھ
۳۹	جامع المضمرات		
۴۰	جدالممتار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۱	جواب استفتائے رویت ہلال	امیر شریعت اول، پھلواری شریف، پٹنہ	

۴۲	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	
۴۳	الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّادی الیمنی	۸۰۰ھ
۴۴	حاجز البحرین الواقی عن الجمع بین الصلاتین	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۵	حاشیۃ الدر المختار	علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی	۱۰۶۷ھ
۴۶	حاشیۂ درر	محمد بن مصطفیٰ ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶ھ
۴۷	حاشیہ شرح عقائد	علامہ حسن شہید	
۴۸	حاشیہ شرح عقائد	علامہ احمد بن موسیٰ خیالی	۸۶۲ھ
۴۹	حاشیۃ الشریفی للسراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶ھ
۵۰	حاشیۃ العلامہ الشلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱ھ
۵۱	حاشیۂ کنز الدقائق	قاضی القضاۃ ابوالسعود بن محمد عمادی حنفی	۹۸۲ھ
۵۲	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن نوح القابسی	۶۰۰ھ
۵۳	الحجۃ الفائحہ بطیب التعیین والفاتحہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵۴	الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ	علامہ عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳ھ
۵۵	الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵۶	حسن التوسل	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۹۷۳ھ
۵۷	حلیۃ المجلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹ھ
۵۸	خزانۃ المفتیین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۴۰ے ھ کے بعد
۵۹	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۶۰	درر الحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵ھ
۶۱	الدر المختار علی تنویر الابصار	علامہ علاء الدین الحصفکی	۱۰۸۸ھ
۶۲	الدر المنتقی شرح الملتقی		
۶۳	ذخیرۃ العقبیٰ	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵ھ
۶۴	رد المحتار علی الدر المختار	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۶۵	روح المسائل فی الفروع	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ

۶۶	زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۶۷	زیادات امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۶۸	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	
۶۹	السراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی
۷۰	سل الحسام الھندیۃ		
۷۱	سلک تحقیق الحقیقۃ	مطبوعہ گلزار حسینی بمبئی	
۷۲	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن البیری	۱۰۹۹ھ
۷۳	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱ھ
۷۴	شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱ھ
۷۵	شرح العقائد	سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۷۶	شرح العقائد	علامہ جلالی	
۷۷	شرح عباب		
۷۸	شرح عقود رسم المفتی	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۷۹	شرح الفقہ الاکبر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۸۰	شرح القدوری	علامہ محمود زاہدی	
۸۱	شرح حاشیۃ الکنز	ملا مسکین معین الدین الہروی	۹۵۴ھ
۸۲	شرح اللباب		
۸۳	شرح المجمع		
۸۴	شرح مختصر وقایہ	محمود بن الیاس رومی (۸۵۱ھ میں مکمل کی)	
۸۵	شرح مختصر وقایہ	عبدالعلی برجندی (۹۳۲ھ میں مکمل ہوئی)	
۸۶	شرح المقاصد	سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۸۷	شرح مسلم الثبوت	علامہ عبدالحق خیرآبادی	۱۳۱۶ھ
۸۸	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷ھ
۸۹	شرح وہبانیہ	علامہ محمد بن محمد ابن شحنہ	۸۹۰ھ

۹۰	شرعۃ الاسلام	امام رکن الاسلام محمد ابن ابوبکر	۵۷۳ھ
۹۱	شرنبلالیہ	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۹۲	صراط مستقیم	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۹۳	صغیری شرح منیۃ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶ھ
۹۴	الصواعق المحرقہ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳ھ
۹۵	طحطاوی علی الدرر	سید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۳۰۲ھ
۹۶	طحطاوی علی المراقی	سید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۳۰۲ھ
۹۷	طریقہ محمدیہ ترجمہ درروہیہ		
۹۸	العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹۹	عقود الدریۃ	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۰۰	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی	۱۳۰۴ھ
۱۰۱	عمدۃ الفاتحۃ فی ادلۃ جواز العرس والفاتحۃ	مولانا سلامت اللہ رامپوری	
۱۰۲	العنایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶ھ
۱۰۳	عینی شرح کنز	علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵ھ
۱۰۴	غررالاحکام	قاضی محمد ابن فراموز ملاخسرو	۸۸۵ھ
۱۰۵	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸ھ
۱۰۶	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد حلبی	۹۵۶ھ
۱۰۷	فتاویٰ اسعدیہ	سید اسعد بن ابی بکر حسینی مدنی	۱۱۱۶ھ
۱۰۸	فتاویٰ آہو		
۱۰۹	فتاویٰ بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷ھ
۱۱۰	فتاویٰ تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدھلوی	۷۸۶ھ
۱۱۱	فتاویٰ الحجۃ		
۱۱۲	فتاویٰ حدیثیہ	احمد بن محمد بن حجر الہیتمی	۹۷۳ھ
۱۱۳	فتاویٰ خلاصہ	طاہر ابن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ

نمبر	کتاب	مصنف	وفات
۱۱۴	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	علامہ خیر الدین ابن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱ھ
۱۱۵	فتاویٰ رحمانیہ		
۱۱۶	فتاویٰ رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
۱۱۷	تفسیر السراج المنیر	محمد الخطیب الشربینی	۹۷۷ھ
۱۱۸	فتاویٰ سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵ھ
۱۱۹	فتاویٰ عزیزیہ	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۲۰	فتاویٰ شیخ الاسلام البلقینی		
۱۲۱	فتاویٰ صوفیہ		
۱۲۲	فتاویٰ ظہیریہ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹ھ
۱۲۳	فتاویٰ عالمگیریہ	جمعیت علمائے اورنگ زیب	
۱۲۴	فتاویٰ مولانا عثمان حسن دمیاطی	مولانا عثمان حسن دمیاطی	
۱۲۵	فتاویٰ علامہ قاری الہدایۃ	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶ھ
۱۲۶	فتاویٰ غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۲۷	فتاویٰ قاضی خان	امام حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲ھ
۱۲۸	فتاویٰ الکبریٰ لصدر الشہید		
۱۲۹	الفتاویٰ القرویۃ		
۱۳۰	الفتاویٰ الولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الوالوالجی	۵۴۰ھ
۱۳۱	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد (بہ ابن الہمام)	۸۶۱ھ
۱۳۲	فتح اللہ المعین	سید محمد ابوالسعود الحنفی	
۱۳۳	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶ھ
۱۳۴	فواتح الرحموت	بحر العلوم عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵ھ
۱۳۵	فوائد متفرقہ		
۱۳۶	فیصلہ ہفت مسئلہ	حاجی امداد اللہ مہاجر مکی	۱۳۱۷ھ
۱۳۷	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸ھ

۱۳۸	القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم	علامہ شمس الدین بن القطان	
۱۳۹	القہستانی		
۱۴۰	الکافی شرح الوافی	ابوالبرکات عبداللہ بن محمد النسفی	۷۱۰ھ
۱۴۱	کشف الغمۃ عن جمیع الامہ	امام عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳ھ
۱۴۲	کشف الاصول	امام فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی	۴۸۲ھ
۱۴۳	کنز الدقائق	امام عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰ھ
۱۴۴	لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۴۵	مائۃ مسائل	مولوی اسحاق دہلوی	۱۲۶۲ھ
۱۴۶	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۴۷	مبسوط سرخسی	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳ھ
۱۴۸	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان معروف بہ داماد آفندی	۱۰۷۸ھ
۱۴۹	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۵۰	مجمع الروایات		
۱۵۱	مجمع الفتاویٰ		
۱۵۲	المحاکمۃ الملیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۵۳	المحیط	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶ھ
۱۵۴	المحیط للسرخسی / المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱ھ
۱۵۵	المختار		
۱۵۶	مختار الفتاویٰ		
۱۵۷	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
۱۵۸	المدخل	ابوعبداللہ محمد ابن محمد ابن امیر الحاج العبدری	۷۳۷ھ
۱۵۹	مراقی الفلاح بامداد الفتاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۶۰	مسائل اربعین	مولوی اسحاق	۱۲۶۲ھ
۱۶۱	مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق	ابوالقاسم بن بکر لیثی سمرقندی	

نمبر	کتاب	مصنف	وفات
۱۶۲	المستطرف		
۱۶۳	المسلک المتقسط شرح منسک المتوسط	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۶۴	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹ھ
۱۶۵	مصباح الدجیٰ	امام حسان بن محمد صغانی ہندی	۶۵۰ھ
۱۶۶	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹ھ
۱۶۷	مغنی المستفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۶۸	ملتقط (فی فتاویٰ ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶ھ
۱۶۹	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶ھ
۱۷۰	مناسک الفارسی		
۱۷۱	منحۃ الخالق	سید محمد امین بن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۷۲	المنح الفکریۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۷۳	المنسک المتوسط	رحمت اللہ بن قاضی عبد اللہ سندھی	۹۶۲ھ
۱۷۴	المنیۃ/منیۃ المصلی	سید محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵ھ
۱۷۵	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبد الرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۱۷۶	المواہب	علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی	
۱۷۷	نسخۃ الخلائق		
۱۷۸	النظم	زندویستی	
۱۷۹	نظم الفرائد	عبد الرحیم شیخ زادہ	
۱۸۰	النقایۃ مختصر الوقایۃ	امام عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵ھ
۱۸۱	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۸۲	نور الشمعۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۳	النہی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۴	الوافی	عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰ھ
۱۸۵	واقعات المفتیین		

۱۸۶	الوجیز للکردری	بدر الدین محمد بن محمود الکردری خواہرزادہ	۶۵۱ھ
۱۸۷	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳ھ
۱۸۸	الوقف والابتدا	ابوجعفر نحاس	۳۳۸ھ
۱۸۹	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ

سیرت، تصوف وغیرہ

۱	الابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز		
۲	احسن الوعا لآداب الدعا	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۳	ازاقۃ الآثام لمانعی عمل المولد والقیام	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۱۲۹۷ھ
۴	الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۵	بہجۃ الاسرار شریف	یوسف بن جویر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳ھ
۶	التیسیر	علامہ ابوعمر وعثمان حرانی	۴۴۴ھ
۷	جامع الاصول فی الاولیاء وانواعہم	ضیاالدین احمد مصطفیٰ کمشخانوی مجددی	
۸	الجوہر المنظم فی زیارۃ قبر النبی المکرم	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۹۷۳ھ
۹	رسالہ طیبہ	حافظ محمد ابی جزری	
۱۰	ذیل المدعا لاحسن الوعا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۱	سبع سنابل شریف	میر عبدالواحد بلگرامی	۱۰۱۷ھ
۱۲	شاطبیہ	علامہ شاطبی	۵۹۰ھ
۱۳	عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر	سید جعفر برزنجی شافعی	
۱۴	فوائد الفواد شریف	محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا مرتبہ حضرت امیر علاء سنجری	۷۲۵ھ ۱۳۳۶ء
۱۵	شرح البردۃ	شیخ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۷ھ
۱۶	شرح البردۃ	علامہ خالد الازہری	
۱۷	شرح البردۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ

۱۸	شرح عین العلم	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۹	قصیدہ بردہ شریف	امام ابو عبد اللہ محمد بن سعید بن حسن بوصیری	۶۹۶ھ
۲۰	قصیدہ دالیہ	سیدی ابو الحسین حمدونی شاذلی	
۲۱	قصیدۂ غوثیہ	محبوب سبحانی محی الدین ابو محمد سید عبد القادر جیلانی	۵۶۱ھ
۲۲	قوت القلوب	امام ابو طالب مکی	۴۳۷ھ
۲۳	القول المنجی علی مولد البرزنجی	مفتی مالکیہ شیخ محمد بن احمد	
۲۴	کشف القناع عن اصول السماع	مولانا فخر الدین زرادی خلیفہ محبوب الٰہی	
۲۵	کنز العلوم واللغۃ		
۲۶	الکوکب الانور علی عقد الجوہر	جعفر بن اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷ھ
۲۷	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱ھ
۲۸	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۲۹	مکتوبات مجدد الف ثانی	مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ
۳۰	ملفوظات	سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت	
۳۱	ملفوظات عزیزی	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۳۲	ملفوظات	مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری	۷۸۲ھ
۳۳	النفحۃ العنبریہ لاثبات القیام فی مولد خیر البریۃ	امام مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ
۳۴	نفحات الانس	علامہ عبد الرحمٰن جامی	۸۹۸ھ

☆☆☆☆☆

[ملک العلما کے دست مبارک سے تحریر شدہ ایک فتوے کا عکس]

(۴۹) یہ حدیث صحیح میں بہ نظر فقیر نہیں گزری بلکہ ان لفظوں سے سنن ابی داود و ابن ماجہ میں حضرت
عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند ضعیف مروی ہے۔ پھر ترمذی شریف میں ابو امامہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں ان لفظوں سے مروی ہے ثلاثة لا تجاوز صلاتهم آذانهم العبد الآبق حتى يرجع وامرأة
باتت وزوجها عليها ساخط وامام قوم وهم له كارهون امام ترمذی نے فرمایا حسن غریب۔ نیز طبرانی نے
معجم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا ايما رجل ام قوما وهم له كارهون
لم تجز صلاته نیز طبرانی شریف میں حضرت جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لفظوں سے مروی ہے من ام
قوما وهم له كارهون فان صلاته لا تجاوز ترقوته نیز جمع الجوامع پھر کنز العمال میں بروایت ابو سعید حضرت
علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انه اتاه قوم برجل فقالوا ان هذا يؤمنا ونحن له كارهون فقال له انك لخروط
اتؤم قوما وهم لك كارهون نیز اس حدیث کو مصنف عبدالرزاق نے علی بن ابی طالب اور اسود بن ہلال
سے معناً روایت کیا ہے۔ پس حدیث ابی داود اگرچہ ضعیف ہے مگر بوجہ تعدد طرق بعضہا ببعض لا اقل
حسن ٹھہر گئی۔ حدیث مذکور اگرچہ بظاہر تحریم و نفی حصول ثواب نماز پر دال ہے مگر علما نے بعض اس پر محمول
کر کے کراہت کی طرف گئے ہیں اور بعضوں نے تہدید پر حمل کر کے کراہت کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر یہ کراہت اسی
صورت میں ہے جب کراہت و نفرت کسی امر دینی و سبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصومت یا نفسانیت
کی وجہ سے کراہت کا اصلاً اعتبار نہیں بلکہ اب خیال خود ہی مذموم ہے کما فی الدر المختار شرح جامع صغیر
میں حدیث ترمذی نقل کر کے لکھا وهم له كارهون بمعنى مذموم شرعا لان الامامة تقدمة والاستشفاع بعبد
دون من يحبه تقدمه توہمات سے امام بننا اور نماز پڑھانا مکروہ بننا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کلمات رضا

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی
کا مکتوب گرامی بنام ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور

"مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ، فقیر کے یہاں اعز طلباء سے ہیں اور بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدارس کے علاوہ کار افتا رمیں میرے معین ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب سے زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

- سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں
- عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں
- مفتی ہیں
- مصنف ہیں
- واعظ ہیں
- مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں
- علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں

امام ابن حجر مکّی نے "زواجر" میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے، فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔"

(حیات ملک العلماء ص ۳)

المجمع الرضوی، ۸۲/ سوداگران بریلی شریف (یوپی)

مکتبہ نبویہ ۔ گنج بخش روڈ ۔ لاہور (پاکستان)